تحفۃً از
جناب علامہ مضطر عباسی

باسمہٖ تعالیٰ شانہٗ

# مکتوباتِ شیخ الاسلام

## حصہ اول

مرتبہ
مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا الحاج الحافظ السید حسین احمد مدنی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کے اُن خطوط کا مجموعہ جو اُنھوں نے اپنے دوستوں، عزیزوں اور
ارادت مندوں کو لکھے۔ جن میں مذہبی، علمی، فقہی، ملکی، سیاسی خیالات و افکار و مسائل کا عظیم الشان
ذخیرہ موجود ہے

شائع کردہ
سید حامد میاں عفا اللہ عنہ امیر انجمنِ جامعہ مدنیہ لاہور
واحد تقسیم کنندگان
اُردو بک سٹال، بیرون لوہاری دروازہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مُقدّمہ

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہِ الذین اصطفیٰ - امّا بعد - امت مرحومہ کا کوئی قرن علمائے ربانی اور رجال حقانی سے خالی نہیں گذرا، ہر دور میں بڑے بڑے رجال علم موجود رہے ہیں جنہوں نے آفتاب و ماہتاب بن کر گہری تاریکیوں میں امت کو راہ حق دکھائی، صراط مستقیم پر ڈالا اور اپنی اپنی معنوی روشنی کی قدیرِ حق کو کبھی بھی باطل کی اندھیریوں میں چھپنے نہیں دیا بلکہ شریعت اسلام کی سدابہار روشنی کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سچی خبر کو لیلہا ونہارہا سواء سچا کر دکھلانے میں ان ہی نورانی حضرات کا ید بیضاء کام کرتا رہا ہے۔ مگر پھر بھی ان میں ایسے جو جامع علوم ہی نہیں بلکہ جامع شئون بھی ہوں گنے چنے ہی رہے ہیں جنہوں نے اپنی روشنی سے افراد امت کو دین کے ہر ہر جلی اور خفی گوشہ کی نشاندھی کی اور عملی طور پر امت کو جامعیت کے ان گوشوں پر چلایا۔ گویا ارادۂ طریق کے ساتھ من اللہ ایصال الی المطلوب کا فیصلہ بھی ثابت ہوئے

الحمد للہ کہ یہ قرن بھی جو باوجود عہد نبوت سے بعید تر اور عہد تجدید سے دور ہو جانے کے سبب صدہا الوان تاریکیوں اور فتنوں کا مجموعہ ہے ایسے جامع اور ربانی علمائے خالی نہیں جن کو جامعیت اجتماعیت اور جمعیۃ کی شانوں سے نوازا گیا ہے اور ان غیر معمولی کمالات کے سبب انہیں من جانب اللہ قبول عام کی دولت عطا ہوئی ہے انہی گنے چنے نفوس قدسیہ میں سے حضرت اقدس مولانا الحافظ الحاج السید

حسین احمد مدظلہ العالی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی ذات ستودہ صفات بھی ہے جو اپنے مخصوص فضائل و کمالات کے لحاظ سے بلاشبہ ایک فرد منفرد ہستی ہے آپ صرف عالم دین ہی ہیں بلکہ عارف باللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی ہیں، آپ کا علم عارفانہ، عمل مجاہدانہ اور اخلاق درویشانہ اور متضاد احوال و مقامات کو دامن میں لئے ہوئے ہیں ایک ہی وقت میں آپ دار العلوم دیوبند جیسے مرکز علم و دین کی مسند تدریس کے صدر نشین بھی ہیں جن کے ارد گرد سیکڑوں طلبہ زانوئے ادب تہہ کئے نظر آتے ہیں اُسی آن آپ جمعیۃ العلماء اور سیاسی اسٹیج کے مسند نشین بھی ہیں جن کے دائیں بائیں ہزاروں مجاہد صفت انسانوں کا جمگھٹ لگا ہوا ہے اور پھر اسی ایک وقت میں آپ اپنے ریاضت کدہ میں خانقاہ نشین بھی ہیں جن کے چہار طرف سینکڑوں ذاکر و شاغل اور راہ باطن کے جویا افراد کا ہجوم ہے اور آپ کی جامع ذات ہے کہ ایک طرف آپ اپنے عالمانہ وقار و نکتہ سنجی سے دوسری طرف مجاہدانہ جوش و اقدام پسندی سے اور تیسری جانب عابدانہ انکسار و تواضع آفرینی سے ہر دائرہ کے طالبوں کی پیاس بجھا رہے ہیں، اور ہر میدان میں آپکی ہمت مردانہ اس طرح یکسانی کیساتھ کام کر رہی ہے کہ کسی ایک میدان کی تنگ و تاز دوسرے میدان سے بے التفات نہیں ہونے دیتی۔

غرض شریعت، طریقت اور سیاست جیسے متضاد رُخ و مقامات کی سیر اور ان میں بیک وقت ان تھک عروج آپ کی ہمت مردانہ کا ایک عملی شاہکار ہے۔

ع "یوں بہم کس نے کئے ساغر و سنداں دونوں"

آپ کی اسی مجاہدانہ روش اور دین کے عملی شعبوں میں ان تھک دوڑ کے بارہ میں میں نے حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "میں اپنی جماعت میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کے حسن تدبر کا اور مولانا حسین احمد صاحب کے جوش عمل کا معتقد ہوں، ایک موقع پر حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کی مجلس خیر و برکت میں تحریکات وقت کا ذکر چھڑا ایک صاحب نے حضرت مدنی کے کسی مجاہدانہ عمل کا حوالہ دیتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آپ کا اس پر عمل نہیں، فرمایا "بھائی میں ان جیسی (مولانا مدنی جیسی) ہمت مردانہ کہاں سے لاؤں"؟

مجھ سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ میں مولانا حسین احمد صاحب کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین جانتا ہوں۔ البتہ مجھے ان سے حجت کے ساتھ اختلاف ہے اگر وہ حجت رفع ہو جائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنی سپاہی بن کر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین کے ہر بنیادی شعبہ میں آپ کو عمل، جوشِ عمل اور ہمت مردانہ کی توفیق عطا ہوئی ہے اور اس پیرانہ سالی میں یہ عمل یہ جوش و خروش اور امنگ کے ساتھ ان تھک دوڑ دھوپ واقعہ یہ ہے کہ جوانوں کی جوانیوں کو شرمائے ہوئے ہے آپ کے یہاں راحت و آرام کا لفظ گویا لغت میں آیا ہی نہیں، اور آیا ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں ہیں یا کم از کم ان کی زندگی کی نسبت سے یہ لفظ مہمل اور بے معنی ہے؛

اس دورِ عجز و کسل میں جو آج مسلمانوں پر چھایا ہوا ہے آپکی اس ہمت و جوشِ عمل کو سوائے کرامت کے اور کس لفظ سے تعبیر کیا جائے؟ اور اگر اس کا نام استقامت ہے تو بلا شبہ فوق الکرامت ہے، جو اس دورِ قحط الرجال میں ایک غنیمت بارد ہے حضرت ممدوح کی مدح سرائی میری تحریر کا موضوع نہیں ہے اور میں ان کے فضائل و مدائح کا احاطہ کر بھی کیا سکتا ہوں تذکرہ آگیا ہے تو قلم اس سے نہیں رکتا کہ ان کی ہزارہا مدائح و فضائل میں سے یہ کوئی کم منقبت اور تھوڑی فضیلت نہیں ہے کہ دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد ہی جب کہ آپ "شاب نشاء فی عبادۃ اللہ" کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔ آپ نے ۱۸ برس تو حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بیٹھ کر اور خود صاحب کتاب وسنت کے پاس اور ان کے زیر نظارہ کر درس کتاب وسنت دیا جس سے مشرق و مغرب کے ہزارہا عوام و خواص اور علماء و فضلاء مستفیض ہوئے اور حجاز و شام، مصر و عراق، ترک تاتار وغیرہ تک آپ کے کمالات کا شہرہ پہونچ گیا۔

اس دوران میں آپ دیوبند بھی آتے جاتے رہے اور احاطۂ دار العلوم میں اپنے فیوض سے طلبہ کو اور اپنے برگزیدہ استاد حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے فیوض سے خود اپنے آپ کو مستفید فرماتے رہے مگر مستقل قیام اور مسلسل افادہ کا مقام مدینہ منورہ ہی رہا، قیام مدینہ کی

انتہا اس پر ہوئی کہ آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اسارت مالٹہ کے موقع پر اپنے استاد کی معیت میں پانچ برس مالٹہ کے اسارت خانہ میں رہے گویا حرم نبوی کے اشارہ پر حرم شیخ میں مکرر داخل ہوئے اور اس مسلسل فیضان صحبت سے آپ کو وہ اخلاقی عروج ہوتا رہا جو اس مقام پر ہو سکتا تھا۔ رہائی کے بعد ہندوستان تشریف آوری ہوئی تو آپ کو حق تعالیٰ نے آپ کے مرکز نشو ونما (دار العلوم دیوبند) کے لئے منتخب فرمایا جو درحقیقت اپنے وقت کے اولیاء واقطاب کی نسبتوں کا مجموعہ اور مرکز ہے۔ گویا حرم شیخ کے بعد حرم شیوخ میں داخلہ ہوا اور اکابر واسلاف کی گدی نے آپ کو اپنے لئے چن لیا، تقریباً ۲۶ برس سے مسلسل اس مرکز علمی کی صدارت تدریس کی مسند آپ کے فیوض سے مالا مال ہو رہی ہے پس اٹھارہ برس مرکز اسلام (مدینہ منورہ) میں رہ کر افادہ واستفادہ فرمایا۔ پانچ برس مالٹہ کی جہاد پرور خانقاہ میں آپ کو وقت کی سب سے بڑی شخصیت سے خصوصی استفادہ کا یکسوئی کے ساتھ موقع میسر ہوا اور ۲۶ برس سے آپ اس علم ومذہب کے ایشیائی مرکز (دار العلوم دیوبند) میں مصروف افادہ واستفادہ ہیں حرم مدینہ نے آپ میں جمعیۃ کی روح پھونکی مالٹہ نے آپ میں جامعیت کی لہر دوڑائی اور دار العلوم دیوبند نے آپ کو اجتماعیت کے مقام پر لا کھڑا کر دیا اس لئے قدرتی طور پر چند مرکزوں کی بنائی ہوئی شخصیت کو ایک جامع علم وعمل اور جامع اخلاق وشیون شخصیت ہونا ہی چاہیئے تھا جو ہو گئی وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

آپ کی مرکزی شخصیت اس وقت دار العلوم کے جس عہدہ پر فائز ہے وہ روایتی طور پر محض مدرسی یا صدر مدرسی کا عہدہ نہیں بلکہ ہمیشہ ایک عمومی مقتدائیت کا عہدہ رہا ہے جس کی طرف رجوع عام ہوتا رہا ہے اور جس کے لئے منجانب اللہ ہمیشہ ایسی ہی ممتاز شخصیتیں منتخب ہوتی رہی ہیں جن کا امتیاز ہمیشہ مناسب وقت فضائل وکمالات کے معیار سے رہتا آیا ہے

دار العلوم کے اول صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ

اپنی جامعیت علوم وفنون جودت طبع، ذکاوت احساس اور رموز ولایت میں شاہ عبدالعزیز ثانی تسلیم کئے جاتے تھے اور فن حدیث میں آپ کا انداز درس حکیمانہ، عارفانہ اور ساتھ ہی عاشقانہ تھا۔ آپ کے بعد ایک قلیل عرصہ کے لئے حضرت مولانا سید احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ صدر نشین مسند درس ہوئے۔ آپ فنون عقلیہ وریاضیہ میں امام وقت سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے دینیات کے درس میں آپ کا انداز تدریس عاقلانہ مندلانہ اور مفکرانہ تھا۔ آپ کے بعد حضرت شیخنا شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ اس گدی پر بیٹھائے گئے آپ جامعیت علوم کے ساتھ شیخ کامل، عارف باللہ جامع معقول ومنقول اور اخلاق فاضلہ میں راسخ القدم تھے اس لئے آپ کا انداز درس اپنے استاد حضرت قاسم العلوم قدس سرہٗ کے نقش قدم پر عالمانہ، متکلمانہ، فقیہانہ اور فانیانہ تھا۔ ان کے بعد آپ کے ارشد تلامذہ آیت من آیات اللہ استاذنا حضرت اقدس علامۂ دہر مولانا السید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ مسند آرائے درس کتاب وسنت ہوئے آپ کا غیر معمولی حافظہ، تبحر علمی حفظ کتب وسفائن اور دعاد علوم وفنون گویا ایک اعجازی شان رکھتا تھا۔ عقل ونقل کا ہر علم وفن اور اس کے تفصیلی اصول وفروع آپ کو اس طرح مستحضر تھے کہ آپ کو وقت کا چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جانے لگا۔ اس لئے آپ کا انداز درس حدیث حافظانہ، داعیانہ محدثانہ اور متبحرانہ تھا۔ آپ کے بعد حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ، سے اس گدی کو رونق بخشی گئی تو آپ کے جوش جہاد، ذوق عمل، ہمت باطنی اور وسعت اخلاق نے علم کو عمل کے ہر ہر گوشہ میں دوڑا کر عملی سانچوں میں پیش کیا اور علمی کمالات پر دواعی عمل کو غلبہ پانے کا موقع ملا۔ اس لئے آپ کے درس کا انداز عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ اسپرٹ سے بھرپور اور جذبات عمل سے لبریز ہوتا ہے جس سے طالبوں کے قوای عمل کی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور جذبات عمل زیادہ سے زیادہ مشتعل ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کی تحریک جنگ آزادی میں آپ کے علم اور جوش عمل نے سیاسی حلقوں میں

اہل علم کی لاج رکھ لی استخلاص ملک و ملت کے لئے آپ نے جو جو قربانیاں دی ہیں وہ جریدۂ عالم سے کبھی محو نہیں ہو سکتیں، عموماً سیاسی میدانوں کے شناور اسٹیج پر پہونچکر غیر محتاط اور ذہنی طور پر آزاد و بیباک ہو جاتے ہیں، لیکن حضرت ممدوح کا یہ کمال استقامت تھا کہ سیاسی اسٹیج پر بھی آپ کا تقشف مذہبی اس حد تک قائم رہا جس حد تک ایک مدرس کا اپنے حلقہ درس میں قائم رہ سکتا ہے گویا آپ کا اسٹیج بھی درس کتاب و سنت ہی کا محل و مقام ہوتا تھا جس سے وہی آثار خیر و برکت ہویدا ہوتے تھے۔ جو کتاب و سنت کے خصوصی آثار ہو سکتے ہیں۔

ساتھ ہی اس عامۃ الورود مقام پر جو حقیقتاً مزلت اقدام ہے آپکی اخلاقی قوتیں اس حد تک بیدار اور ہموار ہیں کہ یہ سیاسی اقدامات بجائے خود ایک اخلاقی درس کی شان سے نمایاں ہوتے ہیں ہر خدمت بے لوث ہر عمل بے لاگ اور ہر اقدام خلوص و ایثار سے پُر، نہ کسی عہدہ کا سوال نہ جاہ کی طلب، نہ مال کی طرف ادنیٰ التفات، نہ اقتدار کی ذرہ برابر خواہش، ہندوستان کے آزاد کرانے اور انگریزوں کو نکالنے میں سر اور دھڑ کی بازی لگادی لیکن کیا کسی وقتی صلہ کے لئے؟ کسی عہدہ کے لئے؟ یا قومی اسٹیج پر عہدہ داروں کی کسی سرگروہی کے لئے؟ معاذ اللہ۔ بلکہ ہر خدمت میں مخلصانہ جذبات، بے غرضانہ دوامی بے لوث ارادے، سادگی ضمیر اور محض اپنے بزرگوں کے نصب العین کی تکمیل اور اپنے سلف کے نقش قدم کے اقتضاء واقتدار کیساتھ اسے باقی رکھنے کیلئے اور بس۔

آپ اس وقت بھی جوش عمل کے ساتھ قائد میدان تھے۔ جب کہ نعرہ ہائے تہنیت کے ساتھ پھولوں کے ہار پیش کئے جا رہے تھے۔ اور اس وقت بھی اسی انداز فنائیت کے ساتھ مصروف عمل رہے جب کہ افراد و جماعات نے مخالف بن کر بے حرمتی اور بدگوئی کی ٹھان لی تھی کیونکہ یہ خدمت نہ خواہش صلہ پر مبنی تھی، نہ نعرہ ہائے تحسین و آفرین پر۔ بلکہ صرف ان اجری الا علی رب العلمین پر۔

آپ کی رایوں اور افکار سے افراد و جماعات کو نیک نیتی کیساتھ اختلافات بھی رہے اور آئندہ بھی رہ سکتے ہیں لیکن اس میں موافق و مخالف کی دو رائیں کبھی نہیں ہوئیں کہ آپ اپنی رایوں میں مخلص، جذبات میں صادق، نیات میں بلند مقام، عمل میں صاحب عزم اور اخلاق میں صاحب حال ہیں۔ اختلاف رائے سے نیچے اتر کر یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے مجاہدانہ مزاج سے جس میں سیاسی رنگ اور انتہا پسندانہ عزائم و جذبات بطور جوہر مزاج گُھلے ہوئے ہیں۔ کسی اعتدال پسند اہل معاملہ کے دل میں کچھ خلش بھی ہو اور بعض اہل معاملہ کے نفوس کچھ گھائل بھی ہوں (چنانچہ ان مکاتیب کے بعض عنوانات اس کی غمازی بھی کر رہے ہیں) لیکن میں اس قسم کی معاملاتی خلش اور گھاؤ کو اپنی جگہ صحیح اور برمحل سمجھتے ہوئے بھی یہ ضرور عرض کرونگا کہ جو اکابر دین تکوینی طور پر من اللہ کسی خاص خدمت کیلئے مقرر اور مامور کئے گئے ہوں انکی طبائع اور خصوصیات مزاج کے لحاظ سے ان پر اسی وصف کا غلبہ ہوتا ہے جو اس خدمت خاص اور وقت خاص کا مقتضی ہو اور وہی وصف غالب ان کے کاموں کا قدرتی معیار بنجاتا ہے گویا انکی طبیعتیں غیر اختیاری بلکہ غیر شعوری طور پر اُدھر ہی چلتی ہیں جدھر یہ وصف اور وقت انھیں لے چلتا ہے اس لئے بظاہر تو معاملات میں ان کی طبیعت اور مزاج کارفرما نظر آتا ہے لیکن فی الحقیقت منشاء خداوندی ان حضرات کی طبیعتوں کے راستہ سے اپنا کام کرتا ہے۔

مولانا مدنی کی شخصیت جس اسٹیج کے لئے منتخب کی گئی، وہ بلاشبہ ایک طاقتور دشمن کے مقابلے اور اس کے پنجۂ استبداد سے ایک پسماندہ اور محروم آزادی ملک کے چھڑانے کا اسٹیج تھا۔ تاکہ اس راہ سے کسی وقت شعائر الٰہیہ بلند کئے جاسکیں، ظاہر ہے یہ کٹھن نصب العین رحم و کرم، عفو و درگذر اور مسامحت کے جذبات سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ بلکہ جوش و جذبۂ فرق بین الناس اور تمیز قائم و قاعد کے دواعی ہی اسے آگے بڑھا سکتے تھے۔ بالفاظ دیگر اس طرح کے فی سبیل اللہ تصادم اور تقابل کے لئے بعض اوقات بغض فی اللہ کے غلبہ کی ضرورت تھی نہ کہ حب فی اللہ کے آگے رکھنے کی اور اس کے لئے طبیعت گرم اور جہاد آگین درکار تھی، جسکے ذاتی،

رجحانات ہی خلقی طور پر بغض فی اللہ کے اخلاق کیلئے صالح اور مستعد ہوں کہ زم اور علم وصبر پیشہ طبیعت جس کا وصف غالب حب فی اللہ کے تحت بڑے سے بڑے دشمن سے در گذر اور عفو و سماحت ہو پھر یہ گرم طبیعت بھی ایسی کہ یہ وصف بغض فی اللہ اسکے حق میں استدلالی نہ ہو بلکہ حالی اور خود طبیعت ہی اپنی افتاد سے اس طرف دوڑتی ہو۔ حضرت ممدوح کے طرز و انداز اور رفتار کار سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہے جو آپ کے عام معاملات کے لئے منصبی مقام کے لحاظ سے معیار کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے

بلاشبہ ایسے حضرات جو بغض فی اللہ کے مقام پر ہوں اللہ کی ایک تلوار ہوتے ہیں کہ جو بھی معاندانہ رویہ سے اسکی دھار کے نیچے آجاتا ہے صاف ہو جاتا ہے ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با درد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

ظاہر میں وہ مغلوب الغضب نظر آتے ہیں لیکن وہ خود ان کا غضب بے بغض نہیں ہوتا بلکہ بغض الٰہی ہوتا ہے جو ان کے اخلاق میں سے ہو کر گذرتا ہے اور انہیں جارحہ الٰہیہ بنا کر ان کے راستہ سے اپنا کام کرتا رہتا ہے۔

اہل اللہ کی یہ مزاجی اور طبعی خصوصیات نہ صرف یہ کہ بندگی کے منافی نہیں ہوتیں۔ بلکہ نوع بزرگی کا مورد اور مظہر ہوتی ہیں جن میں شئون الٰہیہ گذر کر اپنا کام کرتی ہیں گویا جن حضرات پر حب فی اللہ کے غلبہ سے عفو و درگذر، سماحت اور چشم پوشی وغیرہ کے جذبات چھائے ہوئے ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے حلم و عفو، رحم و کرم اور فضل عظیم کا مظہر ہوتے ہیں اور جن پر بغض فی اللہ کے تحت دار و گیر مواخذہ و مطالبہ اور تفریق حق و باطل کے جذبات غالب ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے جبر و قہر، مواخذہ و انتقام اور عدل کا مظہر ہوتے ہیں پس ایسے حضرات اگر کسی پر رحم کھائیں یا غضبناک ہوں تو وہ درحقیقت رحمت اور غضب الٰہی ہوتا ہے، جو ان کی طبعی خصوصیات مزاج کو راہ حق کا خادم اور کلیۃً حق کا آلہ کار بنا لیتا ہے۔ بہر حال اس قسم کے مقبول افراد کو جس میدان میں بھی کام کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے تو ان کی طبائع کو اس میدان کی رہنمائی دیدی جاتی ہے

اور بس میں ان کی یہ طبعی خصوصیات شئون الٰہیہ سے مربوط ہو کر اپنا مفروضہ کام غیر شعوری طور پر کرنے لگتی ہیں۔

دائرہ نبوت ہو یا دائرہ ولایت متعلقہ افراد کی طبعی خصوصیات اور مزاجی امتیازات سے الگ نہیں رہ سکتا، موسیٰ علیہ السلام کی طبعی خصوصیات جلال آگیں تھیں تو ان کی نبوت اور شریعت میں بھی وہی شدت فی امر اللہ اور جلالی شان غالب ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طبع مبارک جمال آفریں تھی تو ان کی نبوت اور شریعت میں بھی حب فی اللہ اور تسامح کی شان کا غلبہ ہے، نبوت سے اتر کر دائرہ ولایت میں مثلاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر طبعاً رحم و کرم غالب ہے تو ان کے عام معاملات اور کاروبار میں بھی رحمت ہی چھائی ہوئی نظر آتی ہے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ طبعاً متشدد اور جبار ہیں تو ان کے عام امور سے وہی سخت گیری جلال اور تشدد فی امر اللہ نمایاں ہے۔ غرض انبیاء کی نبوت اور اولیاء کی ولایت ان کے خلقی مزاجوں اور طبعی خصوصیات ہی کے ڈھانچوں میں اترتی ہے جب کہ وہ طبائع وہبی یا کسبی طور پر نفسانی رذائل سے پاک کر کے وابستۂ حق بنا دی جاتی ہیں اور قبول کر لی جاتی ہیں، پس ان وابستۂ حق طبائع سے جو امور سرزد ہوتے ہیں وہ بظاہر تو طبعی جذبات نظر آتے ہیں لیکن حقیقتاً ان میں منشاء الٰہی کام کرتا ہے اور وہ جوارح الٰہیہ ہوتے ہیں جو اپنی طبعی رفتار سے منشاء الٰہی کو پورا کرتے رہتے ہیں گویا اس غبار میں ہوا مرضیٔ الٰہی کی بھری ہوتی ہے جس سے وہ اڑتا ہے پس بظاہر تو غبار اڑتا نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً اڑنے والی چیز ہوا ہوتی ہے، جس کی اڑان کا مظہر یہ غبار ہوتا ہے۔

انت کالریح و نحن کالغبار	یختفی الریح و غبراہ جہار
تو بہاری۔ ما چو باغ سبز و خوش	او نہان۔ و آشکارا بخششش
توچو جانی۔ ما مثال دست و پا	قبض و بسط دست از جان شد روا
توچو عقلی۔ ما مثال ایں زباں	ایں زباں از عقل می یابد بیاں

خوشا حالِ شادیٔ و ما خندہ ایم　　کہ نتیجہ شادی و فرخندہ ایم

اسی طرح مولانا مدنی کے معاملات کی نوعیت اور افتادِ طبع سے واضح ہے کہ اپر بغض فی اللہ کا غلبہ ہے۔ اور ان کی خصوصیات طبع سے ہر اس دائرہ میں جسمیں انکا دخل ہو ایک خاص معیار کے تحت فصل اور فرق کا کام لیا گیا ہے جسے زد میں آئے ہوئے افراد طبعی جذبات سے تعبیر کرتے ہیں اور بابصر لوگ اسے منشارِ حق سے تعبیر کرتے ہیں جو مولانا کے مقام کے لحاظ سے تکمیل فرائض کے وقت ان کے طبعی جذبات سے سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے اور اس لئے عموماً مخالف پر بھی اس کا اثر برا نہیں ہوتا، بنابریں ایسے حضرات کے معاملات میں محض جذبات کی صرف سطح ہی کو نہ دیکھ لینا چاہیئے، بلکہ اس کی مخفی روح کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہ انکی عصمت یا خطاء و نسیان سے بالاتر ہونے کا دعوٰی نہیں بلکہ عامۃً منشاء خطا کے صواب ہونیکا دعوٰی ہے یعنی ان کی خطا ان شاء اللہ ایک عاصی کی سی خطا نہیں بلکہ ایک مجتہد کی خطا ہو سکتی ہے جو اپنے فکر میں مصیب بھی ہوتا ہے اور خاطی بھی پس ان کی خطا سے صاحب معاملہ کی کلفت اور شکایت اپنی جگہ کتنی ہی درست اور صحیح کیوں نہ ہو مگر وہ پھر بھی اپنی خطا پر مستحق اجر و مقبولیت ہی رہتے ہیں کیونکہ اس میں طلب حق اور استرضاء حق کے سوا نفسانی جذبات آگے نہیں ہوتے اور احیاناً بمقتضاء بشریت ہوں بھی تو ایسے حضرات کی کثرت حسنات کے مقابلہ میں ان کی یہ احیانی لغزشیں شاذ اور کالعدم ہوتی ہیں، جن سے ان کی مقبولیت کے مقام میں فرق نہیں پڑتا، اندریں صورت اس سے اختلاف رائے بھی نیک نیتی سے ممکن ہے اور معاملات کے سلسلہ میں ان کا کسی غلط فہمی یا خطاءِ اجتہادی سے کلفت و اذیت ہو جانا بھی ممکن ہے لیکن ایسے صاحب مقام افراد سے نفسانی جذبات کے تحت کسی کی آزار رسانی عادۃً ناممکن ہے۔

اس سے میری غرض نہ ان کے تمام معمولات اور منصوبات کی حمایت ہے اور نہ ان سے اختلاف رکھنے والوں کی مخالفت ہے بلکہ ان کے باطنی رتبہ کی بلند مقامی اور ان بلند پایہ

عزائم وجذبات پر روشنی ڈالتا ہے، جو فکری اور عملی لغزشوں کو بھی مقبول اور این خطا از صد صواب اولیٰ تر است کا مصداق بنا دیتی ہے اور یہ کہ وہ موافقت ومخالفت ہر حال میں یکساں بلند مقام ہیں جیسا کہ قلوب بھی عامۃً اسے تسلیم ہی کئے ہوتے ہیں۔

بہرحال حضرت ممدوح کی کچھ خصوصیات ہیں جن کے جامع تن سے منجانب اللہ کچھ خدمات ہی لیجا رہی ہیں اور متوسلین کی تربیت بھی ہو رہی ہے، جو بھی سچی طلب اور حقیقی استفادہ کا قصد لے کر آتا ہے وہ بلا شبہ اس جامع تن سے بقدر استعداد حصہ لے کر لوٹتا ہے، ہاں اگر طلب ہی صادق نہ ہو یا سلسلہ میں شامل ہونے کی غرض ہی فاسد ہو تو ان جذبات سے آنے والے انبیاء کے حلقوں سے بھی محروم ہی اٹھے ہیں تا باولیاء چہ رسد۔

حضرت ممدوح کی ان خصوصیات کے پیش نظر یہ افسوس تھا کہ ان خصوصیات کو تربیت پاکر گو ایک حلقہ ضرور تیار ہو گیا مگر علمی طور پر ان کا کوئی ذخیرہ سطح کاغذ پر جمع نہیں ہوا جس سے موجودہ نسل کی طرح آئندہ نسل بھی فائدہ اٹھا سکتی، خود حضرت مولانا کو بھی اپنی غیر معمولی مصروفیات، مشاغل درس وتدریس، کثرت اسفار، واردین وصادرین کے ہمہ وقت ہجوم، سیاسی خدمات اور ان کے ذیل میں ارباب معاملہ کے شبانہ روز رجوع وزحام کے سبب اتنا موقع نہیں ملتا کہ آپ جتنی خدمات زبان اور دست وبازو سے انجام دیتے ہیں اتنی ہی قلم کے واسطہ سے بھی انجام دیں، جس سے آپ کی یہ خصوصیات میدان عمل سے گزر کر میدان تصنیف میں آجائیں اور یہ لوگ معنوی دولتیں جس طرح زبان فیض ترجمان سے سینوں میں بھر کر لیجاتے ہیں اسی طرح قلم کی بدولت سفینوں میں بھی محفوظ کرلیں تاکہ آج کی دنیا کے ساتھ آنے والی دنیا بھی اس سے مستفید ہو سکے، گو بعض اوقات مختلف علمی اور سیاسی مضامین، خطبات صدارت وغیرہ کی صورت میں خاص دواعی کے ماتحت قلمبند بھی فرمائے لیکن وہ وقتی اور ہنگامی حالات سے تعلق رکھنے کے سبب صرف ان ہی حالات میں نفع رساں بن گئے جس سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا، مگر وقت کی قید سے آزاد ہو کر کوئی مستقل علمی ذخیرہ غیر معمولی مشاغل وشواغل

کے ہوتے ہوئے تصنیفی صورت میں اب تک سامنے نہیں آسکا، پھر بھی اسے ایک غیبی امداد سمجھنا چاہیئے کہ حضرت کے متوسلین نے وقتاً فوقتاً خطوط کے ذریعہ اپنے مختلف احوال پیش کر کے شفائے نفوس کی جو تدبیر پوچھیں تو ان کے جواب میں کچھ علمی، سیاسی اور عرفانی جواہر پارے کاغذ کی سطح پر جمع ہوگئے جس سے فی الجملہ پیاسوں کی سیرابی کا کچھ مستقل سامان فراہم ہوگیا لیکن ان کی افادیت عام نہ تھی جن کے خطوط تھے صرف وہ یا زیادہ سے زیادہ ان کا قریبی حلقہ ہی ان قطرات علم و معرفت سے اپنے خطرات نفس اور وساوس شیطانی دفع کر سکا، مگر ہمیں ممنون ہونا چاہیئے حضرت محترم مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی کا، جنھوں نے کافی محنت و عرق ریزی سے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو مختلف جگہوں سے چن چن کر جمع فرمایا اور پھر ایک سلسلہ میں پرو کر انہیں کتابی صورت میں ملک و ملت کے سامنے پیش کر دیا جس سے ایک طرف تو یہ مخصوص فیض فیض عام بن گیا اور دوسری طرف ہر طالب صادق کیلئے سہل الوصول بھی ہوگیا۔

ان مکاتیب اور ان کے مکنون علوم و احوال کی فہرست پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہی اس جامعیت کا اندازہ لگالینا مشکل نہیں رہتا جو حضرت ممدوح کی ذات میں ودیعت کیگئی ہے اور جو تمام ہی دینی طبقوں کیلئے یکساں شفا بخش ہے، حال و قال والے حضرات ہوں یا براہین و استدلال والے ہوں طالبان مسائل ہوں یا عاشقان دلائل سب ہی کیلئے اس مختصر مگر جامع ذخیرہ میں سامان سیرابی موجود ہے ان جامع ہدایات سے اگر ایک طرف طریقت و معرفت کے مسائل حل ہوتے ہیں تو دوسری طرف شریعت کے حکمیات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہاں شریعت و طریقت کے مقامات کھلتے ہیں وہیں سیاست و ادارت اور قومی معاملات کے دقائق بھی آشکارا ہوتے ہیں، غرض بیک وقت شریعت طریقت اور سیاست کے دقیق اور حیات بخش نکتے اس طرح زیب قرطاس ہوگئے ہیں کہ ایک جویائے حقیقت و معرفت، ایک متلاشی احوال طریقت اور ایک طلب گار شریعت و سیاست کے لئے یکساں شفاء اور سکون روح کا سامان بہم پہنچا سکتے ہیں۔

حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا نجم الدین صاحب کو جنگی علم پروانہ کاوش اور جذبۂ افادیت نے بہ مشکل آسان کردی اور جو روشنی محدود ہو کر رہ گئی تھی اسے ایک چمکدار فانوس میں منظر عام پر لاکر رکھدیا تاکہ متوسلین کے لئے خصوصاً اور منہومان علم کے لئے عموماً ضیا افروز اور نور افشاں ثابت ہوا اور اس طرح بہتوں کے شوق بیتاب کی تسکین کا سامان بہم پہنچ جائے،

امید ہے کہ وقت کے اس زبردست مجاہد جلیل (مولانا مدنی) کے ان علم پروانہ حقائق اور عمل آفرین وثائق سے جن میں شرعی رہنمائی کے ساتھ عرفانی ارشادات اور سیاسی ہدایات ایک جگہ جمع ہیں، نیز ضمناً اور بھی بہت سے کارآمد فوائد آگئے ہیں، لوگ منتفع ہونے میں کوتاہی اور سستی سے کام نہ لیں گے، اور اس زلال حیات سے ابدی زندگی حاصل کریں گے۔

ترتیب مکاتیب کے ساتھ مولانا نجم الدین صاحب نے بطور تعارف حضرت مدنی کی مختصر مگر جامع زندگی، خاندانی حالات وخصوصیات آپ کے سلاسل طیبہ اور آپ کی صفات محمودہ پر جو سطریں سپرد قلم فرمائی ہیں وہ بجائے خود ایک مستقل علمی اور عرفانی ذخیرہ ہے جو قابل استفادہ ہے مرتب ممدوح چونکہ براہ راست حضرت اقدس مولانا ماجد علی رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث میں شاگرد اور بواسطہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے تلمیذ ہوتے ہیں اسلئے انکو جو حانی اور طبعی مناسبت حضرت مولانا مدنی خلیفہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے علوم وکمالات سے ہوسکتی تھی وہ ظاہر ہی ہے ایسے ہی صالح افراد ان حضرات کے علوم وکمالات کو جامعیت اور سلیقہ کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر لاسکتے تھے چنانچہ مولانا نے اپنے مرتبہ دیباچہ اور سطور تعارف میں حضرت مولانا مدنی کے علوم وکمالات اور نسبتوں کو مشبع اور حاوی الفاظ میں کھولدیا ہے اسلئے مکاتیب پڑھنے سے پیشتر انکی اس تحریر کا پڑھ لیا جانا استفادہ کی تکمیل کیلئے ضروری ہے حق تعالیٰ ممدوح کو ہم سب مستفیدین کیطرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ (آمین)

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نزیل بمبئی

۲۸ رمضان ۱۳۷۰ھ یوم چہارشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دیباچہ

الحمد للہ الذی جعل النظر فی معرفة العین والاثر وسیر من غاب وحضر من اعظم العبر والصلوٰة والسلام علی صفوة الصفوة وتحیة التحیة وخیرة الخیرة من نوع البشر وعلی آلہ الکرام البررة قرناء القرآن کما صح بذلک الخبر وعلی صحبہ الذین ارغم اللہ بعولھم ومعاونتھم انف کل من جحد وکفر ما اتصلت عین بنظر واذن بخبر اما بعد۔

ما طفل کم سواد و سبق قصہائے تست
صد بار خواندہ و دگر از سر گرفتہ ایم

پیش نظر کتاب، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم کے مکتوبات کی پہلی جلد ہے، جو افادۂ عام کی غرض سے شائع کی جارہی ہے، اس کے بعد اگر خدا نے چاہا تو مکتوبات کی اور جلدیں بھی یکے بعد دیگرے چھپتی رہیں گی۔ مکتوبات کا جو سرمایہ فی الحال خاکسار کے پاس موجود ہے وہ امید ہے کہ ابھی کم از کم دو جلدوں کے لئے کافی ہوگا۔ احباب و بزرگوں سے درخواست ہے کہ اگر یہ سلسلہ ملک و ملت کے لئے مفید نظر آئے تو حدارا اس خزانہ کے ان جواہر پاروں کو بھی اب وقف عام کر دینا چاہیئے جو ابھی تک لوگوں کے پاس بطور تبرک رہ گئے ہیں تاکہ ان کی افادی حیثیت بھی محدود نہ رہے اور یہ گنج گرانمایہ حوادث زمانہ سے بھی محفوظ ہو جائے۔

۱۹۴۵ء میں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیة العلماء ہند کی مشہور تصنیف "حیات شیخ الاسلام" جب چھپ کر شائع ہوئی، پوری کتاب کئی بار پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی لیکن ہر مرتبہ یہی محسوس ہوا کہ اس کے مباحث تشنۂ تفصیلات ہیں، اور امام عصر پر ابھی مستقل بہت

کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ حتیٰ کہ اپنا یہ تاثر میں نے مصنف کی خدمت میں بھی لکھ بھیجا، موصوف نے میرے اس خیال سے اتفاق فرمایا اور خاکسار کو بھی اس بزم میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ مولانا مدنی جیسی بلند پایہ شخصیت کی زندگی کے کسی گوشہ کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا میرے لئے اپنی بے بضاعتی کے باعث، چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق تھا، اس لئے اس کی تو جرات نہ کرسکا، لیکن "حیات شیخ الاسلام" میں امام عصر کے جو عالمانہ اور محققانہ مکاتیب میں نے پڑھے، اس نے یہ خواہش ضرور پیدا کردی کہ اگر امام عصر کے مکاتیب، جن میں باتوں باتوں کے اندر نہایت ہی اہم علمی، مذہبی، اخلاقی، سیاسی، تہذیبی اور تمدنی حقائق بیان کئے گئے ہیں، ایک مناسب ترتیب کیساتھ جمع کرکے شائع کردیئے جائیں تو وقت کی ایک نہایت ہی اہم اور مفید خدمت ہو، چنانچہ اسی جذبہ کے ماتحت ۱۱ جولائی ۱۹۴۹ء کو میں نے ایک اپیل مکاتیب مدنی کے جمع و ترتیب کی ضرورت کے عنوان سے مختلف اخباروں میں شائع کرائی، حضرت مولانا محمد میاں صاحب اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اخبار الجمعیۃ میں اس تجویز کی پرزور تائید فرمائی، اور خود اخبار مذکور نے بھی اپنے اڈیٹوریل کالم میں اسکی ضرورت پر زور دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ملک کے طول و عرض میں امام عصر کے مکتوبات کے جمع و ترتیب کا ایک چرچہ پھیل گیا اور خاکسار کے پاس مکاتیب کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا، صورت حال کا یہ نقشہ دیکھ کر مجھے اب محسوس ہونے لگا کہ کوئی اور طاقت ہے جو بے اختیار یہ کام لے رہی ہے

مری طلب بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے　　قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

بزرگانِ دین اور علمائے سلف کے ملفوظات اور مکتوبات، اپنی غیر معمولی افادیت کے باعث ہر دور میں جمع کئے گئے ہیں، خیر المجالس سرور الصدور، انفاس رحیمیہ مکتوبات امام ربانی، اور مکتوبات و ملفوظات شیخ عبدالقدوسؒ مخدوم الملک بہاریؒ شاہ ولی اللہؒ مرزا مظہر جانجاناںؒ وغیرہم آج تک جادہ پیمار سلوک و تصوف کے لئے شمع راہ ہیں۔

حضرت امام العصر مولانا سید حسین احمد مدنی دامت فیوضہم کی ذات گرامی درحقیقت ہندوستان

ہیں اسلاف کرام کی آخری یادگار علم و عمل، حریت و جہاد، زہد و تقویٰ، عرفان و ہدایت کی وہ زندہ کتاب ہے جس کی نظیر صرف کتابوں یا صدر اول میں ملتی ہیں پس آپ کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق افادہ و فیضان کا ایک عظیم الشان دفتر ہے، بڑی حرمان نصیبی ہوتی اگر اسکو محفوظ نہ کر دیا جاتا۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کام کو ایسے حضرات کرتے جو خود بھی کچھ ہوتے جیسا کہ سلف کا طریقہ رہا ہے، یہاں اپنا حال یہ ہے کہ امام عصر کی طرف اپنا انتساب ہی خود اس مبارک سلسلہ کی توہین ہے مگر اس کو کیا کیا جائے ؎

داد او را قابلیت شرط نیست        بلکہ شرط قابلیت داد اوست

# علمار ربانی کا حقیقی مقام

جاننے والے جانتے ہیں کہ ہر دور میں مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی مشکلات کا علاج باوجود تقوی و طہارت شان حضرات علمار کرام نے کیا ہے، کیونکہ علمار کسی خاص نسل یا خاص ملک کے لئے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اگر ایک آدمی کو اپنی تن پروری کے سوا کی فکر نہ ہو اس کو ہم ایک ذی عقل حیوان سے زیادہ حیثیت نہیں دے سکتے جو شخص یا جماعت محض اپنا گھر بچانے کی فکر تو کرے مگر دوسری قوموں کی بربادی پر ٹس سے مس نہ ہو، ایسے آدمی کو آدمی کہنا انسانیت کے قانون میں جرم ہے، حاملین قرآن اور مجاہدین نے قرآن کی روشنی میں انسانیت کی غیر طبعی تقسیم کو منسوخ کیا ہے اور تنگ خیالی کے طلسم کو توڑ کر فرض شناسی کے ایک وسیع عالم کی راہیں کھولدی ہیں تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ اور امام ابو حنیفہؒ اپنے اپنے زمانوں میں نہ صرف علم و فضل کے امام رہے بلکہ دینی سیاست کے مقتضیات کے مطابق دنیا کی رہنمائی اور مجروں سے نکل کر میدانوں کی جادہ پیمائی و نبرد آزمائی ان کا اہم کارنامہ ہے تاریخی

ابو یوسف کا دربار رشید میں فائز ہونا اور امام زہری کا عبد الملک کے زمانہ سے لے کر یزید بن عبد الملک کی حکومت تک رہنا، عبد الملک کے دربار سے امام شعبی کا قیصر روم کی طرف سفیر ہو کر جانا، علامہ ابن حزم کا پانچویں صدی ہجری میں وزارت کے بار خطیر کو برداشت کرنا۔ شیخ عبد القادر جیلانی و ابن عربی کا باوجود استغراق و تبتل اپنے زمانہ کے سلاطین کے احکامات پر تنقید کرنا اور امت کی ضرورتوں کے پیش نظر زمین و آسمان کو ایک کر دینا، امام رازی اور خواجہ اجمیری کا غوری کے ساتھ اشتراک عمل کرنا تاریخ کی اہم روداد ہے، دُور کیوں جایئے خود ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ذات گرامی کو جو حیثیت ہر اعتبار سے حاصل ہے وہ ابتک کسی عالم ربانی کو حاصل نہ ہو سکی آپ کے ہمعصر سلاطین مغلیہ میں عالمگیر سے لیکر گیارہویں تاجدار شاہ عالم تک کا زمانہ آپکی آنکھوں کے سامنے گذرا ہے اور کم و بیش احمد شاہ ابدالی کے سات حملے ہندوستان پر آپ ہی کی زندگی میں ہوئے ہیں کیا آپ ایسے نازک دور میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ ہرگز نہیں بلکہ احمد شاہ ابدالی کا ہندوستان آنا نجیب الدولہ کا امیر الامراء ہو جانا سب شاہ ولی اللہ کی سیاسی بصیرت کا نتیجہ تھا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات کا دوسرا خط ارباب سیاست کو پڑھنا چاہیئے کہ شاہ صاحب نے کس طرح سیاسی انتشار اور زوال کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے اور سیاسی بصیرت کیسے ساتھ سمجھا اور سمجھایا ہے شاہ صاحب ہی کا کام تھا کہ اس زمانہ کی مختلف سیاسی طاقتوں سے کام لیکر ہندوستان کی فضا سے سیاسی بدامنی، قتل و غارت گری، فتنہ اور مفسدانہ عناصر کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ بقول مولانا خلیق احمد نظامی پانی پت کا میدان کارزار حقیقت میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا سجایا ہوا تھا۔ اگر سلطنت مغلیہ میں تھوڑی سی بھی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتائج سے فائدہ اُٹھا کر اپنے اقتدار کو ہندوستان میں کچھ صدیوں کیلئے قائم کر سکتی تھی۔ اسکے ساتھ شاہ ولی اللہ اور احمد شاہ ابدالی انگریزوں سے بے خبر نہ تھے بلکہ وہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ کہیں مغل بادشاہ کے تساہل سے

انگریزوں کو اپنا اقتدار قائم کرنے کا موقع نہ ملجائے جس کے روک تھام کی تدبیریں کیں اور بہار سے شاہ عالم ثانی کا دہلی بلانا اسی لئے تھا کہ وہ انگریزوں کے اثر سے نکل آئے اور دہلی آکر اپنی طاقت کا استحکام کرلے[1] یہ تھے حکیم الامت اور امام شریعت وطریقت شاہ ولی اللہ

## تحریک آزادئ ہند کا آغاز اور سیدنا حضرات شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز

پوری صدی گذر جانے کے بعد سوال پیدا ہوا کہ دارالاسلام ہندوستان پر جب انگریزی حکومت نے تغلب کیا تو سب سے پہلا کون شخص تھا جس نے قانون اسلام کی پیروی کرتے ہوئے ہندوستان کو دوبارہ دارالاسلام بنانے کی سعی کی؟ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگزیب کے بعد جب ہندوستان کی حکومت کو گھن لگنا شروع ہوا تو سیدنا شاہ ولی اللہ ہی نے پوری فراست ایمانی اور سیاست دانی کا ثبوت دیتے ہوئے اسباب علل پر بحث فرمائی اور حکومت، امراء وزراء اور سوسائٹی کے دوسرے طبقات کو مخاطب کرکے ایک پروگرام دیا جس کا متن سید سلیمان صاحب کے الفاظ میں یہ ہے

"ہندوستان پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہوئی کہ عین تنزل اور سقوط کے آغاز میں شاہ ولی اللہ کے وجود نے مسلمانوں کی اصلاح و دعوت کا ایک نیا نظام مرتب کر دیا تھا"

(مولانا سندھی کے افکار و خیالات پر ایک نظر ص ۹)

اس متن کی شرح مولانا موصوف ہی سے سننے کے لائق ہے:

دلی میں اسلامی حکومت کا آفتاب جب غروب ہو رہا تھا تو اسی کے مطلع سے اسلام کا ایک اور آفتاب طلوع ہو رہا تھا یہ شاہ ولی اللہ دہلوی کا خانوادہ تھا۔ سچ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی پیشگوئی کے مطابق اس کے بعد جس کو ملا اسی دروازہ سے ملا ہندوستان میں ردبدعات کا ولولہ ترجمہ قرآن پاک کا ذوق صحاح ستہ کا درس، شاہ اسمٰعیل اور مولانا سید احمد بریلوی کا جذبۂ جہاد فرق باطلہ کی تردید کا شوق، دیوبند کی تحریک ان میں سے کون چیز ہے جس کا سررشتہ اس مرکز سے وابستہ نہیں (حیات شبلی ص ۲۹۸)

[1] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات

چنانچہ ہم اُوپر لکھ آئے ہیں کہ جب ہندوستان میں انگریزوں کے بعد یہاں کی حکومت میں ابتری پیدا ہوئی تو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے صرف یہ کہ اسکو محسوس کیا بلکہ اسکے ارباب وعلل پر بڑی دیدہ دری اور جامعیت کیساتھ بحث کی اور انکی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے اسکی طرف حکومت کو امراء اور وزراء کو عمال اور سوسائیٹی کے دوسرے طبقات کو توجہ دلائی اور پھر آپکے بعد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں دہلی کے حالات اور زیادہ بگڑے اور حکومت شاہ عالم از دہلی تا پالم" کی مثل صادق آنے لگی، انگریزوں کا اقتدار اور انکا ظلم وستم اور اس کے بالمقابل لال قلعہ کے بادشاہ کی طاقت وقوت کا اضمحلال روز افزوں ہوگیا تو شاہ عبدالعزیزؒ نے دہلی کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیدیا خاص دہلی کے متعلق ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| دریں شہر حکم امام المسلمین اصلا جاری نیست | امام المسلمین کا حکم اس شہر میں بالکل جاری نہیں ہے |
| وحکم رؤساء نصاریٰ بے دغدغہ جاری است | اور بڑے بڑے عیسائیوں کا حکم بے دغدغہ |
| مراد از اجراء احکام کفر اینست کہ در مقدمہ | جاری ہے اور احکام کفر کے اجراء سے مقصد |
| ملک داری وبندوبست رعایا واخذ خراج | یہ ہے کہ ملک داری رعایا کا بندوبست خراج اور باج کا |
| وباج وعشور اموال تجارت وسیاست قطاع | وصول کرنا کسٹم ڈیوٹی لینا۔ رہزنوں کو سزا دینا |
| الطریق وفیصل مقدمات وسزائے جنایات | اور مقدمات کا فیصلہ کرنا اور جرموں کی سزا دینا |
| کفار خود حاکم باشند | یہ تمام معاملات یہ لوگ خود ہی کرتے ہیں۔ |

فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۱۶

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

"کوئی مسلمان یا ہندو ان سے پروانۂ امن لئے بغیر دہلی یا اس کے اطراف وجوانب میں نہیں آسکتا"

اس فتویٰ سے دو باتیں روز روشن کی طرح واضح ہیں۔

(۱) حضرت شاہ صاحب نے انگریزوں کے خلاف جو ظلم وستم کی شکایت کی ہے اس میں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کا ذکر کیا ہے کہ دونوں شہر دہلی اور اس کے نواح میں امن کا پروانہ حاصل

کئے بغیر نہیں آسکتے اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ شاہ صاحب انگریزوں کے مظالم سے صرف مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ ہندوؤں کی بھی گلو خلاصی چاہتے تھے،

(۲) شاہ صاحب کسی ملک کے دارالاسلام ہونے کے لئے اس میں محض مسلمانوں کی آبادی کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ اس کے لئے یہ بھی ضروری جانتے ہیں کہ مسلمان باعزت طریقے پر رہیں اور ان کے شعائر مذہبی کا احترام کیا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر کسی ملک میں سیاسی اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو لیکن مسلمان بھی بہرحال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک شاہ صاحب کے نزدیک قطعاً دارالاسلام ہوگا:

اور از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں۔

ان فتاوی کی تائید علماء جونپور کے فتویٰ سے بھی ہوتی ہے جس کو مولانا طفیل احمد مرحوم نے ڈاکٹر ہنٹر کے حوالہ سے لکھا ہے (ملاحظہ ہو مدینہ، ستمبر ۴۸ء)

اس فتویٰ کے بعد دو ہی راہیں رہ گئی تھیں یا تو جہاد کیا جائے یا بصورت عدم استطاعت ہجرت اختیار کی جائے:

## سنہ ۱۲۰۱ھ - سنہ ۱۲۴۶ھ
## ۱۷۸۶ء ۱۸۳۱ء

یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ حضرت سید احمد شہید بریلوی اور ان کے ساتھیوں نے جس دینی تجدید و انقلاب کی کوشش کی تھی۔ اس کی داغ بیل شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ نے بہت پہلے ڈال دی تھی۔ ان بزرگوں نے علم کو بنیادی حیثیت دی تھی اس لئے بہتوں کو ان کے کاموں کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوگئی حالانکہ بات صاف تھی کہ جو انقلاب صحیح علم کے بعد لایا جاتا ہے وہ بہت پائدار اور ناقابل تسخیر ہوتا ہے کیونکہ امامت، نیابت، خلافت، اصلاح و تجدید کا رشتہ ہمیشہ علم سے وابستہ رہا ہے اور جو

طبقہ یا گروہ علم کی صفت میں بڑھ جاتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے اگرچہ اس کی کامیابی میں دیر بھی ہو جائے مگر وہ کامیاب کہا جائے گا۔ حضرت شاہ صاحب کی دعوت نے ہندوستان میں فروغ حاصل کیا۔ چنانچہ نظری و مذہبی اور علمی اعتبار سے اس کی جڑیں مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں جن کو ہندوستان کا سیاسی انقلاب اپنی جگہ سے ہلا نہ سکا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب یا سید احمد شہید کی تحریک سیاسی حیثیت سے ناکام رہی میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے یہ بات نیند میں کہدی ہے' ناکامی اصول کی خرابی کا نام ہے۔ جب اصول صحیح ہیں تو پھر ناکامی اور شکست کے کیا معنی؟ صحیح اصول کو نہ تو تاریخ میں کبھی شکست ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔ کیونکہ افراد یا جماعت کی غلطی سے جو وقتی شکست ہو جایا کرتی ہے اس کو تم اپنی بولی میں شکست کہہ لو مگر وہ شکست و ہزیمت ہے نہیں اس فرق کو سمجھ لینے کے بعد یہ تاریخی حقیقت کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کا مقصد جہاد ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کو کمپنی بہادر کے اقتدار سے نجات دلانا تھا۔ مگر ہندوستان کی یہ بدقسمتی تھی کہ پنجاب کے مسلمانوں کی زبوں حالی سے رنجیت سنگھ سے مقابلہ کرنا پڑا اور بالاکوٹ ہی میں مجاہدین کو حیات جاوید نصیب ہوگئی مگر ملک کے اندر ایسی روح پیدا کردی جو اب تک کام کر رہی ہے، انگریز بہادر سید صاحبؒ کے اس منصوبہ سے خوفزدہ تھا اور جب معلوم ہوگیا کہ زلزلہ کا رُخ سکھوں کی طرف ہے تو اس راہ میں سہولتیں بھی پیدا کردیں۔ سید صاحبؒ کے مقصد کو نہ سمجھنے کی بنا پر بعض مدعیان اصلاح و تجدید کو دانستہ یا نادانستہ طور پر دھوکا ہوا اور ایک الگ راہ پیدا کرکے امت کے اندر انتشار و تشتت کے ساتھ ساتھ اکابر اُمت کے کاموں کی تحقیر و تذلیل بڑے پیمانہ پر شروع کردی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سید صاحبؒ کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے! اس بنا پر آپ نے اپنے

ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور اس میں صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے، اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی اس سے آپ کو غرض نہ تھی، چنانچہ اس سلسلہ میں سرحد سے ریاست گوالیار کے مدارالمہام اور مہاراج دولت رائے سندھیہ کے وزیر اور برادر نسبتی راجہ ہندو رائے کو آپ نے جو خط تحریر فرمایا ہے وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ملاحظہ ہو

یکم ستمبر ۱۹۴۸ء مدینہ بجنور

## ۱۸۵۷ء

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی شہادت کے بعد یہ شیرازہ بکھر گیا مگر آپ جو جذبہ احیاء ملت اور استخلاص وطن کا پیدا کر گئے تھے وہ سرد ہونے والا نہ تھا اور ۱۸۶۴ء تک اس جماعت کی سرگرمیاں برابر جاری رہیں - ان کے علاوہ جو ارباب عزیمت ہندوستان میں تھے - انہوں نے ۵۷ء میں جنگ آزادی کا نقارہ بجایا -

حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ اور حضرت حافظ ضامن شہیدؒ جو حضرت میاں جی کے بڑے خلیفہ اور تمام خلفاء میں سب سے معمر اور سلوک میں افضل تھے جہاد کی طرف راغب تھے، اور شیخ محمدؒ تھانوی انگریزوں سے جہاد کے مخالف تھے، مولانا محمد صاحب علم ظاہر میں مشہور اور صاحب فتویٰ و تدریس تھے۔ اس لئے عوام میں آپ کا فتوے چلتا تھا۔ مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد رحمہما اللہ بھی اطراف وجوانب میں صاحب فتویٰ و تدریس مانے جاتے ہیں اس لئے حضرت حاجی صاحب نے سب کو اکٹھا کیا مولانا نانوتوی و مولانا گنگوہی نے جہاد کے وجوب کا حکم دیا، مولانا محمد صاحب نے اہل ہند کی بے سروسامانی کا ذکر اور شرائط فرضیت میں ہتھیار، عدد وغیرہ کا عذر کیا کہ انگریزوں کے مقابلہ میں ہمارے پاس کچھ نہیں ہے، اس کے بعد مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ کیا وہ

استطاعت جو کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس بمقابلہ کفار موجود تھی وہ بھی نہیں ہے اور کیا ہم ان سے بھی کمزور ہیں اس پر مولانا محمد صاحب مرحوم خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد حاجی صاحب و حافظ صاحب دونوں کو شرح صدر ہو گیا اور جہاد کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور حکم دے دیا گیا، اور شیخ محمد صاحب طبعی ضعف وغیرہ کی بناء پر اپنی رائے پر قائم رہے یا ہو سکتا ہے کہ مولانا محمد صاحب سکھوں اور انگریزوں میں فرق کرتے ہوں گے کیونکہ سکھ بمقابل انگریز عدد اور عدد دونوں میں کم تھے جضرت حاجی صاحب نے امامت منظور فرمائی جس میں اس وقت کے اکابر علماء مولانا فضل حق، مولانا قاسم، مولانا رشید احمد مفتی عنایت احمد صاحب وغیرہم نے شرکت فرمائی اور دست بدست جہاد کر کے حافظ ضامن صاحب وغیرہم شہید ہوئے۔ تھانہ بھون پر قبضہ کر کے قصبہ شاملی ضلع مظفر نگر تک مسلمانوں نے فتح کر لیا، کہا جاتا ہے کہ علماء کو سیاست نہیں آتی، حالانکہ تاریخی اعتبار سے یہ بات بالکل غلط ہے کیا سلاطین کا عزل و نصب، جنگ و مصالحت امراء اور وزرا کا تقرر وغیرہ یہ سب سیاسی کام نہیں ہیں اور کیا یہ علماء کے مشوروں سے انجام نہیں پائے اور کیا کوئی چھوٹا بڑا انقلاب ایسا بھی ہوا جو علماء کا مرہون منت نہیں؟

اس جنگ ۵۷ء میں سب سے زیادہ دخل علماء اور مسلمانوں کا تھا حسب تصریح ثورۃ الہندیہ ہندو کم تھے جب انگریزوں نے یہ معرکہ جیت لیا تو اس کا انتقام بھی اتنا لیا کہ انسانیت کو شرم آتی ہے غرض اس جنگ میں جہاں مسلمان علماء اور امراء کے نام آتے ہیں وہیں ہندوؤں میں مہاراجہ مٹھا عرف نانا صاحب اور رانی جھانسی وغیرہ کے نام آتے ہیں ملک اور وطن کے غدار تھے تو حکیم احسن اللہ خاں اور بلدیو سنگھ راجے پٹیالہ کی طرح دونوں تھے۔ اس جنگ میں ہندو مسلمانوں کی کوئی تفریق نہ تھی بلکہ پردیسی راج کو ختم کرنے میں دونوں متفق تھے۔ باقی جو لوگ مخالف تھے یا ضعف وغیرہ کا عذر لنگ کر کے کنارہ کشی اختیار کی ایسے لوگوں کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بہت پہلے ہی یہ تحریر فرما دیا تھا:

اگر بعض مسلمانان کہ نیت ایشان در اعلاء دین محمد علی صاحبہ الصلوۃ والتسلیمات ضعیف است اندیشہا دور دراز منقولی کنند آن را نیز استماع نہ باید نمود[۵] ۔ ترجمہ یہ ہے کہ اگر بعض مسلمان جن کی اعلاء دین محمدی کے سلسلہ میں نیت کمزور ہے لمبے چوڑے خطرے سامنے لاکر پیش کریں ان کی بھی نہ سننا چاہئے ۔

شیخ الکل حکیم الامت و مجدد ملت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی جانشین وہی کہے جا سکتے ہیں جنہوں نے آپ کے پروگرام کو کامیاب بنایا باقی جنہوں نے جنگ آزادی میں اپنی کمزوری کا عذر پیش کیا یہ چیز تو بقول ... شخصے ... ضعف ایماں اور خامی عشق کی دلیل ہے ۔

## تحریک دارالعلوم دیوبند

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ کا خاندان گویا ابراہیمی خانوادہ ہے اور یہ کہنا کسی طرح خلاف نہ ہوگا کہ "اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ" آپ کے بعد کے کاموں کو اگر سمجھنا ہے تو ذرا ماضی پر ایک اجمالی نظر کرنے کی ضرورت ہے جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تجارتی ادارہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی ہندوستان میں سب سے پہلا کالج ۱۷۱۳ء میں قائم ہوا ، اس کے بعد اکیلے چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے تقریباً بیس اسکول کھل گئے اور پبلک کے چندہ سے جو انگلستان میں جمع ہوا ۱۸۲۰ء میں کلکتہ میں بشپ چرچ کا افتتاح ہوا ، پھر ۱۸۴۹ء میں کلکتہ کے اندر سب سے پہلا زنانہ مدرسہ کھولا گیا ، یوپی اور پنجاب میں بیسیوں ایسے مرکز قائم ہو گئے جن سے مشن کے لٹریچر کی اشاعت ہوتی تھی ۔ ان عیسائی مشنوں کو عیسائیت پھیلانے میں کوئی زیادہ کامیابی ابتداءً نہ ہوئی البتہ انہیں اس باب میں یقینی کامیابی حاصل ہوگئی ، کہ لوگوں کے سامنے جب مذہب کا نام لیا جائے تو ذہن

---

[۵] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات

ایک ایسے نظریہ کی طرف منتقل ہو جائے جس میں عقل کو کوئی دخل نہ ہو اور جاہلانہ تعصبات کا مجموعہ ہو۔

غرض وہ تحریک شروع ہوئی جسے انگریزی ذریعہ تعلیم کی تحریک کہا جاتا ہے۔ ۱۸۲۹ء میں الکزنڈر ڈلف نے چاہا کہ ایک ایسا اسکول کھولا جائے جس میں ذریعہ تعلیم انگریزی ہو اگرچہ اس وقت کی حکومت نے مصلحتاً اس کی مخالفت کی۔ مگر ۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے کو اس امر کی تحقیق کے لئے مقرر کیا گیا کہ طریق و ذریعہ تعلیم کیا ہونا چاہیئے۔ انگریزی ذریعہ تعلیم کے حامی اپنے خیال کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ اس سے ایک ایسی قوم پیدا ہو جائے گی جو رنگ و خون میں تو ہندوستانی ہوگی۔ لیکن مذاق خیالات اخلاق اور ذہنیت کے لحاظ سے انگریزی ہوگی، چنانچہ اس دلیل کو وزنی سمجھا گیا۔ انگریزی ذریعۂ تعلیم قرار دے دی گئی۔ اور لارڈ ہیسٹنگز نے ۱۸۴۴ء میں اعلان کر دیا کہ سرکاری ملازمت کے لئے انگریزی خوان کو ترجیح ہوگی ؏

ایک طرف انگریزی زبان کی اشاعت و ترویج کے لئے یہ کچھ کیا جا رہا تھا دوسری طرف عربی اور فارسی کو مٹانے کے لئے کم قوتیں نہیں صرف ہو رہی تھیں، مسلمانوں کو لائبریریوں سے خارج کیا جاتا رہا۔ ان کے اوقاف تک جو خاص انہیں کے لئے وقف تھے۔ غیر مسلموں کی تعلیم میں صرف ہونے لگے، چنانچہ محسن ٹرسٹ پریذیڈنسی کالج کلکتہ پر صرف ہونے لگا۔ اعتماد الدولہ ٹرسٹ کا بھی یہی حال ہوا۔ قدیم زبانوں کی تخریب اور جدید تعلیم کے حاصل کرنے کے مواقع پیدا کئے گئے۔

یہ بات قطعاً غلط ہے کہ مسلمانوں کا مذہب انہیں تعلیم جدید سے روکتا تھا بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ تمام مدرسے عیسائی مشنریوں کے تھے اور وہاں بچوں کو عیسائیت کی تعلیم دے کر انہیں اسلام سے ورغلایا جاتا تھا چنانچہ ۱۸۵۶ء کا واقعہ ہے کہ حیدرآباد سندھ کے ایک مدرسہ میں مسلمان بچوں کو عیسائی بنایا گیا اور دوسرے ہی دن دوسرے بچوں نے تعلیم کو چھوڑ دیا یہ تھے وہ حالات

جن کے تحت یہاں نئی تعلیم کا اجراء ہوا، دل میں درد آنکھوں میں بینائی اور دماغ میں فہم و ادراک رکھنے والے مسلمان ان حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور کلیجہ مسوس کر رہجاتے تھے لیکن اس وقت بھی خدا کے ایسے بندے تھے جو مسلمانوں کی متاع ایمان کو یوں دن دہاڑے لٹتے نہ دیکھ سکتے تھے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی زیر قیادت اس تحریک عظیم کی بنیاد پڑی جسکو تاریخ میں "ترغیب محمدیہ" کہتے ہیں یہی آگے چلکر جمعیۃ العلماء بنی اور آپکے بواسطہ شاگردوں میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء یوم پنجشنبہ ہندوستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند قائم کی، اس شجر طوبی کی شاخیں بساط ارض اور فضائے آسمانی سے گذر کر وہاں تک پہنچ گئیں جو حضرت نانوتوی کا منتہائے نظر تھا فللہ الحمد والمنۃ

الزام دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو ملاؤں اور مولویوں نے انگریزی پڑھنے سے روک رکھا اسلئے یہ قوم تعلیم میں پیچھے رہ گئی۔ لیکن مذکورہ بالا واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے پھر فیصلہ کیجئے۔ کہ مسلمانوں کو تعلیم سے روکنے والے مولوی تھے یا ایک منظم اسکیم تھی؟ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے تو اپنے زمانہ میں یہ فتویٰ دے دیا تھا۔

"انگریزی پڑھنا علوم جدیدہ کا حاصل کرنا اسلام کی روایات اور روح کے بالکل مطابق ہے" (متاع کاروان)

ممکن ہے کہ کسی عالم نے یا چند مولویوں نے حسب عادت اس طرح کا فتویٰ دیدیا ہو مگر جہانتک مولانا نانوتوی وغیرہم علماء حق کا تعلق ہے اس طرح کی باتیں قطعاً بے بنیاد ہیں یہ علماء نہ تو ملک کے سفید آقاؤں کی تلوار سے خوف زدہ ہوئے ہیں اور نہ ان کو ہندوؤں کی عددی اکثریت نے اس پر مجبور کیا کہ وہ اس کی زد سے بچنے کے لئے حکومت وقت کے دامان کرم میں پناہ ڈھونڈھتے، بلکہ انہوں نے کمال خود اعتمادی اور اطمینان قلب کے ساتھ مسلمانوں کے ذہنی اور دماغی تربیت کا کام شروع کر دیا۔ اور الحمد للہ صحیح اسلامی فکر پیدا کرنے میں ان کو کامیابی بھی ہوئی۔

# کانگریس اور علماء حق کے نقطۂ نظر میں فرق

یہ خیال بالکل غلط اور حقائق سے چشم پوشی کے مرادف ہے کہ ملک کی آزادی کا اولین سنگ بنیاد کانگریس کا قیام ہے، حالانکہ کانگریس کی ابتدا ۱۸۸۵ء کے بعد ہوئی جس کے اولین مقصد میں ملک کا آزاد کرانا نہ تھا۔ بلکہ کچھ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں باہمی اعتماد پیدا کرنا اور ان کے دلوں کو ایک کرنا تھا۔[1]

(۱) ہندوستان کی آبادی جن مختلف عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متحد و متفق کر کے ایک قوم بنانا۔

(۲) اس طرح جو ہندوستانی قوم پیدا ہو اس کی دماغی، اخلاقی اور اجتماعی صلاحیتوں کو بیدار کرنا۔

(۳) ایسے حالات کی اصلاح و ترمیم کرنا جو ہندوستان کے لئے نقصان کا باعث اور غیر منصفانہ ہوں اور اس طرح ہندوستان اور انگلستان میں اتحاد و یگانگت کو استوار کرنا۔

اس واقعہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں

(۱) مسلمان اور ہندو اور دوسرے مذاہب کے ارباب نظر نے ۱۸۵۷ء کے بعد ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ انگریز اپنی حکومت مضبوط اور دیرپا بنانے کے لئے ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی اختلافات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے کیا، اس بنا پر انہوں نے کانگریس کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی قرار دیا تھا کہ ہندوستان کی سب قوموں کو ملا کر ایک ہندوستانی قوم بنایا جائے۔

(۲) کانگریس کے قیام کا مقصد انگریزوں سے ملک واپس لینا نہیں تھا۔ بلکہ راعی اور اور رعایا دونوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار رکھنا تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو پہلا خطبۂ صدارت مسٹر بنرجی وکیل کلکتہ اجلاس منعقدہ ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء

بہر کیف کانگریس کے عالم وجود میں آنے سے بہت پہلے ۱۸۰۳ء میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور دیگر علماء کی رہنمائی میں ایسی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو ہندوستان کو انگریزوں کے اقتدار سے نجات دلانا اپنا فرض سمجھتی تھی۔

علماء کے نصب العین کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت کو ہمیشہ جمہوریت کے اصول پر چلنا چاہیئے۔ تاکہ حکومت ہر مذہب و ملت کی خدمت کا ذریعہ بن سکے نہ کہ تغلب اور جبر و تشدد کا۔ قرآنی دعوت کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسانیت کو اس کے نشو و نما میں مدد دینا خدا کی پاک زمین سے ظلم و فساد کی گندگی کو دور کرنا۔ عدل و انصاف کا راج قائم کرنا۔ حق اس کے حق دار کو پہنچانا خدا کے مختلف المذاہب بندوں میں خلوص اور محبت اور صلح و آشتی پیدا کرنا وغیرہ چنانچہ جب تک سلطنت مغلیہ رہی اور دربار پر علماء کا اثر و اقتدار رہا۔ سلطنت انتظامی معاملات میں اسی عدل و انصاف کے اصول پر عامل رہی جس کا اعتراف مشہور مقرر اڈمنڈبرک نے پارلیمنٹ میں کیا کہ عیسائی بادشاہوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے قانون میں بدرجہا مضبوطیاں ہیں۔ اس قانون کی شرح کرنے والے علماء اور قاضیوں کا طبقہ موجود ہے جو اس کا محافظ قرار دیا گیا ہے" اور اس کی رو سے بادشاہوں تک کو حقیقی اعلیٰ طاقت حاصل نہیں ہے ... (مدینہ، ستمبر ۱۹۴۸ء)

# حضرت شیخ الاسلام کے اجمالی حالات

حکایت رخ آں یار دل نواز کنیم ‌‌‌‌ بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی عمت فیوضہم کی ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء کو دوشنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی شب میں بوقت ۱۱ بجے بمقام بانگر مئو ضلع اناؤ میں ہوئی جہاں آپ کے والد ماجد مولانا حبیب اللہ (خلیفہ مجاز مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی) مدرس تھے، تاریخی نام چراغ محمد رکھا گیا۔ آپ نسباً حسینی سید ہیں[۱]۔

[۱] تفصیلی حالات کے لئے حیات شیخ الاسلام اور نقش حیات جلد اول ملاحظہ ہو۔

۱۳۱۶ھ میں جب آپ کے والد ماجد بقصد ہجرت مع اہل و عیال عازم حجاز ہوئے تو حضرت والا کو بھی اپنی معیت سے سرفرازی بخشی اور اس قافلۂ مہاجرین نے حجاز مقدس پہنچ کر رحمۃ للعالمین کے جوار رحمت کو اپنے لئے فلاح دارین سمجھا اور وہیں پر اقامت فرمائی اس طرح حضرت والا کو مشیت ایزدی نے اکتساب فیض نبوت اور تحصیل مجد و شرف کے وہ گراں قدر مواقع عطا فرمائے جو سب کو نہیں ملا کرتے صرف ان ہی کو بخشے جاتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے لیے مخصوص فرمائے، اس وقت مدینہ منورہ میں دو کتب خانے غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے ایک کتبخانہ شیخ الاسلام اور دوسرا محمودیہ ان دونوں ہی کتب خانوں میں علاوہ مطبوعات کے مختلف علوم و فنون پر نایاب قلمی کتابیں بھی تھیں جن سے حضرت کو استفادہ کا پورا موقع ملا، عسرت اور معیشت کی تنگی قیام مدینہ میں آپ کے شامل حال رہی اس لئے بیشتر ایسا بھی ہوا کہ آپ نے کتابیں نقل کر کے اپنی معیشت کے سامان مہیا فرمائے مگر کوئی ایسا ذریعہ اختیار نہ فرمایا جس سے اپنی خودداری اور عزت نفس کو ٹھیس لگے مدینہ منورہ میں آپ کا خانوادہ تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ مگر صرف بارہ چھٹانک مسور کے پانی پر یہ تمام حضرات قناعت فرماتے تھے۔

ادبیات کی تکمیل آپ نے مدینہ منورہ کے معمر ادیب مولانا الشیخ آفندی عبدالجلیل برادہ سے یہیں پر فرمائی جو علماء حجاز میں اپنی ادبیت کی وجہ سے نمایاں حیثیت رکھتے تھے تکمیل علوم کے بعد آپ نے تدریس کی خدمت شروع کر دی اور تقریباً اٹھارہ برس تک مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے رہے تشنگان علوم دین ہزاروں کی تعداد میں آپ سے سیراب ہوئے۔ حرمین نجد و حجاز اور دیگر مقامات پر اب بھی آپ کے تلامذہ کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہند بھی حجاز تشریف لے گئے ادائیگی حج کے بعد دربار نبوت میں حاضری دی اسی سال جمال پاشا انور پاشا مرحوم بھی دربار رسالت میں حاضری دینے آئے اس کے کچھ ہی عرصہ بعد شریف حسین نے انگریزوں کی شاطرانہ اور پُر فریب سازش میں آکر ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ حضرت شیخ الہند نے اپنے خدام اور رفقاء کی معیت میں اس موقع پر ترکوں کی حمایت میں سرحدی قبائل

کو آراستہ کیا، انور پاشا اور جمال پاشا کو نقشہ کار کی تشکیل میں کافی مدد پہنچائی، حاجی ترنگ زئی مرحوم، مولانا لطف الرحمن، مولانا فضل ربی، مولانا فضل محمود، مولانا محمد میاں عرف مولانا محمد منصورؒ، مولانا عبید اللہ سندھی اور دیگر اشخاص سے، اس موقع پر بہت کچھ کام لیے مگر مشیت کسی اور ہی نقشہ کی تشکیل کر رہی تھی، ادہر عرب کی بساط سیاست اُلٹ جانا قضائے مبرم بن چکا تھا۔ اور ادھر ان مردان کار کے لئے ابتلاء و آزمایش کی نئی راہیں باز ہو رہی تھیں۔ انگریزی چالیں کامیاب ہو گئیں۔ حضرت شیخ الہند مالٹا میں ساڑھے چار برس مع دیگر رفقاء و تلامذہ جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی، مولانا عزیز گل و مولانا وحید احمد مدنی "مقید رہے۔

## اسارت مالٹا سے رہائی

بالآخر ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو حضرت شیخ الہند مع اپنے خدام کے مالٹا سے رہا کئے گئے یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں تحریک خلافت اور استخلاص وطن شروع ہو چکی تھی، حضرت شیخ الاسلام اپنے شیخ محترم کی ہمرکابی میں ہندوستان آئے۔ حکومت ترکی جو جنگ عظیم سے پہلے دول عظمیٰ میں شمار ہوتی تھی اس کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس کے ممالک محروسہ پر عمل جراحی کر کے ہر ایک حصۂ جسم کو یورپ کے کفن فروشوں نے تقسیم کر لیا تھا۔ حجاز، عراق، شرق اردن کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے بنا کر برطانوی تولیت میں دیدیے گئے تھے، حضرت شیخ الاسلام کے نزدیک آزادی ہند ملت اسلامیہ کے نقطہ نظر سے ممالک اسلامی کی آزادی کا واحد ذریعہ تھی، اس لئے آپ نے مدینہ طیبہ جانا مفید نہیں سمجھا اور مصروف کار ہو گئے۔ جیسا کہ آپ کے عربی مکتوب کے اس فقرہ سے وجہ اقامت ہند مترشح ہوتی ہے "وانی ایضاً حسب الارادۃ الالٰھیۃ مسافرت الی اقصی الدیار الھندیۃ" ) آپ بغرض اعلاء کلمۃ الحق ارض مقدسہ

سے آزادی ہند کا پروانہ لے کر وارد ہندوستان ہوئے اور کارکنان قضاو قدر کے فیصلۂ ازلی کے مطابق حضرت شیخ الہند کی تحریک اور آپ کے مشن کی کامیابی کا سہرا شیخ الاسلام کے ناصیۂ جمال احمدی کا طغرائے امتیاز بنا فللّٰہ الحمد والمنۃ ٭

## امام الہند مولانا آزاد کے دار العلوم کلکتہ کی صدارت

حضرت شیخ الاسلام پر اپنے شیخ اور مرشد کی اطاعت و محبت کا وہی غلبہ ہے جو سلف میں علامہ سخاوی کا ابن حجر کے ساتھ اور علامہ ابن قیم کا ابن تیمیہ کے ساتھ اور علی ہیثمی کا اپنے شیخ عراقی کے ساتھ تھا. علماء رسوم کو بڑا دھوکا ہوا کہ انہوں نے حاشیہ نشینی اور حاضر باشی کا نام ارادت و محبت رکھا. حالانکہ ارادت و محبت کا معیار اطاعت شعاری محبوب کی رضا جوئی اور مرضی محبوب کے سامنے تسلیم و رضا کے سوا دوسری اور کوئی چیز نہیں ہے، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بجائے شیخ الاسلام کو دار العلوم کلکتہ کی صدارت سے نوازا، اور کلکتہ سے رخصت کرتے وقت شیخ الہند نے شیخ الاسلام کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا، سینے سے چمٹایا اور تمام بدن پر اس کو پھیرا اس وقت کا عالم ہی اور تھا. جو ان ناسوتی آنکھوں سے ورا الورا واقفین رموز طریقت کے نزدیک عطاء فیوض روحانی کی خاص صورت تھی جس کے شواہد سلف سے متوارث ہیں، حضرت شیخ الاسلام کو خدمت شیخ سے جدا ہونا حد درجہ شاق تھا. جس کے لئے سب کچھ قربان کر چکے تھے زندگی کے آخری لمحات میں اس سے جدائی دردانگیز سانحہ تھا، بعض حضرات جو شیخ الہند سے خصوصی تعلق کے دعویدار تھے، جب شیخ الہندؒ نے مامور فرمانا چاہا تو یہ عذر کر کے جان چھڑالی کہ اس حالت میں جدائی شیخ سخت سوہان روح ہے، حالانکہ اسارت مالٹا میں اس مفارقت کو خندہ پیشانی سے برداشت کر چکے تھے، بلکہ بعض تو وہ تھے کہ انہوں نے ذلت آمیز

جدوجہد کر کے خطرۂ رفاقت سے جان بچائی تھی یہ واقعات نہ صرف شیخ الہند کی جانشینی کی غمازی کرتے ہیں بلکہ نص ہیں کہ آپ کے سوا کسی اور پر یہ منصب نہ صادق آیا اور نہ آنا چاہیئے تھا، چنانچہ آپ کی مجاہدانہ زندگی، خلوص، ایثار، صداقت، حق پرستی، فراخ حوصلگی، بلند ہمتی، تواضع وخاکساری اور آپ کا علم وعمل زہد وتقویٰ وغیرہ ایسے اوصاف کمال تھے کہ جو لوگ شیخ الہند سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے حقیقی جانشین قرار دیا سچ ہے "یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا" عربی شاعر کہتا ہے ؎

بِجِدِّہٖ لَا بِجِدٍّ کُلُّ مَجْدٍ وَمَاجِدٌّ بِلَا مَجْدٍ بِجَدٍّ

ہر طرح کی بزرگی کوشش سے حاصل ہوتی ہے نہ اس وجہ سے کہ اس کے باپ دادا بزرگ تھے اور نہ کوئی دادا بزرگی کے بغیر دادا بننے کے قابل ہے

## سیدنا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ۵۷ء کے پہلے تک ملک میں کام کرنے والوں کا ایک ہی طبقہ تھا وہ علماء اور مذہبی مسلمانوں کا طبقہ تھا، ۵۷ء میں علی گڑھ میں قائم ہوتا ہے اسوقت سے جدید وقدیم تعلیم کا فرق ہونے لگتا ہے، حجۃ الاسلام مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو پہلے دن سمجھ لیا تھا کہ ہندی مسلمانوں کی خیر نہیں ہے اور اب ذہنی دماغی مذہبی اور سیاسی اعتبار سے ہندی مسلمانوں کے رجحانات میں ایسا فرق ہو جائے گا کہ اگر بروقت علی گڑھ کے قیام کی تحریک میں اصلاحات نہ کی گئیں تو آیندہ چل کر نہ صرف ملک کے حصے بخرے ہو جائیں گے بلکہ دیوبند اور علی گڑھ کی وہ کشمکش پیدا ہو گی جو پھر ہندی مسلمانوں کے رہے سہے بھرم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گی۔ مولانا نانوتوی کی فراست ایمانی اور نگاہِ مردِ مومن کے سامنے ہندوستان کی پچاس سال قبل اور پچاس سال بعد کی سیاست تھی، اس لئے آپ نے سرسید مرحوم سے خط وکتابت شروع کی اور چاہا

کہ جدید وقدیم تعلیم کے فرق کو بیچ سے نکال کر صحیح اسلامی فکر کو اصول تسلیم کر کے میدان کو جیت لیا جائے۔ کیونکہ دین کی بنیاد صحیح علم وعمل پر ہے اور علم نام ہے خود شناسی اور خدا شناسی کا۔ سرسید مرحوم اس بنیادی اساس کے خلاف تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ سرسید اپنے خیالات پر سختی سے اڑ گئے اور مولانا نانوتوی کو اشتراک ورتعاون کا خیال جاتا رہا جس کا قصہ طویل ہے۔

اس چیز کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا قاسمؒ کی ایسی کمائی تھے کہ جو علوم وفنون افکار وخیالات ہیں اپنے استاد کے حقیقی جانشین اور چھوڑے ہوئے کاموں کے پورا کرنے والے تھے یہ شیخ الہند تھے کون؟ ایک عالم ربانی وعارف یزدانی تھا جو اپنے کام دذہن میں نہ ابوالکلام کی زبان رکھتا تھا نہ ہاتھ میں شبلی کا قلم۔ اس نے نہ انقلاب فرانس کی تاریخ پڑھی تھی اور نہ روسو اور مانٹسکو کے انقلاب انگیز لٹریچر کا مطالعہ کیا تھا وہ نہ گلیڈ سٹون کے مجموعۂ قوانین سے واقف تھا اور نہ ملٹن اسپنسر کے افکار ونظریات سے اس نے نہ کسی دل کشی کا حظ اُٹھایا تھا اور نہ عشرت کدہ فرنگ کی کسی لذت سے کام جوئی کی تھی۔ ان سب چیزوں کے برعکس اس کا شیرازہ حیات قال اللہ وقال الرسول اور اس کی زندگی کا خمیر اتباع سنت نبویہ تھا۔ اس کے فکر ونظر کا تار وپود احکام الٰہی کے انوار سے بنا اور شریعت اسلام کے آفتاب جہانتاب کی شعاعوں سے گوندھا گیا تھا۔ سینہ میں صبر واستقامت کا ایک کوہِ گراں رکھتا تھا۔ بظاہر وہ اپنے گوشۂ عزلت میں سب سے الگ تھا، لیکن اس کی نظر جہاں بین میں زمانہ کی تمام کروٹیں اور لیل ونہار کی تمام گردشیں سمٹ کر جمع ہوگئی تھیں نیشنل کانگریس حکومت سے حقوق طلبی کی جنگ لڑ رہی تھی لیکن شیخ الہند یہاں اس حکومت کا تختہ ہی اُلٹ دینے کا نقشہ تیار کر رہے تھے (مدینہ)

ہم کو تسلیم ہے کہ مولانا شبلی مرحوم اور مولانا ابوالکلام آزاد کے زبان وقلم نے غفلت کدہ ہند کے خس وخاشاک میں آگ لگا رکھی تھی لیکن حریت طلبی کے ذوق کی خامی کا ابھی یہ عالم تھا کہ ملک کی سب سے بڑی ترقی پسند جماعت کا قدم بھی حقوق طلبی کی منزل سے آگے نہ بڑھنے پایا تھا مگر علماء حق آنے والی جنگ آزادی کے لئے خاموشی سے بہادر سپاہی تیار کرنے کی مہم میں مصروف تھے ان کا نصب العین

نہ تو "دین و دنیا بہم آمیز" تھا اور نہ ان کا مطمح نظر "درمع الدہر کیف دار" تھا۔ بلکہ ان کا طرۂ امتیاز "زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ ستیز" پر تھا، ان کے نزدیک دین کا مفہوم ایک مکمل نظام زندگی تھا جس کی پہنائی اور وسعت کا ایک گوشہ زمین و آسمان ہے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ مولانا نانوتوی نے چاہا تھا کہ جس تعلیم و تہذیب کے ذریعہ مسلمانوں میں اختلاف کی داغ بیل پڑ رہی تھی اس پہ پہلے ہی دن تیشہ چلا دیں اور علی گڑھ و دیوبند کے بنیادی تصادم کو ختم کر دیں مگر ناکامیابی ہوئی حضرت شیخ الہند چونکہ حضرت نانوتوی کے ساختہ پرداختہ اور پوری الحیم سے واقف تھے۔ رہائی مالٹا کے بعد علی گڑھ کے طلباء نے مسلم نیشنل یونیورسٹی قائم کرنی چاہی تو صدارت کی ذمہ داری شیخ الہند نے قبول فرمائی اور چاہا کہ کسی طرح ایک کو دوسرے سے قریب لایا جائے اور نصف صدی سے جو حکومت پرستی کی تعلیم و تربیت ہو رہی ہے خدا پرستی میں اس کو تبدیل کر کے مسلمانوں کے باہمی اختلاف و تفرق کو قرآن نے "کفر" سے تعبیر کیا ہے اس کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ پوری تفصیل "علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" میں ملاحظہ کی جائے۔

شیخ الہند کے خطبہ صدارت کی چند عبارتیں پیش ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"بہت سے نیک بندے جن کے چہروں پر نماز کا نور ہے اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے، لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اٹھو اور امت مرحومہ کو زغہ سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف مسلط ہو جاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ ناپاک طاقتوں کا اور اس کے سامان حرب و ضرب کا"

"اے نونہالان وطن (طلباء علی گڑھ) جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار (جس سے میری ہڈیاں گھلتی جا رہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا، کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتائیں لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں علی گڈھ کی طرف آیا اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا (مدینہ ۱۷ دسمبر ۴۸ء)

چنانچہ اسی درمیان میں جامعہ ملیہ دہلی کی بنیاد بھی شیخ الہندؒ نے رکھی جو اس نظریہ کے بموجب قائم کیا گیا تھا کہ علوم عصریہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایسی آزاد درس گاہ ہو جو گورنمنٹ کی اعانت اور اس کے اثرات سے بالکل آزاد ہو۔ اور جس کا تمام تر نظام عمل اسلامی خصائل اور قومی احساسات پر مبنی ہو، بلاشبہ شیخ الہندؒ کی تشریف آوری پر مسلمانوں کے اقبال کا ستارہ گردش سے نکل چکا تھا اور اُمید تھی کہ ہندوستان کا نقشہ جلد سے جلد بدل جائے گا۔ اور صدیوں کا دلدّر جاتا رہے گا کہ آپ کی وفات نے بزرگوں کے کام کو بہت پیچھے ڈال دیا اور مولانا محمد علی مرحوم نے روتے روتے فرمایا" آپ کی وفات نے کمر توڑ دی" اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

# امام العصر اور دیگر مشائخ

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں میں اعلاء کلمۃ الحق کی خدمت انجام دے کر تقرب الی اللہ کا جذبہ کار فرما اور قرآن عزیز کو سارے عالم پر حکمران بنا کر اپنے خدا کو راضی کرنے کی خواہش تھی اس وقت تک ان کی تمام عبادتوں میں جان اور روح باقی تھی اور جب سے دین کے متعلق ان کا تصور یہ ہو گیا کہ وہ صرف انفرادی اعمال کی اصلاح اور شخصی نجات کا ایک ذریعہ اور صوم وصلوٰۃ، اوراد و وظائف، تلاوت قرآن کی پابندی مذہبیت کی علامت ہے اس وقت سے ان کے اندر وہن ( حب الدنیا وکراہیۃ الموت ) پیدا ہو گیا ہے۔ ہم کو مذکورہ بالا امور شرعی کی فرضیت واستحباب سے انکار نہیں بلکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ مذہب ایک باطنی جذبہ ہے جس کا اظہار زندگی کے جملہ اعمال سے ہونا چاہیئے تاکہ اسلام کی مخالف طاقتوں کا مقابلہ کرنے اور دین حق کو غالب بنانے کا بنیادی تخیل بروئے کار آئے۔

پس دینی کام یہ ہے کہ کوئی دنیوی کام جب جذبۂ دینی کے تحت اور اسلامی نصب العین

کی محبت میں کیا جائے تو پھر وہ دنیا کا کام نہیں رہتا بلکہ عین دینی کام بن جاتا ہے بخلاف اس کے دنیا داری یہ ہے کہ ایک طرف ہم نمازیں پڑھیں عبادات کریں اور خدا کی محبت کا دعویٰ کریں اور دوسری طرف ہم کفر و شرک کی طاقتوں سے مداہنت کریں کافرانہ تہذیب کے غلبہ پر راضی رہیں اور ارباب اقتدار کی برائیوں اور ناشائستگیوں کو خاموشی سے دیکھا کریں کہ مبادا اظہار حق سے ہمیں نقصان پہنچ جائے تو یہ دنیوی کام ہے اور ایسی برائی ہے کہ "سارا کیا دھرا برباد" سے اسی کو تعبیر کرتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ کسی سرپھرے کو مذکورہ بالا معروضات پر اطمینان نہ ہو سوان کی تسکین کے لئے صرف سورۂ توبہ کی چند آیات پیش ہیں ارشاد ہوتا ہے:

| | |
|---|---|
| قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ | (اے رسول) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے |
| وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ | بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے |
| وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا | اہل خاندان اور وہ مال جنہیں تم نے جمع کیا ہے اور |
| وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا | وہ تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور وہ |
| وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ | قیام گاہیں جو تمہیں پسند ہیں، اگر یہ سب چیزیں اللہ |
| إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ | اور رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تم کو |
| وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا | عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم |
| حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ؕ | تمہارے سامنے لائے۔ |

غور کا مقام ہے کہ یہ مخاطبت کن لوگوں سے کی جا رہی ہے؟ ان سے جن کی نمازیں اور عبادتیں یکسر خلوص و للہیت سے معمور تھیں، جن کے اعمال صالحہ و فضائل اخلاق دنیا کی ساری تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے باوجود اس کے انہیں چیلنج کیا جاتا ہے کہ اگر زندگی کی محبتوں اور الفتوں نے دین حق کی راہ میں اور اعلاء کلمۃ الحق کی طلب میں ادنیٰ سی رکاوٹ بھی پیدا کی تو خدا کے حکم کے منتظر رہو، آج جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہماری نمازیں

دعائیں اور ریاضتیں نجات کے لئے کافی ہیں انہیں غور کرنا چاہیئے کہ جب صحابۂ کرام کو ان نمازوں اور عبادتوں اور اعمال صالحہ کے باوجود انجام سے اس لئے ڈرایا جا رہا ہے۔ کہ مبادا اسلام کی سربلندی اور دینِ حق کے غلبہ کی کوشش میں ان کے قدم سست پڑ جائیں تو ہم لوگوں کی عبادتیں اور شاہی تصوف کس شمار و قطار میں ہیں جب کہ ہم خدا کے دین کو سربلند کرنے اور اسلام کو دنیا پر غالب کرنے کی ادنیٰ ترین قربانی دینے پر تیار نہیں جی چاہے تو غزوہ تبوک کے متخلفین کو بھی اسی میں شامل کر لیا جائے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ اگر دنیا میں اپنی آنکھوں کے سامنے اسلامی اقتدار مٹ رہی ہوں کعبہ پر گولیاں برس رہی ہوں اور آپ مسجدوں اور خانقاہوں میں لمبی لمبی تسبیحیں جپتے رہیں اور تہجد گزاری میں مصروف ہوں تو حقیقتاً آپ کو نہ اسلام سے محبت ہے اور نہ کفر سے نفرت لہٰذا اپنے ایمان کا امتحان کرنا چاہو تو دیکھو کہ خدا کی راہ میں تکالیف و مصائب برداشت کرنے کی خواہش تم میں کتنی ہے یہ وہ کسوٹی ہے جس پر کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے چونکہ ہم مذہب کے کچھ فرائض اور واجبات پر قانع ہو گئے ہیں اس لئے خدا کی راہ میں صعوبتیں برداشت کرنے اور کلمہ حق کے بلند کرنے کے فرق کو نہیں سمجھا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرح کی ترقی کی خواہش سے ہم کو دست بردار ہونا پڑا۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور اللہ کی راہ میں جد و جہد ترک کر دو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے کبھی نہ نکل سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین کی طرف واپس آؤ۔

چونکہ امام العصر کی زندگی کامل اتباع نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کی تقلید ہے اس لئے آپ میں اسکی لگن اور نصب العین کا وہ عشق ہے کہ جس کے لئے کوئی قربانی نہ تھی جس کو آپ نے گوارا نہ فرمایا ہو اور کوئی مشقت نہ تھی جس کو آپ نے دین حق کے لئے نہ سہا ہو اور کوئی تکلیف نہ تھی جس کا استقبال سکراتے ہوئے نہ کیا ہو یعنی عشق کا وہ جنون ہے کہ جب سر پر سوار ہوتا ہے

تو محبوب کی طلب میں کوئی مزاحمت مزاحمت نہیں رہتی اور شوق منزلِ راہ کی تمام دشواریوں سے بے نیاز کر دیتا ہے، خلاصہ یہ کہ امام العصر کی زندگی کا خمیر عشق کی دلولہ انگیزیوں اور جنوں نوازیوں سے تیار ہوا ہے اور آپ کی ذات میں ایثار و قربانی اور سرفروشیوں کی ایک دنیا آباد ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جو آپ کو دوسرے مشائخ سے ممتاز کرتی ہیں کیونکہ صحابہ کرام کے اتقاء و اخلاص کا پیمانہ جہاد فی سبیل اللہ تھا نہی روح اور یہی تڑپ آپ کے اندر بھی برابر کام کرتی رہی ہے۔

اس موقع پر ایک بات کا صاف کر دینا ضروری ہے جو کہی جاتی ہے کہ ارباب تصوف سلوک اور اولیاء کرام نے اپنے زمانہ کے سیاسی اور تمدنی نظام کو کبھی اپنے ہاتھوں میں نہیں لیا بلکہ صرف وہی نماز روزہ، درود وظائف وغیرہا کی تلقین کرتے رہے اور اخلاقی تعلیمات پر چلنے اور دنیاوی بکھیڑوں سے الگ تھلگ رہنے پر ساری توجہ مرکوز کر دی۔ صوفیاء کرام پر یہ الزام غلط ہے کہ ان کو معلوم نہیں کہ صوفیاء کرام کی نشو و نما جس نظام میں ہوئی تھی وہ اصلاً اسلامی نظام تمدن تھا۔ مانا کہ حکومت کا طرز اور ریاست کا نظام ضرور بدل گیا تھا لیکن معاشرت و تمدن کا پورا ڈھانچہ اسلامی طریقہ پر بدستور قائم تھا۔ اور اسلامی عنصر غیر اسلامی عنصر پر غالب تھا۔ حتیٰ کہ حکومت کا مذہب اسلام تھا جس کو قطعاً بدلنے کی ضرورت نہ تھی لیکن کیا ہندوستان کے حالات وہی تھے یا ہیں؟

"سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا ست"

باقی رہا امام العصر کی زندگی پر مستقلاً الگ الگ گفتگو کرنا میرے موضوع سے خارج ہے اگر کسی کو شوق ہو وہ اس شعر کو جس قدر بھی ممکن ہو وسعت دے لے تو آپ کی زندگی سامنے آتی جائے گی ؎

زیستن طفل صفت پاک نہ آلائش دہر
رائے چوں پیر زدن کار جواناں کردن

# حضرت شیخ الاسلام کے بعض امتیازی کارناموں کی تمہید

مسلمانوں کے تنزل نے عرصہ سے مفکرین اسلام کو پریشان کر رکھا ہے کہ وہ کونسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اسلام کا عروج ہو اور مذہبی و سیاسی اعتبار سے اسلام ایک ہمہ گیر دعوت بن جائے۔ علامہ سید جمال الدین افغانی" نے اس کا علاج اتحاد اسلامی تجویز کیا۔ اس پان اسلام ازم کی خاطر در بدر کی خاک چھانی اور اسی دعوت کی سعی میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی رحمۃ اللہ علیہ قریب قریب اسی تصور کو لے کر ٹرکی میں مدحت پاشا بلاد روسیہ و ترکستان میں شیخ صدرالدین، مصر میں شیخ محمد عبدہ، شام میں عبدالرحمٰن کواکبی اُٹھے اور بہت حد تک کامیاب رہے۔ اس کے بعد مصر ٹرکی اور ایران میں اسلامیت کے بجائے یورپ کی وطنیت کی چیخ پکار شروع ہوئی جس کے علمبرداروں میں مصطفیٰ کامل اور مفتی زادہ ایران ہوئے اور ٹرکی نوجوانوں نے اسی راستہ کو اپنایا۔

ہندوستان میں سرسید مرحوم نے مسلمانوں کے تنزل کا علاج تجویز کیا کہ مذہب کے سوا ہر چیز میں انگریز بن جاؤ۔ مگر ہندی مسلمانوں پر خدا کی بڑی رحمت ہوئی کہ عین تنزل اور سقوط کے آغاز میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود نے مسلمانوں کی اصلاح اور دعوت کا ایک نیا نظام مرتب کر دیا تھا۔ شاہ صاحب کی دعوت کا محور و مرکز علم و عمل میں سلف صالحین کا کامل اتباع تھا اور حضرت شاہ صاحب" ہی کا یہ فیض تھا کہ آپ کے تربیت یافتہ تلامذہ مسترشدین بواسطہ اور بلاواسطہ بزرگوں میں سے ایک مجاہد اعظم سرفروشی و جانبازی کا تصور لے کر اُٹھتا ہے جو صحیح تجدید و اصلاح کر کے ایک ایسی صالح جماعت پیدا کر دیتا ہے جس کی نظیر صحابہ کے بعد اب تک نہ تو دیکھنے میں آئی اور نہ سننے میں یہ حضرت

سید احمد شہید کی ذات گرامی تھی رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ اتباعہ الی یوم الدین

**تنبیہ**:۔ "مصلحین اور علماء و مشائخ نے بے شبہ اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور ہزاروں بندگان خدا کو ان سے ہدایت ہوئی، ہزاروں کو ان کی وجہ سے کلمہ نصیب ہوا۔ ہزاروں کے خاتمے اچھے ہوئے؛ آج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ان سے جاری ہے۔ لیکن ان سب کے محدود حلقے اور عمل کے دائرے ہیں۔

حضرت سید صاحبؒ نے جماعت سازی کے بجائے افراد سازی فرمائی اور ماحول کی تبدیلی پر اپنی ساری قوت مرکوز کر دی اور یہ نقشہ پیدا کر دیا کہ روحانی ترقی ہو یا کمال باطنی، ذہنی سیاست ہو یا مذہبی انقلاب بدون شوق شہادت ناممکن ہے۔ کیونکہ مجاہدے کی تکمیل جہاد ہے اور سر فروشی و جانبازی، جہاد و قربانی اور تجدید انقلاب فتح و تسخیر کے لئے جس روحانی و قلبی قوت، جس وجاہت و شخصیت، جس اخلاص و للہیت، جس جذب و کشش اور جس حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائی باطنی تہذیب نفس ریاضت۔ عبادت کے بغیر نہیں پیدا ہوتی اس لئے تم دیکھو گے کہ جنہوں نے اسلام میں مجددانہ و مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے ہیں ان میں بے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے، اور شوق شہادت سے لبریز تھے۔ ان آخری صدیوں ہی پر نظر ڈالو۔ امیر عبدالقادر الجزائری مجاہد الجزائر محمد احمد السودانی مہدی سوڈانی سیدی احمد الشریف السنوسی (امام سنوسی)، سید احمد شہیدؒ اور آپ کے خلفاء میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کے نامور شیخ حاجی عبدالرحیمؒ ولایتی میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ اور اس سلسلہ کے دوسرے حضرات مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ شیخ الہند اور شیخ الاسلام

مولانا مدنی کو حضرت سید شہیدؒ سے ایسا گہرا روحانی و جہادی رابطہ ہے کہ جس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے ؎

ہم نے سیرت میں ہیں مردان دلاور ممتاز ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

خلاصہ یہ کہ روحانی ترقی اور باطنی کمال میں شوق جہاد اور ولولۂ شہادت کو جو دخل ہے. قرآنی صداقت اس پر مہر تصدیق ثبت کر چکی ہے وہ غیر مجاہد کو کہاں نصیب ہو سکتی ہے فن سلوک اور قوت نسبت میں حضرت حاجی عبدالرحیمؒ مشہور شیخ اور عارف تھے آپ کی شہادت ہے کہ "اگر میں سید احمد شہیدؒ سے بیعت کے بغیر مر جاتا تو میری موت بری ہوتی" یہ کون سی چیز تھی یا کون سی کمی تھی؟ وہی جذبۂ جہاد و اعلاء کلمۃ الحق کی کمی خود حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تیاری جہاد کی بدولت جو نعمت دی اور خیر و برکت عطا کی. اس کے دسویں حصہ کے برابر ان اول معاملات کی تمام خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت شہیدؒ)

---

# من از بہر تو زندہ کنم دار و رسن را

تحریک ترک موالات کا اہم واقعہ کراچی کا مقدمہ ہے جو زیر دفعہ ۱۲۰، ۱۳۱ و ۵۰۵ حضرت شیخ الاسلام، علی برادران مرحوم، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولوی نثار احمد کانپوری مرحوم اور جگت گرو سوامی کرشن تیرتھ (شنکر اچاریہ) اور (غلام محمد مجدد صاحب سندھی) پر چلایا گیا۔ بناء مقدمہ شیخ الاسلام کی وہ تجویز تھی جو آپ نے آل انڈیا خلافت کانفرنس ۱۹۲۱ء میں پیش فرمائی تھی، اس تجویز کا حاصل یہ تھا کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے سرکاری فوج میں ملازم رہنا یا بھرتی ہونا یا دوسروں کو بھرتی کی ترغیب دینا حرام ہے، مولوی محمد علی مرحوم اور دوسرے حضرات اس کی تائید یا اشاعت کے الزام میں ماخوذ تھے تفصیل کے لئے روداد کراچی اور حیات شیخ الاسلام ملاحظہ ہو۔

مقدمہ کراچی شیخ الاسلام کی زندگی کا وہ مجاہدانہ کارنامہ ہے کہ جس کی نظیر مشکل سے سلف میں ملتی ہے، برطانیہ کی حکومت اور اس کے قوانین سے اسلام کا مقابلہ ہے، پھر سنگینوں کے سایہ اور زنجیروں کی جھنکار میں حکومت کو اپنی شوکت کا مظاہرہ بھی کرنا ہے۔ ایسی حکومت جس کی حدود کے اندر سورج کو آرام نصیب نہیں فرعون سے بڑی اور جابر حکومت جس کے لئے موسیٰ جیسے اولو العزم پیغمبر کو نجات دہندہ بنی اسرائیل بنا کر بھیجا گیا تھا، برطانیہ ومن اخو انہا کے مقابلہ میں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا مظاہرہ پوری بلند آہنگی اور کمال آزادی کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ایک امتی جو بظاہر بے سروسامان ہے لیکن جس کے قلب میں حسین ابن علی کی شجاعت اور دماغ میں امام احمد کا نشۂ سنت اور منصور اور مجدد الف ثانی کے دار و رسن کی لذت ہنوز تازہ ہے اس کو سلف کی سُنت کو از سر نو زندہ کرنا اور خوف سلطان و امیر کو اپنے جوتوں کی ٹھوکروں سے پامال کر کے "ان افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر" کی صداقت کو پھر بروئے کار لانا ہے ؎

عمریست کہ افسانہ منصور کہن گشت　　من از سر نو زندہ کنم دار و رسن را

دوستو یہ شاعری نہیں واقعات ہیں مقدمۂ کراچی کے بیان کے یہ آخری کلمات "اگر گورنمنٹ مذہبی آزادی چھیننے کو تیار ہے تو مسلمان اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار ہوں گے اور میں پہلا شخص ہوں گا جو اپنی جان قربان کر دوں گا اور جو میدانِ جہاد میں سر بکف نظر آئے گا وہ حسین احمد ہوگا۔ مولانا محمد علی مرحوم نے شیخ الاسلام کے قدموں کو چوم لیا۔ اللہ اکبر العظمۃ للہ ؎

وان یک لابُدَّ من الموتِ للفتیٰ　　فقتل امرءٍ فی اللہ بالسیف اجمل

(حسین ابن علیؓ)

باتیں بنانا، ترک دنیا کا مشورہ دینا، تصوف و سلوک کی گتھیوں کو سلجھانا سالہا سال اعتکاف و مکاشفہ میں گذار دینا، مراقبات میں لگے رہنا، استغراق و تبتل کی زندگی بسر کرنا خلوت نشینی و عزلت گزینی اختیار کرنا۔ مطالعہ کتب سے تبحر پیدا کرنا کسی علمی ادارہ میں تصنیف و تالیف کی قابلیت بہم پہونچانا بہت آسان ہے، لیکن جو چیز سب سے زیادہ مشکل روح فرسا اور صبر آزما ہے وہ میدان میں نکل کر زہد و تقویٰ، علم و فضل کیسا تھ خدمت خلق، نوع انسان کی ہمدردی، عزم و استقلال، صبر و تحمل رضا و تسلیم کے ساتھ دعوت عمل، مخلوق کی سچی بہی خواہی جو کبھی مسجدوں میں لے جائے کبھی حلقۂ درس میں کبھی ممبر پر کھڑا کرے کبھی سیاسی پلیٹ فارم پر کبھی اپنوں کی گالیاں سنوائے اور کبھی

پا بہ زنجیر جیل خانوں میں لیجائے۔

راتوں کو ہم "باللیل رہبان" اور دن کو "بالنہار فرسان" کا منظر آنکھوں کے سامنے پیش کرے غمخواری مُسلم کی خلش جو نیند کو حرام کردے اور مجلس احباب کو سوز و گداز سے بھر دے، افق پر صبح صادق کی کرنیں چمکیں تو وہ توبہ و استغفار میں مشغول ہو۔ جب آفتاب روپوش ہو جائے تو یہ مبتلائے سوزِ خلق، امت مرحومہ کا تنہا مرثیہ خواں دور دراز کے سفر پر حریت عمل اور آزادیٔ ضمیر کا درس دینا، مردہ دلوں کو زندگی بخشنا در بدر کی خاک چھاننا۔ اپنے پروردگار کے سامنے سربسجود و معروف گریۂ بکا ہو اور اپنے طول و طویل قیام و سجدے سے زاہدانِ خشک اور شاہی تصوف کے مدعیوں کی خلوت خانوں کو شرما رہا ہو۔ اور سارے رشتے توڑ کر عشق حق کا یہ ترانہ گا رہا ہو ؎

بالشنہ دردیشی درساز و مادم زن    چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

غرض یکم نومبر ۱۹۲۱ء کو اس تاریخی مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ بغاوت کے جرم سے ملزمین کو بری قرار دیا گیا۔ البتہ زیر دفعات ۵۰۵ اور ۱۰۹ تعزیرات ہند حضرت شیخ الاسلام اور آپ کے تمام رفقاء کو دو دو سال قید با مشقت کا حکم سنا دیا گیا۔ اسی سلسلہ میں محمد علی مرحوم نے حضرت شیخ سے ترجمہ قرآن مجید پڑھا اور حضرت امام العصر کی زندگی کا اثر محمد علی مرحوم پر یہ تھا کہ بر سر اجلاس حضرت کو اپنا آقا کہا اور پھر ہمیشہ اپنا جیتا بھائی کہا کرتے تھے۔

جیل خانوں میں حضرت شیخ کا محبوب مشغلہ قرآن حکیم اور مراحل سلوک رہا۔ چنانچہ آپ مالٹا اور کراچی سے علم و تقویٰ کے ساتھ حفظ قرآن عزیز کی دولت لے کر واپس آئے، مکتوب کراچی اس سلسلہ کی بڑی دستاویز ہے جو اس پہلی جلد میں کہیں درج ہے، مفصل مکتوب حیات شیخ الاسلام صفحہ ۶۵ پر موجود ہے۔ غرض حضرات انبیاء علیہم السلام

کے حالاتِ زندگی اور بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے یہ بات معلوم ہے کہ ان منعم علیہم السلام پر جو جسمانی مصائب آئے اور جس قدر ان بزرگوں نے جانبازی و سرفروشی کی اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ دنیا میں کسی کو اتنی اذیت نہیں برداشت کرنی پڑی جتنی حضرات انبیاء کو تو کوئی وجہ نہیں کہ جو منصب امامت پر فائز اور نیابت و وراثت کے مقام پر متمکن، تجدید و اصلاح کا علمبردار ہو اور وہ بغیر اس راہ سے گذرے مجدد ہو جائے بڑی غلط بات ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا جزو لاینفک حریت اور جہاد کا احیاء رہا ہے ملاحظہ ہو مکاشفات یوحنا۔ اگر انبیاء اور ان کے جانشینوں کی زندگی سے جسمانی مصیبتوں کا اٹھانا جان پر کھیلنا سرفروش ہونا نکال دیا جائے تو پھر تواصی بالحق کے ساتھ تواصی بالصبر" اور "وَانْہَ عَنِ الْمُنکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ" کی حقیقت کس طرح جلوہ گر ہو سکتی ہے اور افضل الجہاد کلمۂ حق کا مظہر کون ہوگا؟ وہ جس کو دار و رسن سے لرزہ آئے یا وہ جو کراچی اور مالٹا کے قید خانوں میں انبیاء کی زندگی کا ثبوت پیش کر رہا ہو۔ سچ فرمایا گیا ہے ؎

نازنینانِ جہاں ناز فراموش شدند | کہ گدائے تو بانداز دگر می نازد
پارسایاں ہمہ نازند بہ زہد و طاعت | یک ندیم است کہ بر دامن تر می نازد

# شیخ الاسلام اور تبلیغ اسلام

"اسلام ایک ابرِ کرم تھا اور سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا۔ لیکن فیض بقدر استعداد پہونچا جس خاک میں جس قدر قابلیت تھی اسی قدر زیادہ فیضیاب ہوئی یہ ایک نفسیاتی علت ہے جو تبلیغ اسلام اور توسیع مذہب کے اسباب کو ظاہر کر رہی ہے کیونکہ اسلام ابرِ کرم ہے، پریم و محبت ہے اخلاق اور روا داری ہے، خلوص اور للّٰہیت ہے، ہمدردی خلق اور بنی نوع انسان کی خدمت ہے تواضع اور خاکساری ہے

حق پرستی اور حق شناسی ہے، سچائی اور ایمان داری ہے یہ اوصاف انسانیت کا زیور جذب وکشش، گرویدگی و میلان طبع کے وہ ہتھیار ہیں جن کا نہ کوئی روک ہے اور نہ جن کے ردعمل کے لئے کوئی حربہ کارگر ہے بس جس طریقے سے اسلام ہندوستان کے مختلف حصوں میں پہونچا، ان میں علماء حق اور صوفیاء کرام کی زندگی کو سب سے بڑا دخل ہے اگر یہ کہا جائے کہ حکومت کے زور وزر سے اسلام پھیلا تو اتنا کہہ دینا اس کی تردید کے لئے کافی ہوگا کہ دہلی آگرہ، لکھنؤ، احمد نگر اور احمد آباد وغیرہ کے نواح میں جو صدیوں مسلمانوں کی حکومت کے مرکز رہے اب بھی مسلمانوں کی تعداد دوسری قوموں کے مقابل میں کیوں کم ہے؟ حالانکہ مسلمانوں کو زیادہ ہونا چاہیئے تھا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی بیشتر دو علاقوں میں ہے۔ شمال مغرب یعنی صوبہ سرحد، سندھ، کشمیر پنجاب اور شمال مشرق یعنی بنگال اور آسام میں بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی کیا وجہ ہے؟ صاف جواب ہے کہ یہ اسلامی تعلیم کا اثر ہے چنانچہ مالابار۔ گجرات، کچھ اور شمالی ہندوستان کے بعد سب سے پہلے جس علاقہ میں اسلام پہنچا وہ بنگال اور آسام ہے، یہ علاقہ قطب الدین ایبک کے عہد ہی میں بختیار خلجی نے فتح کرلیا تھا۔ سب سے پہلے بزرگ جو دہلی چھوڑ کر بنگال گئے، وہ مولانا جلال الدین تھانیسری" تھے جو شیخ شہاب الدین سہروردی" کے مرید اور ایرانی نسل کے تھے بنگال میں آپ کی ذات سے بڑا فروغ ہوا، جس جگہ آپ کی خانقاہ ہے۔ وہاں پہلے بتخانہ تھا۔ یہاں کے تمام پجاری آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ آپ کی وفات ۱۲۲۵ء ۶۲۲ھ میں ہوئی مزار سلہٹ میں ہے

شیخ الاسلام کی تبلیغ کا سب سے اہم محور صوبہ بنگال و آسام رہا ہے۔ یہی صوبہ حضرت سید شہید اور آپ کے خلفاء کے دائرہ رشد و ہدایت کا بھی مرکز تھا۔ چنانچہ مولانا کرامت علی جونپوری اکاون سال تک ان صوبوں میں ہدایت کرتے رہے اور وہیں رنگپور میں رحلت

فرمائی ان اکابر کے صحیح جانشین نے بھی اس علاقہ کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنایا، جہاں سے گم گشتگانِ راہ کو دعوتِ اسلام دی جاتی، اور رہ نوردانِ معرفت کو دوبارہ زندگی عطا کی جاتی تھی۔"

۲۳ء سے ۲۸ء تک تقریباً ۶ سال آپ بنگال میں اور سلہٹ (آسام) کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علاقہ کی اصلاح کے لئے آپ کا قیام رحمت خداوندی اور تائید غیبی تھا اس عرصہ میں درس و تدریس کے علاوہ آپ کا مشغلہ تبلیغ و اصلاح تھا۔ صوبہ آسام کی مرطوب آب و ہوا میں کافی احتیاط کے بغیر صحت کا باقی رکھنا بالخصوص غیر بنگالی اور غیر آسامی کے لئے امر محال ہے۔ ندیوں، نالوں اور سیلاب زدہ نشیبی زمینوں کا ایک سلسلہ ہے جس کا نام آسام اور بنگال ہے، قدرت نے گویا اس کو طوفانوں سیلابوں اور بارشوں کے لئے بنایا ہے، مگر انسانوں نے زبردستی رہنا شروع کر دیا ہے اور سطح زمین نہیں ملتی تو سطح آب پر کشتی کے سینہ ہی کو مسکن بنا لیتا ہے۔ ایسی سرزمین میں کسی خشک ملک کا باشندہ کس طرح صحت باقی رکھ سکتا ہے۔ مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو خداوند عالم نے فوق العادت ہمت عطا فرمائی ہے آپ نے چھ سال تک وہاں قیام ہی نہیں کیا، بلکہ سطح آب کو سطح زمین کی طرح تبلیغی دوروں کا جولان گاہ بنا لیا۔

وہ ندی اور نالے جو ہر آبادی کے گرداگرد ہیں اور ایک آبادی کو دوسری آبادی سے جدا کرتے ہیں اور بسا اوقات ایک ہی آبادی کے سینہ کو چاک کرتے ہوئے گذرتے ہیں گویا شہر کی گلیاں تھیں جن کو بلا تکلف حضرت شیخ الاسلام رات کے وقت طے کر کے قرب و جوار کی آبادیوں میں پہنچتے اور وعظ و تبلیغ فرماتے۔

ایسا بھی ہوتا کہ ان خطرناک ندیوں اور نالوں کو طے کرنے کے بعد جس گاؤں میں پہنچتے وہاں مٹھی بھر انسانوں کا اجتماع ہوتا۔ مگر آپ مجمع کی قلت سے کبھی بھی کبیدہ خاطر نہ ہوتے

اور سات آٹھ آدمیوں کے مجمع کو بھی اسی بشاشت کے ساتھ اللہ کے احکام سناتے جس مسرت اور ولولہ کے ساتھ ہزاروں کے مجمع کو، ان مجاہدات کا اثر بہت خوشگوار رہا۔ تھوڑے عرصہ بعد ہی سلہٹ اور کچھار وغیرہ کے اضلاع، آپ کی طرف متوجہ ہو گئے اور آپ کے اخلاص و ایثار سے متاثر ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ چنانچہ یہ علاقہ جہاں بیس سال بیشتر دو چار ہی عالم ہوں گے بفضلہ تعالیٰ گلشنِ عالم بن گیا ہے دو درجن کے قریب عربی مدارس صرف ضلع سلہٹ میں قائم ہو چکے ہیں۔ جن میں ہزاروں بچوں کو نہ صرف یہ کہ دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے، بلکہ بعض مدرسوں میں عربی کی انتہائی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ تجوید اور قرأت، تعلیم کا لازمی جزو قرار دیدیا گیا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ اس علاقہ کا ہر ایک بچہ متوسط درجہ کا قاری ہوتا ہے۔ باگھا، وغیرہ کے مدرسوں میں کئی کئی سو طلبہ تعلیم پاتے ہیں جن کو تعلیم کے ساتھ رضا کارانہ پریڈ بھی سکھلائی جاتی ہے اور ہنوٹ وغیرہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے (حیات شیخ الاسلام)

# فریضۂ آزادیٔ ہند

آزادیٔ ہند کا فریضہ عام باشندگان ہند سے زیادہ مسلمانوں پر ضروری اور لازم تھا اس لئے ہندوستان کی اکثریت و اقلیت دونوں نے اس میں حصّہ لیا اور علماء کی اکثریت ہمیشہ پیش پیش رہی اور جب کبھی کوئی کمزوری محسوس ہوئی تو اس کو آگے بڑھنے نہیں دیا گیا۔ چنانچہ شیخ الہند نے ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوری، حضرت مولانا احمد حسن امروہی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو اکٹھا کر کے زمانہ کی موجودہ ضرورتیں ان کے سامنے پیش کیں سب نے موافقت فرمائی، اور صرف مولانا تھانوی نے ضعف قلب کا عذر کر کے معذرت کر دی

(ملاحظہ ہو علماء حق صفحہ ۱۲۵) اسی طرح مولانا منظور نعمانی مدظلہ نے حضرت مولانا تھانوی کی خدمت میں حاضری دی تو اور باتوں کے ضمن میں موجودہ دور کے فتنوں کی قوت اور مسلمانوں کی موجودہ شکستہ حالی وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا " یہ ایسا وقت آگیا ہے کہ اگر کوئی شخص حالات کی انتہائی خرابی کی وجہ سے مایوس ہو جائے اور اس لئے اصلاح حال کے واسطے وہ کوئی بڑا اور اہم قدم اٹھانے کی ہمت نہ کرے تو اس کو صاحب رخصت سمجھ کر معذور سمجھنا چاہیئے۔ اور اس کو طعن و تشنیع اور ملامت نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن جو باہمت اور اصحاب عزیمت (مثلاً حضرت مولانا حسین احمد مدنی دامت برکاتہم) ان حالات میں بھی مایوس نہ ہوں اور ان کو بدل ڈالنے اور شر سے خیر کی طرف زمانہ کا رُخ پھیر دینے کا عزم اپنے اندر رکھتے ہوں اور اس لئے وہ کوئی جد وجہد کرنا چاہیں تو ان کو متوکلاً علی اللہ اپنے عزم کے مطابق کام کرنا چاہیئے اور اصحاب رخصت کو چاہیئے کہ وہ ان کی راہ میں رکاوٹیں نہ ڈالیں اور ان کے اس اقدام کی مخالفت نہ کریں (الفرقان جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ)

مگر تھانہ بھون اور متوسلین حضرت مولانا تھانوی نے موقع بموقع تحریک آزادی ہند کے بارے میں جو کچھ کیا ہے اس کی داستان بڑی دردناک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے۔ حالانکہ آج تک ہندوستان کی وسیع فضا میں کسی مسلمان کی حلق سے جو آواز مذہب کے نام سے بلند ہوئی ہے یا ہند کی وسیع سطح پر کوئی قدم مذہب کی طرف بڑھا ہے وہ درحقیقت انہیں علماء حق کی صدا یا ان کا قدم رہا ہے۔

باقی تقسیم ہند کی روئداد سو یہ کہانی بڑی طویل ہے اگر کسی کو اپنے شبہات کا ازالہ کرنا ہو کہ حضرت امام عصر نے ۱۹۳۶ء میں لیگ کو کیوں اپنایا اور پھر اس کی مخالفت فرمائی تو اس کو چاہیئے کہ وہ اسی جلد میں آپ کا مکتوب گرامی بنام بابو فضل الرحمن صاحب لبنورہ ملاحظہ کرے۔ مزید تفصیل کے لئے حیات شیخ الاسلام مرتبہ مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیۃ علماء ہند

کو پڑھنا چاہیئے یا میرے نزدیک تو ملک کی تقسیم کی داغ بیل ۱۸۵۷ء کے بعد علی گڈھ کے قیام سے شروع ہو چکی تھی اور صاف بات تھی کہ اس بٹوارہ میں مسلمان ہی سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے تھے، مثلاً سرحدات کا تعین دو کمیشنوں پر چھوڑ دینا صدر غیر جانبدار قوم کا آدمی نہیں بلکہ انگریز اور جو گورنر جنرل رہ جانے والا تھا اور ہماری قیادت عظمیٰ نے پیشگی یہ قول دیدیا تھا اس شدید غلطی کا اثر یہ ہوا کہ بنگال اور پنجاب دونوں میں مسلمان اکثریت کے متعدد علاقے ہندوستان کے ساتھ ملحق کر دیئے گئے مشرقی پنجاب کی پوری نو تحصیلیں جن میں مسلمان اکثریت میں تھے سکھوں وغیرہ کے قبضہ میں چلی گئیں اور سب سے زیادہ یہ کہ گورداسپور کا ضلع ہندوستان میں شامل ہو گیا جس کی وجہ سے کشمیر کے ہندو رئیس کو ہندوستان کے ساتھ تعلق جوڑنے کا راستہ مل گیا ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

واقعات شاہد ہیں کہ مسلمانوں کو بدترین مظالم کا تختۂ مشق بننا پڑا اور تقسیم کے بعد اس تحریک کے مقامی لیڈر اور قومی کارکن ۹۵ فیصدی سخت ناقابلِ اعتماد تھے، غرض قیادتِ عظمیٰ کے سارے نامۂ اعمال میں اگر کوئی چیز نفع کے خانہ میں رکھی جا سکتی ہے تو یہ کہ نصف مسلمانوں کو بچا لیا اور ان کی ایک قلمی ریاست بنوا دی لیکن ہندی مسلمان اپنے سابق حریف کے قبضہ میں ہیں جو غدار اور جاسوس کہے جا سکتے ہیں۔ ہر ایک کی وفاداری مشتبہ اور ہر ایک کے لئے خانہ تلاشی و گرفتاری مقدر ہے تقریباً چار کروڑ مسلمانوں کی یہ عظیم الشان قوم اس وقت بے سہارا ہے، جمعیۃ العلماء مسلمانوں کے مستقل وجود اور حقوق کے لئے میدان میں پوری ہمت اور غیر متزلزل عزائم کے ساتھ ڈٹی ہوئی ہے اور آج بھی اسی جماعت سے مسلمانوں کا بھرم قائم ہے، اس جماعت کا نصب العین خود جینا نہیں ہے بلکہ اسی کے ساتھ دوسروں کو جِلانے کا کام بھی تو اسی کے سپرد ہے اس جماعت کے روح رواں امام العصر حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی ہیں اس مجاہد جلیل نے

۱۹۴۵ء کے الکشن میں جس کمال استقامت اور طمانیت قلب کے ساتھ اپنوں کی گالیاں سُنیں اور ہر طرح کے مصائب و آلام برداشت کئے حق یہ ہے کہ ۱۳ سو سال قبل واقعہ ہائلہ کربلا کی یاد تازہ کر دی جو آپ کے امتیازی کارناموں میں تاریخ کی اہم سرگذشت ہے، دنیا نے دیکھ لیا کہ اسیرانِ مالٹا کی دل کشی روز بروز بڑھتی گئی اور برطانیہ کے جاہ و اقتدار کی خاکستر تک چشم زدن میں اڑ گئی۔ مجاہدین کی قربانیوں اور شیخ الہند کے مشن کو کامیابی حاصل ہوئی اور آزادی ہند کا سہرا ہندو مسلمانوں دونوں کے سر بندھا۔ لہٰذا ہندوستان کی خیر اب دونوں قوموں کے انتہائی میل جول اور صحیح مذہبی زندگی کے اندر منحصر ہے۔ اور جواہر و لیاقت پیکٹ و معاہدہ ہی میں دونوں ملکوں کا مستقبل درخشاں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ تقسیم سے پہلے قیادت عظمٰی نے کوئی حل تجویز نہیں کیا تھا۔ جو ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت پر کوئی اچھا اثر ڈال سکے، تقسیم ہند سے جو بربادی، تباہی اور ہلاکت و عصمت دری عورتوں کی ہوئی اس سفاکی کی نظیر تاریخ میں فرانس کے بار تھلمی ہنگامہ اور پیرس کی گلیوں کے خون میں ملتی ہے کہ جس سے دریائے سین کا پانی لہو بن گیا تھا۔ خدا کے حضور میں یہ خون ضرور رنگ لائے گا۔

# ایک عارف باللہ کی شہادت

حافظ سید عطاء المنعم بن حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مدظلہٗ العالی سے یہ روایت مجھ ناچیز تک بطریق ثقات پہنچی ہے کہ شہر جالندھر مسجد غلام رسول صاحب میں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری دامت فیوضہم تشریف فرما تھے اور مجمع علماء اور صلحا کا تھا حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ بھائی حضرت شیخ مدنی کا ذکر کیا پوچھتے ہو پہلے تو ہم یوں ہی سمجھتے

رہے۔ مگر وقت کی نزاکتوں اور ہنگامہ آرائیوں میں جب ہم نے اس مرد مجاہد کو آنکھ اُٹھا کر دیکھا، تو جہاں شیخ مدنی کے قدم تھے وہاں اپنا سر پڑا دیکھا، آج حضرت اس وقت ملک وملت کی خاطر باطل کے مقابلہ میں حق کا دامن تھام کر جس مردانہ وار صورت میں استقامت اور استقلال کے ساتھ قربانیاں پیش فرمارہے ہیں یہ شان حسینیت کا مظاہرہ ہے۔

حضرت امام العصر کا صحیح موقف اور مقام نہ سمجھنے کی بناء پر خواص تک کو دھوکا ہؤا۔ اور انھوں نے اپنے اُوپر قیاس کر کے جو جی میں آیا کہہ ڈالا اور کر دکھایا اور اس پر اصلا توجہ کی ضرورت نہیں سمجھی کہ آپ کی باتوں کو سُنتے، تقریروں پر غور کرتے کیا مدینہ منورہ اور مالٹا کی زندگی قدرت کی طرف سے ایک ٹریننگ نہ تھی جو آپ کو دیجارہی تھی؟ خود مدینہ منورہ مہبط وحی اور مرکز اسلام ہونے کی وجہ سے دنیائے اسلام کے مشاہیر اور یگانۂ روزگار اشخاص ورجال کی آمد ورفت کا ذریعہ تھا اور امام العصر کو ان سے تبادلۂ خیالات کا موقع ملتا تھا۔ مالٹا میں غازی احمد پاشا والد ماجد غازی انور پاشا ولی عہد جرمنی اور دیگر جرمن وترک ماہرین سیاست سے مذاکرہ جاری رہتا جن کا لازمی نتیجہ تھا کہ انگریز کی اسکیم اور دنیائے اسلام کی بربادی کے تمام منصوبوں اور ارادوں کا حقیقی علم آپ کو حاصل ہوتا رہتا تھا۔ مزید براں حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت اور خصوصی توجہ نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور آپ کی انگریز دشمنی کی سب سے بڑی وجہ یہی چیزیں قرار پائیں، اسلام میں اس طرح کی قومی عصبیت اور ملکی ونسلی تعصب کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے بلکہ انگریز دشمنی کی وجہ خود ان کے غیر انسانی کارنامے ہیں۔ بھلا جن نگاہوں میں جاہ وجلال محمدی نے گھر کر لیا ہو اور جس کا دل یاد الٰہی کا نشیمن بن گیا ہو، وہ صولت سکندری ودبدبہ خسروی کو کوئی اہمیت دے سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام العصر کی ذات گرامی جدید وقدیم افکار ونظریات کا ایسا سنگم اور مذہبی وسیاسی معلومات کا ایسا

خزانہ ہے کہ جس کی نظیر خانقاہوں اور مدارس میں گویا ناپید ہے اور اگر یہ کہا جائے تو خلاف نہ ہوگا کہ شاہ ولی اللہ کے بعد حضرت امام العصر ہی کی جامع شخصیت ہے جس کا عمل اسلامی جامعیت کا مکمل نمونہ بنا جس نے معاش و معاد کو یکساں اہمیت دیکر پہلے اس مایوسی افسردگی اور احساس کہتری کو دور کیا جو ۱۸۵۷ء کے بعد پیدا ہو گیا تھا پھر قوم و ملت کے سامنے معاشی و اقتصادی پروگرام رکھا اور بتایا کہ انگریز نے ملک و ملت کو غلام بنانے کی ۲ دو تدبیریں کیں تھیں۔ ایک اقتصادی اور معاشی لوٹ دوسرے تعلیم کے ذریعہ خیالات میں تبدیلی، چنانچہ آپ کی شاید ہی کوئی تقریر اس سے خالی رہی ہو، معاشی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے آپ کی تقریروں میں جو غیر معمولی معلومات اور یادداشت ہوتی تھیں گو کھلے آنجہانی کے بعد اور کوئی دوسری نظیر نہیں مل سکتی۔ سوت، کپاس، غلہ کا کیا نرخ سلاطین ہند کے وقت میں تھا اور اب انگریزوں کے زمانہ میں کیا ہے، ایک مسلسل سلسلہ ہوتا تھا۔ اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ غلامی کی زنجیر کو جلد از جلد توڑا جائے۔ سینکڑوں ناعاقبت اندیش لوگوں نے اعتراضات کئے کہ کیا علماء کرام قرآن و حدیث بھول گئے اور صرف آٹے دال کا بھاؤ ان کو یاد رہ گیا، مگر خدارا بتاؤ کہ ہندوستان کے یہی غیور مسلمان جو علماء ملت پر ہندو پرستی کا الزام لگاتے ہیں گذشتہ جنگ جرمنی میں انھوں نے عراق، شام، ایران وغیرہ اسلامی ممالک کو انگریز کیلئے کیوں تباہ کیا خاص قبلۂ ایمان اور کعبۂ اسلام پر کیوں گولیاں چلائیں۔ کیا اس کا سب سے زبردست سبب بھوک اور فاقہ، بے روزگاری اور تہیدستی نہ تھی یا ان کے دلوں میں اسلام اور ایمان حرمین شریفین عربوں اور ترکوں سے کوئی بغض پیدا ہو گیا تھا؟

زمانہ شاہد ہے کہ امام العصر کی ان تقریروں اور تحریروں کا اثر بیکار نہیں گیا، اور لوگوں نے دیکھ لیا کہ انگریز بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنا بوریہ بستر سنبھال کر چلتا بنا اور شیخ الہند کا مشن کامیاب رہا باقی جنہوں نے محض دنیاوی اقتدار کی خاطر منافرت کے

جذبات پیدا کر کے ملک کا بٹوارہ کرایا۔ ان ہی کو مبارک رہے ؂

بیکاریٔ جنون کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

# "سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کیلئے"

امام العصر کے اوصاف کمال کے چند واقعات آپ کے قوائے فکری و عملی کے بہترین ترجمان ہیں ان ہی پر دوسرے اوصاف اور اخلاق کو سمجھا جاسکتا ہے، تمام کے حصر کا موقع نہیں۔

(۱) حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے روایت ہے کہ جب حضرت مولانا مدنی آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ اسٹیشن لاہور پر شرف زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت کے متوسلین میں صاحبزادہ محمد عارف ضلع جھنگ بھی تھے۔ جو دیوبند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جن کو ضرورت فراغت لاحق ہوئی وہ رفع حاجت کے لئے گئے اور اُلٹے پاؤں بادلِ ناخواستہ واپس ہوئے حضرت مولانا مدنی سمجھ گئے فوراً چند سگریٹ کے ٹوٹے ہوئے ڈبے اور پانی کا لوٹا لے کر اس پاخانہ میں گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا اور پھر ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے پاخانہ تو بالکل صاف ہے شاید آپ کو رات کی وجہ سے صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔ نوجوان نے کہا کہ مولانا میں نے دیکھا ہے پاخانہ بالکل بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر وہ اُٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا۔ بہت متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا، "یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے"

اسی ہاتھ لگے حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے اس یہودی مہمان کی روایت کو سامنے رکھنا چاہیئے جس نے رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر اقدس پر گندگی کر دی تھی اور

آپ اپنے دستِ مبارک سے اس کو صاف فرما رہے تھے تو اس پیکرِ خلقِ نبوی اور مظہرِ جمالِ محمدی کی بے نفسی اور نفس کشی کا کچھ سراغ مل سکتا ہے ؂

(۲) مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے صاحبزادہ مولوی حبیب اللہ صاحب دورۂ حدیث میں شریک تھے، کسی گستاخ نے ایک رقعہ بھیجا تھا جس کا جواب امام العصر نے دوسری نشست میں نہایت نرم و شائستگی سے دیا اور فرمایا کہ کسی دوست نے مجھ کو رقعہ لکھا ہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے تمام مجلس میں ہیجان برپا ہوگیا اور ہر طالب علم غیظ و غضب میں بھر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ خبردار کسی کو غصہ کرنے کی ضرورت نہیں میرا حق ہے کہ میں اس کی تسلی کردوں۔ فرمایا۔ میں ضلع فیض آباد قصبہ ٹانڈہ محلہ الہدادپور کا رہنے والا ہوں۔ اس وقت بھی میرے والدین کے نکاح کے گواہ زندہ ہیں خط بھیجکر یا جاکر سمجھ لیا جائے۔ العظمۃ للّٰہ بردباری کی انتہا ہے۔ اگر جی میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو سامنے رکھ لیا جائے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے، بلکہ بہادر وہ ہے کہ غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے اور اپنے نفس کو مغلوب کردے

(او کمال قال صلی اللہ علیہ وسلم)

(۳) مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے روایت ہے کہ یوپی میں میری تقریر تھی، رات کو تین بجے تقریر سے فارغ ہو کر لیٹ گیا۔ بین الیقظۃ والنوم مجکو محسوس ہوا کہ کوئی میرے پیروں کو دبا رہا ہے، میں نے کہا خیر مجھکو عادت بھی ہے کوئی دوست ہوگا۔ مگر اسی کے ساتھ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مٹھی تو عجیب قسم کی ہے باوجود راحت کے نیند رخصت ہوتی جارہی ہے سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت شیخ مدنی ہیں، فوراً بھڑک کر چارپائی سے اتر پڑا اور ندامت سے عرض کیا حضرت کیا ہم نے اپنے لئے جہنم جانے کا خود سامان پہلے سے کم کر رکھا ہے کہ آپ بھی ہم کو دھکا دے کر جہنم بھیج رہے ہیں

شیخ نے جواباً فرمایا آپ نے دیر تک تقریر کی تھی آرام کی ضرورت تھی اور آپ کی عادت بھی تھی اور مجھ کو سعادت کی ضرورت، ساتھ ہی نماز کا وقت قریب تھا میں نے خیال کیا آپ کی نماز چلی نہ جائے تو بتایئے حضرت میں نے کیا غلطی کی ہے، سچ فرمایا گیا ہے ؎

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال  که چوں سوار به منزل رسد پیاده شود

اس طرح کے نہ جانے کتنے واقعات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی ایک پیکر حلم و آشتی، کریم النفسی و فراخ چشمی کا مرقع، حق گوئی و حق پرستی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جس کی جنبشِ لب اور عرش اعظم کے درمیان وہ سلسلہ ربط اس کی عبدیت نے قائم کر دیا ہے، جس کی فہم و دید سے عقل و علم کی آنکھیں محروم ہیں اور جس کے تسلیم و رضا کے شیوہ نے ہر تلخ کو شیریں اور ہر مصیبت کو راحت اور ہر آگ کو پانی بنا دیا ہے! پس قابلِ رشک ہے وہ سینہ جو اس بار امانت کا متحمل ہے اور مبارک ہیں وہ لوگ جو صحیح نذر عقیدت اور اخلاص و محبت کے ساتھ آپ کی زیارت اور آستان بوسی پر فخر کرتے ہیں، کیونکہ ایسے درباروں میں صرف خلوص نیت و صدق عمل کی نذر قبول ہوا کرتی ہے اور ملمع شدہ سکوں کا اس دربار میں چلن نہیں، لذت آشنایان عشق جانتے ہیں کہ اگر کسی کو شوق لقا ہے تو امام عصر کی طرح اپنے آپ کو اس راہ میں فنا ہونے اور مٹا دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ غرض چشم فلک نے شاید دیکھا ہو لیکن اپنے جیسی ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں آنکھوں نے حضرت امام عصر سا بردبار، جفاکش مجاہد، متواضع، منکسر، بے نفس، پاک مشرب، بے غرض سلوک کرنے والا اپنے اللہ پر پورا پورا بھروسہ رکھنے والا، مخلوق الٰہی کا بہی خواہ نہیں دیکھا ؎

مضت الدهور وما اتين بمثله

ولقد اتى فعجزن عن نظرائه

# زندہ کرامت

کرامت اولیاء اللہ سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ولایت کا جو مفہوم عام ذہنوں کا مسجود بنا ہوا ہے وہ یقیناً دین الٰہی کے نزدیک ضلالت اور کھلی ہوئی گمراہی ہے وہی کرامت معتبر ہے جو اوامر و نواہی شرعی کے تحت صادر ہو نہ وہ کہ جس کی ہر ایک حرکت سے مذہب بیزار اور عقل ملامت کناں ہو، حضرت امام العصر دامت فیوضہم کی سیاسی، تبلیغی تدریسی خدمات وغیرہ فوق العادت روحانی قوت اور عزیمت راتوں کو مسلسل تقریر صبح کو درس گاہ میں پہنچکر کئی کئی گھنٹہ ڈھائی سو طلبہ کو درس دینا جس میں ہر استعداد قابلیت، مذاق، اور مشرب کے لوگ موجود ہوں حتی کہ بعض مدرسی کر کے سماعت حدیث کے لئے آئے ہوں، پھر اسی طرح بعد ظہر، بعد عصر اور بسا اوقات بعد عشاء، ایک دو دن نہیں بلکہ ہمیشہ یہ قدرتی مشین چلتی رہتی ہے اور فی صدی ۹۵ طلبہ حضرت اقدس کے گرویدہ و جان نثار بن کر واپس ہوا کرتے ہیں، زندہ کرامت ہے۔

گلشن مدنی کے یہ گلچیں صرف ہندوستان کے نہیں ہوتے بلکہ افغانستان، ایران چینی ترکستان حجاز، یمن، اور برما، ملایا، جاوا وغیرہ جزائر شرق الہند کے ہوتے ہیں تخمینہ یہ ہے کہ ۲۶ سال کے عرصہ میں آٹھ یا دس ہزار طلبہ بلا واسطہ آپ سے فیضیاب ہو کر تمام عالم اسلامی میں پھیلے ہوتے ہیں اور علمی خدمات میں مصروف ہیں۔

اس عرصہ میں اگر ہر ایک فیض یافتہ کے سلسلہ درس سے دس طلبہ بھی فیضیاب ہوئے تو آپ کے بلا واسطہ تلامذہ کی تعداد پچاسوں ہزار سے متجاوز ہو جاتی ہے اور ۱۸ سال قیام مدینہ کو بھی اگر شامل کر لیا جائے تو ان مسترشدین و متوسلین اور تلامذہ کی تعداد لاکھوں سے زیادہ ہو جاتی ہے جو حضرت امام العصر کے مشکوٰۃ علم و فضل سے نور و ضیا حاصل کر رہے ہیں وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ آپ ہی کے بارے میں مرشد رومی

بہت پہلے فرما گئے ہیں ؎

صورتش بر خاک و جاں در لامکاں
لامکانے فوق وہم سالکاں

# امام العصر پر گرانقدر شہادتیں

(۱) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد عالی

حضرت مولانا حسین احمد صاحب بہت شریف طبیعت کے ہیں، باوجود سیاسی اختلاف رکھنے کے بھی کوئی کلمہ خلاف حدود ان سے نہیں سنا گیا (اشرف العلوم)

(۲) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور کا فیصلہ" میرے نزدیک ابوحنیفہ زمانہ بخاری اوانہ جنید وشبلی عصر حضرت اقدس شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی مدح میں کچھ لکھنے والا مادح خورشید مادح خود است کا مصداق ہے میرا خیال ہے کہ حضرت کے فضل وکمال تبحر فی العلم والسلوک سے شاید ہی کسی اہل بصیرت کو اختلاف ہو۔ آپ نے سنا ہوگا کہ مولانا کی اسارت کی خبر پر حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے کس قدر رنج وحزن کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا" مجھے خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے" اور جب حضار مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ مولانا مدنی تو اپنی خوشی سے گرفتار ہوئے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے اس جملہ سے تسلی دینا چاہتے ہیں کیا حضرت حسینؓ۔ یزید کے مقابلہ میں اپنی خوشی سے نہیں گئے تھے۔ مگر آج تک کون ایسا شخص ہوگا جس کو اس حادثہ سے رنج نہ ہوا ہو۔

مختصر یہ کہ اس ناکارہ کے نزدیک حضرت مدنی ہی رشد و ہدایت

اور علم و فضل کے درخشاں آفتاب ہیں"

حضرت علامہ مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی کا ارشاد:

"حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب فیض آبادی ثم المدنی آسمانِ علم و ہدایت کے آفتاب اور زہد و ورع میں یگانۂ زمانہ اور جہادِ تخلیص وطن کے ایک ممتاز شہسوار ہیں، ہندوستان کے مسلمان ان کی ذاتِ گرامی پر جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے، وہ عَلَمِ ہدایت اور مستحقِ منصب قیادت ہیں۔ ان کی مذہبی اور وطنی خدمات سے تمام مسلمانانِ ہند واقف ہیں۔ اور ان کے اخلاص و دیانت کے مخالف بھی معترف ہیں اور ان کی بے غرضانہ محبت کا لطف وہی حاصل کر سکتا ہے جو ان کی صحبت و معیت سے بہرہ ور رہا ہو۔

(۴) مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی کا اعتراف حق۔

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی کے فضل و کمال، مرتبہ و مقام پر گفتگو تو وہ کرے جو خود بھی کچھ ہو، مجھے ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ تو مولانا کے ایک ہی کمال اور ایک ہی کرامت کا ہے اور وہ آپ کی بے نفسی، سادگی، تواضع اور انکساری اور خدمتِ خلق کا عشق ہے۔ کہتا ہوں اور گویا خانۂ شہادت میں کھڑا ہوا بیان دے رہا ہوں کہ وہ بہترین دوست ہیں بہترین رفیق سفر ہیں۔ مہمان ہو جئے تو آپ کی میزبانی میں اپنے معمولات تک ترک کر دیں گے، روپیہ پیسہ کی ضرورت پیش آجائے تو خود قرض دار ہو جائیں گے۔ لیکن آپ کی حاجت ضرور کہیں سے پوری کر دیں گے، خدا نخواستہ بیمار پڑ جایئے تو تیمارداری میں دن رات ایک کر دیں گے۔ نوکری کی ضرورت پیش آجائے، کوئی مقدمہ کھڑا ہو کسی امتحان میں بیٹھ جایئے تو سفارش ناموں میں اور عملی دوڑ دھوپ میں نہ اپنے مرتبہ کا

لحاظ کریں گے نہ اپنی صحت کا اور نہ خرچ کا جس طرح بھی ہو گا آپ کا کام نکالنے پر تل جائیں گے۔ اپنے بزرگوں کے ساتھ معاملہ جو بھی رکھتے ہوں اپنے خوردوں شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ روش یہ رکھتے ہیں کہ خادم کو مخدوم ہی بنا کر چھوڑتے ہیں، حالی کے شعر کے معنی اب جا کر روشن ہوئے ہیں ؎

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا　　　خاکساری اپنی کام آئی بہت

سنا ہے کہ یہ شان محمود الحسن شیخ الہندؒ دیوبندی کی تھی، اگر یہ صحیح ہے تو جانشینی کا حق ان سے زاید کسی کو نہیں پہونچتا۔ فرصت میسر آتی تو اس متن کی شرح بھی اپنے قلم سے کرتا اور پھر نوبت شرح پر حواشی کی آتی اور ایک مختصر المعانی پر کئی کئی مفصل اور مطول تیار ہو جاتے۔

ع "سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے"

(۵) مولانا نصراللہ خان صاحب عزیز بی اے لاہور کا سچا تاثر۔

امام برحق حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو لوگ ان کے علم و فضل اور تقویٰ طہارت کی بنا پر جانتے ہیں اور عقیدت و احترام کا سر اُن کے سامنے خم کرتے ہیں۔ لیکن مولانا کی حقیقی عظمت ان کا محض علم و فضل عبادت و اشتغال وغیرہ نہیں بلکہ ان کی پاکیزہ شخصی سیرت ہے اس معاملہ میں ہندوستان تو درکنار غالباً عالم اسلام میں بھی ان کی مثال نہ ملے گی جس طرح مولانا مدنی مدظلہ کی طرف دل کھنچتا ہے اس طرح کسی اور کی طرف نہیں کھنچتا.....

یہ تمام رائیں حسین احمد نمبر مرتبہ محمد یوسف صاحب جوہر نہٹور ضلع بجنور سے ماخوذ ہیں اور دوسری اہم شہادتوں کے لئے مقدمہ مکتوبات جلد اول صفحہ ۲،۳ و جلد دوم مکتوب ۳۷ کا حاشیہ ضرور ملاحظہ فرما لیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ جو لوگ علم الاحسان یعنی تصوف

وسلوک سے دلچسپی رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ انسانی شرف و مجد اور کمال انسانیت کا دارومدار قوائے فکری و عملی کے اعتدال پر ہے اور فن سلوک میں جن اصول اخلاق سے بحث کی جاتی ہے وہ چار ہیں طہارت[١]، عجز و نیاز[٢]۔ سماحت[٣] اور عدالت[٤] آخرالذکر وہ ملکہ ہے۔ جب انسان افراط و تفریط سے بچ کر فکر و عمل دونوں میں اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ تو یہ عطیۂ خداوندی خوش قسمتی سے نصیب ہوتا ہے۔ اس ملکہ کے پیدا ہوجانے کے بعد ایک انسان مجموعۂ اضداد بن جاتا ہے۔ لیکن ہر جذبہ اور ہر فعل کا محل الگ الگ ہوتا ہے اور اس بنا پر اس میں موزونیت اور حسن تناسب پیدا ہوجاتا ہے۔ حضرت امام العصر کی شخصیت کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کا یہی وصف جامعیت سب سے زیادہ نمایاں ہو کر نظر آتا ہے اور اسی بنا پر بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ امام العصر اپنے عہد میں انسانی شرف و مجد کے ایک اعلیٰ پیکر ہیں اور ایسے لوگ روز روز نہیں پیدا ہوا کرتے بلکہ کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔

پس بقول مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم۔اے کہ میں ہندوستان کے باہر عالم اسلام کے بہتیرے علماء اور مشائخ سے اور ان کے حالات و سوانح سے باخبر ہوں اور ان میں کتنے ہیں جن سے مجھ کو ذاتی ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا ہے اس کے باوجود موجودہ زمانہ میں جامعیت اوصاف و فضائل کے اعتبار سے اگر کوئی شخصیت پیر و مرشد بنانے کے قابل ہے تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی ہی شخصیت ہے۔ لیکن بایں ہمہ مجھ کو آج تک نہ مولانا مدنی سے شرف بیعت حاصل ہوا ہے اور نہ شرف تلمذ اس بنا پر میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ محض اندھی عقیدت کا نتیجہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ اصل یہ ہے۔ کہ امام العصر دامت برکاتہم ان افراد میں ہیں جو اپنی جامعیت میں ایک پوری اُمت ہیں اگرچہ زمانہ کے لحاظ سے پیچھے ہیں لیکن مرتبہ کے لحاظ سے بہت آگے ہیں:

# امام الہند اور شیخ الاسلام

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی      ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر سے آزادی رائے آزادی ضمیر غلط اور صحیح قیادت کی تمیز کے جوہر کا مفقود ہو جانا غیر معمولی انقلاب اور ایسا حادثہ ہے کہ جس پر جتنا ماتم بھی کیا جائے کم ہے اور جو بدقسمتی سے اوہر چند سالوں سے اور ترقی کر گیا ہے جسکو اکبر مرحوم کی حقیقت بین نگاہ نے پہلے ہی تاڑ لیا تھا کہ

دِل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے"

اگر قائدین کے اعمال پر اسلامی نقطہ نگاہ سے تنقید کی گئی ہوتی تو صاف نظر آجاتا کہ جو مسائل اسلامیہ میں اعلیٰ بصیرت ورسوخ اور سیاست اسلامی میں تقویٰ اور تدین کیساتھ تفقہ واجتہاد کی قابلیت نہ رکھتا ہو امت کو اس کے حوالہ کرنا بڑے گناہ کا کام تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد مسلمانوں کی وہ متاع تدبر ہیں کہ جن کی رہنمائی پر ایشیا و یورپ کو ناز ہونا چاہیئے اور جس کی سحر نگاری نے ملک کے گوشہ گوشہ میں حکومت برطانیہ سے متصادم ہونے کی جرأت پیدا کر دی اور حضرت شیخ الہند جیسے عارف کو اس شعر کے پڑھنے پر مجبور کر دیا ؎

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی      کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

برادران وطن اب تو معلوم نہیں کہ ان کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں لیکن دنیا جانتی ہے کہ ہندو لیڈروں میں مہاتما گاندھی اور آنریبل جواہر لال نہرو مولانا کی سمجھ بوجھ تدبر اور غیر معمولی ژرف نگاہی کے نہ صرف قائل بلکہ مستفید اور خوشہ چین رہے ہیں ماضی قریب میں کانگریس کی زندگی میں ایسے نازک دور آئے کہ مولانا ہی کی ذات تھی جو خضر راہ بنی اور آج بھی صرف یہی ایک ذات ایسی ہے کہ اگر اس کے مشورہ کو ترجیح دی جائے تو حکومت کی کشتی ساحل مراد تک پہنچ سکتی ہے کیونکہ نصف صدی قبل سے بھی کسی قوم میں اتنا بڑا آدمی پیدا نہیں ہو سکا اگر کسی کو شبہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ مکتب سیاست میں داخل ہو کر تعمیر اور تخریب ملک کے فرق کو ایمانداری سے سمجھے اور مولانا آزاد کے تدبر کی داد دے

حضرت شیخ الاسلام دامت فیوضہم کی ذات گرامی اس الحاد کدۂ ہند میں مشعل ہدایت ہے عام طور پر علماء اپنی یبوست مزاجی اور غیر ضروری سنجیدگی کے لئے بدنام ہیں۔ مگر عالم اسلام کی یہ سب سے بڑی شخصیت ہر وقت مسکراتی رہتی ہے، جس کا سرمایۂ کمال محض علم وفضل ہی نہیں ہے بلکہ اس کی پاکیزہ سیرت ہے اور بقول مولانا آزاد جس کا قلب ہمہ تن خدا کی طرف مائل اور جھکا ہوا ہے آپ پلیٹ فارم کی زندگی میں جتنے اچھے معلوم ہوتے ہیں اس سے کہیں زیادہ جاذب اور دلکش ہوجاتے ہیں جب قریب سے مطالعہ کیا جائے غرض ملک کی تسخیر اور حکومت کے عزل و نصب میں ہمیشہ اللہ والوں کی روحانیت اور فضل و بزرگی کے ہاتھ کام کرتے رہے ان میں مجاہدین ہند کے غیر مرئی ہاتھ اور شیخ الاسلام کی نہ تھکنے والی روحانی قوت کو سب سے زیادہ دخل تھا اور ہے، لیکن قوم کے ذہین طبقہ کو مادت سے جس طرح کی ٹریننگ دی جارہی تھی اور جس تمدن وتہذیب کا ان کا خوگر بناکر لادینیت پھیلادی گئی تھی اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اتنی بڑی عظیم المرتبت شخصیت کی اطاعت کے بجائے اس کے خون کے پیاسے اور آبرو کے دشمن بنا دیئے گئے اور اس کی پگڑی کو اچھالنا شروع کردیا گیا۔ آخرت کا معاملہ تو خدا کے ہاں ہوکر رہیگا دنیا ہی میں کتنوں کو اس کی پاداش ملگئی بھلا جس قوم و ملک کے پاس ایسی ایسی متاع ایمان وتدبر ہو اس کی دس کروڑ تعداد کی بدنصیب قوم تیس ۳۰ کروڑ کی اکثریت سے اس درجہ خائف ہوجائے کہ ملک کے حصہ بخرے کرا کے چوروں کی طرح بھاگ نکلے اس کا واحد سبب وہی تھا جو اوپر ذکر کیا گیا اگر ان دو بزرگوں پر اعتماد کرلیا گیا ہوتا تو خدا کی قسم ہندوستان کا نقشہ اس سے بہتر ہوتا جو آج کے دن ہے کیونکہ ان ہر دو بزرگوں کو ایک طرف رکھدو اور دنیا کے علماء و فضلاء اور سیاسین کو ایک طرف تو انشاء اللہ ان ہی علماء ہی کا پلہ راجح ہوگا:

# ماٰخذ مکتوبات جلد اوّل

میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے ۱۳۵۵ھ کے لگ بھگ جناب مولانا حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری مدظلہ نے ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ مکتوبات کے جمع وترتیب کا خیال ظاہر فرمایا تھا مگر یہ ایسا دور تھا کہ

کسی ایسی تحریک کے اندر جس میں حضرت امام العصر کا تعلق ہو لوگ حصہ لینے سے خائف تھے اس وقت یہ کام آگے نہ بڑھ سکا، لیکن مولانا لاہرپوری کا خلوص ایسا نہ تھا کہ رنگ نہ لاتا چنانچہ جس طرح بڑوں کے باقی ماندہ کاموں کو ان کے چھوٹوں نے پورا کیا ہے احقر کو کرنا پڑا جو فی الحقیقت وہی کر رہے ہیں نہ کہ ناچیز ؎

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ۔ آنچہ احباب کرم گفت ہمان می گویم

اگر مولانا لاہرپوری کی مسلسل ہمت افزائی اور ہر ہفتہ اپنے والاناموں کے ذریعہ مفید مشورے اور بزرگانہ ہدایات شامل حال نہ ہوتیں تو بلاشبہہ میں اس کام کو جاری نہ رکھ سکتا کیونکہ موصوف کے سوا ایک آدمی بھی ایسا نظر نہیں آیا کہ جس کو اس کام سے اس درجہ عشق رہا ہو اس لئے ناچیز مولانا لاہرپوری کی خدمت میں اپنا پرخلوص شکریہ پیش کرنے پر مجبور ہے اور درخواست ہے کہ وہ اپنے کام کو بدستور جاری رکھیں ابھی ان کی بہت ضرورت ہے ۔

آپ کے بعد مولوی حافظ فرید احمد صاحب (خلف حضرت مولانا وحید احمد مدنی اسیر مالٹا مرحوم) نے مکتوبات کی طرف توجہ فرمائی اور مکاتیب شیخ الاسلام کے نام سے ایک مختصر مجموعہ شائع فرمایا حالات کی ناسازگاری کی بنا پر موصوف اس کی حسب دلخواہ ترتیب وغیرہ نہ کر سکے مگر نقش اول کے طور پر موصوف نے ایک مستحکم بنیاد رکھدی جو لائق تحسین ہے آپ کے اس مجموعہ سے ناچیز نے ۲۰۳ مکتوب بہ اجازت اپنے مجموعہ کے اندر داخل کر لئے ہیں اور اسی طرح حیات شیخ الاسلام سے بھی چند خطوط لئے گئے ہیں

مولانا ابوالحسن حیدری } افسوس کہ ناچیز کو مولانا حیدری سے شرف ملاقات حاصل نہیں اور نہ موصوف کے غازی پوری کا مجموعہ } متعلق کوئی تفصیلی علم ہے ورنہ ان کا تعارف کراتا البتہ اتنا معلوم ہے کہ موصوف امام العصر کے مخصوص خدام میں ہیں اس لئے یہ انتساب سب سے بڑا تعارف ہے آپ نے امام العصر کے ان والاناموں کا ایک مجموعہ فراہم کیا تھا جو آپ کے نام ہیں مگر اسی کے ساتھ تمام عربی و فارسی عبارتیں بلا ترجمہ اور بعض حصے لائق حذف اور اکثر مقامات تشریح و حواشی کے محتاج تھے چھوڑ دیا تھا جن پر کئی ماہ مسلسل وقت دینے کے بعد بھی خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی ۔ ہم نے اس جلد میں اس مجموعہ کو مخصوص جگہ دی ہے

اور بہت سے دوسرے حضرات کے اہم خطوط کو دوسری جلد کیلئے موخر کر دیا ہے کیونکہ مولانا فریدی نے غیر معمولی ایثار سے کام لے کر یہ مجموعہ ہمارے حوالہ کر دیا ہم موصوف کے حکم کے مطابق اپنی صوابدید سے اس مجموعہ کو مکمل کر کے شایع کر رہے ہیں اور تہ دل سے شکر گذار ہیں جزاہ اللہ خیر الجزاء

مکتوبات شیخ الاسلام کی یہ جلد اول مکمل نہ ہو سکتی اگر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء، حضرت مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیۃ و حضرت مولانا حکیم انظار احمد مرادآباد و حضرت مولانا عبد الحق مدنی و حضرت مولانا اعزاز علی و حضرت قاری اصغر علی و حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی و حضرت مولانا پروفیسر عبد الباری ندوی و حضرت مولانا احمد علی لاہوری و حضرت مولانا منت اللہ خانقاہ مونگیر و مولانا فخر الدین گیا و عزیز محترم مولانا حامد میاں سلمہٗ و برادرم مولانا اویس ندوی و قانون گو عبد الرحمٰن صاحب وغیرہم کی خصوصی توجہات نہ ہوتیں ان بزرگوں اور احباب کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں کہ انکا شکریہ ادا کروں فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

**مکتوبات شیخ الاسلام کی پہلی جلد کا مقدمہ اور بعض ضروری اشارات**

امام العصر کے ان مکتوبات کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ کوئی ایسی ہستی اس پر مقدمہ لکھے جو خود احوال و مقامات کی حامل اور امام العصر کی زندگی پر گہری نظر رکھتی ہو تاکہ مقدمہ کے ذریعہ آسانی سے ناظرین کو مکتوبات تک پہنچا دے اسی فکر میں تھا کہ میری نگاہِ آرزو ایک ایسی ذات گرامی پر پڑی جو علم و عمل کے موروثی مالک دار العلوم دیوبند کے مہتمم اور جن کو دنیا حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کے نام نامی و اسم گرامی سے یاد کرتی ہے الحمد للہ کہ میری درخواست کو آپ کی جناب تک شرف قبول نصیب ہوا اور مقدمہ لکھکر میری حوصلہ افزائی فرمائی گئی امام العصر کی آخری زندگی سے قاری صاحب ممدوح کو جو قریبی تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں ایک دار العلوم کا شیخ اور صدر مدرس دوسرا مہتمم اس رابطہ نے ایک کو دوسرے سے ملنے جلنے کا زیادہ موقع بخشا ہے اور مہتمم صاحب قبلہ کا مقدمہ خود ان باتوں کا غماز ہے یہ ناچیز جناب مہتمم صاحب کے موروثی اخلاق کا تہ دل سے شکر گذار ہے اور اس ذرہ نوازی کا دل میں سچا احترام رکھتا ہے ادام اللہ فضلہ واجل قدرہ وضاعف اجرہ۔

مکتوبات جلد اول کی ترتیب } خیال تھا کہ مکتوبات کی ترتیب عنوانات کے ماتحت قایم کی جائے مگر بعض ایسی دشواریاں حائل ہوئیں کہ ایسا کرنا ناممکن ہو گیا۔ مثلاً ایک ہی والانامہ میں مختلف سوالات اور کئی کئی استفسارات وغیرہ اگر اکثر و بیشتر خطوط حاصل ہو گئے ہوتے تو پھر بڑی آسانی سے یہ کام ہو جاتا انشاء اللہ یہ کام کسی دوسری فرصت میں بقیہ خطوط کے حاصل ہو جانے پر افادات مدنی کے نام سے کیا جائے گا، بروقت مندرجہ ذیل صورت اختیار کی گئی ہے۔

(۱) **تعارف**۔ حضرت امام العصر کے ایک بیان سے کرا دیا گیا ہے۔

(۲) **خاندانی حالات**۔ امام العصر کے مکتوب گرامی سے۔

(۳) **پہلا عربی مکتوب**۔ امام الہند مولانا آزاد وزیر معارف ہند کے نام ہے اس کے بعد تمام عربی خطوط حضرت مولانا عبدالحق مدنی کے نام ہیں، عربی خطوط کو مقدم رکھا گیا اور ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

(۴) جو مکتوبات ایسے تھے کہ جن میں کوئی خاص اصطلاح تھی یا ایسے جملے تھے کہ جنکی تشریح کے بغیر نفس مکتوب سے استفادہ دشوار تھا حتی الوسع ان کو واضح کیا گیا ہے، اور عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ خود راقم الحروف کا ہے۔

(۵) اردو مکتوب میں حتی الوسع ان کو مقدم رکھا گیا ہے جن کی تعداد زیادہ ہے اور حتی الوسع سنہ وار ترتیب رکھی گئی ہے۔

(۶) کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ مکتوب اور مکتوب الیہ کی اہمیت کی بنا پر تقدیم تاخیر کر دی گئی ہے۔

(۷) دیباچہ میں امام العصر کے حالات و آپکی خدمات کا ماخذ "حیات شیخ الاسلام" اور علماء حق وغیرہ ہے۔

(۸) آیندہ جو مکتوبات عنایت فرمائے جائیں سوالات بھی اسی کے ساتھ بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائی جائے ورنہ مرتب کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور پھر بھی سبب نزول کا پتہ نہیں چلتا۔

(۹) مکتوب نمبر ۴۴ حیدر آباد میں ایک بزرگ مولانا محمد حسین مرحوم تھے ان کا خیال تھا کہ حج عبدیت و انتقار کی تربیت کا ذریعہ ہے، ہمارے مولانا مدنی دامت برکاتہم کے یہاں زور حج کے عاشقانہ پہلوؤں پر ہے۔ یہ والانامہ بجنسہ سفر عشق کے عنوان سے الفرقان نمبر ۵ سنہ ۱۹۵۰ء میں

شائع ہو چکا ہے جو اسرار و معارف اور حقائق کا ایک بے پایاں سمندر ہے۔

(۱۰) اگر کسی مکتوب کے اندراج اور فوائد و حواشی میں ناچیز سے فروگذاشت ہو گئی ہو تو براہ کرم اس سے مطلع کر دیا جائے گا ناچیز کو اعتراف ہے کہ یہ کام میرے جیسے طالب علم کا نہیں تھا بلکہ عہد حاضر کے ممتاز علماء اور صلحاء کا تھا کیونکہ صاحب مکتوب ایک وقت میں امام مفسر، محدث فقیہ، تصوف و سلوک کے عارف شریعت و طریقت کے معلم، اور درسیات کے فاضل سب کچھ ہیں لیکن دنیا ان کو ان حیثیتوں سے قطع نظر جو قدرت نے کمال فیاضی سے ان میں جمع کر دی ہیں صرف ایک سیاسی رہبر و پیشوا جمعیۃ علماء کے روح رواں اور کانگریس کے لقیب دو مساز کی حیثیت سے جانتی اور پہچانتی ہے لیکن ان مکاتیب سے اندازہ ہوگا کہ ان تمام حیثیات گوناگون کے ساتھ وہ عربی کے ادیب فارسی کے ادا شناس اور اردو زبان کے نثار دانشاپرداز بھی ہیں اور اپنے مفہوم و مافی الضمیر کو بہترین الفاظ فصیح و بلیغ عبارت میں ادا کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں یہ سارے خطوط مسلمانوں کی ایک صدی کی جد جہد آزادی کی ایک مکمل و مرتب تاریخ ہے جو میرے جیسے کم مایہ علم و عمل کے فہم و ادارک سے دراء الورا ہے۔ اس لئے فروگذاشت کا بہت زیادہ امکان ہے۔ مقصود متن کی افادیت ہے نہ کہ حواشی و فوائد۔

اس طرح کے علمی کام کرنے کی راہ میں ہمیشہ مالی زحمتیں سد راہ ہوتی ہیں چنانچہ یہ زحمت اپنی زندگی کا جزو لاینفک بن گئی، اور طباعت کی صورت سے امکان سے باہر ہو گئی ساتھ ہی اپنی خودداری اور مکتوبات کی عظمت کا تقاضا تھا کہ سوال سے گریز کر کے قرض سے کام چلایا جائے چنانچہ سب سے پہلے حضرت حاجی شیخ ولی محمد صاحب مدظلہ جونپوری نے ہمت افزائی فرمائی اور پانچسو کی رقم عطا فرما کر مالی مشکلات کے حل کی راہ پیدا کر دی، پھر مولانا محمد نبیہ صاحب ایم اے ایل۔ اے رئیس حسین آباد خانجہانپور ضلع مظفر نگر مدظلہٗ، مولانا ادریس سرائے میری، مولانا عبد الجبار بنارس۔ مولانا عبد الباری مبارکپور

مولانا محمد اسعد صاحب دیوبند نے مکتوبات کی طباعت و اشاعت میں ہاتھ بٹایا، تاہم دشواری بہت حد تک قایم تھی، اگر تائید ایزدی کے طور پر شہر اعظم گڈھ کے محبوب طبیب جناب حکیم محمد اسحٰق صاحب سیدھاری کے رئیس اور اپنے محسن خاص بابو سراج الحق صاحب اور حضرت مولانا مسعود علی صاحب ندوی منیجر مطبع معارف اعظم گڈھ کی مساعی شریک حال نہ ہوتیں تو میرے لئے غیر ممکن تھا کہ گھر رہ کر اور بہت سی دشواریوں سے بچکر پہلی جلدی اشاعت سے عہدہ برآ ہوتا اور ۴۰۰ صفحات کے بجائے ۵۰۰ صفحات سے زاید شائع کرسکتا ہیں ان تمام حضرات کا بہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے دامے درمے سخنے مدد فرمائی ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

تا بکے فکر تواں کرد و سخن تازہ نوشت — قصۂ شوق حدیثے است کہ پایانش نیست

والسلام

(رنگِ حیات) **نجم الدین اصلاحی** کان اللہ لہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تعارف

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ وتابعیہٖ اجمعین ✦

## امّا بعد

چونکہ ارشاد خداوندی وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ تحدیث اور اظہار نعماء اللہ کو واجب قرار دیتا ہے بنا بریں حسب مقام بعض امور کا ذکر نہ صرف مناسب بلکہ ضروری خیال کرتا ہوں

اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے بے شمار اور عظیم الشان مادی اور معنوی نعمتوں کی اس ظلوم وجہول خاندان پر بارش فرمائی فللّٰہ الحمد والمنۃ

من آن خاکم کہ ابر نوبہاری　　کند از لطف بر من قطرہ باری

ان گرانمایہ نعمتوں سے یہ عظیم الشان نعمت بھی ہے کہ ۱۳۱۶ھ ماہ شعبان میں جبکہ میں تقریباً تمام کتب درسیہ اور ان کے آخری امتحان سے فارغ ہوا تھا اور اسی مہینہ کی آخری تاریخوں میں حضرت والد صاحب مرحوم ومغفور نے سفر حجاز کا مع اپنے جملہ متعلقین کے اعلان کر دیا تھا۔ باشارۂ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز وباصرار برادر بزرگ مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم آستانہ حضرت قطب الاقطاب سرگروہ اولیاء اللہ سید العارفین امام زماں مولانا رشید احمد صاحب حنفی، انصاری چشتی صابری نظامی نقشبندی قادری سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز حاضر ہوا، اور بوسیلہ حضرت استاذ جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی مرحوم ومغفور استدعاء بیعت طریقت وارشاد پیش کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بلا چون وچرا درخواست قبول فرما کر سلاسل اربعہ میں بیعت فرما لیا۔ اور ارشاد

فرمایا کہ چونکہ تو مکہ معظمہ جا رہا ہے اور وہاں حضرت مرشد قطب العالم سید العارفین مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز موجود ہیں، انہیں سے ذکر و شغل کی تلقین حاصل کر لینا۔ چنانچہ اسی روز وہاں سے روانہ ہو کر دیوبند ہوتا ہوا وطن مالوف پہنچا۔ خدا کے فضل و کرم سے اس بیعت مبارکہ کے آثار اسی دن سے میں اپنے میں پانے لگا۔ رویائے صالحہ کا سلسلہ بھی جب ہی سے شروع ہو گیا۔

چونکہ اس زمانہ میں سفر حجاز کے لئے صرف بندرگاہ چاٹگام دبنگال، کھلا ہوا تھا۔ سواحل وغیرہ پر طاعون کے زور شور کی بنا پر قرنطینوں کی بھی سختیاں تھیں، اس لئے بہت زیادہ زمانہ مکہ معظمہ پہنچنے میں صرف ہو گیا۔ یہاں تک کہ آخر ماہ ذی قعدہ ۱۳۱۶ھ میں تین ماہ متواز سفر میں گذارنے پر مکہ معظمہ پہنچنا ہوا۔ بعد از انتظام اقامت و ضروریات مناسک سید العارفین قطب العالم جناب حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ میں شرف یابی کی نعمت حاصل ہوئی۔ حضرت حاجی صاحب موصوف سے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا بیعت فرمانے کے بعد ارشاد و تلقین کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر محمول فرما دینا مع دیگر پیغامات ذکر کیا۔ حضرت حاجی صاحب نے نہایت شفقت فرمائی، اور پاس انفاس کی تلقین کرنے کے بعد ارشاد کیا کہ ہر روز بوقت صبح ہمارے یہاں حاضر ہو کر یہی عمل کیا کرو۔ اس زمانہ میں روزانہ تقریباً آٹھ بجے صبح سے دس گیارہ بجے تک اذن عام ہوتا تھا۔ مولانا محب اللہ مرحوم مثنوی شریف پڑھا کرتے تھے، چنانچہ حسب ارشاد روزانہ حاضر ہوتا رہا۔ حج و عمرہ کے مناسک سے فارغ ہونے پر اواخر ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں بوقت روانگی قافلہ مدینہ منورہ بعد از ظہر حاضر ہوا، اگرچہ وہ وقت عام اجازت کا نہ تھا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہ میں بلایا۔ باوجودیکہ اس وقت بہت ضعیف تھے، پلنگ پر لیٹے ہی رہا کرتے تھے، پہنچنے پر بیٹھ گئے اور غایت شفقت سے پاس بلا کر میرے اور بھائی سید احمد صاحب کے سر پر اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیر کر فرمایا کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ چونکہ اس ارشاد پر میں نے سکوت کیا تھا۔ فرمایا کہو کہ میں نے قبول کیا، حسب ارشاد دونوں نے یہ کلمات کہے وہاں سے رخصت ہو کر تبریزہ کی جگہ دبیرون مکہ معظمہ جہاں پر قافلہ روانگی کے وقت جمع ہوا کرتا تھا،

پر پہنچا دو ہی تین دن گذرے تھے کہ منزل رابغ کی شب میں جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ و السلام کی زیارت باسعادت خواب میں نصیب ہوئی۔ یہ سب سے پہلی زیارت آنحضرت علیہ السلام کی تھی، آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر قدموں پر گر گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت جو کتابیں میں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہو جائیں اور جو نہیں پڑھی ہیں انکے متعلق اتنی قوت ہو جائے کہ مطالعہ میں نکال سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تجھ کو دیا، محرم الحرام ۱۳۱۷ھ کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ منورہ پہنچا، وہاں پہنچنے پر قیامگاہ اور معیشت کے اسقدر الجھاؤ پڑے کہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے تعلیم کردہ شغل پر عمل نہ کر سکا۔ فقط مکہ معظمہ کے قیام کی مدت میں اس پر عمل پیرا رہا تھا، بالآخر اسی سال ماہ جمادی الثانیہ میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد مجھکو شوق سلوک پیدا ہوا۔ تعلیم کردہ شدہ ذکر کو مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کیا کرتا تھا، مگر چونکہ بدن میں حرکت پیدا ہوتی تھی اسلئے لوگوں کے مطلع ہونے کا خیال اس امر کا باعث ہوا کہ بیرون شہر قریب مسجد اجابہ بعض افتادہ کھجوروں کی جھاڑیوں میں جا کر تنہائی میں جبتک جی لگے ذکر کیا کروں، چنانچہ اس حالت پر ایک زمانہ گذرا۔ اس اثناء میں جو رویائے صالحہ اور حالتیں پیش آتی تھیں گنگوہ شریف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں بذریعہ مکاتیب پیش کرتا رہتا تھا، الطاف بیکراں کیساتھ ہمیشہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جوابات میں مفید ارشادات کیا تھا اعانت فرماتے رہے۔ اس اثناء میں ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ گیارہ حضرات اولیاء اللہ میں سے تشریف لائے ہیں اور فرمایا کہ ہم تجھکو اجازت دیتے ہیں، ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہما ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں میں خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ کہ ایک تہائی کھجور کا عنایت فرمایا، اور کہا کہ باقی دو ثلث دوسرے مشائخ طریقت کے ذریعہ سے تجھ کو دیئے جائیں گے اس قسم کے بہت سے خواب دیکھے بالآخر ۱۳۱۸ھ کے رمضان یا شوال میں کرامت نامہ پہنچا کہ تجھ کو ایک مہینہ کیلئے گنگوہ آنا چاہیئے، اس پر حضرت والد صاحب مرحوم نے ارادہ فرمایا کہ صرف

جھنکو گنگوہ شریف بھیجیں بڑے بھائی صاحب مرحوم کو وہاں کی حاضری کا بہت زیادہ شوق تھا وہ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ میں خفیہ طریقہ پر بقصد حاضری گنگوہ شریف روانہ ہوگئے۔ اگرچہ حضرت والد صاحب کا قصد یہ تھا کہ بعد از حج جبکہ قوافل مدینہ منورہ سے جدہ واپس ہونگے۔ اسوقت مجھ کو بھیجیں گے، مگر بھائی صاحب کی تنہائی کی بنا پر حکم فرمایا کہ تو بھی ابھی چلا جا چنانچہ میں براہ ینبع البحر جدہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ بھائی صاحب مرحوم جہاز نہ ملنے اور حج کے قریب ہوجانے کی بنا پر مکہ معظمہ چلے گئے ہیں اور وہاں ہی مقیم ہیں۔ بالآخر میں بھی مکہ معظمہ پہنچا، اور نعمت حج وعمرہ سے فیضیاب ہونے کی تاریخوں کے بعد جدہ دونوں واپس ہوئے۔ مگر دخانی جہازوں کا اس سال کرایہ اس قدر زیادہ تھا کہ ہم دونوں کے پاس کی مقدار ہرگز کافی نہ تھی، بالآخر اوائل محرم ۱۳۱۹ھ میں بادبانی جہاز دبلہ، مسقط جانیوالا ملا جس نے تقریباً سوا مہینہ کے بعد مسقط پہنچایا۔ مسقط سے ہر ہفتہ میں ایک دخانی جہاز کراچی جاتا تھا۔ تقریباً ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد وہ جہاز آیا، دو، دو روپیہ فی ٹکٹ پر کراچی پہنچنا ہوا اور پھر اوائل ماہ ربیع الاول میں گنگوہ شریف کی حاضری نصیب ہوئی، اس اثناء میں تمام راہ میں میرے مشاغل سلوک برابر جاری رہے اور بفضلہ تعالیٰ رویائے صالحہ اور مختلف احوال وارد ہوتے رہے، گنگوہ شریف پہنچنے پر حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے بہت زیادہ عنایات فرمائیں، والد صاحب مرحوم کے خطوط سے چونکہ حضرت کو پوری کیفیت معلوم ہو چکی تھی۔ اس لئے یہاں انتظار تھا۔

بھائی صاحب مرحوم سہارنپور سے بالا بالا حاضر خدمت ہوئے اور میں نے عرض کیا کہ میں پہلے دیوبند جاؤنگا اور وہاں سے خدمت اقدس میں حاضر ہونگا، بھائی صاحب مرحوم سے حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں کے لئے ہم نے ایک ایک جوڑا کپڑا تیار کرا رکھا ہے۔ مگر حسین احمد کے حاضر ہونے کے بعد دونگا چنانچہ جب میں دیوبند سے براہ نانوتہ پیدل حاضر ہوا تو وہ جوڑے جو کہ ابھی جدید تھے ہر ایک کو عطا کئے گئے، چونکہ اس میں کرتہ پاجامہ، ٹوپی ہی تھی اسلئے بھائی صاحب مرحوم نے عرض کیا کہ حضرت ہم دونوں اپنے اپنے عمامے لاتے ہیں اور پیش کردیتے ہیں جناب ان کو

بھی ہمیں دیدیں، فرمایا کہ اس کو پھر دیکھا جائیگا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بکمال شفقت آخری شغل سلوک تلقین فرمایا۔ میں نے اپنی ان رویا کو جو کہ راستہ میں دیکھی تھیں، تنہائی میں پیش کیا۔ جن میں سے ایک یہ تھی۔ کہ میں حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں، اور اس سے پہلے ایک مقدار کھجوروں کی حضرت کے یہاں بطور ہدیہ پیش کر چکا ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ تو خود آکر ان کھجوروں کو تقسیم کر دے، میں نے عرض کیا حضرت یہ کھجوریں تو میں آپ کے لئے لایا ہوں، میرے یہاں تو اس کی دکان ہے۔ حاجی صاحبؒ نے فرمایا نہیں میں جانتا ہوں کہ کن مشقتوں سے کھجوریں حاصل ہوتی ہیں مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے اس خواب کو سن کر فرمایا صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے یہاں سے تجھکو اجازت ہوگئی میرے یہاں سے بھی عنقریب ہو جائے گی۔

چونکہ اجازت وخلافت میرے گمان میں بھی نہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو اس کا خواستگار نہیں ہوں۔ اس پر فاًلباً سکوت فرمایا، بارگاہ رشیدی کی حاضری میں بفضلہ معنوی نعمتیں بہت حاصل رہیں، ایک شب پندرہ دن کے بعد، بعد عشاء میں حضرت کی پیٹھ دبا رہا تھا بین النوم والیقظ کی حالت ہوئی اور سنا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ تجھے چالیس دن بعد اجازت ہوگی، اس کے ٹھیک چالیس دن بعد حضرت نے بعد عصر فرمایا کہ اپنے عمامے لے آؤ، بھائی نے دو عمامے حاضر کئے حضرت نے ہر دو کو اپنے پاس بٹھا کر اپنے دست مبارک سے باندھے اس کے چند منٹ بعد بھائی صاحب سے فرمایا جانتے ہو یہ کیسی دستار تھی، بھائی صاحب نے فرمایا، دستار فضیلت تھی، فرمایا نہیں یہ دستار خلافت ہے تم دونوں کو مجھ سے اجازت ہے۔ اسکے بعد کچھ عرصہ خدمت میں رہنا ہوا۔ مگر بہت جلد افتراق جسمانی کی نوبت آگئی۔ افسوس کہ اپنی تن پروری اور نفس پرستی ہمیشہ میدان عمل میں سد راہ ہوتی رہی جس کی بنا پر ناقص رہا۔ ورنہ نعماء الٰہیہ نے کبھی بخل نہ فرمایا، اور نہ حضرت مرشدی قدس سرہ العزیز کی توجہات اور حضرت شیخ الہند کی برکات نے افاضہ سے کوتاہی کی ؎

چند ریزد خود تہمت دین مسلمانی نہیم　　　سود گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم
لادین ولا دنیا بیکار بماندیم　　　از نکتہ مقصود نہ شد فہم حدیثے

حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں اگرچہ زیادہ رہنا نصیب ہوا مگر باوجود ان کی توجہات کے اپنی نالائقیوں نے گل کھلانے میں کمی نہ کی، غرضیکہ میں اپنے اسلاف اور اکابر کرام کے لئے ننگ و عار ہی رہا، اور حضرات اہل چشت اور دیگر مشائخ اہل طریق کا صحیح معنوں میں بدنام کرنیوالا تاہم مجھ کو افضال خداوندی سے اُمیدیں ہیں کہ مثل سگ اصحاب کہف مجھکو اپنے اولیاء کرام کے فیوض سے مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمائیں گے، اور اپنے بھائیوں سے اُمیدوار ہوں کہ دعوات صالحہ اور توجہات دیہیم سے اس روسیاہ کی دستگیری فرمائیں گے، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۳۰۶ھ

(سلاسل طیبہ)

## مکتوب نمبر (۱)

## سادات شیخپورہ، مرزاپور، مادھوپور، ضلع سہارنپور وغیرہ کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف، والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، یادآوری کا شکر گزار ہوں، میرے متعلق نسبی حیثیت سے سید ہونے کا انکار جن حضرات نے کیا ہے وہ اسکے ذمہ دار ہیں میں تو اپنے نام کیساتھ سید لکھتا بھی نہیں ہوں، جسکی وجہ یہ ہے کہ مدار نجات نسب نہیں ہے عمل ہے، اگر نسبی حیثیت سے کوئی اعلیٰ درجہ کا عالی نسب ہے مگر اعمال قبیح ہیں تو مثل پسر نوح علیہ السلام وہ راندۂ درگاہ خداوندی ہے، اور اگر چمار زادہ یا بھنگی زادہ ہے مگر وہ مسلمان متقی ہے تو اسکی فوز وفلاح مثل حضرت بلال وصہیب رضوان اللہ علیہما ہے، میرے عمل اس ادعا کی اجازت نہیں دیتے، مجھ کو شرم آتی ہے۔

محترما! میں الہداد پور قصبہ ٹانڈہ، ضلع فیض آباد کا باشندہ ہوں۔ الہداد پور قصبہ ٹانڈہ کے بالکل متصل ہے تقریباً چار سو برس یا اس سے زاید سے ہمارے خاندان کی جائے سکونت ہے وہاں کے اطراف وجوانب میں ضلع سلطان پور، اعظم گڈھ اور فیض آباد کے دیہات اور قصبات میں صرف سادات اور بڑے ذات کے شیخ زادوں میں ہماری رشتہ داریاں صدیوں سے چلی

آتی ہیں، ہمارا آبائی پیشہ زمینداری اور پیری مریدی ہے، شاہان دہلی مغلیہ خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے یا ان سے پہلے بادشاہوں نے ہمارے اعلیٰ مورثوں کو ۴۲ گاؤں دیئے تھے جن میں سے ۱۸۵۷ء تک ۱۳ باقی رہ گئے تھے ۱۸۵۷ء میں ایک ہندو راجہ نے جس سے پہلے سے عداوت چلی آتی تھی، بڑوں کے انتقال اور بدعملی کی اشاعت کی وجہ سے سب پر قبضہ کرلیا اور الہ داد پور لوٹ لیا، ہمارے قدیمی کاغذات وغیرہ پر بھی قبضہ کرلیا بے شمار خزانے اور غلہ اور سامان اس نے لوٹے جس کو وہ ایک مہینہ تک گاڑیوں میں منتقل کرتا رہا۔ اس کے حصار کے زمانہ میں عورتیں اور بچے بھیس بدل کر رشتہ داروں کے یہاں شہر ٹانڈہ کے بعض محلوں میں جو کہ مامون تھے پناہ گزین ہوگئے تھے۔ اور دوسرے لوگ بھی نوکروں اور رعایا کو چھوڑ کر منتشر ہوگئے تھے، بہر حال اگر کسی کو تفتیش کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد دور نہیں ہے وہاں جاکر تفتیش کرکے حال معلوم کرسکتا ہے، ۱۸۵۷ء کے بعد صرف دو گاؤں ہمارے خاندان کے پاس باقی رہ گئے تھے، جن میں والد مرحوم کا ایک آنہ آٹھ پائی تھا، جس کو فروخت کرکے والد مرحوم نے حجاز کا قصد کیا تھا۔

ہمارے مورث اعلیٰ جو کہ اللہ داد پور میں اولاً پہنچے ہیں ان کا نام شاہ نور الحق قدس سرہ العزیز ہے ان سے لیکر مجھ تک سترہ پشتیں گذری ہیں۔ سلسلہ حسب ذیل ہے۔

حسین احمد بن سید[1] حبیب اللہ[2] بن سید پیر علی[3] بن سید جہانگیر[4] بخش بن شاہ نور اشرف[5] بن شاہ مدن[6] ابن شاہ محمد[7] شاہی بن شاہ خیر اللہ[8] بن شاہ صفت اللہ[9] بن شاہ محب اللہ[10] بن شاہ[11] محمود بن شاہ لدھن[12] ابن شاہ قلندر[13] بن شاہ منور[14] بن شاہ راجہ[15] بن شاہ عبد الواحد[16] بن شاہ محمد زاہد بن شاہ نور الحق قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔

یہاں تک ہمارا شجرہ نسبی موجود ہے اس کے بعد کا شجرہ طریقت ہے، نسبی موجود نہیں ہے۔

شاہ نور الحق صاحب خلیفہ ہیں شاہ داؤد چشتی کے وہ شاہ عنایت الدین چشتی کے وہ شاہ نجم الدین چشتی کے وہ شاہ رومی چشتی کے وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے وہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری

رحمہم اللہ تعالیٰ وقدس اسرارہم کے اس کے بعد شجرہ میں وہی اسماء بزرگان طریقت کے درج ہیں جو حضرات خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تمام شجروں میں مذکور ہیں۔

ہمارے خاندان کے بڑے میرے تایا، والد، ماموں ہر دو بھائی کے آبائی اور خاندانی مرید ضلع گونڈہ بستی گورکھپور رفیض آباد وغیرہ کے دیہات اور اطراف میں تھے اور اب تک چلے جاتے ہیں۔ اکثر رشتہ داروں نے پیری مریدی چھوڑ دی ہے، مگر بعض بعض نے اب تک غربت کی وجہ سے اسی پر گذران کر رکھی ہے اس میں شک نہیں کہ اخیر ایام یعنی ۱۸۵۷ء کے قریبی ایام میں جہالت اور دنیاداری کا ہمارے خاندان پر غلبہ ہو گیا تھا جسکی وجہ سے ہماری نانی مرحومہ نے جو کہ خاندان ہی کی تھیں، والد مرحوم پر زور دیا کہ تم کسی کامل سے بیعت ہو جاؤ۔ کیونکہ اب طریقت کی تعلیم اور کمال خاندان میں باقی نہیں رہا۔ چنانچہ ہمارے والدین ماجدین حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے اور شرف حاضر بارگاہی حاصل کیا۔ بہرحال یہ احوال مختصر ہیں والحقیقۃ عند اللہ محترما، اگر قبولیت عند اللہ نصیب ہو تو نجاح وفلاح ہے ورنہ سب ہیچ ہے اخباروں وغیرہ میں ایسے مضامین لانے کی ضرورت نہیں آپ کو ضرورت ہے کہ اپنی قوم کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ترقی دیں نسبی حیثیت سے غرور اور تکبر بے موقعہ پیدا ہوتا ہے، وہ ترقی سے مانع ہو جاتا ہے، سادات پر تمام مسلمانوں کی خدمت گذاری ضروری ہے، نہ یہ کہ سادات تمام مسلمانوں کو اپنا غلام سمجھیں، اور ان سے خدمت کی خواہش کریں۔ تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ ایک روز امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بغداد میں ایک بڑے مجمع کے سامنے فرمانے لگے کہ بھائیو تم میں سے جس کو روز قیامت میں اللہ تعالیٰ بخش دے تو میری شفاعت کرنا لوگوں نے تعجب کیا اور کہا کیا ہم آپ کی شفاعت کریں، حالانکہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ہیں، تو فرمانے لگے کہ یہی چیز میرے لئے باعث بے چینی ہے، امت کے تمام مسلمان میرے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں اور میں ان کے خاندان کا بچہ ہوں، قاعدہ ہے کہ مہمانوں کی خدمت گذاری خاندان کے چھوٹوں پر ضروری ہوتی ہے اگر وہ کوئی

کوتاہی کرتا ہے تو صاحب خاندان بہت خفا ہوتا ہے اور چھوٹوں کی سرزنش کرتا ہے اگر قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھکر مجھ سے سوال کیا کہ جعفر تم نے میرے مہمانوں کی کیا خدمت کی تو میں شرم کی وجہ سے منہ نہ اٹھا سکوں گا۔

یہ ارشاد حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا صحیح ہے اور سادات کیلئے نہایت عبرت کا فرمان ہے، مگر افسوس کہ ہم انتہائی غفلت میں مبتلا ہیں، میں جب سے یہ ارشاد دیکھا ہے بہت فکرمند رہتا ہوں اللہ تعالےٰ مدد فرمائے۔

ہمیں فخر نسبی کا موقع صرف اسیوقت حاصل ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور ہمارے آقا ولی نعمت ناناجان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو جائے اس سے پہلے یہ مفاخرت جہالت اور نادانی ہے۔

سادات کا فرض سب سے زیادہ اور اولین ہے کہ آقائے نامدار علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کو زندہ اپنے عمل سے کریں، اور آپ کی سنتوں پر نہایت مضبوطی سے چلیں اور ہر امتی کا خواہ وہ کیسا ہی غریب اور جاہل اور چھوٹی ذات کا مسلمان ہو احترام کریں اور اسکی خدمت گذاری کریں، وہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان اور بلایا ہوا مہمان ہے، امیدوار ہوں کہ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں گے، اور واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہدیجئے والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

سہارنپور ۱۳ ش ۶۹ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱) ایک مجلس میں تذکرہ ہوا کہ امیر الہند مولانا حسین احمد مدنی دامت برکاتہم سید ہیں یا نہیں؟ مذاکرہ میں اسقدر شدت ہوئی کہ آپس میں رنجشیں ہوگئیں بجواب عریضہ ہذا حضرت اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں ہم سب حضور والا کے دامن سے وابستہ ہیں مگر ہم میں سے بہت سے اہل سادات کسی دوسری قوم کو فخر خاندانی کی بنا پر اپنا رہنما ماننے پر تیار نہیں۔ مکتوب گرامی ۲۸ سے شرف صدور ہو کر باعث طمانیت ہوا کہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم کے آباؤ اجداد رحمہم اللہ سید تھے، جیسا کہ شجرہ مبارکہ

# مکتوب نمبر (۲)

## امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد وزیر معارف ہند کے نام

(۱) سیدنا المحترم لازالت معالیکم فی غایۃ من الارتقاء۔ آمین

بعد اھداء السلام والتحیۃ اللائقۃ بالمقام المعروض علی سیادتکم ان الداعی وصل سلہٹ فی الثالث من رمضان صباحاً مع کل خیر وسلامۃ وحیث ان المواصلات السلکیۃ والکتابیۃ الی ھذہ الساعۃ منقطعۃ اقتضت الظروف والاحوال ارسال حامل العریضۃ الی جنابکم السامی فالمرجو من حسن الطافکم ان لا تغفلوا عن الاسعاف

بعد ہدیہ سلام مسنون کے خدمت قدس میں عرض ہے کہ خاکسار ۳ رمضان المبارک کی صبح مع الخیر سلہٹ پہونچا چونکہ برقیات و مراسلات کا سلسلہ منقطع ہے اسلیے حالات اس کے مقتضی ہوئے کہ حامل رقعہ کو جناب کی خدمت میں بھیجوں، مجھکو جناب والا کے حسن اخلاق سے امید ہے کہ میری درخواست پر توجہ فرمائیں گے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۹) سے ظاہر ہے) یہ مسلم ہے کہ اسلام نے نجات اور عزت حقیقی کی بنیاد محض تقویٰ پر رکھی ہے اس میں انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز و حقیر ہونا ذات پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ جو شخص جسقدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیزگار ہوگا اسی قدر اللہ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔

ضلالت کدہ عرب کے اندر یہ وبا جس طرح پھیلی ہوئی تھی اس سے کون صاحب نظر ناواقف ہے سارا عرب تفاخر بالانساب کا اکھاڑا بنا ہوا تھا، قبیلہ قبیلہ فخر نسب کی دوکانیں سجا سجا کر نقد عزت حاصل کر رہا تھا، لیکن جب حق و صداقت کی شعاعیں چمکیں تو فخر باطل کی ساری گھٹائیں چھٹ کر رہ گئیں کیونکہ انسان کے لئے معیار شرف جوہر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم و عمل ہے نہ کہ اسلاف کی روایات پارینہ اور نسب فروشی کا غرور باطل، ہم کو ایسا ہونا چاہیئے کہ ہماری نسبت سے ہمارے خاندان کو لوگ پہچانیں نہ یہ کہ اپنی عزت کے لئے خاندان کے شرف رفتہ کے محتاج ہوں، البتہ جسکو حق تعالیٰ (باقی صفحہ ۱۱ پر)

| | |
|---|---|
| سیدی! منذ وردت هذه الدیار | سیدی! جب سے میں یہاں آیا ہوں برابر یہ شکایت |
| ما زلت أسمع الشکوی من جهة عدم تقرر | سنتا ہوں کہ صوبہ آسام میں اسلامی وزارت قائم |
| الوزارة الاسلامیة فی القطر الآسامی وانها | نہیں ہو رہی ہے جس کی وجہ سے اسلامی مفاد |
| سبب ضیاع کثیر من الحقوق الاسلامیة | کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے، وطن پرست اشخاص اور |
| فی هذه الدیار وکل من لقینی من الوطنیین | ارکان جمعیۃ مجھ سے اس بات کی شکایت کر رہے ہیں |
| أو ارباب الجمعیة یشتکی عن هذا الامر | اور مجھے اس کام کے لئے ترغیب دے رہے ہیں جب تک |
| ویحضنی علی الاجتهاد والسعی حتی سأمتُ | وزارت قائم نہ ہو جائے میں برابر کوشش کرتا رہوں، لہذا |
| فلزم توجه عزائمکم الی هذا المهم العالی | جناب والا اس مہم کو انجام دینے کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں اس |
| اهل هذه الدیار یقرون بالشدة ان | صوبہ کے باشندے بڑی قوت سے کہتے ہیں کہ اس علاقہ میں |
| الوزارة الاسلامیة فی هذا القطر تشتمل | مجالس تین ہوئی تھیں پھر کہا جاتا ہے کہ حکومت و زعمائے قوم ایک |

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) کسی شریف اور بزرگ و معزز گھرانے میں پیدا کرے، وہ ایک موہوب شرف بزرگی ہے، کیونکہ جدید تحقیقات وانکشافات اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ بہت سی چیزیں موروثی طور پر اشخاص و رجال کے اندر پائی جاتی ہیں اور اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ بسا اوقات خاندان کے موروثی اثرات خارجی اثرات سے بے نیاز کر دیتے ہیں، اس لئے جس شخص کو حق تعالیٰ شرافت و نجابت، حسب نسب کی عزت سے سرفراز فرمائے اسے بمقابل دوسروں کے اور بھی اصلاح اعمال و تزکیۂ نفس و اخلاق حمیدہ کی طرف مائل ہونا چاہیئے خلاصہ یہ کہ عادت اللہ ہمیشہ سے یوں ہی جاری ہے کہ جسکو مرجع خلائق بنانا اور منصب ارشاد و صلاح پر متمکن کرنا منظور ہوتا ہے، اسکو اعزاز خاندانی اور شرافت نسبی سے بھی ممتاز فرمایا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے اتباع میں عار و ننگ محسوس نہ ہو، اور ایسے شخص پر کسی کی وجاہت ظاہری کا بیجا اثر نہ ہونے پائے، گو قبول عند اللہ کیلئے شرافت نسب کی بالکل حاجت نہیں اور نہ اسلام نے اپنے نسب کو بدلنے کی اجازت دی ہے کہ خواہ مخواہ اپنے کو سید، صدیقی، فاروقی، عثمانی، انصاری اور علوی ظاہر کریں یہ گناہ ہے حضرت امام العصر کو حق تعالیٰ نے اگر ایک طرف عقل و فراست، علم و عمل اور خلعت امامت سے نوازا تو دوسری جانب شرافت نسبی اور وجاہت خاندانی سے

مالامال کر دیا ع یار ما این دارد و آن نیز ہم " اللہم صل علی محمد و علی آل محمد۔

على ثلثة مجالس فمابال الحكومة و
كبار الوطنيين يقتصرون على مجلس واحد
فقط لابد لهم من الاكمال - وان شئت انا
محمد ابراهيم الجتولى ايضاً انشاء الله
يقوم نفرائض الحكومة بالجد التام
والحذاقة وان لم يكن ماهرا فى اللغة
الانكليزية، واما مولوى عبد الرشيد
فتفحصت عن احواله فذكر من جهته
غاية الحذاقة فى جميع الفرائض المفوضة
وكذالك اللغة الانكليزية

المسئلة الثانية مسئلة المهاجرين
الى اسام من سكان بنگال فانها القلبية
مسئلة مهمة فالمرجو من افضالكم ان
تجلوا فيها بان من نزل هذه الديار
۱۹۳۵ء يترك ههنا ولا يخرج هذا
وقد وجدت القلق والانزعاج من
هاتين المسئلتين فى السياسة الموجودة
وههنا مسئلة ثالثة وهى انتخاب
المسلمين فى مناديب الحزب الوطنى
اعنى الكانگرس فانها عادت معضلة

مجلس کے قیام پر اکتفا کر رہے ہیں، بلکہ ان کو تینوں
پوری کرنی چاہیئے، اور مولانا محمد ابراہیم صاحب
اگرچہ انگریزی کے فاضل نہیں ہیں پھر بھی
انشاء اللہ اپنے کار منصبی کو پوری مہارت
اور انتہائی جد و جہد سے انجام دیں گے
لیکن جہاں تک میں نے مولانا عبد الرشید
صاحب کے حالات کی تحقیق کی موصوف
کے متعلق یہی بتایا گیا ہے کہ خدمات مفوضہ
کی انجام دینے کی اعلےٰ مہارت رکھتے
ہیں، اور انگریزی سے بھی بخوبی واقف ہیں۔

دوسرا مسئلہ ان مہاجرین کا ہے جو بنگال چھوڑ کر
آسام آرہے ہیں، یہ مسئلہ بھی نہایت اہمیت اور نزاکت
اختیار کر گیا ہے، امید کہ جناب والا اس کو جلد از جلد حل
فرمائینگے، کہ جو شخص اس صوبہ میں ۱۹۳۵ء تک آکر
آباد ہوگیا ہے اس کو یہاں رہنے دینا چاہیئے
یہ دونوں سیاسی مسائل سخت تردد اور کشمکش کا
باعث ہیں، یہاں ایک تیسرا مسئلہ بھی ہے یعنی کانگرس
کے مندوبین کے لئے مسلمانوں کا انتخاب
یہ مسئلہ بھی مسلمانوں کے لئے سخت پیچیدہ ہے
کیونکہ ابناء وطن مسلمانوں کو اس کا موقع
نہیں دیتے کہ وہ کانگرس میں کوئی حیثیت حاصل

عویصۃ للمسلمین جداً فان ابناء الوطن لا یترکون مسلما یفوز بعضویتہ فی المجلس الوطنی ولا یترکونہ ممثلاً فی المجلس الکبیر فان لم تصر المجالس محفوظۃ للمسلمین یکاد ینقطع دخولھم فیھا ثم یا سیدی اطلب منکم السماح فیما اجترأت فی اللیلۃ جعلکم اللہ ملاذا للآمال والا مانی سائر الایام دام مستقم

محسوبکم

حسین احمد عفرلہ من بلدۃ سلھٹ فی

۹ رمضان المبارک ۶۵ھ

کر سکیں، نہ اس کا موقع دیتے ہیں کہ آل انڈیا کانگریس کا رکن منتخب ہو سکیں پس اگر کانگریس میں مسلمانوں کے لیے نشستیں مخصوص نہ کی گئیں تو کانگریس کمیٹیوں میں مسلمانوں کی شرکت ختم ہو جائے گی۔

اسکے بعد میں درخواست کرتا ہوں کہ جناب والا میری اس جرأت کو معاف فرمائیں کہ شب کے وقت ملاقات کی تکلیف دیکر جناب کے راحت و آرام میں دخل انداز ہوا، خداوند عالم آپکی ذات گرامی کو ہمیشہ ہمیشہ مسلمانوں کی پشت پناہ بنائے رکھے۔

والسلام

حسین احمد غفرلہ سلہٹ، ۹ رمضان المبارک ۶۵ھ

## مکتوب نمبر (۳)

## مولانا عبدالحق مدنی رحمۃ اللہ علیہ مرادآباد (یوپی) کے نام

الی الاخ المحترم

زادت معالیہ آمین السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما ما وقع فی مسئلۃ الحجاز و ابن سعود فنعم ھھنا شرذمۃ تخالف النجدیین ومنھم من یخالفھم لتوغلہ فی البدع واحتال فی ھذا الامر بمظالمھم التی وقعت فی الطائف وبما وقع من ھدم القبب وغیرھا

مسئلہ حجاز اور ابن سعود کے بارے میں جو حالات پیش آگئے ہیں وہ یہ ہیں کہ ایک مختصر جماعت یہاں بھی ان کی مخالف ہے، بعض تو اس لئے کہ وہ غالی بدعتی ہیں اور اس کے لئے انہوں نے ان مظالم کو جو طائف میں ہوئے ہیں، اور جو

ومنهم من كان مستندا الى الشريف
ولم يكن يجد سبيلا لاظهار ضميره
والآن وجد لذالك طريقا فصار
يشيع تلك المظالم والعقائد لرجوع
الناس الى الشريف وقد وقعت
المكاتبات بيني وبين بعضهم وانا
ارى انه لو اقيم هنالك الشيخ
السنوسي لتسد اكثر ابواب الفتن
والحكومة ابن سعود ايضا فيها
صلاح لكثير من الامور السياسية
وان كان رائكم على خلاف ذالك انا
ارى ان سائر العربان مدرهم
وغير مدرهم وحيهم من اليالم والهذيل
والهيثم وغيرهم حجازيهم وتهاميهم
يمنيهم ونجديهم وغيرهم يخافون
منه كالغنم من الذئب فلا يمكن
لشيء من هذه القبائل ان تطيل يدها
على العراب كما كانت تعمل في حكومة
الشريف وكذالك السفهاء بمكة و
المدينة وعبيد الاشراف بل
الاشراف ايضا لا يقدرون على

تھے وغیرہ ڈھائے گئے ہیں، بہانہ بنالیا ہے، کچھ
لوگ شریف حسین کے حامی ہیں جو اپنے خیالات کے
اظہار کا موقع نہیں پاتے تھے، اب ان کو موقع
مل گیا ہے، وہ لوگ نجدیوں کے ان مظالم اور
ان کے عقائد کی اشاعت اس لئے کرتے ہیں تاکہ
لوگ شریف حسین کی تائید کریں، ان حضرات میں
سے بعض سے خط وکتابت رہی، میرا خیال ہے
کہ اگر شیخ سنوسی کو وہاں کی ذمہ داری دیدی جائے
تو اکثر فتنوں کے دروازے بند ہوجائیں گے
ورنہ پھر ابن سعود کی حکومت میں سیاسی معاملات
کے سلجھانے کی صلاحیت تو موجود ہی ہے۔
اگرچہ آپ لوگ اس رائے کے مخالف ہیں، میں
تو دیکھتا ہوں کہ تمام عرب، بدوی، شہری
والم، ہذیل، حجازی، تہامی، یمنی، نجدی وغیرہ
سب کے سب ابن سعود سے اس طرح ڈرتے ہیں
جیسے بکری بھیڑیے سے ڈرتی ہو۔ لہٰذا یہ قبائل
اب عرب پر ایسی دست درازی نہیں کرسکتے
جیسے شریف حسین کے زمانہ میں کرتے تھے، اور
اب مکہ و مدینہ کے جہلا، اشراف اور اراذل بھی
کسی کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتے، اسی طرح اور
بہت سی خرابیاں نجدی نظام حکومت میں

ان يؤذوا احدا وكذلك ما كان في
المدينة المنورة من تعدد الحكام
وجريان الاحكام القرقوشية فيها
وميلان كل حاكم الى من طاوعه و
قدم له ما يشتهيه وتسلط العربان
واولاد الحارة على الناس وكذلك
المصادرات الباهضة والجمارك
الثقيلة التي كانت على التجار واصحاب الاموال
وكذلك الحيل الباطلة التي كانت تصطاد
بها اموال الحجاج فيقدم البعض الى الشريف
البعض الآخر لحاكمه والبعض لمطوفين وشيوخهم
وغير ذلك من الامور الشنيعة ارجو ان يزيل
حكومته اصلاح الجميع مرة واحدة نعم اخاف
ايضا من تشددهم المتجاوز من
الحد في الديانات ان يحصل ما لا خير فيه
فانهم لا توسط لديهم سيما عند
عامتهم وذلك ينفر قلوب الناس
ويخشى [illegible] في الاسلام الا فاني، ويجد
بذلك اصحاب الاهواء سبيلا لتسويل
الكفار على الحرمين الشريفين اعاذنا
الله من ذلك وكذلك يحصل به

دور ہو گئیں، مثلاً مدینہ منورہ میں حکام کی کثرت،
قرقوشی قوانین کا نفاذ، ہر حاکم کی بیجا حمایت اور
پاسداری ان اشخاص کی جو ان کی خوشامد اور
اطاعت کرتے تھے، بدوؤں اور محلے کے لڑکوں
کے لوگوں پر مظالم، تاجروں اور سرمایہ داروں
پر محاصل اور ٹیکسوں کی بھرمار، حجاج سے مختلف حیلوں
سے رقمیں وصول کرنا، کچھ شریف کو دینا کچھ حاکموں
کو نذر کرنا، کچھ معلموں اور شیوخ کی جیب بھرنا
میرا خیال ہے کہ ابن سعود کی حکومت ان تمام
خرابیوں کو بیک وقت دور کر دے گی، ہاں مجھے
اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ شرعی مسائل
اور احکام میں ان کی حد سے متجاوز
زیادتیاں بہت سی خرابیاں
پیدا کریں گی۔ کیونکہ نجدیوں میں اعتدال
پسندی نہیں ہے، بلکہ ان کا یہ طرز عمل لوگوں کو
اسلام سے متنفر کر دے گا۔ اور ہوا پرستوں
کو اس بات کا موقع دے گا کہ وہ کافروں کو
حرمین شریفین پر قبضہ کرنے کی ترغیب دیں
خدا اس فتنہ سے بچائے، اگر انہی کا تسلط
حرم پر ہو گیا، تو لوگوں پر مظالم ہوں گے
جیسا کہ اس کے قبل ان کے تسلط سے حجاز پر مصیبت

مظالمہم علی الناس کما وقع سابقاً لدی
تسلطہم علی الحجاز والحاصل ان السیاسة
یرجی منہم فیہا منافع واصلاحات
ولکن الدیانة تجمع بین الحسن والقبیح
والتشدید غیر مرضی لدی النبی علیہ السلام
وینتج مضار کثیرة۔ ثم الدولة
الانکلیزیة ترید القاء الفتن بین
المسلمین فلا اطمینان من جہة
علی واخوانہ اذ حصلوا ما یقویہم
کما یظہر من بعض الاخبار۔ والی
اللہ المشتکی۔

حسین احمد غفرلہ

گذر چکی ہے، خلاصہ یہ کہ نجدیوں کی حکومت سے
سیاسی بنا پر بہت سے فوائد اور اصلاحات کی
توقع کیجا سکتی ہے، لیکن شرعی نقطۂ نظر سے
ان کی حکومت میں خوبی بھی ہے اور برائی بھی اور
سختی تو آنحضرت صلعم کے نزدیک غیر پسندیدہ چیز ہے
جس سے بہت سے مضر نتائج پیدا ہوتے ہیں
علاوہ ازیں انگریزی حکومت مسلمانوں میں فتنہ
فساد پیدا کرنا چاہتی ہے، اس لئے شریف
اور انکے بھائیوں کیطرف سے مجھکو اطمینان نہیں ہے
جبکہ ان کو اقتدار حاصل ہوگا۔ جیسا کہ خبروں
سے پتہ چلتا ہے۔

حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر (۴)

(۱) لا شک ان الہند دار حرب
بیدان حضرة مولانا النانوتوی
قدس اللہ سرہ العزیز کان یری ان
من کان من سکان الدیار الاسلامیة یباح لہ
ان یدخل الہند ویاخذ من الحربیین
الاموال بالربوا والقمار، وامثال
ذالک مما فیہ التراضی بغیر نقض عہد

(۱) اس میں شک نہیں کہ ہندوستان دار الحرب
ہے مگر حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ العزیز
کا خیال تھا کہ باشندگان بلاد اسلامیہ کے لئے
جائز ہے کہ وہ ہندوستان میں داخل ہو کر سود
اور جوے سے حربی کا مال لے سکتے ہیں بشرطیکہ
اس میں تراضی طرفین ہو اور عہد شکنی نہ ہو
لیکن باشندگان ہند کے لئے جائز نہیں ہے

واما القاطنون بالهند، غير مستهلك
ويرى ان النص الفقهي معناه كذلك
وله رسالة في ذالك واما
حضرت مولانا الگنگوهي قدس الله
سره العزيز فكان يرى ان المسلمين
القاطنين بالهند ايضا لهم ان ياخذوا
من الانكليز والهند، وبيد انه كان
لا يفشي بهذا الفتوى لمصلحة
حفظ العوام

(۲) لاشك ان البنوك الواقعة
بالهند بعضها للحربيين المحاربين
من اهل اوربا وهؤلاء يدفعون
النقود الربوية لجماعتهم التبشيرية
اعني الپادريين لاشاعة المسيحية
اذا لم يأخذ ارباب الاموال
الربوا عليها. وحيث ان عدم الاخذ
حينئذ اوجب مفسدة عظيمة افتى
ارباب الحل والعقد بوجوب اخذ الربوا
ثم صرفها على فقراء المسلمين تصدقا
او في غير هذا المحل حتى انها لو تؤخذ
ثم تغرق في البحر فهي خير من ابقائها

ان کا خیال تھا کہ اس معنی میں نص فقہی بھی ہے
چنانچہ اس مسئلہ پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے
البتہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز
کا خیال تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے مسلمان
بھی انگریزوں اور ہندوؤں سے سود لے
سکتے ہیں، لیکن عوام کی مصلحت کا لحاظ کر کے
اس فتوے کو شائع نہیں کرتے تھے

...............

...............

(۲) ہندوستان میں جو بنک قائم ہیں ان میں سے
بعض اہل یورپ کے ہیں جو اسلام کے مخالف
اور دشمن ہیں، یہ لوگ سود کی رقمیں پادریوں کو
عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ان کے تبلیغی مشن
کو دیتے ہیں، جبکہ سود کی رقموں کا مطالبہ
روپیہ جمع کرنے والے نہیں کرتے، اسلئے
سود کی رقم نہ لینا ایک بڑے فتنہ و فساد کا
سبب ہے، لہٰذا ارباب فتوی نے فیصلہ کیا
ہے کہ سود کی رقمیں ضرور لینا چاہیئے، اور
بطور خیرات کے مساکین کو تقسیم کردینی چاہیئے
یا اور کہیں دیدینی چاہیئے بلکہ سمندر میں پھینک دینا
بنک میں چھوڑ دینے سے بہتر ہے، البتہ ہندوؤں

فی البنوک، اما اخذ الربوا من الهنود فالی الساعة اولئک متوقفون لان اشاعة هذه المسئلة تودی الی جریان الربوا بین المسلمین فان عامة سکان الهند من المسلمین هم فقراء یحتاجون الی الاستدانة بالربوا۔

واما الهنود فاولئک اصحاب اموال طائلة لایحتاجون الی الاستدانة غالبا ومن احتاج منهم قلیل فاذا حصلت الاشاعة لهذه الفتوی تکون ذریعة للفساق من ارباب الدنیا من المسلمین ان ینهبوا اموال الضعفاء منهم بزعمها حلالا۔ واما الآن فنحن نقول للمسلمین ان اخذ الربوا واعطائها وکتابتها وغیر ذالک حرام فامتنعوا عنه وقللوا مصاریفکم حتی لا تحتاجوا الی الاستدانة۔ ونقول لهم لا تعینوا باموالکم طائفة اعدائکم الوطنیین الهنود وغیر ذلک ههنا مصالح عدیدة مع ان الهنود بالبلاد الهندیة

ہے سود لینے میں ابتک علما کو تذبذب ہے اس لئے اور بھی کہ اس مسئلہ کے رواج سے سودی معاملہ مسلمانوں میں پھیل جائیگا کیونکہ ہندوستان کے عام مسلمان غریب ہیں۔ اور وہ سودی روپیہ قرض لینے پر مجبور ہیں۔

ہندو اکثر سرمایہ دار ہیں، ان کو سود پر روپیہ لینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اور جب جواز سود کے فتوی کی اشاعت ہوگی تو دنیادار مسلمان غریب مسلمانوں کا مال کو لوٹ لیں گے۔ کیونکہ مسلمان جائز سمجھکر ان کو سود دیں گے، ہم مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ سود کا لین دین اور معاملہ حرام سمجھیں اور اس سے باز آئیں اور اپنے اخراجات کم کریں، تاکہ قرض لینے کی نوبت نہ آئے اور مسلمانوں سے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ تم اپنی رقموں اور سرمایہ سے اپنے ہموطن ہندو دشمنوں وغیرہ کی مدد نہ کرو، اس کے علاوہ سود نہ لینے میں اور بہت سے مصالح ہیں ہندوستان میں ہندو بھی مسلمانوں کی طرح

امر امتنا، فان فی نظری وضعیة
القاطنین بالهند وضعیة الاسیر
بایدی اهل الحرب لان احوالنا
اشبه بالاسیر وبناء علیه یحل لنا
من هولاء المحاربین کل شیء سوی الفروج
کما صرح به الفقهاء اذا تاملتم نظرکم
الامر وهل یحل من الهنود ام لا محل
تامل. وما قلتم ان دفع الفلوس
الی البنوك لاجل الاعانة الكفار
فهو صحیح وذلك امر واقعی یجترأ
علیه ارباب الدنیا ومن لا مبالاة
فی قلبه الدین بحیلة انه یخاف
علی نقوده من السراق وارباب
الفساد وبان المال اذا کان فی صندوق
لا یحصل له منفعة اصلا بخلافه
اذا کان فی البنك ........

................

................

(۳) طالعت فی تفسیر بیان القرآن
فوجدت العبارة الموجودة هنالك
تدفع اعتراضکم فانه یقول ان ما

انگریزوں کے غلام ہیں، میرے نزدیک
باشندگان ہند کی حیثیت ان قیدیوں کی سی
ہے جو دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں اور
ہماری حالت محض قیدیوں جیسی ہے، اس
بنا پر ان دشمنوں کی ہر چیز ہمارے لئے مباح ہے،
سوائے عورتوں کے، جیسا کہ فقہائے کی تشریح
فرمائی ہے، غور کرنے پر یہ مسئلہ روشن ہو جائیگا
البتہ ہندوؤں کے ساتھ یہ برتاؤ جائز ہے یا نہیں
قابل غور ہے، آپ کا یہ فرمانا کہ بنک میں رقم
جمع کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں دشمنوں
کی مدد اور تائید ہوتی ہے، تو یہ بھی درست
ہے، اور واقعہ ہے کہ دنیا پرست لوگ بنک
ہی کی طرف رخ کرتے ہیں، اور وہی لوگ
بنک میں روپیہ جمع کرتے ہیں جن کو دین و
مذہب کی پابندی کا خیال نہیں ہے اور یہ عذر کرتے
ہیں کہ چوروں اور بدمعاشوں سے ہم کو خطرہ ہے
نیز روپیہ صندوق میں بند رہنا ہے اس سے
کوئی نفع نہیں حاصل ہوتا بخلاف بنک کے کہ اس میں نفع ہی
(۳) میں نے تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ کیا
اس میں جو عبارت ہے اس سے آپکا اعتراض
دور ہو جاتا ہے، کیونکہ مصنف کا قول ہے کہ جو رقم

وجب بالعقد فی حالة الکفر وفی
الدیار الحربیة سواء کان العقد
حلالا او حراما یبقی بعد الاسلام
وبعد انقلاب الدار کذالک ولکن لی
ههنا وجه آخر للجواب لم اطمئن علیه
لبقاء بعض الخدشات وان اراد الله
واتضح اطلعکم علیه وینبغی ان
تتوجهوا الی جوانب المسئلة وغورها
لعله یظهر لکم وجهه وجیه و
لاشك ان اباحنیفة رحمه الله تعالی
لایقول بحل الربوا اصلا فی وقت
ولا مکان وانما یقول لا ربوا بین
المسلم والحربی ثمه فانه لم یره
ربوا ونفاه عن مصداق الربوا
لانه قال بحل الربوا

والسلام حسین احمد غفرله

کسی معاملہ کے ذریعہ حالت کفر یا دار الحرب میں
واجب الادا ہوتی ہے خواہ معاملہ جائز و ناجائز
ہو وہ رقم اسلام لانے کے بعد اور دار کے بدلجانے کے
بعد بھی واجب الادا ہوتی ہے، یہاں پر ایک
دوسرا جواب بھی ہے، لیکن اسمیں چند شکوک ہیں
اسلئے اسکا مجھکو اطمینان نہیں ہے، اگر خدا نے چاہا
اور مسئلہ کی مزید وضاحت ہوگئی تو جناب کو مطلع کروں گا
آپ خود مسئلہ پر غور کرتے رہیں شاید کوئی معقول
وجہ ذہن میں آجائے اس میں شک نہیں کہ
امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی جگہ کسی وقت بھی
سود لینا جائز نہیں ہے، لیکن امام صاحب کہتے ہیں
کہ مسلم اور حربی میں سود کا وجود ہی نہیں ہوتا
وہ یہ نہیں فرماتے کہ سود جائز ہے، بلکہ سود کی
اس معاملہ میں نفی کرتے ہیں۔

والسلام

حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر (۵)

اخی المحترم! احب شیء
الی الاجتماع بك فی رمضان وغیره
ولکن ما یحصل به النفع للمسلمین

برادر محترم! میری خواہش تو یہی ہے کہ
رمضان اور غیر رمضان میں ہم آپ یکجا رہیں
لیکن جس چیز سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچے وہ

فاحب من کل شئی ومن اجل ذلك
اخترت القیام بهذه الدیار الشاسعة
مع انی فی قلق الی المدینة المنورة
وصلحاها واهلها واخوی۔

والسلام

حسین احمد غفرله

۱۹ر شعبان سنه۱۳۳۳ھ

من تنشکیا۔ آسام

میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے
اس لئے میں نے دور دراز ملک میں قیام کرنا
پسند کیا ہے، حالانکہ میرا دل مدینہ منورہ اور آنحضرت
صلعم اور مکّان مدینہ اور برادران عزیز کی یاد
میں بے چین رہتا ہے۔ والسلام

حسین احمد غفرلہ

۱۹ر شعبان سنہ۱۳۳۳ھ

(آسام)

## مکتوب نمبر (۶)

اخی المحترم! السیئة سیئة
وان کانت من الآباء والامهات
نحن لا نحامی ابن سعود علی المعاصی
والقبائح فان کان الامر علی خلاف
ما علمناه فنحن براء منه، هذا
الشریف حسین مع شرفه النسبی
خالفناه لمخالفة الاسلام فکیف
نرضی علی ابن سعود مع القبائح غیر
ان بعض الشر اهون من بعض، الی
الآن لم یظهر معیته مع الانکلیز
واما المعاهدات التی اتی ذکرها فی
الجرائد فانها متعلق بالحدود وغیرها

بھائی جان! برائی بہرحال برائی ہے، خواہ
اس کا صدور اور ارتکاب والدین کی طرف سے
کیوں نہ ہو، ہم ابن سعود کی ناجائز حرکتوں اور
گناہوں کی تائید نہیں کرتے، اگر باتیں ہماری
معلومات کے خلاف ہوں تو ہم اس سے بری
ہیں، ہم تو شریف حسین کے باوجود شرافت نسبی کے
اسلام کی مخالفت کی وجہ سے مخالف تھے پھر ہم
ابن سعود کی خرابیوں کو کیوں پسند کرنے لگے،
ہاں بعض برائی بعض سے نسبتہً ہلکی ہوتی ہے۔
ابتک یہ بات صاف طور پر ظاہر نہیں ہوئی کہ ابن
سعود انگریزوں کے بہی خواہ ہیں جن معاہدات
کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئی ہیں انکا تعلق

بها لا محيص لأحد لأية حكومة
في هذه الأعصار، نعم يلزم أن ينظر
إلى أنه هل بغى على الحكومة الإسلامية
وهل أعان الكفار على الإسلام وهل
أفنى المسلمين وأموالهم وأعراضهم
للكفار على الإسلام . . . .
. . . . . . . . . هل
سلم الديار الإسلامية بيد الكفار
وهل هتك الحرم المحترم وأمثال
هذه الأمور كما فعله الشريف من
قبل أم لا. فان كان الجواب في النفي
فكيف الاستواء.

أخي المحترم! إن أهل الحجاز
ومنهم أصحاب هذه المكاتيب
ينظرون إلى العوائد الجارية في
الحجاز من القديم وإلى أمور جزئية
وفروعية وإلى مصالح خاصة
بالجماعات والعوائل وإلى أفعال
النجديين والغلاة منهم وأما أرباب
الجمعية والخلافة فينظرون إلى
أعمال الأجانب مع الإسلام وإراداتهم

حدود وغیرہ سے ہے جن سے کسی حکومت کو اس
زمانہ میں مفر نہیں ہے البتہ ہم کو غور کرنا چاہئے کہ
انھوں نے اسلامی حکومت کی مخالفت تو نہیں
کی اسلام کے خلاف کفار کی مدد تو نہیں کی مسلمانوں
کی جان، مال، عزت اور آبرو کو کافروں پر قربان
تو نہیں کیا، بلاد اسلامیہ کو کافروں کے قبضہ میں تو
نہیں دیا حرم محترم کی توہین تو نہیں کی، جیسا کہ ان
امور کا ارتکاب شریف حسین نے کیا تھا. اگر جواب
نفی میں ہے تو پھر شریف حسین اور ابن سعود
دونوں برابر کیسے ہوں گے۔ . . . . . .
. . . . . . . . . . . .
. . . . . . . . . . . .

بھائی صاحب! اہل حجاز اور نامہ نگاروں
کی نظریں رسوم اور عبادات جو پہلے سے
چلی آتی تھیں، حجاز کے موجودہ نظام حکومت
کی چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں اور اپنی جماعت
وخاندان کے مفاد، نجدیوں کی حرکتوں اور
ان کی زیادتیوں پر پڑتی ہیں، البتہ ارکان جمعیۃ
وخلافت تو صرف اغیار کی نقل وحرکت پر غور
کرتے ہیں، کہ وہ اسلام کے خلاف کیا کارروائی
کررہے ہیں، ان کے منصوبے کیا ہیں اور اسلام

ما يصدر منهم كل يوم ضد الإسلام والمسلمين وبناء عليه فيبذلون العلقة والحماية لكل من يحصل بسببه إعلاء كلمة الإسلام فلا يرون بأساً في حماية العجم والإمام يحيى و كل من يتفوه بلا إله إلا الله وبسبب تفاوت مدارك الأنظار اختلفت الأفكار وعلى كل فلا نرضى إلا بما يرضى الله ورسوله۔

کے خلاف روزانہ انکی کوشش کیا رہتی ہے۔ اسلئے ارکان جمعیۃ ان لوگوں کی حمایت اور تائید کرتے ہیں، جن سے اسلام کی شان بلند ہوتی ہے، پس ان کے نزدیک ایران اور امام یحییٰ اور ہر کلمہ گو کی تائید کرنا درست ہے، خواہ ان کے اغراض ومقاصد اور مصالح میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو، بہرحال جو چیز اللہ ورسول کو پسند ہے وہی ہم کو بھی محبوب ہے۔

أخي المكرم! أنت أعلم بأحوال غالب الكبار من الحجازيين أنهم يمسحون الجوخ ويأتون الناس بوجهين ويقدمون منافعهم الخاصة على العامة بل على الدين والشريعة و المال أعلى وأجل لديهم من كل شيء

برادر مکرم! آپ کو حجاز کے امراء کا حال معلوم ہے، وہ اونی اور بانات کے کپڑوں پر مسح کرتے ہیں، اور لوگوں سے دورخی باتیں کرتے ہیں، ذاتی اغراض کو قومی مفاد بلکہ اسلام اور شریعت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ہاں ان کے نزدیک سب سے بڑی قیمتی چیز ہے سو

إذا ما الناس جربهم لبيب
فإني قد أكلتهم وذاقا
فلم أر ودهم إلا خداعا
ولم أر دينهم إلا نفاقا

اگر کسی عقلمند نے لوگوں کے معاملات کا تجربہ کیا ہے تو میں نے بھی لوگوں کو چکھ کر اور کھا کر تجربہ کیا ہے، میرا تو یہی تجربہ ہے کہ لوگوں کی دوستی مکروفریب ہے، اور ان کی دینداری ریا اور نفاق ہے

والسلام حسین احمد غفر لہ۔

---

# مکتوب نمبر ۲

امتثالاً لامرك كتبت الى
الصوفي .... ولم اقصر في التاكيد
ولكني في خصومة من سذاجتك و
علام تدبرك الامور الا تتدبر
في احوال الحجاز اليوم من وجوه (الاول)
ماظهر من فساد اعمال النجديين في
الصلوات والامامات والتدريسات
والامور النظامية وغيرها (الثاني)
ماظهر القبض على كثير من الائمة و
الخطباء والعلماء لتشكيلهم مؤامرة
خلاف ابن سعود وحكومتهم (و) ولذلك
يبلغ عددهم عن خمسين نفراً بدعوى
البغاوة واخبار الجواسيس حبسوا
ونفوا الى بلاد نجد للمحاكمة وهذا
في الموسم فلا ندري ماذا يحصل
بعد الموسم (الثالث) ان السياسة
يوما فيوما تزداد اختراقا وهمجية
وتشددا والله اعلم الى ما يفضي الحال
(الرابع) قلة الحيل والاسباب للمحصل

آپ کے ارشاد کے مطابق صوفی کو خط لکھا اور
تاکید مزید کردی، لیکن مجھکو آپ کی سادہ لوحی
اور آپ کے عدم تدبر پر افسوس ہوتا ہے آپ ذیل کے
مسائل سامنے رکھکر حجاز کے معاملات اور حالات
پر غور کریں (۱) نجدیوں کے کاموں، نماز، امامت
تعلیم انتظامی امور وغیرہ میں خرابیاں پیدا
ہو چکی ہیں (۲) ابن سعود اور ان کی حکومت
کے خلاف جن لوگوں نے تنظیم قائم کی ان علماء
خطباء اور آئمہ کو گورنمنٹ نے قید کرلیا
ان لوگوں کی تعداد تقریباً پچاس سے زائد
ہے، بغاوت اور جاسوسی کا الزام رکھکر ان پر
مقدمہ چلانے کے لئے نجد میں بھیجدیا ہے
یہ توحج کے وقت کا قصہ ہے، اس کے بعد
کا نہ معلوم کیا ہوگا (۳) نجدی انتظامات
سیاست میں روز بروز بیموقع سختی، بربریت
ابتری، انتشار اور تشدد بڑھتا جاتا ہے
انجام کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے....
..........
(۴) اسباب وذرائع معاش کی قلت کیا

هنالك وهل يكفين لقيام المدينة
المنورة ثلثون ربية. (الخامس) عدم
الحرية في التعليم والكتب الدرسية
وان العلماء قد الجئوا على ان يحضروا
حلقة سالهم ولا يتكلموا في المباحث
ومثل هذه امور ما كنا نظن انها
تحصل وكلما قضى الايام يظهر لنا
امور تقشعر منها الجلود فاذا ذهبنا
هنالك فاما سكتنا على التشديدات
والتكفيرات والبدع فكفى به فتنة
في الدين وان تكلمنا فمع عدم
الجدوى كفى به فتنة في الدنيا
مع ان الحجازيين اقل انفعالا في القوة
العملية والتاثر فيهم عديم تقريبا
كما هو معلوم لديك الا ما شاء الله
بخلاف الهند وامثالها. يغلب على
اهل تلك الديار محبة الدنيا
ويضحون لها كل شيء انما المقصد
رضوان الله عز وجل ورضاء رسوله
عليه السلام وخدمة الدين
فاينما حصل ذا المقصد فهو المراد

قیام مدینہ منورہ کے لئے تیس روپے
کافی ہوں گے؟ (۵) تعلیم اور درسی کتابوں
کے پڑھانے میں آزادی نہیں ہے، علماء
مجبور ہیں کہ وہ نجدی علماء کی مجلسوں میں
شرکت کریں اور بحث وتحقیق میں حصہ نہ
لیں۔ ان انقلابات کی خبر نہ تھی کہ وہ
ظہور پذیر ہوں گے، آئندہ جتنا زمانہ
گذرتا جا رہا ہے ایسے حوادثات پیش آ رہے
ہیں کہ آپ لرزہ براندام ہو جائیں
اگر ہم مدینہ منورہ آئیں تو یا ان کے بیجا تشدد
تکفیروں اور بدعتوں پر چشم پوشی کریں تو اس سے
ہماری دیانتداری میں فرق آگیا یا اگر بے نتیجہ
ان پر چون وچرا کریں تو دنیاوی فساد اور پریشانی
میں گرفتار ہوں۔ نیز اہل حجاز کی قوت عملیہ
مردہ اور بے حس ہو چکی ہے، ان میں کسی تحریک اور
اصلاح کے قبول کرنے کی صلاحیت مفقود ہے
جیسا کہ آپکو معلوم ہے، الا ما شاء اللہ یہاں ہندوستان
اور دیگر ممالک کا نہیں ہے، ان عربی ممالک
کے باشندوں پر حب دنیا غالب ہے دنیا
کے لئے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں
ہمارے پیش نظر خدا اور رسول کی خوشنودی

ولذلك فارقت الصحابة والاتباع رضوان الله اجمعين المدينة المنورة مع شدة محبتهم بالمدينة المنورة وبصاحبها عليه الصلوٰة والسلام وعلى الاقل يلزم علينا ان نصبر اياما حتى يتبين لنا ان الجمل على اى شق يبرك وعلى اى منوال ينسج الثوب

والسلام

حسين احمد غفرله

حاصل کرنا اور دین کی خدمت کرنا ہے، جہاں بھی یہ مقصد حاصل ہو، ہم کامیاب ہیں، اسی خدمت دین کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کرام نے باوجود حب رسول ومحبت مدینہ کے مدینہ منورہ کو چھوڑا، بہرکیف ہمارا فرض ہے کہ کچھ دنوں صبر کرکے دیکھیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے، اور کپڑا کس طرز پر بنا جاتا ہے،

والسلام

حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر (۸)

اظن انکم اتممتم امر الارث و انفصلت القضية مع الشيخ وانا اتعجب عنكم كيف خفيت عليكم الفريضة فان المسئلة لا ردية ولا عائلة فان النصف لكم والثلث للام والسدس للشيخ فان اولاد الام لا يحرمون مع وجود الام وهذا من الشذوذ التى يرث فيها المرء مع وجود من تدلى به، والاحسن فى التقسيم بالقيمة بما يحكم به ذو بصيرة وتراضيتم به

میرا خیال ہے کہ میراث کا معاملہ آپ نے طے کرلیا ہوگا، اور معاملہ فلاں صاحب سے نبٹ گیا ہوگا مجھکو تعجب ہے کہ یہ میراث کا مسئلہ آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آیا، یہ مسئلہ نہ تو اس میں رد ہے نہ عول ہے، نصف آپ کا اور سدس فلاں کا ہوا اخیافی بھائی ماں کی موجودگی میں محروم نہیں ہوتے یہ شاذ اصول ہے، جس میں وہ شخص بھی وارث ہوتا ہے جس کی اصل موجود ہے جس کی وجہ سے وہ مورث کی طرف منسوب ہو، بہتر تو یہی ہو کہ قیمت جو صاحب بصیرۃ لوگ متعین کردیں اسی معیار پر

نعم الفاظكم تدل على شدة الحيرة
والاندهاش وهذا مما لا يليق بكم
انما الرجل من هو جبل لا يحركه شيء من
العواصف ولا يزول عن مكانه
الزلازل! يا اخي كن صبورا اقوى القلب
ماضي العزيمة متجلدا مستقل المزاج
كما هو ديدن الرجال.

اما شغفك بالسلوك فنعم القصد عسى
الله ان يوفقك لما يحبه ويرضاه
ولا يتوقف ذالك على الصحبة ولعلك ان قصدت
تستفيد على المهمات من ذالك في ديوبند
واما الاقامة لدى هذا العاجز فلا يجدي
نفعا لقلة بضاعتي وخلو جرابي مع ما
انا فيه من كثرة الاشغال وهجوم الافكار
وتوالى الاسفار وبعد الاوطار وضعف
الهمة وجمود الطبيعة وخمود القريحة
وعسى الله ان يهديكم سبيل الرشاد
وان مولانا محمد صديق صاحب
المرادابادي مخزن كل خير نعم وهنالك سواه
مولانا خليل احمد صاحب ومولانا المفتي
عزيز الرحمن صاحب وان دام ميلكم

میراث تقسیم کیجائے، آپ لوگ باہمی رضامندی سے
معاملہ طے کرلیں، آپ کے خط سے آپکی پریشانی کا
اظہار ہوتا ہے: یہ آپ جیسے شخص کے لئے زیبا
نہیں ہے، انسان پہاڑ کی طرح مستحکم ہو جسے نہ طوفان
جنبش دے سکے نہ زلزلہ ہلا سکے، میرے بھائی
دل کو مضبوط، ارادہ کو مستحکم اور طبیعت کو مستقل مزاج
بنائیے جیسا کہ اولوالعزم ہستیوں کا شیوہ ہے،
آپ کو تصوف سے شغف ہے، اچھا شغل
ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی خوشنودی و محبت
عطا فرمائے، یہ کچھ میرے ساتھ رہنے پر موقوف
نہیں ہے، اگر آپ کی خواہش ہو تو دیوبند قیام
فرماکر ضروری مسائل اور مقامات حاصل کرسکتے
ہیں، مجھ خاکسار کے ساتھ رہنا چنداں مفید
نہیں ہے، کیونکہ اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی
کے ساتھ مشاغل اور افکار کا ہجوم ہے مسلسل
طویل سفر میں زندگی بسر ہوتی ہے طبیعت مردہ
اور دل افسردہ ہے، خوشی باقی نہیں اللہ تعالیٰ
آپ کو سیدھے راستے کی توفیق دے، مولانا محمد صدیق
صاحب مرادابادی مجمع کمالات ہیں انکے علاوہ
مولانا خلیل احمد صاحبؒ مولانا مفتی عزیز الرحمن
صاحبؒ گرامی قدر ہستیاں ہیں اگر آپ کا میلان

الی مولانا اشرف علی صاحب فان اکم المخطئین فیہ۔ والسلام

حسین احمد عفی لہ

۲۵ رذی القعدہ سنہ ۱۳۳۳ھ من سلہٹ

طبع مولانا اشرف علی صاحبؒ کیطرف نہیں ہے تو میرے خیال میں یہ آپ کی غلطی ہے۔ والسلام

حسین احمد غفرلہ

۲۵ رذیقعد ۱۳۳۳ھ سلہٹ

# مکتوب نمبر (۹)

مساء الیوم تاریخ ۲۶ رشوال ۱۳۳۴ھ وصلنی مکتوبکم المنیف فی دھلی فساءنی مضمونہ جدا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون عظم اللہ اجرکم وغفر میتکم وخلفکم بخیر آمین۔ اخی المحترم ھذہ الغربۃ وھذہ الاحزان مکدرۃ جدا کان اللہ لکم اینما انتم وما نزل بک فانزلہ علی اللہ عزوجل وکن صبورا شاکرا فللہ ما اخذ وما اعطی وان الدنیا سجن للمومن جنۃ للکافر۔

۲۶ رشوال ۱۳۳۴ھ کی شام کو آپ کا گرامی نامہ دہلی میں موصول ہوا، مضمون پڑھکر افسوس ہوا اناللہ۔ الخ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے مرحوم کی مغفرت فرمائے اور آپ کو امان میں رکھے آمین، برادرم یہ غربۃ اور رنج والم بہت پریشانی کا باعث ہیں خدا آپ کا محافظ ہے جہاں بھی آپ رہیں، یہ مصیبت اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے آپ صبر وشکر سے کام لیں۔ اللہ ہی دیتا ہے اور اللہ ہی لیتا ہے، دنیا مومن کے لئے زندان اور کافر کے لئے باغ جناں ہے۔

اما قولکم ان اصلاح الباطن مع الاشتغال بالزوجۃ لا یمکن علام کاد اسلمہ فان الجماع یصفی القلب ویزیل الکدورات الروحیۃ وقد قال

آپ کا فرمانا کہ زن وشوہر کے تعلقات کیساتھ اصلاح نفس محال ہی ہیں اس کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ بیوی کے ساتھ خلوت بھی قلب کو صفا اور روح کو جلا دیتی ہے، کتاب، قاضی عیاضؒ کے شارح

---

لہ اس مکتوب سے حضرت امام العصر کے وسعت ظرف کا اندازہ ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| شارح کتاب القاضی عیاض رحمہما اللہ تعالیٰ کل شہوۃ یسود القلب الا الجماع فانہ یزیدہ صفاء۔ نعم ان التفکرات المعاشیۃ قد تمنع عن التفرغ لاصلاح الباطن فمن لا یقدر ما علی التجرد فلا محیص لہ عن التزوج والاشتغال بباطنہ۔ والسلام | نے کہا ہے کہ ہر شہوت دل کو زنگ آلود کرتی ہے سوائے خلوت صحیح بیوی کے ساتھ کیونکہ اس سے صفائی باطن ہوتی ہے، ہاں فکر معاش اصلاح نفس میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے لیکن جو تجرد پر قادر نہ ہو تو لا محالہ اس کو شادی اور باطنی اصلاح کے کام دونوں ہی سے مشغول ہونا پڑے گا والسلام |
| حسین احمد غفرلہ دھلی | حسین احمد غفرلہ دہلی۔ |

سلہ حضرت امام العصر کا تصوف سلوک بالنبوت ہے، رہبانیت احسان کے منافی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔ ابن ماجہ میں ہے من اراد ان یلقی اللہ طاہراً مطہراً فلیتزوج الحرائر۔ تصوف اور سلوک کا مقصد اس کے سوا کیا ہے کہ آدمی کی نظر اور فرج دونوں اس کے قابو میں ہوں، یہ بدون بیوی کے ناممکن ہے، کیونکہ حدیث مشہور کی بنا پر یہی دونوں چیزیں گناہوں کا سرچشمہ بھی ہیں، اور اسی کی حفاظت جنت کی ضمانت بھی ہے تاکہ آدمی اللہ سے پاک صاف ہو کر ملے، اس راہ میں شادی اور بیوی دونوں مددگار ہیں نہ کہ اصلاح نفس کے مخالف چنانچہ جالینوس نے کتاب حفظ الصحۃ کے اندر تصریح کی ہے کہ بیوی سے اختلاط مخصوص حد اعتدال کے ساتھ حفظ صحت کے اسبابوں میں قوی سبب اور بہت سے امراض کی شفا ہے، کامل الصناعۃ میں ہے ان الجماع داخل فی باب الاستفراغات الطبیعیۃ اذا کان خروج المنی احد الاستفراغات التی یحتاج الیہا فی حفظ الصحۃ، نیز قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مزید تائید حافظ ابن قیمؒ نے الطب النبوی میں شرح و بسط سے کی ہے، لہٰذا جو چیز حفظ صحت کا ذریعہ اور صفاء باطن کا سبب ہو اس کو ترک کرکے سالک اور صوفی ہونا تو بڑی چیز ہے بھلا آدمی نہیں ہو سکتا ہے

محال است سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز بر پے مصطفیٰ

# مکتوب نمبر ۱۰

(۱) نعم یشترط ان یکون جهراً واقله ان یکون بصوت یسمع نفسه - وان یخرج لفظ لا اله من القلب جاذا الی منکبه الایمن محضراً انه اخرج من قلبه کل معبود ومحبوب والقاه وراء ظهره وان یضرب بلفظ الا الله فی القلب مثبتا معبودیته ومحبوبیته فقط وان یکون لدی الذکر متوجها الی القبلة متربعا او کجلسة الصلوة وان یتوجه بقلبه الی المعنی مفرغا نفسه عن الخطرات واحادیث النفس مهما استطاع ولا یصلح له ان یترك الذکر رأسا ان عسر بعض ذالك وینبغی ان یحسن الصوت بالذکر ویقوی الضرب علی القلب لدی الاثبات

(۱) ہاں شرط یہ ہے کہ آواز بلند ہو، یا کم از کم اتنا بلند آواز کہ خود سن سکے، لفظ لا الٰہ کو دل سے نکالے اور داہنے کندھے کی طرف منہ کو کھینچ لائے۔ یہ اظہار کرتے ہوئے گویا اس نے ہر معبود، ہر محبوب چیز کو سینے سے نکال کر پھینک دیا اور الا اللہ کو دل پر زور دے کر ضرب لگائے، اور اس کی محبوبیت و معبودیت پر زور دیتے ہوئے، ذکر کے وقت قبلہ رو بیٹھے، خواہ چار زانو خواہ حالت صلوٰۃ کا قعود ہو، دل کو حقیقت محضہ کی طرف متوجہ کرے ہر قسم کے وسوسے، خیالات و افکار سے دل کو پاک رکھے، اور اس طرح ضرب لگانے میں تکلیف محسوس کرے تو تکلیف کے خیال سے بالکل ذکر کرنا موقوف نہ کرے، بہتر یہ ہے کہ خوش آوازی سے ذکر کرے، اور اثبات توحید کے وقت ضرب میں دل پر زور ڈالے۔

(۲) نعم یحب الجهر ولکن بحیث لا یوذی احداً۔

(۲) ہاں ذکر جہری بہتر ہے، بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہونچے۔

(۳) قد علم سابقا

(۴) دافع الخطرات وقاطع لاحادیث النفس بالخصوص فان برزخ الشیخ له تاثیر عجیب بغیر ان یکون للشیخ علم بذالک او ارادة لایصال المنافع للمرید وتوجه الیه وذالک من الامور الفطریة التی جعل الله تعالی ذریعة قویة لدفع آثار الشیطان وسیرا ماقویا لجلب برکات الله عزوجل وحیث ان العامة تتزلق اقدامها فی هذا المیدان فبناء علیه حکماء الامة یحتاطون فیه فان له مساغ شرعی وثبوت من السنة وطریقه ان یتوجه الی برزخ الشیخ فتصوره فی صورته التی کان فی الدنیا لدیه یمینا او قدامًا او فی بلدة الشیخ ومکانه ثم یتوجه الی الذکر متخیلا انی مشتغل بالذکر حینما علمنی الشیخ بین یدایه وفی مجلسه

(۵) قد علم سابقا غیر ان فی

(۳) پہلے معلوم ہو چکا ہے۔

(۴) تصور شیخ وسوسہ اور پریشان خیالات سے بچاتا ہے، تصور شیخ سے عجیب وغریب کیفیات پیدا ہوتی ہیں، اور شیخ کو خبر بھی نہیں ہوتی، اور نہ وہ مرید کو کوئی تعلیم یا نفع پہنچانا چاہتا، نہ اس کی توجہ مرید کی طرف ہوتی ہے بلکہ یہ فطری موثرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شیطانی وسوسوں سے بچنے کا ذریعہ بنایا ہے، اور برکات یزدانی کے نزول کا باعث گردانا ہے، چونکہ عوام الناس کے قدم اس راہ میں لغزش کرتے ہیں اس لئے حکمائے امت نے اس مسئلہ میں احتیاط سے کام لیا ہے، ورنہ شرعاً اس کی اجازت اور روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے، طریقہ یہ ہے کہ وہ شیخ کی زندگی کو اپنے داہنے یا سامنے تصور کرے یا اس کے مکان اور شہر میں تصور کرے، اور ذکر کی طرف اس طرح متوجہ ہو کر اپنے دل میں تصور کرے کہ میں ذکر میں اسی طرح مشغول ہوں جس طرح شیخ کے سامنے اسکے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ذکر کرتا تھا،

(۵) پہلے معلوم ہو چکا ہے، ہاں مرید کو ابتدائی

ابتداء الامر لا ینبغی للطالب ان
یتشوش بالخطرات واحادیث النفس
فیترک الذکر بل علی الرغم من کل
ذلک یجری علی ذکره ولقراءة القرآن
فی آخر اللیل فی اثناء الصلوٰة تاثیر قوی
فی تصفیة القلب سیما اذا کانت القراءة
طویلة بتدبر المعانی۔

(٦) لا یترک شیئاً بهذه الخیالات
ینبغی ان یاتی بمعمولاته من الذکر والصلوٰة
والتلاوة مستعیذاً بالله من الشیطن
الرجیم، ومعتذراً الی الله عزوجل
بخصوص القلب انک تدری انی لم
اعمله بهذا القصد ولا فرق فی
ذلک بین الملازم بلا انقطاع و
من یحصل له الانقطاع احیاناً نعم
ینبغی تفریغ نفسه اما اصلاحها عن الریا
والسمعة بغیر قطع العمل فقد قال
السلف ان ترک العمل لمخافة الریاء
ایضاً شرک

(٧) الاحسن ان تکون الرواتب المذکورة
بوضوء وفی مکان یتفرغ القلب للحضور

منزلوں میں خطرات وسوسوں اور پریشان کن خیالات
سے دلگیر نہ ہونا چاہیے۔ نہ اس سے گھبرا کر
ذکر کو ترک کرنا چاہیے، بلکہ حسب معمول ذکر میں
مشغول رہے، (بالخصوص) آخری شب میں نماز کے
اندر قرآن کی تلاوت کرنا تزکیۂ قلب کے لئے
سب سے مفید اور موثر ہے، خصوصاً اس وقت
جبکہ قرأت لمبی اور تفکر و تدبر کے ساتھ ہو۔

(۶) خیالات سے گھبرا کر وظائف کو ترک نہ کیجئے
نماز، ذکر تلاوت اور وظائف حسب معمول ادا
کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے شیطانی وساوس سے
پناہ مانگتا رہے اور ساتھ ہی ہمہ تن قلب بارگاہ ایزدی
میں معافی و معذرت بھی کرتا رہے اور کہتا رہے کہ اے
اللہ میں دنیاوی اغراض کے لئے یہ نیک عمل نہیں
کر رہا ہوں، اور وسوسوں کا آنا تو ہر شخص کیلئے لازمی ہے
اس کام پر مواظبت کرنے والے اور اس شخص میں کوئی فرق نہیں
جس سے کبھی کبھی رہ جاتا ہے، البتہ یہ بات مذموم ہے
کہ ان اعمال کو مطلقاً چھوڑ دے اور ان کو کرتے ہوئے
ریا وغیرہ سے اپنا تزکیہ بذکر کرتا جائے کیونکہ سلف نے
فرمایا ہے ریا کے خوف سے عمل کا ترک کرنا بھی شرک ہے

(۷) نیز یہ اشغال با وضو ایسے مقام میں ادا کئے
جائیں جہاں سکون قلب حاصل ہو اگر ایسے

وان فات ذالك فياتي كيفما امكن ولا يترك راسا

اخي لا تترك شيئا بالخطرات والوساوس وهذه الخشية ترجى ان تكون حسنة مطلوبة الا ترى الى قوله تعالى والذين يؤتون ما اتوا وقلوبهم وجلة الآيه فان الغرور والاعتماد على شئ من العبادة مما يخشى عليه جدا - اعاذنا الله واياكم من كل مالا يرضيه او يحبط العبادة

والسلام

حسين احمد غفرله

مواقع حاصل نہ ہوسکیں تو جیسے بھی ممکن ہو عمل کرنا چاہیے، قطعی ترک بہتر نہیں ہے۔

میرے بھائی وسوسوں اور پریشان خیالات کی بنا پر کوئی وظیفہ ترک نہ کرو کبھی یہ خوف وساوس نیک نتائج کا پیش خیمہ اور سبب بنتے ہیں، جیسا کہ آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "نیک لوگ نیک کام کرتے بھی جاتے ہیں اور دل میں ڈرتے بھی رہتے ہیں" کیونکہ عبادت پر اعتماد اور گھمنڈ کرنا خطرناک ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے کاموں سے بچائے جو اس کو پسند نہ ہوں یا حبط عمل کا باعث ہوں۔

والسلام

حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۱۱

وقد جاء في النوتس من الدجلة ان سبب التسجين هو انك تريد تدمير الحكومة الموجودة القانونية وتسعى في عوائق الحرب فاجبت عن ذالك ان الحرية من فرائض الانسانية عند العالم اجمعهم وقد اقرت

انگریز دجالوں کی طرف سے میرے پاس نوٹس آیا ہے کہ تمہاری گرفتاری کا سبب یہ ہے کہ تم موجودہ آئین پسند حکومت کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہو، اور جنگی کارروائیوں میں رکاوٹ پیدا کرتے ہو، میں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اقوام عالم کے نزدیک

حاشیہ مکتوب ہذا تصور شیخ پر امام العصر کا مفصل والا نامہ راقم الحروف کے نام آگے آئے گا۔

بغرضیتها الحکومة ایضا - وهذه عقیدتی و سعیی، ولکنی لا اری العنف والتشدد فی هذا السبیل و اذا بعض فی عوائق الحربیة و من اخبرکم بذالک فهو کاذب فلا بد من اطلاق سراحی عجلا- فلم یات جواب بعد هذا والامور بید الله

هذا والسلام ختام

حسین احمد غفرلہ

آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے، اور حکومت بھی اس فریضہ کو تسلیم کرتی ہے چنانچہ اسی پیدائشی حق کیلئے میری تگ ودو اور تحریک ہے، لیکن میں اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ہنگامہ اور زیادتی کو پسند نہیں کرتا۔ اور نہ میں نے جنگی کارروائیوں میں کاوٹ و مداخلت کی ہے۔ جس نے خبر دی وہ جھوٹا ہے لہذا مجھکو فوراً رہا کرنا چاہیئے، مگر ابتک جواب نہیں آیا، اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، والسلام

حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر (۱۲)

تشرفت بخطابکم المفصل الذی ارسلتم من بمبئی فشکرت الله علی صحتکم و علی وصول المکتوب و علی فوزکم فی الخطبات، واما اقدامکم فی السلوک فسررت به جدا حیث لم اکن اتذکر کثیرا مما ذکرتموه فمن الواجب الان التمرین فی التنفس حتی یکون مجری الذکر بالطبع و بغیر القصد ای اذا دخل النفس فیجری لفظة الجلالة واذا خرج فلفظة هو

آپ کا مفصل گرامی نامہ مرسلہ بمبئی پاکر شرف حاصل کیا، آپ کی صحت دری اور یاد فرمائی، خطبات میں کامیابی کی خبر سنکر شکر خدا بجالایا، آپ نے سلوک میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے بیحد مسرت ہوئی، بہت سی باتیں جو آپ نے لکھی ہیں مجھے یاد نہ تھیں، اس لئے اب ضروری ہے کہ سانس کے ساتھ اور مشق تمرین جاری رکھیں تاکہ یہ ذکر و فکر طبیعت ثانیہ بن جائے اور پھر بغیر قصد و ارادہ کے جاری رہے یعنی

بغیر ادنیٰ حرکۃ اللسان او الشفۃ
بغیر الصوت فتمرنوا سہ فی اوقات
اللیل والنہار قیاما وقعودا وعلیٰ الجنب
واجعلوا لہ ایضا بالخصوص وقتا فارغا
صباحا ومساء وقت خلوۃ بمقدار
ساعۃ او قریبا من ذالک ویکن التفکر
القلبی ساعتئذ حسب قولہ تعالیٰ
هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ
اعنی النفس الذی یاتی من الخارج
ینبئ انہ تعالیٰ مع غایۃ تنزھہ
عن جمیع لوازم المادۃ واتصافہ
بجمیع کمالات موجود فی الظاھر
کما یلیق بشانہ تعالیٰ۔ والنفس
الخارج من الباطن ینبئ انہ تعالیٰ
موجود کذالک فی باطن القلب و
الروح واجتھدوا فی ھذا التمرین
عسی اللہ ان یمن علیکم بما من
بہ المخلصین من عبادہ وما ذالک
علی اللہ بعزیز۔ واما ما کان حضرۃ
الشیخ امر بہ من تصور الکتابۃ

جب سانس اندر جائے تو لفظ اللہ اور جب
باہر نکلے تو (ھو) بغیر لبوں کی حرکت زبان
کی جنبش اور بغیر آواز کے نکلتا رہے لہذا
رات و دن، کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اسکی
مشق و عادت جاری رکھیے، تنہائی کا تقریباً
ایک گھنٹہ مخصوص طور پر الگ اس کیلئے
نکالیے صبح و شام کو، اور قریباً ایک گھنٹہ تک
خاموش مراقبہ کیجئے، اور اس وقت تصور قلبی
حسب ارشاد باری ہونا چاہیئے و اللہ تعالیٰ اول ہے
آخر ہے، ظاہر ہے باطن ہی یعنی جو سانس اندر
جائے وہ ظاہر کرے کہ اللہ تعالیٰ مادی جبھالی
لوازم سے پاک و منزہ ہوتے ہوئے جملہ اوصاف
و کمالات الوہیت کے ساتھ ظاہر میں موجود ہے
اور جو سانس اندر سے باہر آئے وہ بھی اس عنوان
کو ظاہر کرے کہ ذات باری ان ہی اوصاف کیساتھ
باطن میں بھی موجود ہے، آپ مسلسل مشق جاری رکھیں
ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ پر فیوض و برکات کا
نزول فرمائے، جو اس نے اپنے مخلص بندوں کو
بخشا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کوئی بڑا کام نہیں
لیکن شیخ نے جو کہا ہے کہ نقش نویسی کا تصور کرے تو

ؔ کتابت ذہنیہ سے مراد وہ تعلیم ہے جو کہ مبتدی کیلئے چشتیہ اور قادریہ کے یہاں تعلیم دیجاتی ہے لفظ اللہ لکھوا کر یا پانی سے لکھوا کر اسکا تصور کرایا جاتا ہے کہ قلب میں اس طرح لفظ اسم ذات مرقوم ہے۔

الذهبية فلا حاجة له الآن بعد ما اشتغلتم بالتنفس فان ذالك اول قدم في السلوك الحمد لله قد تجاوزتم عنه.

اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ آپ ذکر النفس میں مشغول ہو چکے ہیں، اور تصور شیخ تو تصوف کی ابتدائی منزل ہے، اور آپ اس سے آگے نکل چکے ہیں۔

واما التسبيحات ۱۲ فان كان المراد من ذالك الذكر الجهري بالنفي والاثبات اعني لا اله الا الله مائتين والاثبات المحض اي الله اربعمائة واسم الذات الله ستمائة فان تيسر لك دائما فبها ونعمت وان كان الدوام على ذالك غير متيسر فاتركوه واقتصروا على التنفس فاذا صار الذكر بالتنفس ديدنا طبعيا جاريا فحينئذ يكون الاشتغال بامر اٰخر ان شاء الله

رہ گئیں ۱۲ تسبیحات، تو اگر آپ نفی اور اثبات سے ذکر جلی کرنا چاہتے ہیں یعنی لا الٰہ الا اللہ دو سو بار، اثبات محض چار سو بار اور اسم ذات کرر چھ سو بار، اگر برابر اس کی پابندی ممکن ہو تو بہتر ہے اور پھر کیا کہنا، اگر دوام نہ ہو تو ترک کر دیجئے، اور صرف ذکر خفی ضرب پر اکتفا کیجئے جب یہ ذکر خفی آپ کی فطرت اور طبعی فعل بنجائے گا تو پھر انشاء اللہ دوسرا شغل جاری کیجئے گا .........

.........

واما ان كان المراد من التسبيحات الاثنا عشرية سبحان الله مائة والحمد لله مائة ولا اله الا الله مائة وغيرها من التسبيحات الستة صباحا ومساء فالامر بالتيسير اليكم وليس هذا من اذكار السلوك بل من الاوراد

اگر تسبیحات سے مراد بارہ تسبیحیں ہیں یعنی سبحان اللہ سو بار الحمد للہ سو بار اور لا الٰہ الا اللہ سو بار، یہ چھ تسبیحات صبح و شام تو یہ آپ کی سہولت پر موقوف ہے۔ یہ اذکار سلوک میں سے نہیں ہیں، بلکہ عام اوراد و وظائف ہیں۔

واما ما ذكرتم مسائل الجامع

آپ نے جامع مساجد اور ان کے اوقاف

ووقفه فكتب الشافعية غير موجودة
لدينا وانما كان اشتغالي بالمدينة
المنورة تدريسًا لا افتاءً وانما المعتمد
لديهم الروضة والتحفة وكتب ابن حجر
والرملي فلا ادري هل هذه المسئلة
توجد في هذه الكتب ام لا واين مخرجها
واري ان تكتبوا صورة السوال ثم
ترسلوها الى السيد زكي البرزنجي
بالبوسطة الهوائية - وتذكروا
الامور الفاسدة والعواقب الكاسدة
صراحةً في ورقة اخرى فان التفصيل
لا يمكن اتيانه في السوال ولا يلزم
ان تذكروا خصوصية ....... الرسالة
واكدوا عليه باسراع الجواب فان
فزتم في ذلك تقوم الحجة المقنعة
على اركان الجامع

کا مسئلہ دریافت کیا ہے۔ تو شوافع کی کتابیں
میرے پاس موجود نہیں، میں مدینہ منورہ
میں درس و تدریس میں مشغول تھا، فتویٰ
نہیں دیتا تھا۔ الروضۃ التحفۃ شوافع کی مستند ترین
کتاب ہے اور ابن حجر و رملی کی کتابیں بھی ہیں،
معلوم نہیں یہ مسئلہ ان کتابوں میں ہو یا نہیں
اور کہاں ملے گا، میرا خیال ہے کہ آپ سوال لکھ کر
سید زکی برزنجی کے پاس ہوائی ڈاک سے بھیجیں
کیونکہ فتویٰ کے اندر تفصیل کرنا ممکن نہیں،
ہے، اور نہ مسئلہ کی مخصوص صورت و کیفیت
لکھنا ضروری ہے، اور تاکید کر دیجئے کہ
جلد جواب دیں۔ اگر آپ کا جواب آگیا
تو جامع مسجد کے ارکان پر انہیں خاموش
کرنے والی حجت قائم ہو جائے گی .....

.........

.........

واما علماء الهند فقد افتوا
بجواز صرف اوقاف المسجد اذا كان
المسجد الموقوف عليه مستغنيا على غير
الموقوف عليه من المساجد بل افتوا
بجواز ذلك على وجوه اخرى ايضا غير المساجد

اور علماء ہند نے فتوے دیا ہے کہ ایک
مسجد کے اوقاف دوسری مسجد کی ضروریات
میں صرف کر سکتے ہیں، بشرطیکہ مسجد کو
ضرورت نہ ہو۔ بلکہ غیر ضروری آمدنی کو غیر
مساجد پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی ہے

وان شئتم فاطلبوا نقل ذالك عن
دار الافتاء بدار العلوم دیوبند
فانه قد وقع هذا فی زمان حضرة
مولانا عزیز الرحمن صاحب المرحوم من الراندیر وغیرها
وان فتشتم على الامر بواسطة القاضی
مسعود احمد تجدونه انشاء الله
ولكن اری ان هذا الامر لا یقنع اراکین
الجامع. وكذالك الامر فی اخذ
الربوا من المخزون فی البنك وان
المسئلة عند الحنفیة بینة فان ابا
حنیفة رحمه الله تعالى یجیز ذلك فی دار الحرب خلافا
للصاحبین والثلاثة رحمهم الله تعالى ولكن اذا
ذكرتم هذه الوقائع للسید زكی البرزنجی فلعله یبعث
بنص فی مذهب الشافعیة ایضا فان علماء الحنفیة
فقد افتوا بالجواز بل بوجوب اخذ الربوا من البنوك
الاجنبیة التی بالبلاد الحربیة
وانه لا یجوز ترك شئ من ذالك
وقد شاع قبل فتوى الجمعیة بذالك
لعلكم تصلون الیها فی دفتر الجمعیة
او عند المفتی كفایت الله ولكن اری ان
هذا ایضا لا یقنع ارباب الجامع

دیوبند کے دار الافتاء سے اس کی سند
منگا لیجئے، کیونکہ اس قسم کے فتاوے
حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مرحوم
کے سامنے راندیر وغیرہ سے آئے تھے
اگر قاضی مسعود کے ذریعہ اس کی تلاش
کرائیے تو انشاء اللہ مل جائے گا، لیکن
ارکان مسجد کو اس سے تشفی نہ ہوگی یہی
حال بنک کے سود کا بھی ہے، یہ مسئلہ بھی
حنفیہ کے نزدیک واضح ہے کیونکہ
امام ابو حنیفہ نے دار الحرب میں اس کی
اجازت دی ہے، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ
خلاف ہیں۔ اگر آپ ان ہنگاموں کو
سید زکی برزنجی کے یہاں لکھ بھیجیں تو
بہت ممکن ہے کہ وہ مذہب شافعیہ کے
نصوص آپ کے پاس بھیج دیں، علماء احناف
نے نہ صرف جواز ہی کا بلکہ ان بنکوں سے سود
لینا واجب قرار دیا ہے، جو انگریزوں نے
دار الحرب میں قایم کیا ہے، لہذا سود کی رقم ذرا بھی
چھوڑنی جائز نہیں ہے، اور جمعیۃ کا فتوی پہلے شائع ہو چکا
دفتر جمعیۃ سے آپ کو مل سکتا ہے یا مفتی کفایت اللہ
صاحب سے مگر اس سے بھی ارکین مسجد کو تسلی نہ ہوگی

اخی تعجبت من الاشکال الواقع
فی الذکر النفسی واظن انکم نسیتم
الطریق الذی تبین لکم الاصل فیہ
ان الانسان اذا ادخل النفس فی
الباطن فلیقل بنفسہ لفظۃ الجلال
بغیر صوت ولا تحریك شفۃ اولسان
وانما تحدث ساعتئذ صوت خفی
بالنفس فقط یعلمہ الذاکر المتنفس
لا غیرہ واذا اخرج النفس من الباطن
فلیحدث بنفسہ لفظۃ (ھو) بغیر
صوت ولا تحریك شفۃ ولسان
وحیث ان بعض الناس لا یقدرون
ساعتئذ علی منع اللسان من التحرك
امر ارباب الفن بالصاق اللسان
بالحنك الاعلی او الاسفل ولیس
ذالك الا لمنع اللسان من التحریك
فان حصل الامتناع بغیر الصاق اللسان
بالحنك فھو المراد وھذا اذا کان التنفس
من الفم واما اذا کان بالانف فینبغی
ان یسد الفم بالکلیۃ فلا یتحرك اللسان ولا
الشفتان ویجری النفس حسبما ذکرنا سابقا ان

بھائی مجھے تعجب ہے کہ ذکر خفی سے آپ کو اشکال
پیدا ہو رہا ہے، غالباً آپ کو اس کا واضح طریقہ فراموش
ہو گیا ہے، اصل یہ ہے کہ جب انسان سانس اندر لیجائے
تو جی میں (اللہ) کہے بغیر آواز کے، اور بغیر
حرکت لب کے صرف دل سے اس وقت ایک
خفیف آواز پیدا ہوگی جس کو صرف ذاکر
محسوس کرے گا اور کوئی نہیں، اور جب سانس باہر
آئے تو دل سے لفظ (ہو) نکلے بغیر آواز و حرکت
لب جنبش زبان کے، چونکہ بعض لوگ حرکت
زبان کو روک نہیں سکتے اس لئے ارباب
فن نے حکم دیا ہے کہ زبان کو تالو سے ملا دے
تاکہ زبان کو جنبش نہ ہو، اگر بغیر الصاق
کے زبان کی حرکت رک جائے تو فبہا،
یہ جبکہ منہ سے سانس لے، اور جس وقت
ناک سے سانس لے تو منہ بالکل بند ہو
لب اور زبان کو جنبش نہ ہو، اور سانس
کی آمد مذکورہ بالا طریق سے ہوتی ہے
یعنی نفس داخل سے (اللہ)۔ ۔ ۔ ۔
اور نفس خارج سے (ہو) نکلتا رہے۔
ہاں منہ سے سانس لینے میں دماغ کو
ضرر نہیں پہونچتا، البتہ ناک سے سانس

یحدث لفظ الجلالة (الله) بالنفس الداخل
ولفظ (هو) بالخارج بید ان التنفس بالفم
لا یضر بالدماغ۔ واما التنفس بالانف
ربما یورث الیبوسة فی الدماغ اذا اکثر

وینبغی مع الذکر ان یتصور فی
القلب مفهوم الظاهر والباطن من آیة
(هُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ)
ای تصور بالنفس الداخل قائل لفظ
الجلالة ان الله سبحانه موجود فی الظاهر
کما یلیق بشانه منزها عن الالوان
والاعراض والمادة وجمیع النقائص
التی لا تلیق بشانه متصفا بصفات الکمال
وغایة الجلال والنفس الخارج یعنی
انه تعالی موجود فی باطن القلب والروح
کما یلیق بشانه وینبغی ان یکون الذکر
هکذا کل یوم علی الاقل زهاء ساعة کاملة
متوضئا مستقبلا للقبلة فی مکان یطمئن
فیه الخاطر ثم فی اوقات الأخر ینبغی ان
یداوم علی ذلک قیاما وقعودا ومضطجعا
وعلی الجنب ومشیا ورکوبا فی سائر الاحیان
حتی لدی الغوط والبول فان الذکر

لینے میں دماغ میں خشکی پیدا ہوتی ہے
جب کہ ذکر زیادہ کیا جاوے . . . . . .
. . . . . . . . . . . . . .
. . . . . . . . . . . . . .

ذکر میں (هُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ)
کے مطابق ظاہر و باطن کے۔
مفہوم کا قلب میں تصور رکھے، یعنی جب
سانس اندر جائے اور لفظ (اللہ) نکلے
تو تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ خارج میں موجود
ہے، جیساکہ اس کی شان ہے، وہ اعراض
الوان، مادی اوصاف و عیوب و نقائص
سے پاک اور صفات کمال و جمال سے
متصف ہے، اور جب سانس باہر نکلے
تو ظاہر کرے کہ اللہ تعالیٰ دل، روح
میں حسب شان جلالی موجود ہے، اسیطرح
روزانہ ایک گھنٹہ ذکر کرنا چاہیئے۔ باوضو
قبلہ رو، پر سکون جگہ میں، اور دوسرے
اوقات میں بھی دوام رکھے، کھڑے
بیٹھے، لیٹے، چلتے، پھرتے، سوار، پیدل
ہر آن میں، یہانتک کہ حالت بول و براز
میں، کیونکہ ذکر خفی ہر حال میں جائز ہے

النفسی لا یمتنع فی حالة ما فان کانت العوائق تمنع عن الذکر الجهری فاقتنع علی هذا الذکر النفسی، فانه خفی لا یطلع علیه احد ولا یحتاج الی مجلس وداوم علیه حتی یکون دیدنا طبعیا بغیر احتیاج الی الارادة ثم الاشتغال بالتدریس والمطالعة فمن اهم الامور فاشتغل فیها واجتهد فی تفریغ الوقت للذکر قدر ما امکن

اگر ذکر جلی میں دشواریاں ہوں تو ذکر خفی پر اکتفاء کیجئے۔ اس سے نہ کوئی آگاہ ہوگا، اور نہ مجلس کی ضرورت ہے، اسی پر مواظبت کیجئے تاکہ یہ طبیعت ثانیہ بنجائے اور بلاقصد وارادہ صادر ہو، درس و تدریس کا شغل بھی رکھئے، اور جس قدر ممکن ہو ذکر و فکر کے مواقع بھی پیدا کیجئے

... ... ... ...

... ... ... ...

نعم ینبغی ان یکون المقصد من الذکر والجد فی ذلک رضاء الله سبحانه والقیام بشکر نعمائه لا غیر

ذکر و شغل کا مقصد خوشنودی رب اور شکر ہونا چاہیئے ... ... ...

... ... ... ...

ینبغی ان تطالع فی اوقات الفراغ الصراط المستقیم ملفوظات حضرة السید الشهید التی جمعها مولانا اسمٰعیل الشهید رحمهما الله تعالیٰ وکذلک امداد السلوک فانهما کتابان جلیلان فی السلوک واما الخطرات والوساوس فلا یهمنک امرها واجتهد فی دفعها قدر ما امکن فقد قال سبحانه وتعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ الآیة وقال نبینا رسول الله

فرصت کے اوقات میں سید شہید کے ملفوظات کا مطالعہ کیجئے، جس کو مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے۔ اور امداد السلوک بھی۔ یہ تصوف کی بلند کتابیں ہیں، وسوسے خطرات نفس کی فکر نہ کیجئے۔ حتی الامکان ان کے دفع کی کوشش کرنا چاہیئے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے، جن کے دل میں تقویٰ ہے جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گزر چونک گئے

صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا قام فی الصلوٰۃ
اتاہ الشیطان یقول اذکر کذا الحدیث
فان اقلقک الخواطر واحادیث النفس
فعلیک بتکرار سورۃ الناس کل یوم
مأۃ مرۃ فانھا اکسیر لذالک ان شاء اللہ
واما القیام من اٰخر اللیل فاجتھد
فی ذلک فان لم یتیسر لاجل المشاغل
العلمیۃ فلا ضیر فان النیۃ لذالک لا
تخلو عن ثمراتھا۔ نعم قبل النوم لو صلیت
برکعتین باواخر البقرۃ تکفیان ان شاء اللہ
عن القیام کما ورد فی الاحادیث الصحیحۃ
ثم الصلوٰۃ فی اللیل بعد العشاء الاخرۃ
فی ای وقت کانت ھی التھجد فان فیھا
ترک الھجود فبعد الفراغ عن المطالعۃ
قبل النوم لو صلیت کانت ھی من قیام
اللیل واما حبس النفس فلا تعجل فی
ذالک وعود نفسک بالذکر النفسی
الاٰن حتی یجری وعسی اللہ ان ینجح
بذالک ایضاً

واما ماسر شرتم بہ من جریان
الذکر النفسی والمداومۃ علیہ

پھر اسی وقت ان کو سوجھ آتی ہے" اور آنحضرت صلعم
نے فرمایا ہے کہ جب بندہ نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے
تو شیطان اس کے پاس آتا ہے اور وسوسے لاتا ہے
اگر وسوسوں سے زیادہ تردد ہو تو سورۃ الناس
کا وظیفہ کیجئے، یہ اکسیر اعظم ہے۔

آخر شب میں تہجد کی بھی کوشش کیجئے
اگر مشاغل کی کثرت سے موقع نہ ملے
تو چنداں مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ حسن
نیت بھی مفید نتائج پیدا کرتی ہے، اگر
سوتے وقت دو رکعت سورہ بقرہ آخر رکوع کیساتھ پڑھ لیں
تو کافی ہے انشاء اللہ۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ اس سلسلے میں وارد ہے
نیز عشاء کے بعد کسی وقت نماز پڑھنا تہجد ہے
کیونکہ اس میں ترک نوم ہے، اگر مطالعہ
سے فراغت پانے کے بعد قبل استراحت
دو رکعت پڑھ لیں تو یہ بھی تہجد
ہو جائے گی، ہاں حبس دم کے لئے
جلدی نہ کریں، ذکر خفی کی مشق کریں تاکہ
آسانی سے عادت پڑ جائے، امید ہے
کہ آپ کامیاب رہیں گے۔

اور آپ نے جو ذکر نفسی کے جاری
اور برابر ہونے پر خوشخبری سنائی ہے تو میں

فشکرت اللہ تعالیٰ علی ذالک وعسیٰ ان یکون الازدیاد منکم حسبما تیسر فانہ الفوز بالمراد ۔

ھذی المکارم لا قعبان من لبن شیبا بماء فکانا بعد ابوالا

والسلام ختام

حسین احمد غفرلہ

۸ ربیع الثانی

سنہ ۶۳ھ

بھی خدا کا شکر اس پر ادا کرتا ہوں اور امید ہے کہ اس میں زیادتی حسب موقع ہوتی رہیگی جو مقصد اصلی ہے ۔

یہ مکارم ہیں نہ پانی سے ملا ہوا دودھ کے پیالے کہ پینے کے بعد پیشاب بنجاتا ہے۔

والسلام

حسین احمد غفرلہ

۸ ربیع الثانی

سنہ ۶۳ھ

# مکتوب نمبر (۱۳)

## مولانا مظفر صاحب دیوبندی کے نام

اما ما ذکرتم من الذکر ومشاھدۃ القلب فمبارک زاد اللہ ھذہ المساعی، و المشاھدات وینبغی ان لا تلتفتوا الی غیر المقصود والمحبوب الحقیقی. واجتھدوا فی قطع الخطرات واحادیث النفس و ادامۃ الذکر مھما امکن ولا تیئسوا من روح اللہ۔

واما ما ذکرتم من الدعاء فمن امثالی العجز ماذا یمکن غیر ھذا ولعمری قال

ذکر اور قلبی مشاہدہ جس کا تذکرہ آپ نے کیا ہو مبارک صورت ہے، اللہ تعالیٰ ان مساعی اور مشاہدات میں زیادتی عطا فرمائے، مناسب یہ ہے کہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی کے سوا دوسری طرف التفات نہ کرو اور اسکی پوری کوشش کرو کہ خطرات اور وساوس بالکل بند ہو جائیں اور جہانتک ممکن ہو ذکر کے سلسلہ کو جاری رکھو اور خداوند عالم کی رحمت سے ناامید مت رہو باقی رہی دعا تو ہم جیسے عاجز دل کے امکان میں دعا کے سوا، اور ہے ہی کیا

| | |
|---|---|
| حضرت السعدی رح | حضرت سعدی فرماتے ہیں: |
| جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است | دوست کی یاد کے سوا جو کچھ کرتے ہو عمر ضائع کرتے ہو |
| جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است | راز عشق کے سوا جو کچھ پڑھتے ہو بیکار ہے۔ |
| سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق | اے سعدی غیر حق کے نقش سے لوح دل کو دھو ڈالو |
| علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است | جو علم حق کی رہنمائی نہ کرے وہ جہالت ہے۔ |
| فعلیک یا اخی بتوجہ القلب الی الذات البحت مہما امکن فان ذکر اللسان لقلقۃ وذکر القلب وسوسۃ وذکر الروح ہو الذکر رزقنا اللہ وایاکم ایاہ وما ذلک علی اللہ بعزیز ۔ | لہذا برادر من تم پر لازم ہے کہ خاص ذات حق جل مجدہ کی جانب جہانتک ممکن ہو قلب کو متوجہ کرو۔ کیونکہ زبان سے ذکر کرنا گویا زبان ہلانا ہے اور قلب کا ذکر وسوسہ ہے اور حقیقی ذکر روح کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ مجھکو اور آپکو ذکر روح عطا فرمائے اور یہ خدا کیلئے کچھ مشکل نہیں |
| اذا غامرت فی شرف مروم | جب کسی عظیم الشان مقصد کا ارادہ کرو تو |
| فلا تقنع بما دون النجوم | تاروں سے کم پر نہ قناعت کرو۔ |
| فطعم الموت فی امر حقیر | کیونکہ کسی حقیر کام میں موت کا مزہ |
| کطعم الموت فی امر عظیم | بڑے کام میں موت کے مزے جیسا ہے۔ |

حاشیہ مکتوب ۱۳۰ مولانا مظفر صاحب کے نام جو والے نامے حضرت امام العصر دامت فیوضہم نے ۱۹۴۲ء میں نینی جیل سے تحریر فرمائے ہیں اہل ذوق کیلئے خاص طور پر مفید اور درس آموز ہیں اور ان سے یہ بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ زمانہ اسارت میں امام العصر کے روحانی مشاغل کیا تھے اور کس طرح جاری رہے، مولانا مظفر صاحب بھی کسی دوسرے جیل میں نظر بند تھے، ان مکتوبات کو حیات شیخ الاسلام سے نقل کیا گیا ہے۔ ذکر کے طریقوں کو جب تک شیخ سے بالمشافہ نہ سمجھا جائے اور شیخ کی نگرانی میں نہ کیا جائے، تحریر سے ذرا ٹیڑھی کھیر ہے، عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد ۔ او ز غولان گمرہ و در چاہ شد

| | |
|---|---|
| واغتنم هذه الفرصة ولا تضيعها ....... والسلام | اس فرصت کو غنیمت جانو اور اس کو ضائع مت کرو۔ والسلام |
| حسین احمد غفرلہٗ | حسین احمد غفرلہٗ |
| ۱۹ ربیع الاول سنہ ۶۳ھ | ۱۹ ربیع الاول سنہ ۶۳ھ |

## مکتوب نمبر (۱۴)

| | |
|---|---|
| واما الذكر الروحي فذلك التوجه بالقلب الى الذات البحتة التي متنزهة عن الكم والكيف وسائر الاعراض جميعاً وهو معكم اينما كنتم وحسب وفي انفسكم افلا تبصرون وعليكم بالجد في الذكر وسيكون للذكر الروحي مقام عن قريب والسلام۔ حسین احمد غفرلہٗ | ذکر روحی قلب کی توجہ کا نام ہے جو حضرت حق جل مجدہٗ کی ذات خاص کی جانب ہو جو کہ مقدار کیفیت اور جملہ اعراض سے منزہ ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے وھو معکم اینما کنتم یعنی جہاں بھی تم ہو خدا تمہارے ساتھ ہے اور جیسا کہ ارشاد ہوا خود تمہارے اندر ہے کیا تم دیکھتے نہیں، ضروری ہے کہ پوری کوشش سے ذکر جاری رکھو، عنقریب ذکر روحی کا مقام ہوگا (؟) والسلام، حسین احمد غفرلہٗ |
| ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۶۳ھ | ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۶۳ھ |

## مکتوب نمبر ۱۵

غالباً اس عرضداشت کے پہنچنے کے وقت آپ بڑے گھر (جیل) ہوں گے تو سیع[۱] منظور نہ ہونے کا افسوس ہوا۔ فی سبیل اللہ مالقیت[۲]۔ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ[۳]

---

۱؎ یعنی پیرول میں اضافہ۔ ۲؎ جو تکلیف اٹھا رہے ہو وہ راہِ خدا میں ہے ۳؎ سورہ توبہ کی آیت کی طرف اشارہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ راہِ خدا میں جو تکلیف، بھوک، پیاس کی جو (باقی صفحہ ۴۶ پر)

وَلَا تَقْرَبَا الآية ۔ خوشدل اور مطمئن الخاطر رہ کر ان ایام خلوت کو غنیمت سمجھئے، اور کچھ توشہ معرفت و قربت حاصل کر لیجئے، اور اس چلہ کشی کو انعام خداوندی سمجھئے، افکار کو تمام جا سے پھیر کر ایک هَمًّا آخرت میں صرف کر دیجئے ۔

جہاں اے برادر نہ ماند بہ کس    دل اندر جہاں آفریں بند و بس

صراط مستقیم ملفوظات حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ اور امداد السلوک مترجمہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ از رسالہ مکیہ کو زیر مطالعہ رکھئے، ذکر کو طبیعت ثانیہ اور فکر کو صلوٰۃ دائم بنا لیجئے (وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ) ۔ من نہ کردم شما حذر بکنید ۔

والد ماجد کی بیماری سے تشویش ہوئی، اللہ تعالیٰ شفاء کامل عطا فرمائے، آمین ۔ "من یرد اللہ بہ خیرا یصب منہ"[۲] کی بنا پر شکر کا موقع ہے، مصائب دنیا آخرت کے مصائب کے سامنے ہیچ ہیں ۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا[۳] کی تفسیر ان مصائب اور آلام سے بھی کی گئی ہے، اس لئے درحقیقت خوشی اور اطمینان کا مقام ہے ۔ "اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل"[۴] قلب کو ساکن و صابر بلکہ شاکر رکھ کر خلاق الکائنات کیطرف متوجہ ہو جئے، یو فقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ ۔ دار العلوم کے حالات معلوم کر کے افسوس اور صدمہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریم کارساز اپنے فضل و کرم سے ہر قسم کے شرور سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۵) پریشانی لاحق ہو جو راہ بھی ایسی اختیار کی جائے جو دشمنان دین کے لئے غیظ و غضب اور دماغی تکلیف کا باعث ہو، اس کے بدلہ میں عمل صالح کا ثواب ملتا ہے ۔ ؎ اہم آخرت، فکر آخرت یا مقصود آخرت ۔ ؎۲ اللہ تعالیٰ جسکی بہتری کا ارادہ کرتا ہے اسکو پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے ؎۳ اے اہل بیت رسول اللہ کا ارادہ ہے کہ تمہارے رجس کو دور کرے اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے ۔ ؎۴ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے ان کے بعد درجہ بدرجہ جو افضل ہو اسکی آزمائش بقدر فضیلت ہے ۔

اس منبع علم کو محفوظ رکھے اور مزید ترقی عطا فرمائے۔ عَسٰیٓ اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ۔[1] بہرحال یہ مصائب فی سبیل اللہ ہیں، جن پر عظیم الشان وعدے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا مصداق کرے اور اخلاص و للہیت ہمارے قول و عمل میں باکمل الوجوہ عطا فرمائے، آمین

حضرت حافظ[2] صاحب کی توسیع نامنظور ہونے سے صدمہ ہوا، ان کی خدمت میں بھی سلام مسنون عرض کر دیں، میری رفاقت میں تین مسلمان اس بارک میں ہیں، اور سرکل میں چھ سات آدمی نماز جماعت سے ادا ہوتی ہے۔ بحمد اللہ مطمئن الخاطر ہوں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۱ر رجب۔

## مکتوب نمبر ۱۶

آپ کا اپنے مستقر[3] پر پہنچنا معلوم ہوا، کیا عجب ہے کہ رؤف الرحیم کے یہاں کوئی بڑی خیر مضمر ہو، حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اگر بلا از طرف حق تعالیٰ نبودے بندگان را طریق الی اللہ نمی بود — اگر خدا کی جانب سے مصیبت اور آزمائش نہ ہوا کرتی تو خدا تک پہنچنے کا راستہ ہی مفقود ہو جاتا۔

ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

بلائے خدا تعالیٰ محبین را تحفہ و ہدیہ و تحریک سلسلہ مواصلت مضمرہ است — مصیبت و آزمائش محبین اور عاشقانِ مولا کیلئے تحفہ اور ہدیہ اور پوشیدہ تعلق کی سلسلہ جنبانی ہے،

رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

عالم از بلا استغاثہ می کند و صرف او می خواہد و عارف ببلا لذت بگیرد و ہرگز کشف او نمی خواہد ............ — دنیا مصیبت سے فریاد کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ ہٹ جائے، مگر عارف اس سے لذت حاصل کرتا ہے اور اس کے ازالہ کی خواہش نہیں کرتا۔

[1] بہت ممکن ہے تم کسی چیز کو کراہت کرو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو [2] حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر حکومت یوپی [3] مراد جیل۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

بلا چراغ عارفین وتنبیہ مریدین است وہلاک غافلین۔ — مصیبت عارفین کیلئے چراغ ہے، مریدین اور راہ سلوک کے راہرو کیلئے تنبیہ ہے اور غافلوں کیلئے ہلاکت ہے

میرے محترم! "اس بلا میں اہل عقل وانصاف خوش ہوتے ہیں" ضرب[1] الحبیب زبیب "مشہور مقالہ ہے، بالخصوص اس فراغت اور خلوت کی بنا پر جس کے ذریعہ سے آپ بہت زیادہ مجالست مع الحبیب کر سکتے ہیں ؎

اعز مکان فی الدنی سرج سابح — تیز رفتار گھوڑے کی زین دنیا میں سب سے زیادہ باعزت جگہ ہے

وخیر جلیس فی الوجود الله — اور بہترین ہمنشین خداوند عالم ہے۔

انا جلیس[2] من ذکرنی ؎

بفراغ[3] دل زمانے نظرے بماہ روئے — بہ ازین کہ چتر شاہی شب وروز ہائے وہوئے

فاغتنم[4] ایها الاخ هذه الفرصة، ولا تضیعها بقیل وقال وبما لا یعنی فان العمر قصیر والطریق طویل والعوائق کثیرة ؎

کیف الوصول الی سعاد ودونها — سعاد (محبوبہ کا نام) تک کسطرح رسائی ہوسکتی ہے

قلل الجبال ودونهن حتوف — درانحالیکہ سُکی راہ میں پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیاں ہیں

الرجل حافیة ومالی مرکب — کہ ان چوٹیوں کو طے کرتے کرتے انسان موت کا شکار ہو جائے

والکف صفر والطریق مخوف — پاؤں برہنہ کوئی سواری میسر نہیں، ہاتھ خالی اور راستہ خطرناک

فاجتهد ما قدرما یمکن فی الذکر — لہذا جتنا بھی ممکن ہو ذکر اور مذکور کی طرف توجہ

---

[1] دوست کی مار میں بھی مٹھاس ہے۔ [2] اللہ میاں فرماتے ہیں کہ میں اسکا ہمنشین ہوں جو مجھکو یاد کرتا ہے۔ [3] تھوڑی دیر کیلئے دل کی فراغت کے ساتھ محبوب پر نظر ڈالنا چتر شاہی اور ہاؤ ہو سے بہت بہتر ہے [4] لہذا برادر من! اس فرصت کو غنیمت جانو اسکو قیل وقال اور بےفائدہ باتوں میں ضائع مت کرو کیونکہ عمر تھوڑی ہے اور راستہ لمبا ہے اور مشکلات بہت ہیں۔

وحسن التوجه الی المذکور ودوام
علی ذلك فقد قال تعالی وَالَّذِیْنَ
جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا
فانظر ایها الاخ لمراعات فی جانب
الشرط بشیٔ من المؤکدات وهو یدل
علی طلب الکثرة والشدة. واما فی
جانب الجزاء فقد اتی باللام الموطئة
للقسم، ونون الجمع. بفعلیة الجملة
المبدوءة بالمضارع الدالة علی
الاستمرار التجددی، والنون الثقیلة
وجمع لفظ السبیل واضافته الی ضمیر
جمع المتکلم لتعظیم نفسه، ثم ذیلها
بقوله تعالی اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ لا
یخفی ما فیه من المؤکدات والبشائر فلا ینبغی
لاحد ان ییٔس من رأفته تعالی بما عجز
نفسه وعلو رفعته تعالی فعلیك بمداومة
قرع بابه تعالی فان من داوم قرع
الباب لابد ان یفتح له ولا یزعجنك
عدم ظهور الکیفیات واللذات
اثناء الذکر فانها لیست بمقصودة
وانها امور تربی بها اطفال الطریقة

اور دھیان رکھنے کی پوری کوشش کرو اور اس پر
مداومت رکھو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو ہمارے
بارے میں پوری کوشش کرتا ہے ہم یقیناً انکیلئے اپنی راہیں کھول دینگے
برادرمن! اس آیت کریمہ کی لفظی ترکیب پر
نظر ڈالو، شرط کی جانب میں یعنی پہلے جملہ میں صرف
یہ ارشاد ہے کہ جو ہمارے بارے میں پوری
کوشش کرتے ہیں، یہاں صرف پوری کوشش کا
تذکرہ ہے اور کوئی تعلق نہیں اور جملہ کے دوسرے
حصہ کی تاکید اور تقویت کیلئے اولاً لام لایا گیا ہے
جو تمہید قسم ہوتا ہے، پھر جمع متکلم کا نون لایا گیا اور جملہ
فعلیہ لایا گیا جو استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے، نون
ثقیلہ لایا گیا لفظ سبیل کو جمع کے ساتھ بیان کیا گیا
اور اسکو جمع متکلم کی طرف مضاف کیا گیا جس سے
راستوں کی عظمت کی طرف اشارہ ہے، اسکے بعد
یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محسنین کیساتھ ہے، مضمون
کی مزید تقویت کی گئی، پھر عربی نحو کے لحاظ سے
ان اللہ لمع المحسنین میں جو مؤکدات اور بشارتیں
ہیں وہ بھی مخفی نہیں، لہذا کسی کو بھی خدا کی رحمت سے اس
وہم کی بنا پر مایوس نہ ہونا چاہیئے کہ وہ عاجز اور کمزور
اور ناچیز ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات والا اور اعلیٰ ہے
تمہارا کام یہ ہے کہ اس کریم کے دروازہ کو کھٹکھٹاتے رہو

کیونکہ جو دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے لامحالہ کھولدیا جاتا ہے، اور تم اس سے ہرگز پریشان ہو کر اشغال ذکر میں کیفیات کا ظہور نہیں ہوتا یا لذت نہیں محسوس ہوتی، کیونکہ یہ مقصود نہیں، یہ تو ایسی چیزیں ہیں کہ راہ طریقت کے بچوں کو انسے بہلایا جاتا ہے مقصود حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اسکا فضل ہے

وانما المقصد الوحید مرضاتہ تبارک وتعالیٰ

. . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . . . .

دنیا و آخرت را بگذار حق طلب کن — کایں ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب — کہ حیف باشد ازو غیر از من تمنائے

حسین احمد غفرلہ، ۱۳ر شعبان ۱۳۶۳ھ

# مکتوب نمبر ۱۷

آداب شیخ کے بارے میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اور جو کچھ امداد سلوک میں تحریر کیا گیا ہے وہ حقیقی مشائخ[1] اور اہل کمال کیلئے ہے، ہم جیسے ناکارہ و نالائق بدنام کنندۂ نکونامان، ننگ اسلاف

لہ حقیقی مشائخ اور اہل کمال کی تعیین نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے نقصانات رونما ہوئے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، حقیقی شیخ کامل وہ ہے جو عقائد میں سلف اہل سنت والجماعت کا ہم عقیدہ ہو، کیونکہ بدعتی شیخ ہرگز شیخ کامل نہیں ہو سکتا، وجہ یہ ہے کہ سلاسل صحابۂ کرام پر منتہی ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ صحابہ کی زندگی کامل نمونہ تھی صاحب شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، اور شریعت نے بدعات و محدثات پر نکیر فرمائی ہے اہل علم پر پوشیدہ نہیں، حتی کہ بدعتی کی امامت اور روایت حدیث میں بھی کلام ہے دوسری چیز حقیقی شیخ اور اہل کمال کے اندر تواضع، فروتنی، عاجزی، خاکساری، اور بے نفسی ایسی ہو کہ ہر ایک کے فضل و کمال کا سیر چشمی سے معترف ہو اس لئے کہ کبر کیساتھ مشیخت جمع نہیں ہو سکتی اور نہ اس گناہ کی مغفرت کی امید ہے، جو کبر سے پیدا ہو۔ آدم علیہ السلام و ابلیس کا قصہ سب سے بڑا ثبوت ہے۔ باقی حاشیہ صفحہ ۵۱ پر

کب سچی ہیں، ہم تو اس شعر کے مصداق ہیں ؎

| | |
|---|---|
| نہارك یا مغرور سهو وغفلة | اے دھوکہ میں پڑے ہوئے تیرا دن غفلت سہو میں گذرتا ہے |
| ولیلك نوم والردی لك لازم | رات سونے میں لہذا تیری تباہی لازمی ہے۔ |
| وشغلك فیما لیس یعنیك مشغل | بے کار اور فضول باتیں تیرا شغل ہیں۔ |
| كذلك فی الدنیا تعیش البهائم | دنیا میں بہائم اسی طرح رہا کرتے ہیں۔ |

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰) یوں تو نفس سے کوئی انسان خالی نہیں لیکن کمال تو اسی میں ہے کہ بہمیت ملکیت کا ہو جائے۔ یہ کمال کہ نفس مغلوب ہو جائے اور اپنے کو سب سے ہیچ متصور کرے بدون صحبت شیخ کامل ممکن نہیں، مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہیچ نکشد نفس را جز ظل پیر  دامن آں نفس کش را سخت گیر

قرآن حکیم رشد ہدایت کا مجموعہ اور ہر طرح کے امراض ظاہری و باطنی کیلئے رحمت اور شفا ہے اور سب سے کامیاب مطب اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جنکی صفت بارگاہ احدیت سے یہ عطا ہوئی ہے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ شیخ اکبر نے کس طرح فرما دیا کہ "شیخ میں دین انبیاء کا سا ہو اور تدبیر اطباء کی سی اور سیاست بادشاہوں کی سی" تو یہی کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ شیخ نمونہ ہو نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا جبکہ اتباع سنت نبوی ہی میں سب کچھ ہے، کیا خوب بات فرمائی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ میں نے اپنا قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی پیڑی میں اسی جگہ رکھا جہاں آپ نے رکھا تھا "الا قدم نبوت" سبحان اللہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے اور چرہ بتادیا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ "ولایت کی نہایت نبوت کی بدایت ہے" تفاضل بین الانبیاء والاولیاء کا مسئلہ بھی صاف ہے، خلاصہ یہ کہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم حقیقی مشائخ اور اہل کمال میں ہیں بشرطیکہ کامل کی جستجو ہو آؤ اور نکتہ چین بنکر آؤ، پھر انشاء اللہ تعالیٰ اپنے دامنوں کو پھولوں سے بھر کر واپس ہو گے ؎

دادیم ترا بہ گنج مقصود نشاں  گرما نرسیدیم تو خود را برساں

ہاں آپ حضرات کی ادعیہ صالحہ سے اگر اصلاح ہوجائے اور ہم کسی لائق ہوجائیں جس طرح بڑے ڈاکو کی اصلاح مریدوں کی دعوت اور توجہ سے ہوگئی تھی، تو مضائقہ نہیں، عزیز موصوف کا دوسری مرتبہ محراب سنانا نہ صرف موجب فرحت سرور ہے بلکہ موجب ہزارہا تشکرات ہے۔ "او ولد صالح یدعولہ" صدقہ جاریہ اور خیرات دائمہ ہے، آج جبکہ بڑے خاندان والے اپنی اولاد کو انگریزی اسکول کی تعلیم دلوا کر ان کو دوزخ کا کندہ بنا رہے ہیں اور دنیا کے لالچ میں ان کو بے دینی اور الحاد کی تعلیم دلوا کر دین سے برگشتہ اور اسلام کے لئے عار بلکہ دشمن بناتے ہوئے اپنی اور انکی عاقبت برباد کر رہے ہیں، دنیاوی زندگی میں کفار کی غلامی کی لعنت کا پٹہ اپنی اولاد کے گلے میں ڈال رہے ہیں، آپ کی اولاد کا دیندار، حافظ قرآن، اور حافظ دین متین ہونا لازوال اور عظیم الشان نعمت ہے۔ اللّٰھم زد و بارک۔

پھر بچہ ماشاء اللہ اصلاح پذیر اور سعید ہے، امید ہے کہ فخر خاندان ہو، یہ دعا ہمیشہ ہونی چاہیے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا۔

یقیناً اولاد کا صالح اور دیندار رہ کر فاقوں پر گذر کرنا، ڈپٹی کمشنری، وکالت اور بیرسٹری، پولیس وغیرہ کی انسپکٹری وغیرہ عہدہ ہائے غلامی کفار سے ہزارہا درجہ بہتر ہے دیدہ عبرت کھولنا چاہیئے، ھدانا اللہ وایاکم الی مایحبہ ویرضاہ ویجعل لنا ولھم جمیعا الآخرۃ خیرا من الاولی، آمین۔

حسین احمد غفرلہ

۲۰؍ شوال ۶۳ھ

# مکتوب نمبر (۱۸)

## مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء مرادآباد

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تصوف کا ضروری اور مضبوط اصول جو کہ نفس پر شاق بھی بہت ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ بدظنی اور دوسروں کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے اسی کے ماتحت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "معرفت خدائے تعالیٰ بر آں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند فکیف از اکابر دین" اپنے نفس کے کید و مکر سے کسی وقت بھی مطمئن نہ ہونا چاہیے۔ ع۔ "فانک تعرف کید الخصم والحکم" وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ۔

پس جو حضرات پہلے سے معتقد علیہم ہیں یا جن کے افعال و اقوال مسائل خاصہ کے سوا مرضی و پسندیدہ ہیں ان کے ساتھ بداعتقادی وغیرہ نہ چاہیے حسن ظن رکھنا چاہیے۔ ہمارے لئے مشاجرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین درس عبرت ہیں ممکن ہے کہ ان حضرات ہی کی آرا صحیح ہوں، اگرچہ غلبۂ ظن یہی ہے کہ ہمارے آرا اور اعمال بالکل حق بجانب ہیں، لہذا نہ زبان درازی چاہیے نہ بداعتقادی بلکہ انکے اور اپنے لئے دعا کرنی چاہیے۔ اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ ذکر سے غافل نہ ہوجیے، وقت کو غنیمت جانیے، گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ آج کچھ کر لیجیے، کل کو کرنا ناممکن ہوگا، جفاکش بنیے، آرام و راحت آخرت کے لئے چھوڑ دیجئے۔

نازپروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

من نہ کردیم شما حذر بکنید

واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیجئے۔　　والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر (۱۹)

کچھ تفصیلات مجلس شوریٰ معلوم ہوئیں، بحمد اللہ مخالفین اور اہل شر کو کامیابی نہیں ہوئی اور آپ کی مساعی بار آور ہوئیں، جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ اگرچہ طلباء کا داخلہ بالفعل نہیں ہوا، اور ذی القعدہ تک اس کو موخر کر دیا گیا، مگر قوی امید ہے کہ اکثر داخل ہو جائیں گے اور ان کو ترقی بھی حاصل ہو جائیگی، ٹوڈیوں کے جوارادے اور گورنمنٹی جو چالیں تھیں، بحمد اللہ ناکام رہیں، ولِلّٰہ الحمد وجزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

آپ کو اپنی تعلیمی اور مدرسہ شاہی کی ضروریات کو انجام دینے کی پوری جد وجہد کرنی چاہیئے، اس وقت کوئی تعمیری خدمات قومیہ انجام نہیں دیجا سکتیں، شاہی کے مدرس اسوقت جیل میں ہیں اسوقت آپ کو صرف تعلیمی فرائض انجام دینے چاہئیں اور اسفار وغیرہ جن سے تعلیم پر برا اثر پڑے، اس سے بالکل کنارہ کشی کرنی چاہیئے، گذشتہ سال آپ اپنی کتابوں کے ربع یا ثلث ہی کو پڑھایا یہ غلط کارروائی ہے۔ اسباق اور طلبہ کا ہرگز ہرگز حرج نہ کیجئے...... وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً الآیۃ کو زیرنظر

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۸) یہ وہی بطل حریت اور کوہ استقلال ہے جو برطانوی قہرمانیوں کے سامنے ہر موقع پر بلند آہنگی اور بے باکی کی اعلیٰ مثال پیش کرتا ہو لیکن جب خود پسندی اور خود نمائی کا وہم پیدا ہوتا ہی ہو تو ضع وانکسار کی یہ حالت ہو کہ کافر فرنگ کو بھی اپنے سے بہتر سمجھنے لگتا ہو، لاٹلا اور مقدمہ کراچی وغیرہ کی تقریریں مطالعہ کرنے کے بعد جب اس مکتوب گرامی کو پڑھا جاتا ہو تو یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق　　ہر ہوسناکے نہ داند جام وسنداں باختن

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حیاتِ شیخ الاسلام ص ۲۶۸ تا ۲۷۲۔

رکھ کر ان فرائض دینیہ کو بخوبی انجام دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے آمین۔

والسلام، ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۵ر شوال سنہ ۶۱ھ

## مکتوب نمبر (۲۰)

مندرجہ امور کی طرف توجہ ہونی چاہیئے۔

(۱) منسلکہ مصاریف حکیم انظار احمد صاحب نے کئے ہیں، ان سے ان مصاریف کی مقدار معلوم کیجئے، اور میرے متعلق جو نقد آپ کے پاس موجود ہے، اسمیں سے ادا کیجئے اگر وہ خرچ ہو گئے ہوں تو قاری اصغر علی صاحب سے روپے طلب کیجئے۔ حکیم صاحب موصوف پر ایک پائی کا بھی بار ہرگز ہرگز مت ڈالئے۔ اس فہرست میں ممکن ہے بعض چیزیں رہ گئی ہوں کیونکہ میں نے اپنی یاد سے لکھی ہے، ان سے پوچھ کر ان کو لکھیئے، اور اس کا حساب ادا کیجئے۔

(۲) ان تین طالبعلموں کے متعلق جو کہ بلا وجہ گرفتار کئے گئے ہیں ابھی تک آپ نے کوئی معاملہ نہیں کیا، حالانکہ آپنے لکھا تھا کہ میں انکے متعلق پوری کاروائی انجام دیکر سفر کرونگا۔

(۳) مولوی غلام حسین بھاگلپوری اور شیخ انعام اللہ مراد آبادی کو کل حکم سنا دیا گیا، اور یہ بتایا گیا کہ ایک سال قید اور پچاس پچاس روپیہ جرمانہ اور بصورت عدم ادائگی تین تین ماہ قید ہوگی، ثانی الذکر کے متعلق بھی جاپان کا نعرہ لگانا پولیس بھی قائل بالنفی ہے پھر دونوں کو برابر سزا دینا اور ہر ایک کیلئے اتنی بڑی مقدار مقرر کرنی بہت زیادہ سختی ہے، اس لئے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۰) سنہ ۴۲ء کے ہنگامہ میں پولیس نے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم سے شکایت کی کہ کچھ طلبہ تحریک میں حصہ لے رہے ہیں، اسکے نتیجہ میں دارالعلوم کیلئے خطرات کا بھیانک نقشہ پیش کر دیا مولانا مرحوم بھولے بھالے آدمی تھے اس سے متاثر ہو گئے اور طلبہ کی ایک معتدبہ تعداد کو خارج کر دیا، اور یہ بھی حکم دیدیا کہ سالانہ امتحانات وقت سے پہلے ختم کر دئے جائیں، اس والا نامہ میں اسی جانب اشارہ ہے، باقی تفصیلات اور جگہ آئیں گی۔

ان کی نگرانی ضرور ہونی چاہیئے، نگرانی میں اسقدر زائد صرفہ بھی نہیں ہے، جس کے ثقل کا خوف ہو اگر دوسرا ذریعہ مصارف کا نہ ہو تو میرے ڈیفنس کے روپیہ باقیماندہ سے اس میں خرچ کیجئے۔

(۴) مدرسہ شاہی کے اوقات اور اسباق کی سختی سے پابندی کیجئے۔

(۵) مولانا بشیر احمد صاحب بھٹہ کو زور دار طریقہ پر لکھیئے کہ وہ دیوبند جاکر صدر صاحب کو اپنے سحر بھرے کلام سے موم بنائیں اور امادہ کریں کہ وہ تمام محرجین طلبہ کو بلا استثناً داخل فرمالیں اور اپنے احکام کو واپس لے لیں، کیونکہ انھوں نے حافظ محمد یوسف اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں کسی سے انتقام نہیں لونگا اور نہ خارج کرونگا، اور طلبہ ان دونوں حضرات کے حکم کے پابند ہو گئے تھے اور اس وعدہ کو ان دونوں حضرات نے مجمع عام میں بھی طلبہ کو سنا دیا تھا، بہرحال مولانا بشیر احمد صاحب فوراً جائیں اور صدر صاحب کا غصہ ٹھنڈا کریں، اگر ایسا نہ کیا تو مولانا بشیر احمد صاحب کے کمالات دو کوڑی کے رہ جائیں گے، والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۱۶ / شوال ۱۳۶۱ھ

## مکتوب نمبر (۲۱)

نیاز احمد صاحب کو شکریہ لکھ بھیجئے اور منسلکہ عریضہ بھیج دیجئے، آپ کا یہ فرمانا کہ مٹھائی واجب کے متعلق یہ شرط ہے مگر اس کا لگانا حسب قول مولانا اسمٰعیل صاحب نہ دینے کا بہانہ ہی، کیا ابواب شکر میں یہ شرط کہیں آئی ہے وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ[۱] لَئِنْ شَكَرْ[۲]

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۱) [۱] اور تیرے رب کا جو احسان ہے اس کو بیان کر۔ [۲] اگر احسان مانوگے اور شکر ادا کروگے تو تم کو اور بھی دونگا۔ (باقی حاشیہ مکتوب نمبر ۲۱ صفحہ ۵۷ پر)

لَاَزِيْدَنَّكُمْ ۔ وليُرٰى اثر نعمته عليك ۔ کہ وہ اتقیا جو مجاہدین فی سبیل اللہ کے مصداق حقیقی ہیں اور اُوْذُوْا فِي سَبِيْلِيْ اور اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ان پر صادق آتا ہے، ایسے مجمع کو کھلانے میں ٹال مٹول کرنا بہت ہی زیادہ ناانصافی اور ظلم ہے۔ اور خوف ہے کہ کہیں بخل اور بدترین بخل کی نشانی نہ بن جائے۔ رازیکاقال، وای داءٍ ادوء من البخل"

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۷؍ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

# مکتوب نمبر ۲۲

جناب صوبیدار صاحب ... آپ کے حفظ قرآن میں صرف ایک منزل میں کامیاب ہونے پر صدمہ ہوا، امید تو یہ تھی کہ اس مدت میں آپ ربع سے زاید پر کامیاب ہو چکے ہونگے، بہرحال آپ باہر آنے سے پہلے کم از کم فیض آباد کی پنج ماہر جد و جہد ضرور بار آور کریں اور آخر شب میں یا اول شب میں اس کا معتدبہ حصہ نوافل میں ضرور پڑھ لیا کریں، ہمت بلند رکھیں، انشاء اللہ مدد خداوندی شامل حال ہوگی یہاں بھی لوگ بڑے پیمانہ پر رہا ہو رہے ہیں، ہمارا مقدمہ چل رہا ہے، آج بھی تاریخ ہے دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے، القلوب بين اصبعي الرحمٰن، بہرحال مارا ہے المولیٰ فہو لاحسن ہو الاولیٰ ۔ میں مطمئن ہوں اور الحمد للہ احسن حال میں ہوں، افضال خداوندی کا شکر گزار ہوں، ذکر میں عالی ہمتی اور استقلال سے کام لیجئے، اور افضال خداوندی سے مایوس نہ ہوجیئے، دفع وساوس و خطرات کیلئے سورہ ناس اکسیر ہے، روزانہ ایک سو مرتبہ یا کم از کم چالیس مرتبہ مع خیال معنے پڑھ لیجئے، صاحبزادہ صغیر کیلئے دعا کرتا ہوں

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲۱) ؎ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اثر بندہ پر دیکھنا چاہتا ہے ؎ بخل سے بڑھ کر اور کون بیماری ہے۔

انشاء اللہ آپ کی حسن تربیت سے وہ بھی طریقِ قدیم پر آجائے گا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۷ ذیقعدہ ۶۲ھ

## مکتوب نمبر ۲۳

جناب صوبیدار صاحب، زید مجدہم المعروف بہ قسورۃ الاسلام۔

والیسرائے صاحب نے جواب جلد مانگا تھا، غالباً وہ تاخیر کی بناء پر عبوس قمطریر ہونگے مگر ظروف واحوال کی مشکلات نے یہ تاخیر کرادی، میں نے جواب میں تاخیر نہیں کی مجھکو جناب حافظ[۱] صاحب اور مفتی صاحب کی رائے سے اتفاق ہے، ہاں عملی حیثیت سے میں اسکو نہایت مشکل دیکھتا ہوں جس کا احساس ان دونوں حضرات اور دیگر اہل الرائے اہل حل وعقد کو ضرور ہوگا، ایسے امور میں مجھ سے پوچھنا غلط ہے، مذکورہ بالا دونوں حضرات اور آپ حضرات کی آراء ان امور میں ہم جیسے ناکاروں کے لئے واجب التقلید ہے، آپکی درباره حفظ قرآن مزید جد وجہد ہم ناکاروں کیلئے بہت زیادہ مسرت بخش اور امید افزا ہیں۔ اللہ تعالےٰ مدد فرمائے، آمین۔ ع

علی قدر اهل العزم تاتی المنائح ۔ فاجتهد ولا تیاس من روح اللہ[۲]

مولانا بشیر احمد صاحب کی غلبو بیت تعجب خیز ہے، اللہ تعالیٰ بہتر کرے، بحمد اللہ میں بخیر و عافیت و آرام و سکون سے ہوں، یکم نومبر کے واقعہ سے تاثر غلط ہے ۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ۔ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

---

[۱] حافظ صاحب سے جناب حافظ محمد یوسف صاحب نبیرہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، اور مفتی صاحب سے حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند مراد ہیں یہ دونوں حضرات دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے۔ [۲] حوصلہ اور عزم کے لحاظ سے بخشش اور انعام بھی ہوا کرتا ہے۔ کوشش کرتے رہو اور اللہ کی مہربانی سے مایوس نہ ہو۔ (باقی حاشیہ مکتوب نمبر ۲۳ صفحہ ۵۹ پر)

عشق میں اسکے کوہِ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

والسلام

بقدر الجد تکتسب المعالی ومن رام العلی سہر اللیالی[1]

من نہ کردم شما حذر بکنید

فلا تکسل ولا تیئاس وان تکن من القانطین

داعیکم المجروح ۔۔ ذی الحجۃ سنہ ۶۳ھ

# مکتوب نمبر ۲۴

جناب گورنر صاحب ..... ۲۴ مارچ کا والانامہ مفصلہ باعث سرفرازی ہوا، بحمد اللہ خیر و عافیت سے ہوں، یہاں اجتماع عظیم ہے، تبتل کہاں نصیب ہو سکتا ہے، نمبر ایک میں جتنا تقریباً دو سو ہے، شاہد صاحب، مظفر صاحب بھی اسی احاطہ میں ہیں، ان کے علاوہ پانچ موحد اور بھی ہیں، ہر طرح سے آرام و راحت ہے، اصل کا واقعہ معلوم کرکے صدمہ ہوا کاش روانگی سے پہلے آجاتی، تقدیرات الہیہ میں کیا چارہ ہے۔

صدیقی صاحب کا مفصل والانامہ یہاں آیا، جو کہ صدر صاحب کی روانگی اور ان کے جماعت کی نیرنگیوں کی مفصل داستان ہے، آپکے اور گورنر جنرل صاحب کے ملاحظہ کے لئے بھیج رہا ہوں، دیکھئے اور عبرت پکڑیے۔ قدرت کے کارنامے ہیں، استغفار کے الفاظ بھی عجیب و غریب ہیں، مگر اس کو نہیں بھیجتا، بہر حال چار پانچ نئے مدرسوں کے ذریعہ سے دار العلوم سنبھال لیا گیا۔

امور مسئولہ کے جوابات (۱) ٹوکری میں بصورت سانپ[1] گھناؤنی چیز کا نکلنا بہت عمدہ اور

(بقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۲۳) [1] اس شعر کا ترجمہ دوسرے مکتوب میں آیا ہے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۴) [1] اس مکتوب گرامی میں بعض اصطلاحات۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۶۰ پر ملاحظہ ہو)

مفید ہے، اس کے یہ معنی ضروری نہیں کہ خناس بالکل جدا ہو گیا، ہاں اس کا کوئی اثر کم ہو گیا، اور ذکر کی برکتوں سے ایسا ہونا ضروری ہے "وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ" سے معلوم ہوتا ہے کہ غفلت عن الذکر کی بنا پر جو شیطان مسلط تھا وہ بوجہ ذکر جدا ہو گیا، اب وہ جدا تو ہو گیا، مگر کیا صرف ایک ہی تھا کہ اسکے جدا ہونے کے بعد میدان بالکل خالی ہو گیا، یہ کہاں سے سمجھ لیا گیا، اتنے دنوں کی غفلت نے خدا جانے

(بقیہ حاشیہ ص ۵۹) استعمال کی گئی ہیں، جو تحریک ۱۹۴۲ء کے زمانہ میں برتی گئی تھیں، گورنر اور صوبیدار صاحب سے مراد مولانا سید محمد میاں صاحب ہیں جو اس زمانہ میں جمعیۃ علماء صوبہ یوپی کے ناظم تھے اور صدیقی صاحب سے مراد عبدالوحید صاحب غازی پوری ہیں، جو اس وقت دارالعلوم کے شعبۂ تنظیم کے انچارج تھے۔ اور ع م صاحب سے مراد مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم تھے جو دارالعلوم کے بڑے مہتمم تھے، اور گورنر جنرل یا وائسرائے سے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند مراد ہیں۔ ابوجعفر حافظ سادات حسن کی کنیت ہے۔ سلہ واقعہ یہ ہوا کہ مولانا محمد میاں صاحب نے خواب دیکھا کہ ایک کانا سانپ میرے اندر سے نکلا ہے جس پر گھنونی چیز مثل رطوبت کے موجود ہے جس سے طبیعت بہت متوحش ہوئی کہ اگر یہ چیز میرے اندر رہ گئی ہوتی تو کیا حال ہوتا، حضرت امام العصر دامت کاتہم نے جواباً جو تعبیر ارشاد فرمائی ہے اور قرآنی روشنی میں خواب کو واقعہ بنا دیا ہے، یہ حضرت اقدس کا ادنیٰ کمال معرفت اور تاویل رویا کا معمولی کرشمہ ہے، مولانا محمد میاں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک بڑا احاطہ ہے، اس کے وسط میں ایک بوسیدہ کمرہ ہے جس کی زمین زرد رنگ کے سنگریزوں سے ملی ہوئی ہے، اس وسیع احاطہ میں ایک بہت بڑا اژدہا اس طرح زمین میں گھسا ہوا ہے جس طرح درخت کی جڑ کا کچھ حصہ موٹا سا کبھی زمین کے اوپر آجاتا ہے؛ اژدہے کا رنگ زرد ہے، بارہ گز لمبا اور ایک گز کے قریب چوڑا ہوگا طول اور ضخامت کا حصہ ایک جگہ سے اتنا ہی باہر سر سے کچھ کم دوسری جگہ ہے اس اژدہا کو دیکھ کر مولانا کو بڑا خوف ہوا کہ اس کا مارنا اور نکالنا دونوں مشکل ہے، اس پر امام العصر دامت برکاتہم نے یہ والا نامہ تحریر فرمایا اور تعبیر بھی صاف صاف بیان فرما دی۔

ان شیاطین کے کتنے انڈے بچے پیدا کردے ہوں گے، ذکر پر مداومت سے انشاء اللہ آہستہ آہستہ صفائی ہوجائیگی، نیز نفس تو جدا نہیں ہوا، وہ سالہا سال کی مصاحبت سے جو رنگ حاصل کر چکا ہے وہ دو چار دن میں کہاں جائے گا، وہ اپنا رنگ لاتا ہی رہے گا، بہرحال مردانہ وار کام کیجئے اور ان لغویات کی طرف دھیان نہ کیجئے۔

(۲) میرے ان الفاظ میں "کوشش کیجئے کہ معانی کا تصور اور قلب کا تعلق از ابتدا تا انتہا ہو جائے" اس سے تو یہی مقصد تھا کہ جو الفاظ زبان سے یا قلب سے (ذکر قلبی میں) یا سانس کے ساتھ (پاس انفاس میں) نکلتے ہیں ان کے معانی کا تصور۔۔۔ قلب میں قایم رہے یہ نہ ہو کہ زبان سے کچھ نکل رہا ہے اور قلب غافل ہے، یا کسی دوسری طرف متوجہ ہے اور بر زبان تسبیح در دل گاو خر" کی صورت کو دفع کرتے رہیئے، مثلاً لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے کوشش کیجئے کہ معانی لا محبوب الا اللہ قایم رہیں اور لفظ لا الٰہ کہتے ہوئے خیال قائم ہو کہ ماسوی اللہ کو قلب سے نکال کر پس پشت پھینک دیا، اور الا اللہ کہتے ہوئے اللہ تعالےٰ کی محبت کو ضرب لگاتے ہوئے زور سے دل میں گاڑ دیا ؎

خواہم کہ ہیچ صحبتِ اغیار بر کنم ۔۔۔ در باغ دل رہا نہ کنم جز نہال تو
از دل بروں کنم غم دنیا و آخرت ۔۔۔ یا خانہ جائے ذکر بود یا خیال تو

خطرات، وساوس، حدیث نفس وغیرہ کو حتی الوسع دفع کرتے رہیئے، اثناء ذکر میں ابتدا سے انتہا تک یہی کوشش جاری رہنی چاہیئے ؎

حضوری گر ہمیں خواہی از و غافل مشو حافظ ۔۔۔ متی ما تلق من تھوی دع الدنیا واھملھا

مگر آپ دوسری طرف دوڑ گئے اور جناب باری عز اسمہ کے تصور اور کلمات مشائخ رحمہم اللہ میں الجھ گئے، محترما جو کچھ عقیدہ اہل سنت والجماعت ہے اور جو کچھ دلائل عقلیہ ونقلیہ

---

ف۱؎ الفاظ اہل سنت والجماعت پر ہم کسی قدر بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس کا صحیح مفہوم واضح ہو جائے اور گمراہ جماعتیں تدلیس سے کام نہ لے سکیں، اس میں تین الفاظ ہیں (باقی حاشیہ ص ۶۲ پر)

سے ثابت ہوتا ہے، وہی حق ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ عز شانہٗ نور اور نار اور شکل و صورت وغیرہ تمام اعراض و جواہر سے منزہ اور پاک ہے، اور تمام صفات کاملہ لائقہ بذاتہ اس کے ساتھ قائم ہیں، ادراک ذات بحت احاطہ علم بشر سے خارج ہے، صفات کاملہ ثبوتیہ اور صفات سلبیہ تک ادراک بشر پہنچتا ہے، اس لئے اس کی ذات بحت کے تصور کے لئے موجود حقیقی کما یلیق لشانہ منزھا من جمیع النقائص و سمات الزمان متصفا بجمیع صفات الکمال والجلال، مدرکہ میں لانا ضروری ہوگا ے

دور بینان بارگاہ الست  غیر ازیں پے نبردہ اند کہ ہست
اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم  وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم و خواندایم

بقیہ حاشیہ ص ۶۱) (۱) اہل - اشخاص، مقلدین، اتباع اور پیرو کو کہتے ہیں۔ (۲) سنت عربی میں راستہ کو کہتے ہیں، یہاں سنت سے مقصود عام سنت نہیں بلکہ دینی اصطلاح میں آنحضرت صلعم کی طرز زندگی اور طریق عمل کو سنت کہتے ہیں۔ (۳) جماعت کے معنی گروہ کے ہیں، یہاں جماعت سے مراد جماعت صحابہ ہے، لہذا اہل سنت والجماعت کا اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہو جن کے اعتقادات وغیرہ کا مرکز پیغمبر علیہ السلام کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اثر مبارک ہو، پس اہل سنت کے مذہب کا مدار اور مبنیٰ دو اصول ہیں (۱) داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقائد اور اعمال کے متعلق اپنی امت کو جو کچھ تعلیم اور تلقین کی اس میں ایک ذرہ زیادتی یا کمی نہیں ہوسکتی (۲) عقائد یا خدا کی ذات اور صفات کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا یا آپ نے جو کچھ بتایا اور جس مسئلہ کی جس حد تک قرآن نے تشریح کی صرف اسی پر ایمان لانا واجب ہے، اپنی عقل و قیاس و استنباط سے اسکی تشریح و تفسیر صحیح نہیں اور نہ اس پر ایمان لانا اسلام کی صحت کیلئے ضروری ہے بلکہ ممکن ہے کہ وہ گمراہی اور ضلالت کا موجب ہو، فرض جو کچھ فرقے آج پیدا ہو گئے ہیں اور اپنے کو اہل سنت والجماعت بلکہ حنفی اہل سنت وغیرہ کا تخیل استعمال کرتے ہیں وہ برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق ہیں، امام عبدالبر جامع بیان العلم میں امام مالک کا عقیدہ بتاتے ہیں، عقائد میں (باقی حاشیہ ص ۶۳ پر)

لیس کمثلہ شئ اس کے لئے فذریعہ اتم ہے، ہاں اسکی تجلیات انوار مختلفہ اور صور کا ملہ شمسیہ وغیرہ میں ہوسکتی ہے جن سے وہ ذات مقدسہ ورار الورا ہے، آفتاب آئینہ ہائے مختلفہ میں متجلی ہوسکتا ہے، مگروہ اپنے مقام پر لاکھوں میل دور ہے، یہ آئینہ مظہر شمس ہے. عین شمس نہیں اس مظہر میں شمس حقیقی موجود نہیں، اس کا عکس ہے اس کے عکس کو عین شمس نہیں کہہ سکتے جیسے غیر بھی من کل الوجوہ نہیں کہہ سکتے، چونکہ ذات بلاکیف و بلاکم کا سمجھانا لوگوں کو بالخصوص ابتدا میں مشکل ہوتا ہے، انوار وغیرہ سے مدرکہ میں استقرار کرایا جاتا ہے ؎

ہست رب الناس را با جان ناس اتصالے بے تکیف بے قیاس

(بقیہ حاشیہ ص ۶۲) گفتگو کرنا ناپسند کرتا ہوں اور ہمیشہ ہمارے شہر مدینہ کے علماء اس کو ناپسند کرتے ہیں اور اس سے روکتے رہے ہیں میں بحث و مباحثہ ان امور میں ناپسند کرتا ہوں جن کے تحت میں کوئی عمل ہو لیکن خدا کے متعلق عقائد اور خود خدا کی ذات میں سکوت میرے نزدیک پسندیدہ ہے، امام طریقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح فرماتے ہیں وعلی المومن اتباع السنۃ والجماعۃ فالسنۃ ماسنہ رسول اللہ صلعم والجماعۃ ما اتفق علیہ اصحاب رسول اللہ صلعم فی خلافۃ الائمۃ الاربعۃ الخلفاء الراشدین (غنیۃ الطالبین) مفہوم یہ ہے کہ مومن پر واجب ہے کہ سنت والجماعت کی پیروی کرے، سنت تو وہ ہے جو آنحضرت صلعم کا طرز عمل اور روش تھی، اور جماعت وہ کہ جس پر اصحاب رسول اللہ صلعم خلفار اربعہ کے زمانہ میں متفق رہے چنانچہ علمار امصار جملہ اہل سنت اور ارباب سلوک کے عقائد ایک ہی ہیں، جس کو صاحب ریاض المرتاض نے از صفحہ ۸ تا ۱۴ ختم تک مفصل بیان کیا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی جانب حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے اپنے اس کرامت نامہ میں ارشاد فرمایا ہے، باقی معتزلہ کا یہ کہنا کہ صفات عین ذات خدا ہیں اور حنابلہ کا یہ اعتقاد کہ صفات غیر ذات ہیں اور اشاعرہ و ماتریدیہ کا یہ خیال کہ وہ نہ عین نہ غیر ہیں، اصل شریعت سے عدول اور خروج میں تینوں برابر ہیں اس لئے کہ ان میں سے شریعت نے کسی کی تصریح نہیں کی ہے خوب غور کر لیا جاوے۔ (باقی حاشیہ ص ۶۴ پر)

آپ ماشاء اللہ عالم اجل اور فاضل بے بدل ہیں، آپ اس حقیقت پر پہنچکر اپنے قوی مدرکہ کو پوری تنزیہات و تقدیسات کیساتھ عامل اور عالم کر سکتے ہیں، وہ ذات بے چون و بے چگون مدرکہ میں قائم رکھنی اور علیم بذات الصدور اور اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ اور هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تصور کرنی آپ کیلئے مشکل نہیں، اسکے احاطہ منزہ عن الاعراض والکیفیات کا تصور کرتے ہوئے ذکر نفی و اثبات محض میں جدوجہد فرمائیں اور تدریجاً ترقی کریں، انشاء اللہ آہستہ آہستہ کامیاب ہوں گے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ، نہایت قوی وعدہ ہے، مایوس ہونا اس کی رحمت عامہ سے کفران ہے، اس فرصت کو غنیمت جانئے اور نعمت اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ سے فیضیاب ہونے کی کوشش کیجئے۔ نعم المولی ونعم النصیر کی مدد ضروری ہے، بحرمۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وآلہ الامجاد۔

(۳) ہر شخص جس راستے سے فیضیاب ہوا ہے، اس کا گیت گاتا ہے، اور اسی کا مداح و ثناخوان ہوتا ہے اور یہ اس کا فریضہ ہے ورنہ لطف خداوندی منحصر کسی خانوادہ اور کسی بقعہ میں نہیں ہے، ہاں ازمنہ مختلفہ میں اسی طرح تبدیل ہوتا رہتا ہے، جیساکہ کاشتکار کبھی کسی نالی سے پانی جاری کرتا ہے اور کبھی کسی نالی سے فیض مبداء فیاض بھی اسی طرح الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے طریقہ کا گیت گاتے ہیں، وہ سچ فرماتے ہیں، انکو وہاں ہی فیض اتم حاصل ہوا، اور اس زمانہ میں توجہ اور عنایات ازلیہ اس طرف بہت زیادہ

(بقیہ حاشیہ ص ۶۳) جواب و سوال نمبر ۳ کے متعلق مولانا سید محمد میاں صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ صورت یہ ہوئی کہ باوجودیکہ احقر ۱۳۳۲ھ میں بیعت ہوا تھا، مگر عرصہ تک یہی سمجھتا رہا کہ حضرت نے طریقہ مجددیہ میں بیعت کیا ہے۔ اس زمانہ میں علماء ہند کا شاندار ماضی جلد اول مرتب کیا جس میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذکور ہے، اس ترتیب کیلئے مکتوبات کی تینوں جلدیں، اور اس سلسلہ کے اکابر کی تصانیف دیکھنی پڑی حضرت مجدد صاحب نے اس زمانہ کے چشتیوں پر اپنے مکتوبات میں تنقید کی ہے احقر نے بھی اس سلسلہ پر شاندار ماضی میں تنقید کردی ہے

(باقی ص ۶۵)

مبذول تھی، مگر ہمیشہ نہ پہلے تھی اور نہ بعد کو ہوئی، ہمارے اسلاف کرام پر عنایات الٰہیہ سلوک چشتیہ میں بہت زیادہ مبذول ہوئیں، جو کہ ازمنہ اخیرہ میں دوسرے طرق میں اپنا مثیل نہیں رکھتیں، وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ ہم جملہ طرق اور ان کے مشائخ کے سب کے دریوزہ گر ہیں، مگر اپنے باپ کا گیت گانا اس سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں جتنا کہ چچا تایوں حتی کہ اجداد کرام کا جس کا کھائے اس کی گائے مشہور مثل ہے، ہمارے اسلاف کرام قدس اللہ اسرارہم اگرچہ سلوک چشتیہ میں بہت زیادہ چست و چالاک اور گامزن ہیں، مگر عمل کی حیثیت سے حضرت مجدد رحمہ اللہ ہی کے قدم بقدم ہیں ؎

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق ہر ہوسناکے نہ داند جام و سندان باختن

یہ نعمت غیر مترقبہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی سے شروع ہوتی ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ پہلے نہ تھی یا دوسرے اس سے خالی تھے، مگر اعتبار غلبہ کا ہے، ہر طریقہ میں غلط کار، نقال، پست ہمت، روٹی کھانے والے نفس پرست، نام کے بندے ہم جیسے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے ظاہر بین طریقہ پر حرف اعتراض زبان پر لاتا ہے، مگر یہ غلطی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴) ۱۹۳۲ء کی فرصت میں جب حقیر کو موقع ملا کہ حضرت شیخ مدظلہ العالی سے استفادہ کرے تو حقیقت منکشف ہوئی کہ حضرت طریقہ چشتیہ میں تلقین فرماتے ہیں، بڑی ندامت ہوئی، چنانچہ احقر نے ایک عریضہ میں ندامت کو ظاہر کرتے ہوئے معذرت چاہی۔ حضرت نے سکوت فرمایا، در شفقت بیگانہ عتاب پر غالب آگئی، اس موقع پر ایک بات کا صاف کر دینا ضروری ہے وہ یہ کہ حسب تحقیق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ طریقہ چشتیہ میں وصول بطریق جذب ہوتا ہے، بطریق سلوک نہیں اور یہ جذب برکت ہے، اتباع سنت کی، کیونکہ اتباع سنت کا ثمرہ بوجہ تشبہ بالمحبوب کے محبوبیت عند اللہ ہی اور محبوبیت کے لئے جذب لازم ہے، یہی وہ حقیقت ہے جس کی جانب حضرت امام العصر دامت برکاتہم تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارے اسلاف کرام پر عنایت الٰہیہ سلوک چشتیہ میں بہت زیادہ مبذول ہوئیں جبکہ ازمنہ اخیرہ میں دوسرے طریق میں اپنا مثیل نہیں رکھتیں (باقی ص ۶۶ پر)

کسی ننگ اسلاف کی وجہ سے اسلاف پر تنقید نہیں کیجا سکتی، لہذا زمانہ موجودہ کے چشتیوں کی حالت سے نفس طریقہ پر حرف تنقید لانا غلط تھا کسی مقصد یا حال میں ناکامی کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس شخص سے ارتباط اور تعلق پیدا کیا گیا ہے وہ بذات خود نالائق اور سخت ناقص ہے، جو کہ واقعی امر ہے، نیز حسب ارشاد شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ طرق الوصول الی اللہ بعدد انفس الخلائق" طبائع کا اختلاف پیدائشی بھی ہوتا ہے، بہرحال جدوجہد جاری رکھیں اور کسی کامل اور مکمل رفیق طریق کی تلاش کریں، ازمنہ موجودہ میں اگرچہ ان کی کمی ہے مگر معدوم نہیں، لا یزال اللہ یغرس لھذا الدین غرسا او کما قال) لاتزال طائفۃ من امتی الحدیث کسی ناقص کو چھوڑ کر کامل کو اختیار کرنا ممنوع نہیں بلکہ یہی سمجھ کی بات ہے، اور اکابر نے ایسا کیا ہے۔

(۴) پاس انفاس میں کامیابی موجب صد شکر ہے، اللّٰھم زد فزد۔ بسط و قبض خلقت بشری کا تقاضا ہے، مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

(۵) سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تو مشائخ طریقت میں ہیں، درود شریف ان کے لیے خاص ہونے کے ساتھ ایصال ثواب بھی ان کے لئے ہو ہی جاتا ہے۔ بہرحال اگر آنحضرت علیہ السلام کے لئے کوئی خصوصی چیز ہدیہ کیجائے تو اس میں کلام ہی کیا ہے۔ جبکہ جناب علیہ السلام فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| لا یحقرن جارۃ لجارتہا | اور پڑوسی کو ہدیہ دینے میں حقیر نہ جانے اگرچہ |
| ولو فرسن شاۃ | ایک ٹکڑا بکری کے کھر کا بھیجے۔ (ترمذی) |

(بقیہ حاشیہ ص ۶۵) امام العصر کا شعر در کفے جام شریعت الخ کو اس موقع پر پڑھنا اور نقل فرمانا بڑی معنویت رکھتا ہے، اور انہی بزرگوں کا کمال ہے کہ سلوک نقشبندیہ چشتیہ دونوں کو جمع کر کے انکا عطر نکال لیا ہے، باقی رہی یہ بات کہ جس طریقہ سلوک سے وابستہ ہو، تعلیم بھی اسی طریقہ کے مطابق رکھی جائے، تاکہ نسبت بھی اس طریقہ کی باقی رہے کسی حد تک یہ بات صحیح ہے، لیکن مقصود نہیں، کیونکہ مقصود رضاء الٰہی اور خوشنودی باری ہے یہ جس (باقی ص ۶۷ پر)

اور مشہور مقولہ ہے، "الھدیۃ علی قدر مھدیھا" تو کیوں قلت ہدیہ سے شرم آئے، آپ کا حصہ تو ہماری ہر عبادت میں لگا ہوا ہے، خواہ نماز ہو یا ذکر ہو، مالی عبادت ہو یا بدنی قلیل ہو یا کثیر، پھر اس میں لگ جائے گا اختیاری و اضطراری دونوں طرح سے،

بحمد اللہ میں ہر طرح خیر و عافیت سے مطمئن الخاطر ہوں، جب کبھی کوئی خیال آتا ہے تو معاً یہ آیت سامنے آجاتی ہے۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ( اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، )

تو سکون ہو جاتا ہے، ما اراہ المولی فھو الاولی۔

دو روز ہوئے ڈاکٹر کنجو چھوڑ دیے گئے، وزن تقریباً ۲۰ پونڈ کم ہو گیا تھا، پیچش وغیرہ کی شکایت تھی، وہ اور آر ہیں، پنڈت اور ٹنڈن صاحب اور دوسرے پانچ چھ آدمی اے کلاس میں اس وقت تھے، جبکہ سابقہ سیشن میں اسمبلی میں سوال اٹھا تھا، اور ابتک ہیں اس کلاس والوں کو گرمیوں میں باہر سونے کی اجازت ہے، اور غذا اور میووں وغیرہ میں مراعتیں ہیں، میرا ٹکٹ ابتک وہاں سے نہیں آیا، اگر آجاتا تو مجھکو بھی کچھ احتجاج کا موقع

(بقیہ حاشیہ ص ۶۶) سلوک سے حاصل ہو، اور تزکیہ و تطہیر قلب جس صورت سے ممکن ہو کرنا چاہئے، فضل خداوندی کسی طریقہ سے منحصر نہیں ہے بلکہ راستے مختلف ہیں منزل ایک۔

(جواب نمبر ۴) اس میں لفظ قبض و بسط استعمال فرمایا گیا، جس پر صاحب عوارف اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح فتوح الغیب میں مفصل کلام فرمایا ہے، صوفیہ اسکو دو حالت سے تعبیر کرتے ہیں یعنی ترقی کے بعد بندہ پر خوف اور رجا کی حالت طاری ہوتی ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ خوف و رجا کا تعلق امر مستقبل سے ہے، اور قبض و بسط امر حاضر سے تعلق رکھتا ہے، قبض بسط سے زیادہ نافع ہے، کیونکہ بسط میں عجب کا خطرہ ہے۔

(جواب نمبر ۵) مولانا سید محمد میاں صاحب کو یہ ہدایت تھی کہ ذکر شروع کرنے سے پہلے گیارہ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کیا جائے اسپر مولانا موصوف نے (باقی ص ۶۸ پر)

مل جاتا، حافظ صاحب اور گورنر جنرل صاحب، ابو جعفر صاحب اور دوسرے حضرات سے سلام مسنون عرض کر دیں، والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(سنہ ۴۲ء)

# مکتوب نمبر ۲۵

قاعدہ ہے کہ مہینہ میں کلکٹر معائنہ جیل کے لئے آتا ہے، ستمبر میں جب آیا تو نمبر ۲ میں جس میں سی کلاس کے سیاسی قیدی ہیں اور نمبر ۹ و ۱۰ میں جس میں ۱۲۹ اور ۲۶ کے غیر مسلم سیاسی قیدی ہیں، دیواروں پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا کہ "ہندوستان چھوڑ دو" اس پر وہ خفا ہوا اور کہہ گیا کہ لکھنے والوں پر مقدمہ چلاؤ، تحقیقات ہوئی چند شخصوں نے اقرار کیا ان پر مقدمہ چلایا گیا، اور ان کو دفعہ ۲۶ کے علاوہ ایک ایک سال کی قید کر دی گئی، اور وہ سی کلاس نمبر ۲ میں بھیج دیے گئے، اکتوبر میں جب آیا تو وہی عبارت لکھی ہوئی گئی اور جب وہ نمبر ۲ میں آیا تو یہی آواز بلند بھی کی گئی، اور آواز بلند کرنے والے چھ آدمی تھے اس نے چپ کرایا مگر وہ نعرے لگاتے ہی رہے، پھر جیلر اور سپرنٹنڈنٹ نے بھی چپ کرانا چاہا مگر انہوں نے نعرے لگانے بند نہیں کئے، وہ خفا ہو کر واپس لوٹ گیا، ہمارا حلقہ نمبر ۲ کے بعد اندر کو ہے غصہ کی وجہ سے ہمارے حلقہ میں آیا، اسکے بعد وہ نمبر ۹ میں گیا، وہ لوگ جھنڈے کا گیت گا رہے تھے، اس نے کہا شور مت مچاؤ وہ چپکے ہوئے تو پوچھا کون لوگ غلغلہ کر رہے تھے، دو آدمی آگے بڑھے کہ ہم جھنڈے کا گیت گا رہے تھے، اس نے حکم دیا کہ ان کو تنہائی کی کوٹھری میں بھیج دو اور مقدمہ چلاؤ

(بقیہ حاشیہ ص ۶۷) شبہ پیش کیا کہ بارگاہ عظمت پناہ میں ہدیہ بہت ہی کم ہے کبھی کبھی ایصال ثواب کے وقت ندامت بھی محسوس ہوئی کہ این بضاعۃ مزجاۃ با آن بارگاہ عالی چہ نسبت دارد؟

اس کے بعد اس نے کہا کہ کون کون آگے آتے ہیں، شور مچانے میں بیس آدمی آگے آگئے، ان سب کے نام درج کرا لئے، اور حکم دیا کہ ٦ آدمی نمبر ۲ ان کو پندرہ پندرہ بید لگائے جائیں، اور ان بیسوں پر مقدمہ چلایا جائے، چنانچہ اسی وقت دفتر میں بیٹھکر پولیس کو بلوایا کہ باہر موجود رہے، اور مجسٹریٹ آئے اور مقدمہ دائر کیا جائے، چنانچہ سٹی مجسٹریٹ عبدالقیوم خاں لائے گئے، اور مقدمہ دائر کیا گیا، بحثیں ہوئیں، باہر سے کوئی وکیل کسی کا نہیں لایا گیا، مجسٹریٹ نے فیصلہ چند آدمیوں پر نمبر ۲ کیلئے پندرہ پندرہ بید کا اور نمبر ۹ کے دونوں بیوڑوں پر بھی پندرہ پندرہ بید اور ایک ایک سال قید کا، اور باقی ۲۰ پر صرف ایک ایک سال قید کا کیا، مگر ابھی تک ان میں سے کسی کو بید لگائی نہیں گئی ان لوگوں نے تبدیلی مقدمہ کی درخواست کی کہ اس کلکٹر کے غیر زیر اثر مجسٹریٹ کے یہاں ہمارا کیس ہو، مگر کلکٹر نے اجازت نہیں دی، اب ان صاحبان کا مقصد اپیل ہے۔

اس سے پہلے چند سیاسیوں کو بید پندرہ پندرہ یا اٹھارہ اٹھارہ لگائی گئی ہیں، وہ، وہ لوگ ہیں جن پر پولیس نے ایسی دفعات ہی عائد کی تھیں جن میں موجودہ آرڈیننس میں، سزائے بید مقرر ہے، تار کاٹنے، لائن توڑنے یا ان کی ترغیب دینے کا جرم، اس لئے ان کو بید لگائی گئی اور چھوڑ دیئے گئے، مولوی غلام حسین اور شیخ انعام اللہ کا تو فیصلہ ہو چکا، اس کی نقل لیجئے اور کام کیجئے، مولانا بشیر احمد صاحب کے متعلق مولانا عبدالحلیم صاحب نے فرمایا کہ وہ گیا سے آگئے ہیں، اور اسی وجہ سے وہ گیا نہیں گئے، بنارس کو واپس ہو گئے مولوی حبیب اللہ صاحب کا خط بھیج چکا ہوں، مولانا اسمٰعیل صاحب کی رائے ہو کہ اپیل کے متعلق، منشی حامد صاحب انشاء اللہ اچھا کام کریں گے، دیگر امور کے متعلق مولانا ابوالقاسم کل لکھ ہی چکے ہیں، اور اب ان کی دوسری تحریر زیادہ روشنی ڈالے گی۔

حکیم صاحب کے بال بار کا پورا خیال رکھئے، آپ فرماتے ہیں کہ روزہ بخشوانے گئے تھے نماز سر پر پڑگئی، تو جناب حکم شرعی تو دونوں ہی کا ہے، دن کو روزہ رکھو اور رات کو نماز پڑھو

فرض اللہ علیکم صیامہ وسننت لکم قیامہ[۱] الحدیث، دونوں کو ہی ادا کرنا پڑے گا،

والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۲۶

میں غالباً اٹھارہ شوال سے پہلے دیوبند نہ پہونچ سکوں گا، محترم ہمشیرہ کے عقد میں اس وجہ سے ہرگز تاخیر نہ فرمائیں، خیر البر عاجلہ، جسقدر سادہ اور سنت کیموافق ہو ضروری ہے، ہمارے لئے حضرت نانوتوی اور حضرت شیخ الہند قدس اللہ اسرارہما کے کارنامے مشعلِ راہ ہیں۔۔۔۔۔

ذکر بارہ تسبیح سب ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے، نہ معلوم نفی اثبات یعنی ذکر لا الٰہ الا اللہ کے متعلق آپ کو کیا شبہہ ہے، لفظ اللہ اللہ میں رفع ہی ہوگا، اور وہ بھی رفع معروف اور ضرب صرف اول پہ ہوگی، اور ثانی ساکن ہوگا، تیرہویں تسبیح میں ضرب پوری ہوگی، صرف اسم ذات ایک ہی مرتبہ ہوا کرے گا، ذکر پاس انفاس میں اس کا خیال رہے کہ زبان اور ہونٹ کو حرکت نہ ہو، سانس حسب معمول لیجائے، زور سے لینے میں خوف ہے کہ دماغ پر کچھ اثر ہو؛ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۲۷

## مولانا احمد حسین صاحب لاہرپور ضلع سیتاپور کے نام

محترم المقام زید عنایتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

---

[۱] آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دن کے روزے تم پر فرض کر دیئے اور میں نے تراویح کو سنت قرار دیا۔ (حدیث)

آپ کا جماعت اور اذکار سے تغافل باعثِ افسوس اور تعجب ہے، ہمیشہ آرکاسل اور غفلت کو حتی الوسع دور کرنے کی کوشش کیجئے، مردانہ وار ہمت ہونی چاہیئے، یہ چند دنوں کی زندگانی ہے، اور پھر اس میں قوی کی طاقت اور بھی اقل ہے، جس قدر بھی ممکن ہو زاد برائے راہ آخرت اس میں تیار کر لیجئے، محبوب حقیقی کے یہاں جاہ و عزت حاصل کریں وہ کہتا ہے فَاذْکُرُونِی اَذْکُرْکُمْ، وہ حدیث قدسی میں فرماتا ہے، انا مع العبد اذا ذکرنی، وہ دوسری حدیث قدسی میں فرماتا ہے من تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذراعاً۔ الحدیث ؎

یقین میدار، کہ آں شاہ نکونام بدست سر بریدہ می دہد جام

الحاصل ہمت بلند رکھئے غفلت پر لعنت کیجئے جس قدر ممکن ہو اپنے سانس اور اعضا وارکان کو پروردگار حقیقی کے نام لینے میں صرف کیجئے۔

ع "من نہ کردم شما حذر بکنید"

خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو جیئے، اس کی ستاریت اور سخاوت سے مغرور مت ہو جیئے اور نہ اس کی پکڑ سے کسی وقت مطمئن ہو جیئے۔ ؎

کارکن کار بگذر از گفتار کاندریں راہ کار دارد کار

میرے محترم، جس طرح آپ پاس انفاس کرتے ہیں، یعنی باہر سے آنے والے سانس کے ساتھ لفظ اللہ پیدا ہو، اور اندر سے نکلنے والے سانس کیساتھ ھو کا بلا صوت و حرکت جسمانی پیدا ہو، یہی معنی ارشاد مرشد کے بھی ہیں، غور کیجیے اور یہی طریق عمل میں نے آپ سے عرض کیا تھا، اور یہی طریقہ مجھکو خود قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز مصنف ارشاد مرشد نے بتایا تھا، اسی پر عمل درآمد کیجئے، کتاب کو دیکھکر آپکو بلا پوچھے عمل کر لینا بسا اوقات ضرر رساں ہوگا، لہذا اس سے اجتناب کیجئے، بوقت ذکر نور کا خیال چھوڑ دیجئے، وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کا خیال رکھئے، یعنی باہر سے جانیوالا سانس

لفظ اللہ پیدا کرتا ہوا خبر دیتا ہے کہ مجھ سے باہر خداوند کریم (بلا جسم و جسمانیت و بلا کیف و کم وغیرہ) انہی صفات کمالیہ کے ساتھ متصف اور تمام صفت نقص سے منزہ ہوتا ہوا موجود ہے اور اندر سے نکلنے والا سانس لفظ ھُو پیدا کرتا ہوا خبر دیتا ہے کہ وہی ذات پاک بلا کیف و کم میرے اندر اور قلب میں موجود ہے، وہ نور اور نار اور جملہ حوادث سے پاک اور منزہ ہے وساوس اور خطرات جو کچھ پیدا ہوں ان کا خیال بھی نہ کیجئے، اپنے کام میں لگے رہیئے۔

## ذکر قلبی

روزانہ صبح کی نماز کے بعد یا تہجد کے بعد (جس وقت بھی فرصت ہو اور دل لگے) خالی جگہ پر بیٹھ کر قلب کی طرف متوجہ ہوں اور تصور کریں کہ فقط لفظ اللہ نہایت عاشقانہ بیچینی کے ساتھ دل سے نکل رہا ہے، کیونکہ سب کا محبوب حقیقی وہی ہے، اس میں حبس دم نہ ہو، اس مدت میں (پاس انفاس) کا خیال ترک کر دیجئے، وہ اپنی حالت پر حسب عادت جاری رہے، قلب کا خیال کیجئے اور بجائے ایک تسبیح کے ۵ تسبیح بہ ذکر قلبی کیجئے، انشاء اللہ کل کو شجرہ بھی روانہ کر دوں گا، گھر میں سے کہدیجئے کہ ان کو بیعت کر لیا گیا، نماز کی پابندی کا خیال رکھیں، شریعت مطہرہ اور سنت نبویہ کا جہانتک ہو سکے خیال رکھیں، حقوق العباد سے حتی الوسع بچیں، توبہ زیادہ کریں، صبح و شام الحمد للہ، سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲) ذکر کی اہمیت پر قرآن حدیث صحیحہ شاہد ہیں ذکر قلبی کے لیے ذکر کی لغوی و معنوی خوبی و حقیقت پائی نہیں جا سکتی ذکر کے معنی یاد یا یادداشت ہی کے ہیں کیونکہ جب کسی بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنا ہوتا ہے تو اس کی طرف قلبی یا ذہنی طور پر متوجہ ہونا پڑتا ہے، بس یاد نام ہے مذکور کا دل سے یاد کرنے یا توجہ باطنی کا۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور بیچنے میں اللہ کی یاد سے) یہ چیز بغیر ذکر لسانی کے ممارست کے پختہ ہوئے نہیں آتی پھر بعد کو بغیر حبس دم اور بغیر پاس انفاس کے صرف قلب کی طرف متوجہ ہوں اگر حسب عادت جاری ہو تو قلب کی نگہداشت برابر رکھا جائے کیونکہ ذکر قلبی بیرنگ قائم نہیں رہتا ہے اسلئے محققین صوفیہ پہلے اللہ کے نام کی یاد پھر بواسطہ نام کے ذات کی یاد اور بعد کو بلا واسطہ ذات کے ذکر کو تجویز فرماتے ہیں، اور یہی امام اعظم کا بھی طریقہ ہے۔

ایک ایک تسبیح پڑھا کریں، اور ایک تسبیح درود شریف اللّٰھم صلی علی سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم بعدد کل شی معلوم لک اور اسی طرح ایک تسبیح استغفار استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ دونوں کو صبح و شام پڑھا کریں۔

والسلام، از دیوبند ضلع سہارنپور آستانہ شیخ الہند مرحوم ۱۲ رصفر ۱۳۶۶ھ
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۲۸

مور ستفسرہ کا جواب لکھتا ہوں، پہلے والا نامہ میں تحریر ہو ذکر قلبی سانس کیساتھ ہوتا ہو یہ ابتدائی حالت ہے، آپ کو توجہ قلب کی طرف رکھنی چاہیئے، اگر خود بخود سانس ذکر ہو تو کچھ حرج نہیں جو حالت دہلی میں ہوئی تھی اگر اسکی حفاظت کیجاتی تو قائم ہو جاتی مگر افسوس کہ اس کی حفاظت میں کوتاہی ہوئی، خیر ذکر دوام انشاء اللہ العزیز مفید نتائج پیدا کریگا مایوس نہ ہونا چاہیئے اور جفاکشی واستقلال ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے ؎

یقین می داں کہ آں شاہ نکو نام بدست سر بریدہ می دہد جام

اس عالم اسباب میں جو ثمرہ اپنی کوشش سے حاصل ہوتا ہو وہ دیرپا اور کثیر النفع ہوتا ہے، دوسری طرف متوجہ ہونے میں اگر بالفعل جریان ذکر نہیں ہوتا تو کچھ باک نہیں، آپ اپنی کوشش جاری رکھیئے، خداوند کریم پوری طرح جاری کرا دیگا۔

ع من نکردم شما حذر بکنید

شجرہ ارسال خدمت کر چکا ہوں، طریقہ ورد بھی عبارت سے سمجھ سکیں گے، اس کے پڑھنے کے بعد محبت اغیار سے صفائی اور انوار معرفت سے قلب کی روشنی، اور حصول رضا، باری عزوجل کی دعا کریں، اور اس ناکارہ، روسیاہ بدنام کنندہ نکو نامے چند کو

دعا کے ساتھ یاد کر لیا کریں کیا عجب ہے کہ خداوند کریم آپ بھائیوں کی دعوات صالحہ کی برکت سے اپنے فضل و کرم کے سایہ میں لیلے، گھر کی بیماری باعث تفکر ہے، دعا کرتا ہوں خداوند کریم ان کو جلد صحت یاب فرمائے، آمین، اور آپ کے دینی و دنیوی مقاصد کے حصول کے لئے بھی دعا کرتا ہوں، کاش کہ بارگاہ رب العزت میں مجھ جیسے گندہ کی دعا مقام قبولیت کو پہنچ جائے۔

جن صاحب کے یہاں میلاد اور عرس ہوتا ہے اور چونکہ خلاف شرع ہوتا ہے اسلئے اولاً ان کی اصلاح ہونی چاہیے، اگر یہ ممکن نہیں تو آپ ان کے ان افعال میں شرکت نہ فرمائیں، ہاں اگر ظن غالب ہو کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے آپکی ایذا کے درپے ہوں گے یا تعصب وغیرہ میں پڑ کر اس سے زاید گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے یا مسلمانوں میں افتراق کا زہریلا بازار گرم ہو جائے گا تو شریک ہو جانا جائز ہے[1]۔

[1] اس مکتوب گرامی میں حضرت امام العصر نے عجیب حکیمانہ فتویٰ دیا ہے اور صدہا مسائل اعتقادی کا جو حل تجویز فرمایا ہے اس سے انکار منکر کے چار درجے سمجھے جا سکتے ہیں، اور جس میں فرق نہ کرنیکی وجہ سے بہت سے مدعیان اصلاح و ارشاد کو ٹھوکریں کھانی پڑیں، ہم ذرا اس کو اور صاف کرنا چاہتے ہیں تاکہ حضرت کے مدعا کو سمجھنے میں زحمت اٹھانی نہ پڑے، سو جاننا چاہیئے کہ انکار منکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ منکر کو زائل کرکے اس کی جگہ معروف کو قایم کر دیا جائے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ منکر کو بالکلیہ زائل نہ کیا جا سکے تاہم اس کو گھٹا دیا جائے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایک منکر کو اس طرح مٹا دیا جائے کہ ویسا ہی دوسرا منکر اس کی جگہ قایم ہو جائے، چوتھا درجہ یہ ہے کہ ایک منکر کو مٹانے کی کوشش میں اس سے بدتر منکر قائم ہو جائے، ان میں پہلے دونوں درجے تو مشروع ہیں اور جب ان دونوں میں سے کسی کی امید ہو تو انکار منکر ضرور کرنا چاہیئے، تیسرے درجے میں اجتہاد کا موقع ہے، رہا چوتھا درجہ تو وہ ممنوع ہے، مثال کے طور پر اگر تم دیکھو کہ اہل فجور و فسوق شطرنج کھیل رہے ہیں، تو ان کو محض زجر و توبیخ کرنا حکمت اور بصیرت کے خلاف ہوگا۔ (باقی ص ۵۵ پر)

اپنی جائداد کا انتظام نہایت بیداری اور جفاکشی سے کیجئے، تاکہ قرضہ بھی ادا ہو اور سرمایہ کی ترقی ہو، کارکنوں اور ملازموں پر بھروسہ کرنا اور خود غافل ہوجانا بہت سے رؤسا کو برباد کرچکا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۷۴) عقلمندی یہ ہے کہ ان کو ایسے کھیل میں لگاؤ، جو خدا و رسول کو پسند ہے، مثلاً تیراندازی اور گھوڑ دوڑ وغیرہ ایک جگہ تم دیکھتے ہو کہ فساق و فجار کا مجمع ہے اور لہو و لعب ہو رہا ہے، یا رقص و سرود کی محفل گرم ہے، اگر تم ان کو کسی تدبیر سے عبادت یا فعل خیر کمیطرف منتقل کرسکتے ہو، تو ضرور کرو۔ لیکن اگر انکو منتشر کردینے کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ اس سے بدتر کاموں کے لئے فارغ ہوجائیں تو ان کو اسی چھوٹے درجہ کے فسق میں مبتلا رہنے دینا زیادہ بہتر ہے، کہ وہ چھوٹی برائی ہی انکو بڑی برائی سے روکے ہوئے ہے، ایک شخص کو تم دیکھتے ہو افسانہ مزاح کی کتابیں پڑھ رہا ہے، اگر اسکو ایسی چیزوں کے مطالعہ سے منع کرنے کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ بدعت اور گمراہی اور سحر کی کتابیں پڑھنے لگے تو اس کو افسانہ مزاح ہی میں چھوڑ دینا اولیٰ ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ تاتار کے زمانہ میں میرا گذر تاتاریوں کے ایک گروہ پر ہوا، جو شراب نوشی میں مشغول تھا، میرے ساتھیوں نے ان کو ملامت کرنی شروع کی مگر میں نے انکو روکدیا اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب سے اسلئے منع فرمایا ہے کہ ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے مگر یہاں شراب انکو قتل نفوس اور نہب اموال اور ظلم و ستم سے روکے ہوئے ہے، لہذا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے ساتویں صدی کے شیخ الاسلام اور چودہویں صدی کے شیخ الاسلام و امام العصر کے توافق اصلاح پر غور کرو "ہاں اگر ظن غالب ہو کہ وہ لوگ اسکی وجہ سے آپ کی ایذا کے درپے ہوں گے یا تعصب وغیرہ میں پڑکر اس سے زیادہ گناہ میں مبتلا ہوجائیں گے یا مسلمانوں میں افتراق کا زہریلا بازار گرم ہوجائے گا تو ترک بھی جائز ہے" تو معلوم ہوگا کہ کسقدر حکیمانہ فیصلہ اور عارفانہ نکتہ ہے، مگر یہ فتویٰ ہر دکاندار صوفیوں اور ملانوں کا کام نہیں ہے، بلکہ ان علمائے حق کا فریضہ ہے جو علم و عمل کے ساتھ معرفت و خداشناسی کے امام ہیں۔

انسان کو توکل علیٰ اللہ کرتے ہوئے سمجھ بوجھ کے ساتھ اپنی معیشت کے اسباب درست کرنا خداوند کریم سے غافل نہ ہونا ضروری امور ہیں۔

وضو میں مسواک کسی لکڑی کی ہو جائز ہے مگر وہ لکڑیاں جن میں کڑواہٹ، یا بکھٹاپن ہو وہ مفید تر ہوتی ہیں، اس لئے ان کا استعمال انسب ہے، پیلو کی مسواک سب سے افضل ہے، مگر دوسری لکڑیاں بھی جائز ہیں، شب کو اور قیلولہ کے وقت میں اگر ممکن ہو تو وضو ورنہ تیمم کر کے سوئیں، لیٹنے کے لئے یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹیں، یہ حالت ابتدائی ہے، پھر جس طرف بھی انسان کروٹ بدل لیگا جائز ہو جائیگا۔

## دوسرے والا نامہ کا جواب

شجرہ کا ورد[۲] بہتر ہے، جس وقت فرصت ہو کر لیا جائے، نماز باجماعت اور تہجد کی مداومت

---

[۱] ذات ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے، اور محض اسباب پر تکیہ نہ کرنا چاہیئے۔ اللہ کی قدرت اسباب کی پابند نہیں، البتہ اسباب اس کی مشیت کے تابع ہیں، یہی صحیح توکل ہے اسی کی جانب امام العصر نے ایک خاص انداز میں اشارہ فرمایا ہے۔

[۲] شجرہ کا ورد بہتر ہے" ممکن ہے حضرت امام العصر کے اس فقرہ پر کسی کو کچھ شکوک وشبہات پیدا ہوں، سو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جس طرح فن حدیث میں سند ایسا علم ہے کہ صرف اسی کے ذریعہ ہر دینی کام کی نسبت پیغمبر صلعم تک صحیح طور پر معلوم کی جا سکتی ہے، ٹھیک اسی طرح سلاسل صوفیہ وشجرہ کے ذریعہ سلوک وتصوف جسکو حدیث جبرئیل میں احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے، جانا اور بوجھا جا سکتا ہے اسی میں بھی یہی ہوتا ہے، مثال کے طور پر سمجھو کہ ہمیں ایک بزرگ سے بیعت ہے۔ اس بزرگ کو دوسرے بزرگ سے اور یہ سلسلہ آخر میں اس بزرگ پر منتہی ہوتا ہے جس کے نام سے وہ سلسلہ منسوب ہے، حدیث میں بھی تو یہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل نظر واقف ہیں کہ جب حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ نیشاپور تشریف لے گئے تو حافظ حدیث امام ابو زرعہ وامام ابو مسلم طوسی نے زبانی عرض کیا

نعمت الٰہی ہے اور ذکر کی مداومت حتی الوسع جی لگا کر نہایت ضروری امر ہے، بلا عذر ناغہ نہ کیجئے، قضاء عمری پڑھنا بہت زیادہ ضروری امر ہے، آپ نے بہت اچھا کیا کہ نوافل کو ترک کر کے اسمیں اشتغال کیا، خداوند کریم توفیق عطا فرمائے۔

اثناء ذکر وغیرہ میں وساوس کی وجہ سے ہرگز مت گھبرائیے، اپنا کام کیے جائیے، اور کوشش کیجئے کہ حتی الوسع جی اسی طرف لگا رہے، یہ زمانہ بیماریوں کا بھی ہے، دنیاوی مصائب سے گھبرانا نہیں چاہیئے، نہایت استقلال سے خداوند کریم کی طرف لو لگانا چاہیئے، قرضہ سخت مصیبت ہے، خصوصاً سودی تو زہر قاتل ہے اگر ممکن ہو تو کچھ حصہ جائداد کا کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت کر کے اس سے سبکدوشی اختیار کیجئے، اگر مسلمان خریدار پیدا ہو تو کافر ہی کے ہاتھ فروخت کریں اور ہمیشہ احتیاط رکھیں کہ قرضہ خصوصاً سودی ہرگز نہ لیں۔ والسلام

از دیوبند ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ۔

(بقیہ حاشیہ ص ۷۷) خدمت میں حاضر ہو کر امام ممدوح کے آباء واجداد کرام کے سلسلہ سے روایت حدیث کی درخواست کی، حضرت ممدوح نے اپنے والد ماجد سے لیکر رسول اللہ صلعم تک مرفوعاً روایت کی، جب شمار اہل محابر ودوات کا کیا گیا تو بیس ہزار اشخاص وہاں حاضر پائے گئے، چنانچہ اسی سند کے متعلق امام الجرح والتعدیل حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں "ولو قرئ ھذا الاسناد علی مجنون لافاق من جنونہ" ظاہر ہے کہ اس اسناد میں ایسے بزرگوں کا نام نامی واسم گرامی ہے کہ جس کی برکت مسلم ہے ضرور اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے مجنون کو فائدہ بخشے گا، چنانچہ اسی بناء پر حسب قول امام ابوالقاسم قشیریؒ جب یہ سند بعض امراء سامانیہ تک پہنچی تو انہوں نے اس کو آب زر سے لکھا، اور وصیت کی کہ ان کے ساتھ اسکو بھی قبر میں دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور پھر ان کو خواب میں مرنے کے بعد دیکھا گیا اور پوچھنے والے نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا کہا مغفرت فرمائی، اور ذکر المناوی فی شرحہ الکبیر علی الجامع الصغیر قبر میں شجرہ رکھنا بہتر یعنی البتہ شجرہ کا ورد برکت کیلئے صوفیہ نے جائز کہا، اسکو حضرت امام العصر نے بہتر فرمایا ہے۔

# مکتوب نمبر ۲۹

مردہ بچہ کی ولادت کی کیفیت معلوم کر کے صدمہ ہوا، میرے محترم! اولاد کی محبت یوں تو طبعی ہے، مگر یہ طبعی بات بھی عقل کے ذریعہ سے زیادہ تر اثر پذیر ہوتی ہے، چونکہ اولاد سے مختلف قسم کے منافع دنیویہ کی امید ہوتی ہے، اس لئے انکے مرنے سے بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے، مگر غور و عقل کو کام میں لایا جائے تو مرنا اور خصوصاً اس زمانہ میں زندہ رہنے سے زیادہ خوشی کا باعث ہے، زندہ رہنے والی اولاد بہت سے بہت دنیاوی زندگی میں کارآمد ہو سکتی ہے، یہ بھی اسوقت ہے جبکہ اولاد صالح اور قابل ہو، (جو کہ اس زمانہ میں بہت شاذ و نادر ہے) دیکھا ہی جاتا ہے کہ اولاد بڑے ہونے کے بعد بھی ماں باپ کے لئے سوہانِ روح رہتی ہے، مگر ذرا مرنے والی نابالغ اولاد کی طرف نظر اٹھایئے، حسب ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ نہایت صحیح اور مستند احادیث اور صریح آیات کے مضامین سے مفہوم ہوتا ہے، نابالغ مرجانے والے بچے ماں باپ کیلئے دوزخ سے بچا لینے والے اور حجاب ہونگے، یہاں تک فرمایا گیا کہ جو حمل ساقط ہو گیا ہو وہ بھی اپنے ماں باپ کیلئے خداوند کریم سے جھگڑا کرے گا اور بالآخر رحمتِ الٰہی حاصل کر کے اس خطاب کا مستحق ہوگا ایھا السقط المراغم ربہ اخرج ابویک من النار - یعنی اے ساقط ہو جانے والے حمل اپنے پروردگار سے بہت جھگڑنے والے جا اور اپنے ماں باپ کو دوزخ سے نکال لے، اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں، جن میں صبر اور شکر کی بھی بعض مقام پر شرط ہے، اب خیال کیجئے کہ آخرت کی زندگی ایک پائدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے، اسکے حصول کیلئے یہ مرجانیوالی اولاد بالخصوص جبکہ صبر اور شکر سے کام لیا گیا ہو، تریاق کا کام دینے والی ہے، اور آخرت کا عذاب وہ عذاب ہے کہ دنیا کی جملہ انواع کی تکالیف ایک طرف اور آخرت کے عذابوں کی ایک قسم کی تکلیف چند منٹوں کی ایک طرف ہو تو یہ آخرت والی تکلیف اس پر بالا ہو جائیگی، اور یہ مرجانیوالی اولاد آخرت کی

جملہ عذابوں سے بچانے والی ہے، لہذا میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کو دنیا میں بچپن میں ایک یا زیادہ اولاد کے مرجانے کی صورت پیش آگئی ہو تو اس کو بہت خوش ہونا چاہیئے کہ الحمد للہ ہماری مغفرت کا سامان خداوند کریم نے پیدا کر دیا، اور یہ اولاد ہماری پیش خیمہ بنکر ہم سے پہلے بارگاہ الہٰی میں پہنچ گئی، ہمارا خاتمہ خداوند کریم ایمان پر کر دے تو اس سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی نعمت نہیں ہو سکتی، ایسی نعمت پر اولاد کو دنیا میں باقی رہنے کی نعمت ہزار مرتبہ قربان ہو الحاصل عقلمند مسلمان کو تو یہاں فقط خوش ہونیکا مقام ہی۔

(۲) بات غور کی یہ ہے کہ اگر کوئی ہمارے پاس امانت لاکر رکھتا ہی تو ہم پر بہت بڑی ذمہ داری پڑجاتی ہے، اور جبتک اسکی امانت اسکو ادا نہیں کردیجاتی اسوقت تک بوجھ ہلکا نہیں ہوتا، جب ادا ہو جاتی ہے تو سمجھدار اور امانت دار طبیعتیں بہت زیادہ خوش اور ہلکی ہو جاتی ہیں اور یہ خیال کرتی ہیں کہ آج ہمارے سر سے بہت بڑے پہاڑ کا بوجھ اتر گیا، اسی بنا پر وہ حمد و ثنا بھی کرتی ہیں، ہاں دروغ گو، بے اطمینان، خائن طبیعتیں رنجیدہ ہوتی اور آہ واویلا کرتی ہیں ہم کو جو کچھ اس دار فانی میں عطا کیا گیا ہی وہ سب خداوند کریم کی امانت ہی، خصوصاً اولاد جن کی پرورش، تعلیم وغیرہ ہم پر لازم ہوتی ہی اور کمی کرنے کی صورت میں مواخذہ کا کھٹکا ہر وقت سر پر ہی، اس امانت کا رکھنے والا جب اپنی امانت کو واپس لے لیتا ہی تو ہم اگر رنجیدہ خاطر ہوں تو آپ ہی فرمائیں کہ خائن کہلانے کے مستحق ہونگے یا امانت دار اور کیا ہم عتاب کے مستحق ہوں گے یا ثواب کے؟

افسوس ہے کہ ہم کس شدید اور قبیح غلطی میں مبتلا ہیں، ہم امانتوں کو اپنی ملک اور کفران نعمت کو شکر اور احسان کو کفران سمجھ رہے ہیں، غرضکہ ہمارے لئے اولاد کے مرنے پر خوشی کا مقام تھا رنج کرنا سراسر غلطی اور قبیح ہے، امانت رکھنے والے نے جو امانت باقی رکھی ہے اسکی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اس کا اور جس امانت کو ہم سے واپس لیکر ہمارے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے اس کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔

(۳) بندہ اور غلام کا فرض یہ ہے کہ اپنے آقا کی خوشی اور اس رضا میں فنا ہو، دن رات یہی دھن رہنی چاہیئے، اور جس بات میں اس کا آقا خوش ہو اسی کی دن رات کوشش کرنی چاہیئے ورنہ برابری اور ہمسری کا دعویٰ شمار ہوگا، کسی اعتراض کو جگہ دینا یا دل کا غم آلود ہونا بندگی اور عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہے، پس جبکہ کسی بچے یا کسی نعمت کو آقا نے ہم سے لے لیا تو اس کے اس فعل سرتاپا حکمت پر صدمہ یا ناراضی کا اظہار ہونا نہایت زیادہ بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے، ہمارا فرض یہی ہے کہ دل اور زبان سے یہی کہیں ع

راضی ہیں ہم اس میں خدا جسمیں کہ ہو تیری رضا

ہم کو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کا مصائب کے وقت میں خاص طور سے اتباع کرنا ضروری ہے، انہوں نے اس وقت میں نہایت صبر و استقلال سے کام لیا ہے، آپ دونوں صاحبوں کو بھی یہی چاہیئے، ان اسلاف کرام کا اتباع باعث رحمت ہے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے فجر کے فرض اور سنت کے درمیان میں چالیس دفعہ سورہ فاتحہ اول و آخر درود شریف تین بار پڑھ لیا کریں۔ والسلام

از سلہٹ خلافت آفس ۹ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۹ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۹) ام سلمہ، زینب، رقیہ، کلثوم اور محمد کریم کے پیہم انتقال کے بعد محمد نعیم ۸ ماہ کا سیتاپور اسپتال میں پیدا ہوا، اور عدم سے عالم وجود میں آتے ہی ایک چیخ کے ساتھ اپنے بھائی بہنوں سے جا ملا، اسپتال میں یہ ۸ ماہ بیحد تکلیف اور پریشانی میں کاٹے گئے، گھر میں بیحد کمزور تھیں اور ہر وقت قلب بند ہو جانیکا خطرہ تھا، خود لیڈی ڈاکٹر انکی زندگی سے تقریباً مایوس ہو چکی تھی، بچہ کے مرنے سے انکی صحت پر اور زیادہ برا اثر پڑا ہے، میں نے انتہائی پریشانی میں حضرت مدفیوضہم کی خدمت میں عریضہ ارسال کی سلہٹ سے یہ صحیفہ گرامی شرف صدور لایا۔ احمد حسین لاہرپوری۔

# مکتوب نمبر ۳۰

محترما! آپ کا ارادہ حضوری حرمین شریفین اور قیام مدینہ منورہ زید شرفاً بہت ہی نیک فال اور مبارک امر ہے، کون مسلمان ہے جو ایسی مبارک بات پسند نہ کریگا، مگر ضروری ہے کہ انجام اور احوال پر غور کر لیا جائے، ہندوستان میں رہتے ہوئے شوق مدینہ منورہ میں بیقرار رہنا اور اسی عشق میں مرنا ہزار مرتبہ بہتر اس سے ہے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہندوستان کے لئے بیچینی ہو۔

میرے محترم! مدینہ منورہ میں بہت سی سختیاں پیش آتی ہیں، جن پر صبر کرنا مشکل ہوجاتا ہے، عالی ہمت اور مستقل الارادہ حضرات پھسل ..... جاتے ہیں، پھر عورتوں اور بچوں کا قائم رہنا نہایت ہی دشوار اور مشکل امر ہے، آج وہاں کی سختیوں کی یہ حالت ہے کہ پشتہا پشت سے وہاں کے باشندے دوسرے ملکوں میں مارے مارے پھرتے ہیں، آپ کی جائداد مقروض ہے اور پھر وہ قرضہ سودی ہے، اس کا ادا کرنا بہر حال نہایت ضروری ہے، اور جلد از جلد جس طرح بھی ممکن ہو عمل میں لانا چاہیئے، اور آیندہ عہد کر لینا چاہیئے کہ کیسی بھی ضرورت ہوگی قرضہ اور خصوصاً سودی قرضہ ہرگز نہ لوں گا، اس کے بعد اگر حج فرض ہے تو حج کے ادا کرنے کا ارادہ کیجیے، یعنی اگر جائداد کی آمدنی آپ اور آپ کے متعلقین کے سالانہ اخراجات سے زاید ہوتی ہے، یا آپ کے پاس اتنا نقد یا زاید سامان موجود ہے کہ جس سے مکہ معظمہ کا سفر ہو سکتا ہے تو زاید جائداد کو بیچکر یا زائد نقود کو لیکر حج کر آئیں، اور وہاں جاکر چند مہینہ قیام کر کے نشیب فراز پر غور کیجیے، احوال کو خوب سمجھ کر ملاحظہ کیجیے، پھر اگر ہمت پڑے تو وہاں جاکر قیام کا ارادہ کیجیے، پھر بھی ہجرت کی نیت مت کیجیے، مگر تمام جائداد کو بیچکر جانا یا متوکلانہ زندگی وہاں بسر کرنے کا خیال کرنا میری سمجھ سے باہر ہے: آپ بذات خود اگر ایسا یقین وایمان رکھتے ہیں کہ ذرا بھی قدم پھسل نہیں سکتا تو مجھکو ہرگز اطمینان نہیں کہ عورتیں اور بچے ایسا یقین رکھیں گے۔

ع کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجاورت مدینہ چھوڑ دیا، ہزاروں صحابہ کرام اور کروڑوں اولیاء اللہ غیر عرب میں ہوئے اور وہیں مرے، کیا ان کو عشق نبوی نہ تھا؟ کیا انکو ایمان اور غیرت ایمانی نہ تھی، وہاں رہنا فرض نہیں واجب نہیں، مقصود اصلی رضاء الٰہی ہے، جہاں بھی حاصل ہوجائے وہیں کارآمد ہے، اور اگر ہمارا مرقد حجرہ شریف مطہرہ میں ہو اور خدانخواستہ رضاء الٰہی اور مغفرت کا سامان نہ ہو تو وہ ذرہ برابر قابل اعتبار نہیں۔

میرے محترم! اس فضیلت یا سنت کو حاصل کرکے فرائض اور واجبات کو ترک کریں یا محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کریں، کس شریعت میں جائز ہے؟ لوگوں کی طرف ہاتھ پھیلانا، ریاستوں یا اہل دنیا سے قرض لینا، جائداد کو دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑنا وغیرہ امور کسی طرح بھی میری سمجھ ناقص میں نہیں آتے، نہ حیدرآباد میں مہتمم صاحبان سے کوئی امید ہوسکتی ہے اور نہ دوسرے رؤسا یا ارباب ہم سے کوئی فائدہ حاصل ہونا ممکن معلوم ہوتا ہے ؎

کعبہ است کوئے دلبر قبلہ است روئے دوست کعبہ چہ می روی چہ کشی رنج بادیہ

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ماں کی اطاعت و خدمت میں حضور گاہ نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ترک کردیتے ہیں، اور عشق وجذبہ نبوت کی واقعی داد دیتے ہیں، سید الاولیاء والاصفیا

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۰) ۱۳۴۷ھ میں مجھے نہایت جوش تھا کہ کسی طرح مدینہ منورہ زاد اللہ شرفاً وتعظیماً مع متعلقین حاضر ہوجاؤں، اور وہیں پر متوکلانہ زندگی بسر کروں میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ کل جائداد فروخت یا رہن کرکے میں ہندوستان سے ہجرت کرجاؤں، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شریف مکہ اور سلطان ابن سعود کی باہمی آویزش اور جنگ کی وجہ سے مدینہ منورہ کی آبادی ناقابل برداشت سختیاں برداشت کررہی تھی، اور وہاں کے باشندے دوسرے ملکوں کو ہجرت کررہے تھے، میں نے اپنے اس ارادہ کا اظہار حضرت دام اقبالہم کا ہم سے کیا، جس پر یہ صحیفہ برکت شرف صدور لایا، فقط احمد حسین لاہرپوری۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ قبیلہ مراد سے تھے، جو مذحج کی ایک شاخ ہے، عہد رسالت میں موجود

ہوتے ہیں، حضرت عمرؓ جیسے صحابی کو انسے دعا حاصل کرنیکا ارشاد ہوتا ہے، حالانکہ رویت نبوی سے ممتاز نہ ہوئے تھے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است	از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است

میرے محترم! خانہ کعبہ کی زیارت مقصود اور مقدم نہیں صاحب خانہ کی زیارت مقصود اور مقدم ہے اس میں کوشاں ہو جیئے ؎

ناز پروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست	عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

کوشش کیجئے اصلاح باطن میں دن رات صرف کیجئے، پھر دار و دیار کا بھی قصد کرلیجئے، وساوس میں مت پڑیئے، وقت اور عمر عزیز ضائع نہ کیجئے ؎

ہر نفس بہرت مسیحائیست چست	گر نداری پاس او از جہل تست

این چنین انفاس خوش ضائع مکن	غفلت اندر شہر جاں شائع مکن

من نکردم شما حذر بکنید۔	والسلام۔ از دیوبند، ۲۵ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱) تھے۔ اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت کی وجہ سے جو نابینا تھیں، دربار نبوی صلعم میں حاضر نہ ہوسکے، اس وجہ سے صحابیت کے رتبہ سے محروم رہے، لیکن باتفاق علماء اور صوفیۂ کرام انکا درجہ زہد اور تقویٰ کے لحاظ سے تابعین میں سب سے بڑھ کر ہے علقمہ کا بیان ہے کہ تابعین میں آٹھ اشخاص پر ہے اویس ہیں جنپر زہد منتہی ہوگیا، ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ اویس ثقہ ہیں گو ان سے کوئی حدیث مروی نہیں، لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اویس کو باصطلاح محدثین فی اسنادہ نظر کہکر مجروح کیا ہے امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ اویس سے تو کوئی روایت ہی نہیں کیا ہے جو ان کی ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی بحث اٹھائی جائے، اگر امام بخاری نے انکو ضعفاء میں نہ لکھا ہوتا تو میں قطعاً اس کا ذکر ہی نہ کرتا، کیونکہ وہ اولیاء صادقین میں سے ہیں، امام مالک وغیرہم حضرت اویس قرنی کے منکر ہیں، لیکن بقول امام ذہبی علم عدم علم پر مرجح ہے، ممکن ہے ان منکرین کو ان کی بابت علم نہ ہوا ہو، حالانکہ

# مکتوب نمبر ۳۱

ذکر جو کچھ کرتے ہیں برابر کرتے رہیئے، واقعہ یہ ہے کہ ذکر کرتے کرتے جب چھوڑ دیا جاتا ہے تو قلب میں ایسی قساوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد ذکر کرنے میں پہلی حالت زیادہ دنوں میں عود کرتی ہے، ہاں اگر انسان کے باطنی اجزاء ذکر سے پوری طرح رنگین ہو چکے ہوں تو پھر ترک کرنا مضر نہیں ہوتا، بلکہ وہ ترک نہیں ہو سکتا، دوسری بات یہ ہے کہ ذکر میں مختلف افکار و خیالات کا چھا جانا ذکر کی برکت اور اس کے اثر کو کم نہیں بلکہ بسا اوقات بالکل زائل کر دیتا ہے، اس لئے آپ کو استقلال کے ساتھ کاربند رہنا چاہیئے اور ذکر کرتے وقت

---

(بقیہ حاشیہ ص ۸۳) اثیر بن جابر کی روایت مسلم میں تین طرق سے مروی ہیں جو اویس کے وجود پر سب سے زبردست شہادت ہی ہر کیف بزرگوں سے دعا کی درخواست کرنا حتی کہ بڑوں کا چھوٹوں سے دعا کرانا عمدہ طریقہ ہے، اور بڑوں سے دعا کی درخواست کرنا تو عام بات ہے، اجابت دعا سب سے بڑی کرامت ہے مستجاب الدعوات بزرگوں کی ایک لمبی فہرست ہے جو انبیاء سابقین، اور اولیاء، صالحین گزر چکے ہیں انکے متعلق آنحضرت صلعم کے ارشادات کافی سے زیادہ موجود ہیں، توریت انجیل، زبور میں انکی حکایتیں موجود ہیں، البتہ ارباب سلوک اس امر میں مختلف ہو گئے ہیں کہ مصائب میں دعا کرنا بہتر ہے یا سکوت اور تفویض، ترجمان عوارف کا فیصلہ یہ ہے کہ مطلقاً ایک کو دوسرے پر ترجیح و مزیت حاصل نہیں البتہ یہ ہے کہ دعا کا بھی ایک زمانہ اور وقت ہوتا ہے، جو بہترین ہوتا ہے، اس وقت دعا کرنا چاہیئے مثلاً دل کے اندر خواہش اور رغبت صادق دعا کرنے کی طرف زیادہ ہو اور طبیعت میں شگفتگی اور انسیت دعا کیطرف سمجھی جائے، اور خاموشی کا بھی ایک وقت ہوتا ہے کہ اسوقت دعا کرنے کو جی نہیں چاہتا ہے مثلاً ایسے وقت میں جبکہ دل کے اندر خوف و ہراس اور انقباض محسوس ہو تو دعا کرنا ہی بہتر ہے لیکن حق یہ ہے کہ دعا کرنیکا حکم کتاب سنت میں اس وجہ سے کہ کرنا ہی اولیٰ اور افضل ہے سکوت کا کہیں حکم نہیں ہے، چنانچہ حضرت ابو حازم کا ارشاد ہے کہ دعا کا قبول نہ ہونا مجھکو زیادہ شاق نہیں جتنا کہ دعا کا نہ کرنا حرمان کا باعث ہے، دعا کے آداب و شرائط ہیں جو احادیث میں مروی اور کتب ادعیہ میں مرقوم ہیں، ان میں سے (باقی ص ۸۵ پر)

حتی الوسع حدیث نفس اور خیالات دنیا کو زائل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، خدا کو منظور ہے تو اثر ظاہر ہوگا، تاہم مقصود محض ذات الٰہی اور اس کی رضا ہونی چاہیئے کوئی لذت روحانی یا مرتبہ معنوی وغیرہ کا طلب کرنا درست نہیں، سب کو زیر کا کھینچنا چاہیئے۔ اور الا اللہ مقصد زیر نظر رکھنا چاہیئے ؎

یقین میداں کہ آں شاہ نکو نام　　بدست سر بریدہ می دہد جام

من جد وجد مشہور اور معتبر مقولہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ارشاد قرآن ہے۔　　والسلام

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ از دیوبند جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ

## مکتوب نمبر ۳۲

سلہٹ والوں کے پے در پے سخت تقاضوں نے مجبور کیا کہ میں رمضان المبارک یہاں کروں، چنانچہ یکم رمضان کو یہاں پہونچ گیا، انشاء اللہ العزیز شوال کی ۳ یا ۴ کو یا اسی کے قریب یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، ذکر پر مداومت کیجئے، لذت مطلوب اصلی نہیں ہے، . . . . . . . . . محض ذریعہ ہے۔ مطلوب اصلی محض اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸) صدق مقال اور اکل حلال اہم رکن ہے، دعا میں اختناہی افضل ہے حضرت مولانا تھانویؒ نے دعا اور تفویض میں عجیب انداز میں جمع فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ "تفویض کے یہ معنی نہیں کہ مانگے نہیں، بلکہ عزم یہ رکھے کہ مانگنے پر بھی نہ ملا تو اس پر راضی رہوں گا، ورنہ مانگنے کا امر نہ فرمایا جاتا"

(تجدید تصوف وسلوک صفحہ ۲۱)

اور اس کی رضا[۱] ہے، لطائف[۲] کا جاری ہونا مقصد اصلی نہیں، اگر منظور الٰہی ہے تو یہ اشیاء بھی حاصل ہو جائیں گی ؎

یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم    بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

ان اشیاء کا قصد کرنا بھی کہیں غیر کی طلب نہ ہو جائے، مداومت کے ساتھ دل لگا کر برابر ذکر جاری رکھیئے، اعتکاف نہایت عمدہ اور موکد سنت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سائل اور محتاج غلام اپنے آقا کے دروازہ پر اور اس کے گھر پر آپڑے، اور کہے کہ جب تک میری حاجت براری نہ ہو جائے گی میں اس در سے نہ جاؤں گا، کھانا، پینا، سونا

---

ف[۱] رضا کے معنی خوشنودی کے ہیں، اور ارباب تصوف کے نزدیک رنج و راحت میں بندہ کا اپنے خدا سے راضی رہنا اور اسکی مرضی پر سر تسلیم خم کر دینا، اسکا ماخذ قرآن مجید کی آیت "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" اور حدیث جابرؓ کہ جس میں قصۂ اشراف رب بر اہل جنت کا ذکر ہے، مشائخ عراق اور مشائخ خراسان میں اختلاف ہو گیا ہے کہ رضا، یا مقام ہے یا احوال جاننا چاہیئے کہ منازل سلوک کے طے کرنے کے بعد انسان کے اندر متعدد روحانی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں، جنکو تصوف کی اصطلاح میں مقامات اور احوال سے تعبیر کرتے ہیں پس اگر رذائل اوصاف ملکوتیت سے بدل جائیں اور ان میں ثبات و قرار نہ ہو تو انکو احوال اور اوقات سے موسوم کرتے ہیں، چنانچہ اہل خراسان رضا کو مقام کہتے ہیں اور اسی بنا پر رضا کو توکل کی انتہا کا نام دیتے ہیں، البتہ اہل عراق کہتے ہیں کہ رضا حالت کا نام ہے جو فعل بندہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص چیز ہے جو دل کے اندر آجاتی ہے، امام قشیری ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بدایت رضا فعل بندہ ہے، اور وہ مقامات میں سے ہے، اور اسکی انتہا جملہ احوال میں سے ہے جو مکتسب نہیں ہے، حضرت دقاق کا ارشاد ہے کہ بلا کا احساس نہ ہو اسی کا نام رضا ہے، حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ رضا زہد سے افضل ہے، اس لئے کہ زاہد راستہ میں ہے اور راضی پہونچا ہوا ہے، حضرت علیؓ کا ارشاد ہے "من جلس علی بساط الرضا لم ینلہ مکروہ" غرض اگر رضا فراق میں ہو تو وصال ترک کر دو۔

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق    ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

ف[۲] حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رہ نے لطائف پر بہت زور دیا ہے۔ (باقی ص ۸۷ پر)

چھوڑ کر دن و رات اسی کے در کا ہو جائے، ظاہر ہے کہ اس حالت میں آقائے کریم کے عظیم الشان الطاف اسکو مورد الطاف کیوں نہ بنائیں گے، غرضیکہ یہ مبارک عبادت سے گناہوں ہی کی ازالہ کیلئے کیا جاتا ہے، اس لئے گناہوں کی عظمت اور کثرت کی وجہ سے اسکو چھوڑ نا نہ چاہیئے بلکہ اور اس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، حقوق العباد کی معافی کے لئے بھی وسائل اس کے ذریعے سے طلب کرنی چاہیئے اور پھر اس سے توبہ میں جو ضروری امور ہیں ان کو انجام دینا چاہیئے۔ قرضہ اور وہ بھی سودی نہایت خطرناک اور مہلک چیز ہے، اس کی ادائیگی کے لئے جسقدر بھی ممکن ہو جلد از جلد علاج کیجئے۔ میں حسب ارشاد دعا کرتا ہوں اور کروں گا، اللہ تعالیٰ کوئی سبیل مفید پیدا کردے (مگر میں کیا اور میری دعا کیا) والسلام

از سلہٹ خلافت آفس، ۱۹ر رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۳۳

والانامہ عین انتظار میں پہونچا، عزیزم محمد امین سلمہ کی طرف سے فکر اور انتظار تھا، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے شفا بخشی، اللہ تعالیٰ عزیز مذکور کو اور دوسرے بچوں کو

(بقیہ حاشیہ ص ۸۶) لطیفہ کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ دقیق اشارہ سمجھ میں تو آئے لیکن عبارت اور الفاظ میں بیان نہ کیا جاسکے، جیسے علوم اذواق وغیرہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ کے نزدیک انسان ایک مجموعۂ اجزاء عشرہ یعنی اربعہ عناصر و نفس ناطقہ و قلب و روح و سر و خفی اور اخفی ہے، اور ان ہی کو لطائف عشرہ بھی کہتے ہیں، اربعہ عناصر عالم خلق کی چیزیں ہیں اور لطائف خمسہ یعنی قلب و روح و سر و خفی و اخفی عالم امر سے ہیں، اور جملہ قوائے انسانی انہی اجزاء سے مرکب ہیں اور یہ اجزاء اربعہ عناصر کیطرح ایکدوسرے کے ضد ہیں اور اسیطرح لطائف خمسہ بھی علیحدہ علیحدہ خاصیت رکھتے ہیں، سلوک مجددی میں بعض خلفاء لطائف پر زور دیتے ہیں اور بعض نہیں مشائخ چشتیہ اس سے کام نہیں لیتے، چنانچہ حضرت امام العصر امت برکاتہم کا بھی یہی مسلک ہے، لطائف کا جاری ہونا مقصد نہیں ہے بلکہ دیکھ کر خوب سمجھ لیا جائے

صحیح وسالم، طویل العمر، نیک وصالح کرے، آمین۔

محترم المقام! میں خود ہی ایک ننگ خلائق روسیاہ، ناکام، نامراد، سگِ دنیا ہوں مجھکو خود ہی اپنی حالتوں پر شرم آتی ہے، مجھکو کب سزاوار ہو کہ ان امور کا منتظر رہوں، جو کہ اہل اور اکابر کے شایان ہیں، آپ حضرات کا حسن ظن ہو کہ ایسے نالائق کی نسبت اچھا خیال رکھتے ہوئے انتہائے عقیدت کئے ہوئے ہیں، شاید انہی امور کی بنا پر فضل الٰہی شامل حال ہو جائے۔ علم جو کچھ ہے وہ بے سود عمل ہیں سو خراب ہے

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم  چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

رسوم و بدعات کی چیزوں کے متعلق اچھا ہی معلوم ہوتا ہو کہ احباب و اعزہ کو مطلع کر دیا جائے خواہ لوگ متکبر کہیں یا متواضع، ہاں انکے ساتھ میل جول، محبت اور خوش خلقی میں کمی نہ کیجائے۔ مگر اینکہ رشتہ داروں کے طعنے اور بدزبانی پر زیادہ تحمل کریں اور جہانتک بھی ممکن ہو قطع علائق اور سخت گوئی کو پاس نہ آنے دیں انکے مطاعن کو بنظر عفو دیکھیں۔

والسلام۔ ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ۔ از دیوبند ۱۱ر محرم الحرام ۱۳۴۹ھ

## مکتوب نمبر ۳۴

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ امر ہو اور اسی پر عمل ہونا چاہئے مگر جب مجبوری ہو تو میتہ، خنزیر، خمر بھی حلال ہو جاتے ہیں، ریلوے کے ٹکٹوں میں، بلدیوں میں، لگانوں میں، تجارتوں وغیرہ میں، کیا دار فنڈ نہیں رکھا گیا ہو، اسلئے جب کہ فی زمانا اسلحہ اشد ضروری ہیں، بدرجہ مجبوری کم سے کم مقدار دیجا سکتی ہے[۱]۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۰ر ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

---

[۱] اسلحہ کی تجدید کے وقت دار فنڈ وغیرہ میں کچھ رقم دینے کا جواز اس والا نامہ سے سمجھا جاتا ہے۔

# مکتوب نمبر ۳۵

آپ کی روانگی بمقصد مرادآباد اور پھر خبر وفات جناب مولوی منیرالدین صاحب تعلقدار دیوہ معلوم ہوئی، مرحوم کی تعزیت میں آپکا تشریف لیجانا ازبس ضروری تھا بہت اچھا کیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندون کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے آمین، آپ کے مرسلہ آم پہنچ گئے، میرے محترم! انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر خوش و خرم اور شاکر رہے، رضا بالقضا، اصولی مسئلہ ہے، یہ تو عبدیت کا تقاضا ہے اور منزل عشق میں تو رضاء محبوب میں عاشق کا فنا ہونا ازبس ضروری ہے، حافظ فرماتے ہیں ؎

فراق و وصل چہ خواہی رضاء دوست طلب

اسلئے کسی قسم کی پریشانی ہونی بالکل خلاف اصول ہے خصوصاً جبکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ ہمارا اور تمام عالم کا رب ہے، مربی جو کچھ کرتا ہے وہ برائے تربیت اور درپردہ بھلائی کے لئے کرتا ہے، اگرچہ پروردہ کو تکلیف ہو ؎۔

الا لا یجارن اخوا لبلیہ فللرحمٰن الطاف خفیہ

اس لئے آپ کو اور تمام احباب کو کسی قسم کی ہرگز پریشانی نہ ہونی چاہیئے۔ خصوصاً جب کہ فرمایا گیا ہے "اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل" آپ کو معلوم ہوگا کہ ۷ر جولائی اور ۲۰ر جولائی اور اسکے پہلے ۳۰ر جون کی تاریخوں میں استغاثہ اور اسکے گواہوں کی گواہی اور جرح میں اور پھر صفائی اور اس کے گواہوں کی گواہی اور جرح میں واقعات پیش ہوئے، ۲۳ر جولائی بحث کے لئے اور ۲۵ر جولائی ججمنٹ کے لئے مقرر ہوئی ہے۔ استقامت[ا] کے لئے دعا فرمائیے، اور اطمینان خاطر رکھئے مجھکو بفضلہ تعالیٰ۔ کچھ تکلیف نہیں اور

---

[ا] استقامت کے معنی سیدھا پن کے ہیں اور اصطلاح کتاب و سنت میں (باقی حاشیہ ص ۹۰ پر)

نیز احضرات متعلقین اور احباب، پرسان حال بالخصوص مولوی محمد میاں صاحب سے سلام مسنون عرض کر دیجئے، والسلام۔ یہاں آنے کا قصد نہ کیجئے۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

انڈوسٹرکٹ جیل، مرادآباد۔

۱۷ رجب ۱۳۶۱ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۸۹) دل سے اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا اور اسکی ربوبیت والٰہیت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور نہ اس اقرار و یقین سے مرتے دم تک ہٹنا، اور جو کچھ زبان سے کہدیا اس کے مقتضیٰ پر عملاً و اعتقاداً جمے رہنا، اور جو عمل کرنا خالص اللہ کی خوشنودی اور شکر گزاری کیلئے کرنا، غرض ماسوا سے منہ موڑ کر اسی کے ہو رہنا وغیرہ، اسی کا نام استقامت ہے، یہ دولت جس کو حاصل ہو جاتی ہے اللہ کے فرشتے دنیا و آخرت کی زندگی میں اس پر اترتے اور تسکین و شرح صدر کا باعث بنتے ہیں، آیت سورہ حم سجدہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا الخ کی تفسیر خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جس سے آیت مذکورہ کی اہمیت و ہمہ گیری پر روشنی پڑتی ہے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ خدا کا کسی کو شریک ذرہ برابر بھی نہ بنایا جائے، یہ معنی ہیں استقامت کے، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اوامر اور نواہی شرعیہ پر قایم ہو جانا ایت کی تفسیر ہے، حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہیں خدا کے لئے خالص طور پر عمل کرنا استقامت ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے، تمام فرائض کا ادا کرنا ثم استقاموا کی تفسیر ہے، صوفیہ میں ابو علی شبویؒ کا قول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ آپ کا ارشاد شیبتنی ھود وہ کونسی چیز ہے کہ جس نے آپ کو بوڑھا کر دیا، کیا انبیاء کے قصص اور امتوں کی ہلاکت و تباہی یا اور کچھ، آنحضرت نے فرمایا کہ یہ چیزیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا قول فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ۔ اسی لئے لوگوں نے فرمایا ہے کہ سوائے اکابر کے دوسرے کو استقامت کی طاقت نہیں، نصوص کتاب و سنت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہی استقامت موجب کرامت ہے، جس میں دوام ہو، قرآن میں وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَۃِ لَاَسْقَیْنٰھُمْ مَّآءً غَدَقًا فرمایا، سقیناھم نہیں فرمایا، جس کا۔ (باقی ص ۹۱ پر)

# مکتوب نمبر ۳۶

عزیزم محمد امین بھی بخیریت پہنچکر اپنی حالتوں سے والدین اور اعزہ کے لیئے باعثِ طمانیت ہوئے ہونگے، آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ سیشن نے پہلے فیصلہ کی منسوخی ہو کر صرف چند ماہ قید محض باقی رہ گئی، میں نے دوستوں کے مشورہ سے تخفیف مدت کیلئے مشقت بھی لے لی، جس میں خاص رعائتیں ہیں، اور امید ہے کہ ایک ماہ سے کچھ زیادہ تخفیف ہو جائیگی مگر فیصلہ سے پہلے ہی دفتر جیل میں دفعہ ۱۲۹ کا وارنٹ صرف اس احتمال پر آگیا تھا کہ کہیں جیل سے رہائی نہ ہو جائے، اور اب دفعہ ۲۶ بھی آگیا ہے، ع

دشمن اگر قوی ست مہرباں قوی تر است

جب سے نئی گرفتاریاں ہوئی ہیں، لوکل حکام نے ہماری ملاقات اور اخبار وغیرہ بند کر دیئے ہیں، باقی امور حسب سابق ہیں، بحمد اللہ نہایت اطمینان اور خوش و خرمی سے یہ دن بسر ہو رہے ہیں، اب اس وقت حافظ محمد ابراہیم صاحب مولانا حفظ الرحمان صاحب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی وغیرہ آٹھ حضرات یہاں موجود ہیں، کھانا ساتھ کھاتے ہیں، اب جیل

---

(بقیہ حاشیہ ص ۹۰) مفہوم یہ ہے کہ اگر جن اور انس حق کی سیدھی راہ پر برابر چلتے تو ہم ان کو ایمان و طاعت کی بدولت ظاہری و باطنی برکات سے سیراب کر دیتے۔ اسی بنا پر جوزجانیؒ فرماتے ہیں، کن صاحب الاستقامۃ لا طالب الکرامۃ فان نفسک متحرکۃ فی طلب الکرامۃ وربک یطالبک بالاستقامۃ - خلاصہ یہ کہ استقامت ایک ایسا درجہ ہے کہ جملہ امور اور تمام نیکیوں کا حصول کمال اور نظام اسی پر موقوف ہے، کیونکہ جو شخص اپنی حالت میں مستقیم نہیں اس کی سعی رائگاں اور کوشش ضائع اور وہ خائب و خاسر رہیگا، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ترقی نہیں کر سکیگا۔ الاستقامت خیر من الکرامت کتنی سچی بات ہے۔

حضرت امام العصر دامت برکاتہم کے مختصر لفظ استقامت کی یہ مختصر تشریح ہی، اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

جیل نہیں رہا، والحمد للہ، آپ کی حالت پر مجھے سخت افسوس ہے، ذکر پر مداومت تو درکنار احکام شرعیہ ضروریہ پر بھی آپ کی مداومت نہیں رہی، پنجگانہ جماعت کی پابندی نہیں فرماتے ہیں، نماز میں دل نہیں لگاتے، دنیاوی جھگڑوں میں منہمک رہتے ہیں، حقوق اللہ میں اس قدر بے پروائی اور کسلمندی ہے، اور حقوق العباد میں بہت زیادہ کوتاہی ہے، آپ کے ذمہ ارباب حصص اور رشتہ داروں کے بہت زیادہ حقوق ہیں ان میں برابر کوتاہیاں ہو رہی ہیں، آخر آپ کو اپنے انجام کی رستگاری کس طرح حاصل ہوگی؟ میں پہلے بھی بارہا متنبہ کر چکا ہوں اور عرض کر چکا ہوں کہ حقوق العباد نہایت زیادہ خوفناک ہیں، حقوق اللہ تو توبہ صادق سے معاف بھی ہو جاتے ہیں، مگر حقوق العباد توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے، رشتہ داروں پر صلہ رحمی اور احسانات تو آپ کیا کرتے، انکے حقوق واجبہ میں بھی آپ بہت زیادہ فروگذاشت کرتے رہتے ہیں، بلکہ ان کے عادی ہو گئے ہیں، رشتہ داروں کے خطوط، آپ کی شکایات اور حق تلفیوں سے بھرے ہوئے ہیں، رعایا پر ناجائز دباؤ وغیرہ سے تحریریں بھری ہوئی ہیں آخر آپ کو یوم یقوم الناس لرب العالمین میں کس طرح نجات حاصل ہو سکے گی، کوئی حجت دنیا کے حکام کے سامنے آپ کو نجات دلا دے، مگر عالم السر والخفایا سے کس طرح نجات دلا سکتی ہے، صلہ رحمی سے بے پروائی، ضعفاء اور کمزوروں پر تعدی کے مہلک نتائج دنیویہ اور اخرویہ مصائب لانے والے ہیں، ان سے خلاص کس طرح ہوگی، آپ کو اپنی حالت نہایت جلد درست کرنی چاہیئے، ورنہ عواقب نہایت برے ہیں، میں بارہا متنبہ کر چکا ہوں کہ دنیا میں جن پریشان کن حالات کا بار بار سامنا ہوتا رہتا ہے وہ ان فروگذاشتوں اور غلط کاریوں کے نتائج ہیں، جن کے آپ مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور متنبہ نہیں ہوتے مَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ جلد متنبہ ہوجئے اور اپنی غلط کاریوں کو چھوڑتے ہوئے رشتہ داروں اور ارباب حصص کو راضی کیجئے، مظلوم کی بددعا میں اور اللہ تعالیٰ میں حجاب نہیں ہوتا، جناب رسول اللہ صلعم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ

کومین کا گورنر بنا کر رخصت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہا وبین اللہ حجاب" یہ بد دعائیں توپ کے گولوں اور ٹینک اور مشین گنوں کی گولیوں سے زیادہ ضرر رساں اور مہلک ہیں، جاگیے اور تیاری کیجیے۔ خداوند کریم ہم کو اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنے غصہ اور غضب سے بچائے۔ والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۳۰ر شعبان ۱۳۶۱ھ

---

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۶) حضرت مولانا دامت برکاتہم نے اپنے ان متعدد والا ناموں میں جو مولانا احمد حسین صاحب لاہرپوری کو لکھے ہیں حقوق العباد پر سخت زور دیا ہے، اور بلا خوف لومۃ لائم دو ٹوک فیصلہ فرمایا، اور خیر خواہی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، واقعہ یہ ہے کہ آجکل نماز بھی پڑھی جاتی ہے تسبیح و وظائف میں بھی کمی نہیں کیجاتی ہے، لیکن جہانتک معاملہ اور حق العباد کا تعلق ہے اسکو نہ تو ادا کیا جاتا ہے اور نہ معاف کرایا جاتا ہے۔ حالانکہ کتاب و سنت میں حقوق العباد کو تمام حقوق اور واجبات پر اہمیت دی ہے اور جس کے نتائج دنیا میں بھی سامنے آتے رہتے ہیں، مگر بوجہ غفلت تنبہ نہیں ہوتا ہے، عربی کا ایک فقرہ ہے۔ یعرف الناس بالمعاملۃ مطلب یہ ہے کہ جس کے معاملات صاف ہوتے ہیں ہر چیز سدھر جاتی ہے، اور آدمیت و انسانیت صحیح طور پر سامنے آجاتی ہے، ارباب سلوک اور تصوف نے حق العباد پر خصوصی توجہ فرمائی ہے، حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎ مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست حقوق العباد کا ایجابی پہلو خدمت خلق اور سلبی پہلو مردم آزاری ہے جو زیادہ تر حقوق العباد ہی سے متعلق ہے، بقول حضرت امام العصر مدظلہم کی آہیں اور بد دعائیں توپ، ٹینک اور مشین گنوں سے زیادہ ضرر رساں ہوتی ہیں۔ اللہ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلائے اور حق تلفی سے بچائے، آمین۔ سچ فرمایا حضرت سید سلیمان صاحب ندویؒ نے: "اس زمانہ قحط الرجال میں جو جنس سب سے زیادہ کمیاب ہے وہ اتقیا اور صلحا کا وجود ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو علماء کا فریضہ تھا وہ مسامحت اور مداہنت میں بدلتا جاتا ہے، ہم برائیاں دیکھتے ہیں بدعات روز مرہ نظر سے گذرتی ہیں (باقی ص ۹۴ پر)

# مکتوب نمبر ۳۷

والا نامہ ۲۰ رجمادی الاول و ۲۳ ر دونوں ایک ہی وقت میں بتاریخ ۲۶ رجمادی الاول موصول ہوا ہے، مولانا محمد میاں صاحب مرحوم کے انتقال سے صدمہ ہوا اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور اپنی رحمت خاصہ اور رضوان سے نوازے۔ آمین پسماندوں کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، ان کی جاری کردہ خیرات دائمہ یعنی مدرسہ تجوید القرآن کی آبیاری اور اسکی ترقی اب آپ کے ذمہ ہے، جہانتک ممکن ہو اسکو بڑھائیے مرحوم کے لئے اور آپ کے لئے یہ بہت بڑی نعمت اخروی ہوگی، نیز مسلمانوں کی جہالت اور بیدینی کے دور ہونے کا ذریعہ قویہ ہوگا، بچوں کی تجوید اور قرآن کی تعلیم کے ساتھ کچھ دینی اور لکھنے پڑھنے کی بھی تعلیم ابتدائی جاری رکھنی چاہیے، تعلیم الاسلام حصہ اول و دوم و سوم و چہارم مصنفہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اس کے لئے بہت مفید ہیں، ترجمہ قرآن شریف بہت ضروری اور مفید ہے، مگر وہ بڑی عمر والوں کے لئے کارآمد اور ضروری ہے، اللہ تعالیٰ امین سلمہٗ کو اس قابل بنا دے تو انشاء اللہ وہ آپ کے خاندان کے لئے اور مسلمانوں کے لئے چمکتا ہوا

(بقیہ حاشیہ ص ۹۳) مگر سوسائٹی کی تاثیر کبھی مصلحت کا خیال، کبھی بڑوں کی بڑائی اور اکثر حُبِّ جاہ اور طمع دنیا کلمۂ حق کے اظہار سے باز رکھتا ہے، اور یہ ہمارے علماء و صوفیہ کی وہ کمی ہے جس سے بہت کم لوگ محفوظ ہیں۔ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِی۔ ایسے وقت میں اگر ہمارے درمیان کوئی ایسی ہستی موجود ہو تو وہ خدا کی سب سے بڑی نعمت ہوگی؛ حضرت امام العصر کا وجود العلماء ورثۃ الانبیاء کا صحیح مصداق ہے۔ خلاصہ یہ کہ سلوک میں قدم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سب گناہوں سے توبہ کیجائے۔ اور اگر اس کے ذمہ لوگوں کے حقوق ہیں تو ان کو ادا کرنے کی فکر میں لگ جائے، یا حق والوں سے معاف کرائے، کیونکہ بدون اس کے کہ حق والوں کے حق سے سبکدوش ہو، اگر عمر بھر محنت و مشقت کریگا ہرگز ہرگز اللہ تک نہ پہنچے گا۔

(تقصد سبیل)

ستارہ ہوگا، آپ نے ہزاروں روپے برباد کر کے جن رشتہ دار بچوں کو طاغوت اکبر بنایا ہے ان کے نفع کو اور اس بچہ کے نفع کو آخرت میں موازنہ فرمایئے گا، آج تو غیب کے پردے پڑے ہوئے ہیں، کل کو جب یہ پردے اٹھ جائیں گے تو حقیقت معلوم ہوگی۔

ذکر میں کوتاہی نہ فرمائیں، اگر ہو سکے تو ان آفات سے تحفظ کے لئے روزانہ درود تنجینا[1] ستر مرتبہ پڑھا کریں۔

والسلام

۶ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ۔ دعا گوئے قدیم

چراغ محمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۳۸

والا نامہ مورخہ ۷ ذی الحجہ مجھکو سلہٹ میں ملا، واقعہ یہ ہے کہ اسفار کی کثرت جن کو میں مجبور ہو کر کر رہا ہوں، اور عدیم الفرصتی جو انتہائی درجہ کو پہونچی ہوئی ہے، اور طبعی کسل جس سے سخت عاجز ہوں، یہ امور جس طرح مجھکو اپنی اصلاح اور خبر گیری سے مانع ہیں، اسی طرح کرم فرماؤں کے خطوط کے جوابات سے بھی مانع ہیں، مدرسہ تجوید لاہرپور کے متعلق جو احوال جناب نے درج فرمائے ہیں، نہایت افسوسناک ہیں، کسی مدرس تجوید کے متعلق کوئی تجویز دیوبند ہی پہونچ کر کر سکتا ہوں، میں وہاں پہونچکر اولین فرصت میں اس کام کو انجام دینے کی کوشش انشاء اللہ کروں گا۔ آپ کی بیماری اور میڈیکل کالج سے ناکام واپسی اور اطباء کی علاجی جدوجہد کی عدم افادت سے صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ شفاء عاجل عطا فرمائے

---

[1] درود تنجینا یہ ہے:۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُنْجِيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

آمین - مقدمات کی حالت سے بہت زیادہ افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے، آمین۔ اس میں کامیابی کے لیے جو اوراد بتائے گئے تھے افسوس کہ آپ نے انکو چھوڑ دیا۔

آپ کا ۲۰ ذیقعدہ کا والانامہ جس کو آپ نے ہسپتال سے لکھا تھا، پہنچا تھا، مگر عدیم الفرصتی کی بنا پر جواب نہ دے سکا - یہ بات بالکل غلط ہے کہ علم حدیث کی تدوین تین صدی کے بعد ہوئی، علم حدیث کی تدوین تو آنحضرت علیہ السلام ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی تھی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو آپ نے احادیث کے لکھنے کی اجازت دیدی تھی وہ لکھا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ احادیث نبویہ کا حافظ کوئی دوسرا بجز عبداللہ بن عمرو بن العاص نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا (بخاری)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجۃ الوداع میں منیٰ میں اپنا نہایت جامع اور فصیح خطبہ پڑھا، جس میں اجمالاً تمام شرائع اسلامیہ کو ذکر کیا گیا تھا تو ابو شاہ نے اس کے لکھوا دینے کی استدعا کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس کو لکھ دو۔ (بخاری)

زکوٰۃ حیوانات اور نقود وغیرہ کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیلات اپنے عاملوں کو لکھوا کر دیں، جو کہ کتاب ابن حزم وغیرہ کے نام سے مشہور ہے، دیت کی اقسام اور ان میں اونٹوں کی عمریں وغیرہ درج ہیں، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا آپ کے پاس کتاب اللہ کے علاوہ کوئی چیز جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے موجود ہے؟ فرمایا کہ نہیں، مگر جو کاغذ ہماری تلوار کے میان میں موجود ہے پوچھا گیا اس میں کیا ہے، کہا دیت کے اونٹوں کی عمریں اور احکام اہل ذمہ وغیرہ - (بخاری)

غرضیکہ تسوید احادیث زمانہ نبوی علیہ السلام میں شروع ہو گئی تھی، جو کہ صحابہ کرام کی توجہ سے ترقی پذیر ہوتی رہی، (اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کو منضبط کر دینے کی بنا پر پورے اطمینان اور وثوق کے ساتھ اس پر توجہ ہو گئی) مگر یہ تحریر میں محض یادداشت اور

مسود کے طور پر یقین کوئی ترتیب نہ تھی، اسلام کی نشر و اشاعت کی معروفیت، اشتغال بالجہاد کی شدید اہمیت کی بنا پر صحابہ کرام نے اپنے اپنے حافظہ پر اعتماد کر رکھا تھا، مگر اسی تا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تابعین میں اہل قلم اور اہل حفظ ایسے ایسے نشو و نما پا جاتے ہیں، جنھوں نے ان متفرق مسودوں کو محفوظ فی الصدور احادیث کو ابواب پر ترتیب دینا اور بڑے بڑے دفاتر تیار کرنا شروع کر دیا تھا، ابن شہاب زہری اور محمد ابن ابی بکر بن حزم اور ان کے ہمعصر بڑے بڑے ائمہ تابعین ہر ہر مرکز میں بکثرت موجود ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا زمانہ خلافت سو ہجری ہے، یعنی بعد وفات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نوے برس پر، انہوں نے بہت سے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا تھا، بہت بڑے علامہ جلیل القدر خلیفہ راشد ہیں، انھوں نے اپنے عہد خلافت میں نشر و اشاعت حدیث کا نہایت عظیم الشان اور غیر معمولی انتظام کیا، ان کے زمانہ خلافت میں علم حدیث کی بے بہا ترقی ہوئی اور اسوقت سے علم حدیث کی تدوین کتابوں کی صورت میں شروع ہو گئی۔

امام مالک رحمۃ اللہ کی جو کہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، محمد بن اسحٰق اور واقدی وغیرہ کی کتاب المغازی ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق کی ضخیم ضخیم تصنیفات نہایت کثرت سے نقہ اور حدیث میں کی گئی، امام محمد رحمۃ اللہ کی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف بھی اسی زمانہ کی ہیں، جن میں فقہ کے ساتھ احادیث بکثرت مذکور ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مؤطا اور کتاب الآثار اور سیر کبیر و سیر صغیر مبسوط وغیرہ کتب ظاہر الروایت ملاحظہ فرمایئے اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، نیز سفیان ثوریؒ، اعمش، طبریؒ وغیرہ نے نہایت بڑی بڑی کتابیں لکھیں، ہاں ان کتابوں میں یہ بات ضروری تھی کہ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور فتاوی بھی بکثرت ہوتے تھے فقہی استخراجات اور استدلالات بھی ہوتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الام اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی امالی وغیرہ

ایسے مضامین سے بھری ہوئی ہیں ان حضرات نے سن ایک سو ہجری کے بعد عموماً ابتدائی صدی میں یہ ذخائر جمع کردیئے ہیں، پھر اسی دوسری صدی کا آخری زمانہ آتا ہے جس میں ایسے بڑے بڑے اولوالعزم حضرات پیدا ہوجاتے ہیں جو کہ ان سابقہ مولفات کو چھانٹتے ہیں اور فقط صحیح اور مرفوع احادیث کو جمع کرتے ہیں۔

امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، امام احمد بن حنبلؒ ان سے بہت پہلے پیدا ہوئے امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح مشہور کتاب تصنیف کی امام احمدؒ انکے استاد ہیں، انہوں نے اپنے مسند کو خاص طور پر ترتیب دیا، اور اسی دوسری صدی کے آخری زمانہ میں امام طحاویؒ، علی ابن المدینیؒ، ابن معینؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، دارمی وغیرہ ہیں جن کی تصانیف کثرت سے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ تدوین حدیث کا ابتدائی دور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی حسب الحکم شروع ہوجاتا ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کی ترتیب کے بعد اس میں ترقی ہوجاتی ہے، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں عام طور پر تسوید اور ترتیب ابواب جاری ہوگئی، اور روز افزوں ترقی کے ساتھ آخیر صدی تک میں بڑی بڑی کتابیں مرتب اور مہذب ہوکر وجود میں آگئیں، ہر حدیث کے معلم کے یہاں املا کا طریقہ جاری تھا، ان محدثین کی جو کہ پہلی ہی صدی اور زمانہ صحابہ کرام میں مشہور بالروایت اور تدریس حدیث ہیں، تاریخ میں ملاحظہ فرمایئے اصرف یہی طریقہ نہیں تھا کہ احادیث مجمع تحدیث میں سنادی جائے اور ان کی تفسیر کردی جائے، بلکہ عموماً قلم دوات اور کاغذ ہر طالب علم کے پاس ہوتا، استاد کی مرویات کا ایک ضخیم خزانہ جمع ہوجاتا تھا جس کی یادگار معجمات ہیں معجم صغیر وکبیر و اوسط طبرانی کی اسی کی یادگار ہیں۔ ہاں ان معجمات میں استاد کی جملہ روایات رطب و یابس لکھی جاتی تھیں، امام مالکؒ نے اولاً یہ قدم اٹھایا کہ ان روایات کی چھان پھٹک اور کانٹ چھانٹ کی اور اسی وجہ سے انکی کتاب موطا وظیفہ محدثین میں بہت زیادہ مقبول ہوئی، اور عام شہرہ ہوگیا کہ اصح الکتب تحت ادیم السماء بعد کتاب اللہ الموطا) مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بنا پر کہ اس

میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال اور فتاویٰ اور تابعین کے اقوال بکثرت درج ہیں اور اس وجہ سے کہ اس میں عموماً روایات حفاظ مدینہ منورہ کی ہی پائی جاتی ہیں، دوسری تصنیف کی ضرورت سمجھی، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ ظہور پذیر ہوئیں، جو کہ تیسری صدی کی ابتدائی یادگار ہیں، بہرحال یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ تدوین حدیث تیسری صدی کے بعد ہوئی۔

## علم حدیث کی تعریف

۱۔ علم حدیث کی تعریف حسب ذیل ہے "علم یعرف بہ احوال ما نسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولاً و فعلاً او تقریراً او صفۃ" علم حدیث وہ علم ہے جس سے ان چیزوں کے احوال معلوم ہوتے ہیں، جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی گئی ہوں بطور قول کے یا فعل کے یا تقریر کے یا صفت کے، یہی تعریف راجح اور قوی ہے بعض حضرات نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی داخل کیا ہے، اور ان کے اقوال افعال کو بھی حدیث میں شمار کیا ہے، مادی صاحب کی تعریف اس قول پر ہے۔

۲۔ جبکہ قرآن شریف میں وارد ہے، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (سورۂ نجم) إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (سورہ قیامہ) تو پھر اس میں دارمی وغیرہ کی روایت کی کیا حاجت ہے کہ حدیث کے وحی ہونے میں اس کو تلاش کیا جائے اور اس کی صحت وسقم سے بحث ہو، جو کچھ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از قسم تفسیر کلام اللہ اور از قسم دینیات ارشاد فرمائیں گے۔ وہ سب وحی ہے، ہاں بعض وحی اس قسم کی ہے کہ جسکے الفاظ بھی القا فرمائے گئے ہیں، اور بعض وہ ہے جس کے معنی القا کئے گئے، اور الفاظ میں اختیار دیا گیا ان معنی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، پھر وہ الفاظ دو قسم کے ہیں، بعض وہ ہیں جن کی نسبت جناب باری عز اسمہ کی طرف ہے، اور اکثر وہ ہیں جنکی جناب باری عز و جل کی طرف نہیں، اول الذکر قرآن ہے، ثانی حدیث قدسی ہے۔ ثالث

عام حدیث قولیہ ہیں، سب واجب التسلیم ہیں، مگر فرق ثبوت کے درجات میں ہے، قرآن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتراً منقول ہے، یعنی اس کو نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اسقدر نفوس کثیرہ رہے ہیں جنمیں جھوٹ بولنے یا غلطی کرنے کا احتمال باقی نہیں رہتا، اس لئے اس کا منکر کافر ہے، اور اس کو ماننا عقلاً و نقلاً ضروری ہے، اور احادیث خواہ قدسیہ ہوں یا غیر قدسیہ ان کے نقل کرنے والے اتنے کثیر نفوس نہیں ہیں، اس لئے ان میں احتمال جھوٹ یا غلطی کا آتا ہے، اسلئے قطعی الثبوت ہونگی اور ان کا منکر کافر نہ ہوگا۔ یہ تو فرق ہمارے لئے ہے صحابہ کے لئے نہیں، ان کے لئے قرآن، اور ارشادات نبویہ سب قطعی الثبوت ہیں، وہ اگر ایک حدیث کے بھی سننے کے بعد منکر ہوں تو کفر لازم ہو جائے گا۔

پھر اگر ایسے لوگ ناقل اور راوی ہیں جن کے احوال ایسے پاکیزہ اور عمدہ ہیں جن سے جھوٹ کا احتمال بالکل جھوٹ جاتا ہے، تو غلبہ ظن سچائی اور واقعیت ثبوت کے پیدا ہو جانے کی بنا پر اس حدیث کو مقبول اور صحیح یا حسن کہا جاتا ہے، اور اگر ان کے احوال ایسے نہیں ہیں تو حدیث ضعیف یا مردود قرار دیجاتی ہے پھر اگر بہت سی احادیث ہم معنی متواتر طریقہ پر ہوں اگرچہ الفاظ میں تواتر نہ پایا جاتا ہو تو اس حدیث کو متواتر بالمعنی کہا جاتا ہے۔ عذاب قبر وغیرہ کی روایت ایسے ہی ہیں انہیں میں سے اعداد رکعت وغیرہ کی روایات ہیں، ان پر ایمان لانا واجب ہوگا، اور انکار کفر ہوگا، اگرچہ الفاظ کا انکار ایسا درجہ نہ رکھے گا۔

جو ارشادات نبویہ حسب عادت بشری ہوں، ان کا تعلق دینیات اور تفسیر کلام اور تبلیغ عن اللہ سے نہ ہو جیسے روزمرہ کے بشری کاروبار دنیاویہ وغیرہ میں کلمات ہوتے رہتے ہیں، ان کا تعلق وحی سے نہ ہوگا، وہ حسب طبیعت بشریہ مثل دیگر بشر آپ سے صادر ہونگے انہیں کو کھجور کے متعلق والی حدیث میں ارشاد فرمایا گیا انتما علم بامور دنیا کم الخ۔

ہر حدیث کی وحی کے لئے نزول جبرئیل علیہ السلام ضروری نہیں وحی کے اقسام آٹھ یا نو ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہیں، الہام اور کشف بھی وحی ہے، ان کے دل میں کوئی بات من جانب اللہ آجاتی جس کو ان کو تبلادیا جائے کہ من جانب اللہ ہو وحی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس وقت ریل میں جلدی میں یہ تحریر لکھ سکا ہوں، بہت سے خطوط کے جوابات میں اسکی وجہ سے حرج ہوا ہے، اگر کافی ہو فبہا، اگر اس پر کوئی شبہ ہو تو لکھیں، بوقت فرصت اس کے لئے بھی کچھ عرض کرسکوں گا۔

گھر میں اور دیگر متعلقین اور احباب پرسان حال سے سلام مسنون عرض کردیں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۶) ذہانت و حافظہ خدا کی بخشی ہوئی دو قوتیں ہیں جن پر تاریخ ہمیشہ ناز کرے گی، چنانچہ ہر صدی میں بزرگان دین و پرستاران اسلام عدیم النظیر دل و دماغ، حافظہ و ذہانت کے مالک تھے، اور آج تک قوت حافظہ کی شہادتیں نہ صرف اپنے بلکہ غیر دینے پر مجبور ہیں، حضرت امام العصر مدظلہٗ العالی کے دماغ اور سر کی ساخت سے فرینالوجسٹ کو اسقدر معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ میں غیر معمولی عقل و فہمیدگی اور حافظہ کی قوتیں موجود ہیں، جن لوگوں کو آپ کے مواعظ اور تقریروں میں شرکت کا اتفاق ہوا ہے وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس بحر بیکراں کے علم سینہ کے سامنے علم سفینہ کی کوئی حقیقت نہیں، مذہبی معلومات کا تو کہنا ہی کیا؟ اقتصادیات اور سیاسیات میں کون ہے جو زبان کھول سکتا ہے، مسٹر گوکھلے آنجہانی کے بیانات کو جنہوں نے سنا اور پڑھا ہے وہ حضرت امام العصر کی وسیع معلومات کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے معاشیات جیسے خشک موضوع پر محض اپنے حافظہ کی مدد سے گھنٹوں بولتے رہنا، سن وار بحث کرنا صرف آپکا ہی کارنامہ ہے، یوں تو آج ہر طفل دبستاں جس کو ایک بات بھی پیغمبر صلعم کی مع سند یاد نہیں وہ آج امام بخاری اپنے کو کم سمجھنے پر خوش نہیں، حالانکہ حدیث کا پڑھا دینا اور بات ہے اور فن حدیث کا جاننا۔ (باقی ص ۱۰۲ پر)

# مکتوب نمبر ۳۹

جو شغل آپ کو تعلیم کیا گیا ہے اس کو پاس انفاس کہتے ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی سانس آمدنی ورفتنی ذکر خداوندی سے خالی نہ ہو، اور اس کے ساتھ ذکر قلبی کا بھی رابطہ حاصل ہو، جو اوقات صبح و شام اس کیلئے مقرر کئے گئے ہیں وہ محض مشق کرنے کی غرض سے ہیں، انسان کوئی کام خواہ دنیاوی ہو یا دینی جسمانی ہو یا روحانی جب شروع کرتا ہے طبیعت بوجہ عدم عادت اس سے گھبراتی اور الجھتی ہے پھر آہستہ آہستہ اس سے مناسبت پیدا ہوتی رہتی ہے، اور آخر کار اس سے الفت پیدا ہو کر طبیعت ثانیہ کا ظہور ہو جاتا ہے، استقلال اور ثبات سب سے زیادہ ضروری امر ہے، خس و خاشاک پر نظر ڈالنے سے بچنا ضروری ہے، اس ذکر کو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، ہر وقت جاری رکھنا چاہیئے، صبح و شام خصوصاً خلوت کے اوقات میں اس خیال تعلیم کردہ کے جمانے اور اس ذکر کے مشق کرنے کی ضرورت ہے، اگر شام کو بوجہ اشغال دنیاویہ فرصت نہ ہو تو صبح ہی کو اس کا انتظام رکھیئے، مگر حتی الوسع ناغہ نہ ہونا چاہیئے، جو سابقہ اوراد ہیں انکو بالفعل ترک کیجئے، فقط تسبیحات چہارگانہ اور درود شریف و استغفار

---

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۱) بدون خداداد حافظ و فراست ایمانی کے ناممکن اور محال ہے، مشتے نمونہ از خروارے، کے طور پر صرف اسی ایک خط کو جو تاریخ تدوین حدیث وغیرہ خالص علمی مباحث پر مشتمل ہے غور کرنا چاہیئے، سفر میں ٹرین پر قلم برداشتہ ایسی تحقیق چند منٹوں میں دنیا کے سامنے رکھدینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ وہی کر سکتا ہے جو واقعی محدث ہو، اور غیر معمولی تبحر رکھتا ہو۔ ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اس مکتوب گرامی سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ تدوین و تحریر احادیث آنحضرت صلعم کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی، مگر تحریریں محض یادداشت اور مسودہ کے طور پر تھیں، کوئی ترتیب نہ تھی، صحابۂ کرام مشغولیت جہاد اور اشاعت اسلام وغیرہ کی بنا پر اپنے حافظہ پر اعتماد رکھتے تھے، (باقی حاشیہ ص ۱۰۳ پر)

ایک ایک تسبیح روزانہ عمل میں رکھیئے، قرآن شریف روزانہ ایک پارہ پڑھ لینا اگرچہ بلامعنی ہو مفید ہے، دوا کی تاثیر خواہ معلوم ہو یا غیر معلوم نفع ضرور ہوتا ہے، اگر ان اوراد مذکور سابقہ اور تلاوت[ل] کی بھی فرصت نہ ہو تو ان کا ترک کر دینا مضائقہ نہیں رکھتا، مگر ذکر مذکور کے اجرا و انہماک میں کوتاہی ہرگز نہ کریں، اور معنی ھُوَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ " کا متخیلہ میں حسب تعلیم قائم رکھیں۔ استغفار یہ تھا" استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ " درود شریف یہ ہے اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ و بارک وسلم کما تحب و ترضی عدد ما تحب و ترضی "

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۲) بعد کو تابعین نے ابواب کے تحت احادیث نبویہ کو مرتب کرنے کی طرح ڈالی، اور محدثین کرام نے الفاظ اور مجتہدین عظام نے معنی کیطرف توجہ فرمائی، اور اس قطرہ کو دریا بنا دیا، آج دنیائے تحقیق ان بزرگوں کی مصوری پر حیران ہے، لہٰذا یہ خیال بالکل غلط کہ تدوین و تحریر احادیث دوسری یا تیسری صدی کے بعد ہوئی، خوب سمجھ لیا جائے۔

علم حدیث کی تعریف میں (۱) و (۲) کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید جناب رسول اللہ صلعم سے تواتراً منقول ہے۔ اسلیئے اس کا منکر عقلاً و شرعاً کافر ہوگا، احادیث خواہ قدسیہ ہوں یا غیر قدسیہ قطعی الثبوت نہ ہونگی، اور ان کا منکر کافر نہ ہوگا، یہ فرق ہمارے لئے اصولاً ہوتا ہے، البتہ صحابہ کرام کیلئے قرآن اور ارشادات نبویہ سب قطعی الثبوت ہیں، مدارج احادیث میں مفصل موجود ہیں، ہاں جو ارشادات نبوی حسب عادت بشری ہوں ان کا تعلق دینیات، تفسیر، کلام اللہ اور تبلیغ سے نہ ہو نہ وہ وحی ہونگے اور نہ واجب العمل بلکہ انکی حیثیت روزمرہ کے بشری اور دنیاوی کاروبار کی ہوگی اور دوسرے انسانوں کی طرح آپ سے بھی صادر ہوں گے، جیسے تابیر کھجور کا واقعہ اور آپ کا فرمانا کہ "تم اپنی دنیا کے کاموں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو"۔

[ل] کسی کو دھوکہ نہ ہو کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے مکتوب ہذا میں یہ کیسے تحریر فرما دیا کہ تلاوت کی بھی فرصت نہ ہو تو ان کا ترک کر دینا مضائقہ نہیں رکھتا، مگر (باقی حاشیہ ص ۱۰۴ پر)

ہر چند سالک[۱] کو ذکر کی کیفیات اور یہ کہ وہ کس طریق کا ہے پوچھنا نہ چاہیئے مراض کو دوا کا استعمال ضروری ہے، اس کی کیفیت وغیرہ سے سوال کرنا لایعنی امر ہے، تاہم اس امر کے ظاہر کرنے میں کوئی بخل نہیں ہے، شغل طریقہ چشتیہ قادریہ کا ہے، آپ کام میں مشغول ہوں، سوائے ذات خداوندی کسی چیز کی ہوس نہ ہونی چاہیئے۔

دنیا و آخرت را بگذار حق طلب کن — کین ہر دو تو لیاں را من خوب می شناسم

جس سے تعلق ہو محض خدا کی وجہ سے اور جس سے نفرت ہو محض اسی کی وجہ سے قول کم ہو حال زیادہ ہو۔ پرسان حال سے سلام کہدیں۔ والسلام

حسین احمد غفرلہ

مورخہ ۲۷ر اکتوبر۔ از دہلی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۳) ذکر مذکور کے اجرا، دانہماک میں، کوتاہی ہرگز نہ کریں، کیا قرآن کی تلاوت ذکر نہیں ہے، پھر ذکر کے اور کیا معنی؟ سو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں ذکر سے مقصود محض مذکور کی قلبی یادداشت کے ہیں، جس کے مختلف مدارج ہیں، (۱) اللہ کے نام کا یاد کرنا (۲) بواسطہ نام کے ذات کو یاد کرنا (۳) یہ کہ نام کا بھی واسطہ نہ رہے، ذات ہی کی یاد پر قادر ہو جائے، لفظ ذکر نفی میں امراض کے علاج کیجانب بھی اشارہ ہے، یعنی بدون اصلاح حال کے جو ذکر کرتا ہے گویا وہ ذکر نہیں۔

[۱] اس مکتوب گرامی میں حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے ایک لفظ سالک کا ارشاد فرمایا ہے، ہم جلد دوم کے مقدمہ میں مقامات سلوک کی کچھ توضیح کریں گے، یہاں لفظ سالک بتانا چاہتے ہیں صوفیہ کی اصطلاح میں سالک وہ ہے جو خدا کی نزدیکی ڈھونڈھ جائے اور عقل معاش بھی رکھتا ہو یا بالفاظ دیگر سالک وہ ہی جو بغیر علم و تصور اپنے حال سے مقام کو طے کر رہا ہو، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کے دل میں ایک پرزور اور غیر مسخر جذبہ وصال یا ان کے حصول کا پیدا ہو جائے اور وہ صرف اس تصدیق و یقین پر قانع نہ رہجائے جو وراثت میں ملا ہے، یا منطقی اور عقلی دلائل کے پلٹے چوبین پر کھڑا ہے، روح کی صلاحیت اور نفس کی استعداد کے اعتبار سے بہ رغبت انسان کے (باقی ص ۱۰۵ پر)

# مکتوب نمبر ۴۰

ہماری قدیم رشتہ داری[1] سادات یا شیوخ سے چلی آتی ہے: اور شیوخ بھی دور رشتہ دار رہے ہیں، جن کا سلسلہ نسب اعلیٰ رہا ہے، پرانے کاغذات میں بہانے لفظ سید لکھا دیکھا ہے والد صاحب کے جوابات بھی اس پر دلالت کرتے ہیں، پرانے لوگوں سے بھی سید ہونا میں نے سُن لیا تھا، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی[2] والد مرحوم کو جبکہ وہ بانگرمئو میں ہیڈ ماسٹر تھے اور مولانا سے بیعت ہو چکے تھے۔ ایک مجلس میں فرمایا تھا کہ میاں یہ تو بڑے خاندانی ہیں اور پیرزادے ہیں، انکے جد امجد شاہ نور الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ رات میرے پاس آئے تھے، اور مجھ سے درخواست کی کہ حبیب اللہ میری اولاد ہے، انکی طرف خصوصی توجہ کرو۔ اس کے بعد سے حضرت مولانا مرحوم خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے اور پیرزادے وغیرہ کے الفاظ سے یاد فرمایا کرتے تھے، یہ بات صحیح ہے کہ بادشاہان دہلی کیطرف سے تقریباً چوبیس گاؤں ہمارے اسلاف کو ملے تھے، باون[52] گاؤں کی تقسیم تین خاندانوں پر ہوئی تھی جن میں سے یہ مقدار ہمارے اسلاف کو ملی تھی، یہ بھی سُننے میں آیا ہے کہ یہ گاؤں خانقاہ کے مصارف کے لئے دیئے گئے تھے ۱۸۵۷ء میں انمیں سے ۲۳ یا ۲۴ گاؤں ہمارے اسلاف کے پاس

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۴) اندر بڑھتی رہتی ہے، یہانتک کہ اس میں ایک بے پایاں جذبہ اس امر کے لئے پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے خالق کو ذوقی طور پر پہچانے۔ چنانچہ قدم رکھتے ہی اوہام دل میں ابھرنے لگتے ہیں، پس وہ ایک مرشد کے دامن میں پناہ لیتا ہے، جو محقق اور عارف باللہ ہو، تصوف و سلوک کے تمام مراحل طے کر چکا ہو اور اپنے مشائخ کیطرف سے اس امر کی اجازت رکھتا ہو کہ دوسروں کی تعلیم و تربیت کرے اور جسکا اصلی مقصد دنیا میں یہ ہو کہ شیخ کی تعلیم کے مطابق خدا کی بندگی عبادت ریاضت میں گذاریگا، وہ صدق نیت کیساتھ خدا کیطرف بڑھتا ہے، اور دلکو غیر اللہ کی وابستگی سے پاک کرتا ہے، اسیکو سالک کہتے ہیں ع گر بگویم شرح این بیحد شود۔

[1] امام العصر کے خاندانی حالات پر مفصل مکتوب پہلے گذر چکا ہے۔

باقی تھے. مگر راجہ بھٹی نے لوٹا اور ان پر قبضہ کر لیا متعدد وجوہ کی بنا پر ان کا واپس لینا ممکن نہوا یہ صحیح ہے کہ جھبر قوم کا یہاں قلعہ تھا، اور وہ مسلمانوں کو تنگ کیا کرتے تھے، حضرت شاہ نور الحق صاحب مرحوم نے کرامات سے راجہ کو زیر کیا، اور وہ قلعہ چھوڑ کر مع اپنے اراکین دولت بھاگ گیا، اس قلعہ پر حضرت شاہ نور الحق صاحب مرحوم قابض ہو گئے، اس قلعہ کے نشانات اب بھی ہیں اسی قلعہ میں ان کا مزار ہے اور ہمارے مردے اسی میں دفن ہوتے ہیں حضرت شاہ نور الحق صاحبؒ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحؒ کے درمیان شجرۂ طریقت میں غالباً تین یا چار واسطے پڑتے ہیں مگر یہ سلسلہ طریقت حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے نہیں ہے، اس سلسلہ طریقت کی نقل میرے پاس موجود ہے میں نے پرانے کاغذات سے نقل کیا ہے یہ بھی سننے میں برابر آیا ہے کہ ہمیشہ اس خاندان میں اہل اللہ اور ارباب کرامت موجود رہے ہیں اور اسی وجہ سے شیعوں کے دور حکومت میں اودھ میں تشیع سے یہ خاندان محفوظ رہا آصف الدولہ نے زور ڈالا مگر اس وقت کے موجودہ بزرگوں کی کرامت نے اس کو مجبور کیا، والد صاحب مرحوم سے میں نے بارہا سنا ہے کہ آخر میں دو تین پشتیں ایسی گذریں تھیں کہ جن میں دنیاداری غالب اور علم معرفت سے محرومی پیش آئی تھی، سلسلہ طریقت صرف رسمی باقی رہ گیا تھا، پیری مریدی بھی کرتے تھے، مگر اندرونی کمالات سے خالی تھے، اسی بنا پر والد مرحوم حضرت مولانا گنج مرادآبادیؒ سے بیعت ہوئے، اور ہم ناکاروں کو حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی غلامی کا شرف حاصل ہوا، نانی صاحبہ مرحومہ صاحب نسبت اور صاحب کشف تھیں۔ انہوں نے والد صاحب کو مجبور کیا کہ جب تک تم کسی کامل سے بیعت ہو کر منازل سلوک طے نہ کر لو مرید کرنا تمہارے لئے آخرت میں وبال ہو گا، تم اس راہ سے ناواقف ہو تمہارے لئے یہ سلسلہ جاری کرنا ناجائز ہے۔

کراچی جیل میں ہم نے "جھڑتی" کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی، اور نیکر پر بھی اعتراض

---

لـہ اخلاقی قیدیوں کیساتھ یہ طریقہ اب بھی باقی ہے کہ جب یہ مشقت سے فارغ ہو کر اپنے کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہیں تو انکی مکمل تلاشی لیجاتی ہے حتی کہ کبھی ان کو برہنہ بھی کر دیا جاتا ہے۔

کیا تھا۔ مگر پیچے نیکر ہم کو بآسانی مل گئے تھے، البتہ جھڑتی کی مخالفت کرنے پر سزائیں دی گئیں تھیں، میں اکیلا اس پروٹسٹ میں نہ تھا، بلکہ تین ہندو مسٹر وجے رام، دولت رام - سوامی کرشنانند وغیرہ بھی تھے، ہم کو اولاً سزائیں رات کو ہتھکڑیاں لگائی گئی تھیں، پھر جب ہم۔ نہ نہیں مانا تو بجائے کھانے کے کانجی (نمکین حریرہ جوار کے آٹے کا) دیا جاتا تھا، پھر جب ہم نے نہ مانا تو پیروں میں زنجیر دار بیڑیاں ایک مہینہ کے لئے دی گئیں تھیں، یہ مدت ختم نہ ہونے پائی تھی کہ خبر باہر نکل گئی اور گاندھی جی کے ینگ انڈیا میں مضامین نکلے تو ہم سے سزائیں اٹھالی گئیں، اور صورتاً اہل جیل بدن کو ہاتھ لگاکر چلے جاتے تھے۔ حقیقی جھڑتی ہم سے نہیں لیجاتی تھی، الٹے لٹکانے کی کبھی نوبت نہیں آئی یہ بالکل غلط ہے، اور یہ سزا جیل مینول[1] میں ہے بھی نہیں، ہاں یہ سزا ہے کہ ہتھکڑی لگاکر اونچی چیز سے ہتھکڑی باندھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے قیدی بیٹھ نہیں سکتا، تمام دن کھڑا رہتا ہے، مگر بحمد اللہ اس کی نوبت ہی نہیں آئی کہ مضامین شائع ہوئے اور سختیاں اٹھالی گئیں۔

اذان کا واقعہ عرصہ کے بعد ظہور پذیر ہوا تھا، اس میں ہم نے ہنگر اسٹرائک کیا تھا، تین ہندو اور آٹھ مسلمان اس میں شریک تھے، اس میں ہم کو فقط کوٹھریوں میں بند کیا گیا تھا، چھ دن کے بعد فیصلہ ہوگیا تھا، اور پست آواز سے اذان کی اجازت مل گئی تھی، مالٹا میں کوڑے کا واقعہ بالکل غلط ہے کسی کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا گیا۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ،

۳ صفر مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۴۰ء

از پنجاب میل قریب ہردوئی۔

---

[1] جس کے دستور العمل اور قواعد وضوابط کو جیل مینول کہتے ہیں۔

# مکتوب نمبر ۱۴۱

## مولانا عبد الماجد صاحب بی اے، دریاباد، ضلع بارہ بنکی کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مزاج مبارک، کیا آپ مجھے بتلا سکتے ہیں کہ آر۔سی۔ دت کی تاریخ اقتصادیات ہند کا ترجمہ اردو میں ہوا ہے یا نہیں، اور پراسپرس برٹش انڈیا مصنفہ ولیم ڈگبی کی تمام کتاب کا بھی ترجمہ ہوا ہے یا نہیں، اگر یہ دونوں مترجم ہو کر چھپ چکے ہیں تو کہاں سے ملیں گے؟ ثانی الذکر کے دو باب کے مترجم چھپے ہوئے اوراق میرے پاس ہیں۔

مجھکو نہایت تعجب ہے کہ آپ جیسا تجربہ کار زمانہ کی گرمی اور سردی سے واقف صاحب علم وشعور ایسی صریح غلطی میں پڑے جو کہ الفاظ ذیل سے منودار ہو رہی ہے۔

"عرصہ سے اپنی اصلاح نفس کی غرض سے خدمت والا میں حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں"۔ الخ

میرے محترم! اصلاح نفس کے لئے کسی سگِ دنیا، نفس پرست، ناکارہ ونالائق کے پاس جانا کیا معنی۔ کہتا ہے، پیاسا دریا کا قصد بیشک کرتا ہے، مگر آتش کا قصد نہیں کرتا، در و دیوار سنگ وکہسار کی طرف نظر نہیں اٹھاتا، میں حلفیہ کہتا ہوں اور میں سچا ہوں کہ میں اپنی سیاہ روئی اور سیہ کاری سے خود شرمندہ اور نادم ہوں، اور بسا اوقات روتا ہوں، میری واقعی حالت اشخاص انسانیہ سے بدتر ہونا تو درکنار ارذل حیوانات سے بھی بدتر ہے ؎

یظن الناس بی خیراً و انی　　　لشر الناس ان لم یعف عنی

مولانا محترم، اگر اس کمال کے اعلام واکابر نہ بھی موجود ہوتے تب بھی مجھ جیسے سگِ دنیا بدنام کنندۂ نکونامان کی طرف نظر اٹھانا جائز نہ ہوتا،

کس نیاید بزیر سایہ بوم　　　ور ہما از جہاں شود معدوم

پھر خیال اصلاح نفس ایک نفس پرور سے یا للعجب اس سے یہ مقصد نہیں کہ آنجناب کو تشریف ارزانی فرمانے سے روکنا منظور ہے، حاشا وکلا، جناب کا تشریف لانا سر آنکھوں پر ہے، مگر اپنی حالت بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے، بعض حضرات کو دعوکا اس امر کا ہو رہا ہے کہ چند مقدس ہستیوں کی خدمت میں چونکہ اس کو زمانہ تک باریابی کی نوبت رہی ہے، اس لئے ضرور بالضرور لائق ہوگا، مقدمہ اولی بیشک صحیح ہے، مگر مقدمہ ثانیہ غیر لازمی ہے، ولنعم ما قیل ؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل  کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

والسلام، از دیوبند۔ ۱۷ رجب ۱۳۴۶ھ. آستانہ شیخ الہند مرحوم

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۴۴

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا خط ملا تھا، اور حقیقت میں اس نے سخت آشوبش پیدا کی۔ ہم ناکاروں اور روسیاہوں سے سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے، کہ بارگاہ الٰہی میں ابتہال اور تضرع کریں، اعلی اللہ عالیعول المسکین۔ دعاگویوں کا وظیفہ محض دعا گوئی ہے، جو جناب نے خواب میں ملاحظہ فرمایا، وہ جناب کا اخلاص اور تعلق اس طرح سے ظاہر کیا گیا ہے، جس طرح آئینہ دیکھنے والے کے چہرہ کو ظاہر کرتا ہے، بہرحال الطاف ربانیہ آپ کے ممد و معاون ہوئے، اور بارگاہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہی ہمیشہ ناصر و مددگار رہیں۔ آمین۔

میری سعی ان دنوں منجملہ دیگر امور کے ایک خاص امر کی طرف زیادہ تر لگی ہوئی ہے، وہ یہ کہ مسلمان شادی اور بیاہ کی خصوصاً اور موت اور ختنہ وعقیقہ وغیرہ کی وہ رسوم[1] جن کے

---

[1] اسلام کا اصول اصلاح وارشاد و تبلیغ کا طریقہ اور رسم ورواج کا (باقی حاشیہ ص ۱۱۰ پر)

مصارف نے ان کو برباد کر دیا ہے، ان کو عموماً ترک کر دیں، اس کے متعلق میں نے فیض آباد وغیرہ میں بھی کوشش کی، اور خصوصاً ملکی خاندان جو کہ ہمارے عرف میں شرفائے سے تعبیر کئے جاتے ہیں اور جن کی حالت روزانہ بد سے بدتر ہو رہی ہے، ان کے رسوم کو مضمحل کرنے کی سعی جاری رکھی، ٹانڈہ میں اس کے لئے بار بار کوشش پر قدرے کامیابی ہوئی جسکی بنا پر میرے ایک رشتہ دار نے مجھ سے پوری عملدرآمد کی تیاری ظاہر کی، مگر شرط یہ کی کہ میں شریک عقد ہوں، اسی بنا پر میں وہاں گیا اور بفضلہ ایک بڑے درجہ تک کامیاب ہوا چونکہ مجھکو اتوار کے دن راولپنڈی پہنچنا تھا، کیونکہ وہاں کے جلسہ کی آخری تاریخ ہیں مجھکو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۹) استیصال ایک خاص معیار کے تحت انجام پاتا ہے، جو وقت کی اسپرٹ سے جنگ کرنا نہیں ہے، بلکہ وہ تدریجی اصلاح کا قائل ہے، قرآن میں ہے وانذر عشیرتك الاقربین یعنی اوروں سے پہلے اقارب کو تنبیہ کیجئے کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے، افراد کی ذاتی اصلاح اور گھریلو ہدایت کا دارومدار بہت زیادہ گھر والوں کی اصلاح پر ہے، اور ویسے بھی آدمی کی صداقت و حقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جا سکتی ہے، چنانچہ ہر پیغمبر اور ان کے جانشینوں نے اس پر بڑا زور دیا ہے، آدمی کی طبیعت رسم ورواج کے مقابل حق کو یہ کہنے سے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتی کہ یہ حق ہے اور یہ ناحق ہے، بلکہ یہ چیز بچوں میں علمی وعملی تربیت سے اور بڑوں میں ماحول کے نمونہ سے پیدا ہوتی ہے، حکماء امت نے اپنے اپنے وقتوں میں وراثت انبیا کے فرائض انجام دیئے، کسی نے چھوٹی بڑی باتوں کی اصلاح فرمائی، اور اسی میں ساری زندگی ختم کر دی، کسی نے امور معانی اور اصل روگ کو دور کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دی، اور خلوت وجلوت، سفر وحضر میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے اصلاح رسم ورواج میں اپنا اہم کارنامہ چھوڑا ہے، جس کو ہم کسی دوسرے موقع پر مفصل لکھیں گے، اللہ والوں کی دعائیں اگر کوئی چیز ہیں تو مولانا دریابادی کو امام العصر کے غیر معمولی دعائیہ کلمات کو کبھی یاد کر لینا چاہیئے، اس سے زیادہ کا مشورہ میرا فریضہ نہیں ہے۔

تقریر کرنا تھا، اس لئے میں لکھنؤ سے پنجاب میل میں سوار ہوا، اور سہارنپور کے اسٹیشن پر وحید کی اہلیہ کو اس کے حوالہ کر کے اسی گاڑی میں راولپنڈی پہونچا، شب بھر قیام کر کے دوشنبہ کو وہاں سے روانہ ہو کر سہ شنبہ کو دیوبند پہونچا، تو مولانا عبد الباری کا والا نامہ ملا بہر حال خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو شفا بخشی خداوند کریم آپ کی عمر میں درازی، جسم میں صحت، ارادہ میں قوت، قلب میں اپنی محبت، اعمال و اقوال میں اپنی رضا اور خوشنودی عطا فرماتا ہوا اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح اور خدمت عطا فرمائے آمین۔ بہر حال جب بھی جناب قصد فرمائیں انشاء اللہ اس روسیاہ ننگ اکابر کو حاضر پائینگے۔ اگر ممکن ہو تو چند دن پہلے وقت اور تاریخ سے بھی مطلع فرمادیں تاکہ مزید احتیاط عمل میں لائی جائے۔ والسلام۔ از دیوبند ۵ محرم الحرام ۱۳۴۵ھ

ننگ اکابر حسین احمد۔

## مکتوب نمبر ۴۳

وسط شعبان میں جبکہ حسب ارشاد مولانا عبد الحلیم صاحب لکھنؤ جانا ہوا تو انہوں نے ذکر فرمایا کہ آپ حج کے لئے تشریف لے گئے ہیں، اور اسی بناء پر مولانا سلیمان صاحب آپ کو رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن لکھنؤ تک گئے تھے، اس کو سن کر تعجب ضرور ہوا تھا کہ ایکبارگی کس طرح ارادہ کر لیا گیا۔ مگر کوئی وجہ نہ تھی کہ مولانا موصوف کے قول پر یقین نہ کیا جاوے، ہاں انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اولاً حیدر آباد تشریف لے جائیں گے پھر وہاں سے براہ راست حجاز تشریف لیجائیں گے۔ ۲۰ فروری کو جبکہ میں ایک ضرورت سے سہارنپور گیا ہوا تھا، بوقت صبح معلوم ہوا کہ حافظ محمد یوسف کو آپ کے سہارنپور تشریف لانے کی خبر دی گئی ہے۔ اس کو سنکر میرے تعجب کی کوئی انتہا باقی نہ رہی کیونکہ دونوں خبروں میں بین منافاۃ تھی۔ تاہم میں نے بمعیت حافظ صاحب موصوف

اور ان کے بڑے بھائی حافظ یعقوب صاحب نے حاضری کا ارادہ کیا تھا، اور اسی بنا پر حافظ یوسف صاحب کی دکان پر آیا، موٹر موجود تھا کہ خبر آئی، کہ آپ کے بھائی صاحب کورٹ چلے گئے، اس لئے ہم سبھوں نے ارادہ فسخ کر دیا، اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ موجود ہیں تو ضرور حاضر ہوتا، اسی روز شام کو جب دیوبند پہونچا تو وحید نے کہا کہ آپ کا خط آیا ہے کہ آپ ۴ر فروری کو دیوبند آنے والے ہیں، اس لئے میں نے اس دن نقل و حرکت بند کر دی، بعد کو اس نے بتایا کہ وہ ۲ر فروری تھی، اس نے غلطی سے ۴ر فروری پڑھا تھا، اس کے بعد غالباً ۵ر فروری کو سہارنپور گیا اور آپ کے بھائی صاحب سے کوٹھی پر ملاقی ہوا، تو معلوم ہوا کہ آپ دریاباد تشریف لے گئے۔ میں رمضان شریف سلہٹ کرونگا۔ یہاں کے لوگوں کا بیحد تقاضا تھا، باوجود ٹلانے کے جب کوئی صورت نہ ہو سکی تو مجبوراً ۲۷ر شعبان کو وہاں سے روانہ ہو کر یکم رمضان کو یہاں سلہٹ پہونچا، ایک تراویح راستہ میں فوت ہو گئی، یہاں ہی آپ کا والانامہ ملا، اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ نقشہ بھی ملا، اس سے پہلے مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا والانامہ حیدرآباد سے آیا تھا، اس سے معلوم ہوا تھا کہ وہ بھی آپ کے ساتھ ارادہ سفر حج کر رہے ہیں خدا وند کریم ہم سب کے لئے مبارک فرمائے، ایسے امور میں اجازت کی کیا ضرورت ہے اور خصوصاً مجھ جیسے نابکار و نالائق ننگ خاندان سے۔

اس سفر میں آپ کا ہچکچانا موجب تعجب اور صد تعجب ہے، ان اہل دل بزرگ کا جواب بھی میرے نزدیک بہت گرا ہوا ہے، مگر جب آپ کو اس سے اطمینان ہو گیا اور طبعی جبار پیدا ہو گئی تو پھر اس میں کوئی گفتگو ضروری نہیں، مقصد اصلی ازالہ اضطراب جو تھا سو الحمد للہ حاصل ہو گیا، تاہم میں مختصر طور پر کچھ عرض کرتا ہوں اگر سمجھ میں اس کی مناسبت اور افادیت آئے تو فبہا ورنہ کالائے بد بریش خاوند۔

محترما! جناب باری عز اسمہ کی وہ صفات جو کہ مقتضی محبوبیت ہیں، ان کا مرجع دو باتوں

کی طرف ہوتا ہے، اول مالکیت نفع وضرر، دوم محبوبیت، اول کو جلال سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اور ثانی کو جمال سے، مگر یہ تعبیر ناقص ہے، جلال محض مالکیۃ ضرر پر متفرع ہوتا ہے، جس طرح جمال اسباب محبوبیت میں سے ایک سبب ہے، وجوہ محبوبیت علاوہ جمال کے کمال قرب احسان بھی ہیں، سبب اول یعنی مالکیۃ نفع وضرر کا اقتضا معبودیت حدود عقل میں رہ کر ہونا ضروری ہے، اس معبودیت میں عابد کی ذاتی غرض چونکہ باعث عبادت ہوتی ہے یعنی طمع یا خوف یا دونوں، اس لئے یہ عبادت اسقدر کامل نہ ہوگی جسقدر وہ عبادت جس میں محض ارضا معبودیت مقصود ہو، ظاہر ہے کہ محبوب کی جو کچھ طاعت اور فرمانبرداری کیجاتی ہے اس سے محض اس کی رضا مطلوب ہوتی ہے، لہذا ضروری تھا کہ دونوں قسموں کی عبادتیں دین کامل میں ملحوظ ہوں، قسم اول پر متفرع ہونے والی عبادتوں میں اصل الاصول نماز و زکوٰۃ ہیں اور قسم ثانی پر متفرع ہونے والی عبادتوں میں اصل الاصول روزہ اور حج ہیں روزہ محبوبیت کی منزل اول اور حج منزل ثانی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عاشق پر اولین فریضہ یہی ہے کہ اغیار سے قطع تعلق کیا جائے جو کہ روزہ میں ملحوظ رکھا گیا ہے، دن کو اگر صیام کا حکم ہے تو رات کو قیام کا، اور آخر میں اعتکاف نے آ کر رہے سہے تعلقات کا بھی خاتمہ کر دیا، بحکم مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اور من قام رمضان ایماناً (الحدیث)، اگر استیعاب صوم رمضان کا پتہ چلتا ہے تو بحکم احیٰی لیلہ ومن صام رمضان (الحدیث) وغیرہ استیعاب قیام رمضان کا بھی پتہ چلنا ضروری ہے، اور چونکہ کمال صومی کے لئے محض مالوفاتِ ثلاثہ کا جو کہ اصل الاصول ہیں ترک مطلوب نہیں، بلکہ ان کے علاوہ معاصی اور مشتہیات نفسانیہ کا ترک بھی مقصود ہے۔ من لم یدع قول الزور (الحدیث) اور رب صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع (الحدیث) اس کے شاہد عدل ہیں، جب ترک اغیار کا اثبات (جو کہ منزل عشق کی پہلی گھاٹی ہے) ہوگیا، اسکے بعد ضروری ہے کہ دوسری منزل کی طرف قدم بڑھایا جاوے، یعنی کوچہ محبوب اور اسکے دار و دیار کی جبہ سائی کا فخر

اور ان کے بڑے بھائی حافظ یعقوب صاحب نے حاضری کا ارادہ کیا تھا، اور اسی بنا پر حافظ یوسف صاحب کی دکان پر آیا، موٹر موجود تھا کہ خبر آئی، کہ آپ کے بھائی صاحب کورٹ چلے گئے، اس لئے ہم سبھوں نے ارادہ فسخ کر دیا، اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ موجود ہیں تو ضرور حاضر ہوتا، اسی روز شام کو جب دیوبند پہونچا تو وحید نے کہا کہ آپ کا خط آیا ہے، کہ آپ ۴ر فروری کو دیوبند آنے والے ہیں، اس لئے میں نے اس دن نقل وحرکت بند کر دی، بعد کو اس نے بتایا کہ وہ ۲ر فروری تھی، اس نے غلطی سے ۴ر فروری پڑھا تھا، اس کے بعد غالباً ۵ر فروری کو سہارنپور گیا اور آپ کے بھائی صاحب سے کوٹھی پر ملاقی ہوا، تو معلوم ہوا کہ آپ دریاباد تشریف لے گئے۔ میں رمضان شریف سلہٹ کرونگا۔ یہاں کے لوگوں کا بیحد تقاضا تھا، باوجود ٹلانے کے جب کوئی صورت نہ ہوسکی تو مجبوراً ۲۷ر شعبان کو وہاں سے روانہ ہوکر یکم رمضان کو یہاں سلہٹ پہونچا، ایک تراویح راستہ میں فوت ہوگئی، یہاں ہی آپ کا والانامہ ملا، اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ نقشہ بھی ملا، اس سے پہلے مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا والانامہ حیدرآباد سے آیا تھا، اس سے معلوم ہوا تھا کہ وہ بھی آپ کے ساتھ ارادہ سفر حج کر رہے ہیں خدا وندکریم ہم سب کے لئے مبارک فرمائے، ایسے امور میں اجازت کی کیا ضرورت ہے اور خصوصاً مجھ جیسے نابکار و نالائق ننگ خاندان سے۔

اس سفر میں آپ کا ہچکچانا موجب تعجب اور صد تعجب ہے، ان اہل دل بزرگ کا جواب بھی میرے نزدیک بہت گراہوا ہے، مگر جب آپ کو اس سے اطمینان ہوگیا اور طبعی جسارت پیدا ہوگئی تو پھر اس میں کوئی گفتگو ضروری نہیں، مقصود اصلی ازالہ اضطراب جبن تھا سو الحمد للہ حاصل ہوگیا، تاہم میں مختصر طور پر کچھ عرض کرتا ہوں اگر سمجھ میں اس کی مناسبت اور افادیت آئے تو فبہا ورنہ کالاسے بدبرکشش خاوند۔

محترما! جناب باری عزاسمہ کی وہ صفات جو کہ مقتضی معبودیت ہیں، ان کا مرجع دو باتوں

کی طرف ہوتا ہے، اول مالکیت نفع وضرر، دوم محبوبیت، اول کو جلال سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اور ثانی کو جمال سے، مگر یہ تعبیر ناقص ہے، جلال محض مالکیۃ ضرر پر متفرع ہوتا ہے، جس طرح جمال اسباب محبوبیت میں سے ایک سبب ہے، وجوہ محبوبیت علاوہ جمال کے کمال قرب احسان بھی ہیں، سبب اول یعنی مالکیۃ نفع وضرر کا اقتضا معبودیت حدود عقل میں رہ کر ہونا ضروری ہے، اس معبودیت میں عابد کی ذاتی غرض چونکہ باعث عبادت ہوتی ہو یعنی طمع یا خوف یا دونوں، اس لئے یہ عبادت اسقدر کامل نہ ہوگی جسقدر وہ عبادت جس میں محض ارضاء معبودیت مقصود ہو، ظاہر ہے کہ محبوب کی جو کچھ طاعت اور فرمانبرداری کیجاتی ہو اس سے محض اس کی رضا مطلوب ہوتی ہے، لہذا ضروری تھا کہ دونوں قسموں کی عبادتیں دین کامل میں ملحوظ ہوں، قسم اول پر متفرع ہونے والی عبادتوں میں اصل الاصول نماز و زکوٰۃ ہیں اور قسم ثانی پر متفرع ہونے والی عبادتوں میں اصل الاصول روزہ اور حج ہیں روزہ محبوبت کی منزل اول اور حج منزل ثانی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عاشق پر اولین فریضہ یہی ہے کہ اغیار سے قطع تعلق کیا جائے جو کہ روزہ میں ملحوظ رکھا گیا ہے، دن کو اگر صیام کا حکم ہے تو رات کو قیام کا، اور آخر میں اعتکاف نے آکر رہے سہے تعلقات کا بھی خاتمہ کر دیا، بحکم مَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اور من قام رمضان ایماناً (الحدیث) اگر استیعاب صوم رمضان کا پتہ چلتا ہے تو بحکم احیی لیلہ و من صام رمضان (الحدیث) وغیرہ استیعاب قیام رمضان کا بھی پتہ چلنا ضروری ہے، اور چونکہ کمال صومی کے لئے محض مالوفات ثلاثہ کا جو کہ اصل الاصول ہیں ترک مطلوب نہیں، بلکہ ان کے علاوہ معاصی اور مشتہیات نفسانیہ کا ترک بھی مقصود ہے۔ من لم یدع قول الزور (الحدیث) اور رب صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع (الحدیث) اس کے شاہد عدل ہیں جب ترک اغیار کا اثبات (جو کہ منزل عشق کی پہلی گھاٹی ہے) ہوگیا، اسکے بعد ضروری ہے کہ دوسری منزل کی طرف قدم بڑھایا جاوے، یعنی کوچۂ محبوب اور اسکے دارہ دیار کی جبہ سائی کا نمبر

حاصل کیا جائے، اس لئے ایام صیام کے ختم ہوتے ہی ایام حج کی ابتدا ہوتی ہے جس کا اختتام ایام نحر (قربانی) پر ہے، کوچہ محبوب کی طرف عاشق کا سفر کرنا جس نے تمام اغیار کو ترک کر دیا ہو اور سچے عشق کا مدعی ہو، معمولی طریقہ پر نہ ہوگا، نہ اس کو سر کی خبر ہوگی نہ پیر کی نہ بدن کے زیب و زینت کا خیال ہوگا نہ لوگوں سے جھگڑا اور لڑنے کا ذکر فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ کہاں عشق اور کہاں آپس کے جھگڑے اور لڑائیاں کہاں قلبی اضطراب اور کہاں شہوت پرستی و آرام طلبی، نہ سرمہ کی فکر ہوگی نہ خوشبو اور تیل کا دھیان، اس کو آبادی سے نفرت، جنگل اور جنگلی جانوروں سے الفت ہونی ضروری ہے۔ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا، سیر و شکار جو کہ کار بیکاراں ہے، ایسے عشاق اور مضطر نفوس کے لئے بیحد نفرت کی چیز ہوگی، وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا اس کی تو دن رات کی سرگرمی معشوق کی یاد، اس کے نام کو جپنا، اپنے تن بدن کو بھلا دینا دوست احباب، عزیز و اقارب، راحت و آرام کو ترک کر دینا، نہ خواب آنکھوں میں بھلی معلوم ہوگی نہ لذائذ اطعمہ اور خوشبودار اور خوش ذائقہ اشربہ و البسہ کا شوق ہوگا ؎

یداری ھواہ ثم یکتم سرہ — ویخشع فی کل الامور ویخضع

وہ اس کی محبت خوش اسلوبی سے نباہتا رہتا ہے، پھر اس کے راز پر پردہ پوشی کرتا رہتا ہے اور تمام حالات میں مطیع و فرمانبردار رہتا ہے۔

جوں جوں دیار محبوب اور ایام وصال کی قربت ہوتی جائے گی اسی قدر ولولہ اور فریفتگی اور جوش جنون میں ترقی ہوتی رہے گی ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک — آتش شوق تیز تر گردد

؎ ان دنوں جوش جنوں ہے ترے دیوانے کو — لوگ ہر سو سے چلے آتے ہیں سمجھانے کو
خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو — یہ غذا دیتے ہیں جاناں ترے دیوانے کو

؎ نوبہار است جنوں چاک گریباں مددے — آتش افتاد بجاں جنبش داماں مددے

قریب پہنچتے ہیں (میقات پر) تو اپنے رسے سہے میلے کچیلے کپڑوں کو پھینک دیتے ہیں، اس وادی عشق میں گریباں اور دامن سے کیا کام ؎

ہم نے تو اپنا آپ گریباں کیا ہو چاک اس کو سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

دن رات محبوب کی رٹ پپیہا کی طرح لگی ہوئی ہو (تلبیہ پڑھ رہے ہیں) ؎

رُت پھرے پیو پیو کنارے ہمرے پیا تو بدیس سدھائے

برہا بروگ سے تلپت جیو اب جن بول پپیہا پیو

اگر غم ہے تو محبوب کا، اگر ذکر ہے تو معشوق کا، اگر طلب ہے تو پیو کا، اگر خیال ہے تو دلبر کا ؎

عشق میں تیرے کوہ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

کوچۂ محبوب میں پہنچتے ہیں تو اس کی در و دیوار کے ارد گرد دیوری فریفتگی کیسا چکر لگاتے ہیں، چوکھٹ پر سر ہے تو کہیں دیواروں اور پتھروں پر لب ؎

اَمُرُّ علی الدیار دیار لیلیٰ اُقبّلُ ذا الجدار و ذا الجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من نزل الدیارا

کسی نے اگر جھوٹی سی خبر دی کہ معشوق کا جلوہ فلاں جگہ نمودار ہونے والا ہے تو بے سر و پیر ہو کر دوڑتے وہاں پہنچے، نہ کانٹوں کا خیال ہے نہ راستے کے پتھروں کی فکر ہے نہ گڑھوں میں گرنے کا سوز ہے نہ پہاڑوں کی سختیوں کا ڈر ہے، مجنون بنی عامر کا سماں بندھا ہوا ہے بدن میں اگر جوں ڈھیروں پڑی ہیں تو کیا پرواہ ہے، اہل عقل اور اہل زمانہ اگر پھبتیاں اڑاتے ہیں تو کیا شرم ہے ؎

---

ـلـه مجنون کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کے کوچہ پر گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو میرے دل میں دراصل کوچہ کے در و دیوار نے کوئی جگہ نہیں بنائی ہے۔ بلکہ اس گلی کے رہنے والی نے۔

جب پیت بھئی تب لاج کہاں　　سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے
دکھ درد پڑے تو کیا چنتا　　اور سکھ نہ رہی تو کیا ڈر ہے

اگر ناصح نادان معشوق اور عشق سے روکتا ہے تو جسطرح آگ پر پانی کے چھینٹے اسکو اور بھڑکا دیتے ہیں اسیطرح آتش عشق اور بھڑک جاتی ہے، نادان ناصح کو پتھر مارتے ہوئے اپنے آپ کو قربان کر دینے کے لئے بیتاب ہو جاتے ہیں، ع

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے

فدىً لمهجتي يا عاذلي الملك الذي　　اسخطت كل الناس في ارضائه

اے ملامت گر میری جان اس بادشاہ پر قربان ہے کہ جسکے راضی رکھنے کی غرض سے میں نے تمام لوگوں کو ناخوش کر دیا ہے۔

فومن احب لاعصينك في الهوى　　قسماً به وبحسنه وبهائه

اے ملامت گر میں محبوب کے حسن و جمال کی قسم کھاتا ہوں کہ محبت کے بارے میں ضرور تیری نافرمانی کرونگا (متنبی)

میرے محترم! یہ تھوڑا سا خاکہ حج اور عمرہ کا ہے، اگر دل میں تڑپ اور سینہ میں درد نہ ہو، تو زندگی ہیچ ہے، وہ انسان بھی انسان نہیں جسکے دل و دماغ، روح، اعضاء رئیسہ محبوب حقیقی کے عشق اور ولولہ سے خالی ہیں، یہاں عقل کے ہوش گم ہیں، جس قدر بھی بے عقلی اور شورش ہوگی اور جسقدر بھی اضطراب اور بے چینی ہوگی اسیقدر یہاں کمال شمار کیا جائیگا۔

موسیا آداب داناں دیگر اند　　سوختہ جان در دانان دیگر اند
کفر کافر را و دین دیندار را　　ذرۂ درد ت دل عطار را

عقل و حیا کے مقید ہونے والے عشاق آرام اور راحت کے طلبگار محبین اپنی سچائی کے اثبات سے عاجز ہیں

عشق چوں خام است باشد بستۂ ناموس و ننگ　　پختہ مغزان جنون را کے حیا زنجیر پا است

اس وادی میں قدم رکھنے والے کو سرفروشی اور ہر قسم کی قربانی کیلئے پہلے سے تیار رہنا ضروری ہے، آرام اور راحت، عزت اور جاہ کا خیال بھی اس راہ سخت ترین میں بذم

کرنے والا گناہ ہے ؎

نازپروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست        عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

یقین می داں کہ آں شاہ نکونام        بدوست سر بریدہ می دہد جام

مولانا المحترم! اس وادی پرخار میں قدم رکھتے ہیں اور پھر تسلی کا، سر کے چکر کا بیماری کا، ضعف کا، تکلیف کا، عزت وجاہ کا فکر ہے افسوس ہے، مردانہ وار قدم بڑھائیے، اگر تکلیف سامنے ہو تو خوش قسمتی سمجھئے، اگر ستائے جائیں تو محبوب کی عنایت جانئے، پسِ پردہ طوطی صفت کون کرا رہا ہے، مجنون کو لیلی کے کاسہ توڑ دینے پر رقص ہوتا ہے جس سے وہ اپنے خاص تعلق کا اثبات کرتا ہے، اور آپ یہاں جھجکتے ہیں کلا واللہ کلا واللہ اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل قول صادق امین ہے۔ قیمة المرء همته

بقدر الجد تکتسب المعالی        ومن رام العلی سهر اللیالی

بانداز محنت بلند درجات حاصل ہو سکتے ہیں، جو شخص بلند درجہ کا قصد کرتا ہے وہ برابر راتوں کو جگتا ہے۔

سوائے رضاء محبوب حقیقی اور کوئی دھن نہ ہونی چاہیئے ؎

دنیا وآخرت را بگذار وحق طلب کن        کایں ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

"بجوش دبخروش و ہیچ مفروش"

مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنی دیوانگی کے بڑ میں آپ کا بہت وقت ضائع کیا، مگر کیا کروں کہ اہل چشت کا دریوزہ گر ہوں، ان کی نسبت اپنا کھیل اور رنگ دکھاتی ہے، اگر میری عرض غلط ہو، پھاڑ کر پھینک دیجئے، اور ان بزرگ حیدرآبادی کے کلمات کو تعویذ جان بنائیے، اور اگر اس میں کوئی جھلک صداقت اور واقعیت کی معلوم ہو تو مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور حکیم عبدالعلی صاحب کو بھی دکھلا دیجئے، غالباً مناسب ہوگا کہ مکہ معظمہ میں سید امین عاصم صاحب مرحوم کو آپ اپنا مطوف بنائیں ........ ، وہ حضرت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مطوف تھے، ان کا اگرچہ انتقال ہو گیا ہو مگر انکی لڑکیاں

انکے منصب پر قایم کی گئی ہیں اور انکے نواسہ سید عقیل عطاس حجاج کی خدمت انجام دیتے ہیں، حتی الوسع پوری خبرگیری کرتے ہیں، ان کا کارڈ اس میں موجود ہے، اگر غیر مناسب نہ ہو تو میرا عریضہ بھی دیدیجئے، آپ سے لوگ بمبئی سے یا لکھنؤ سے درخواست مطوفی کریں گے، مگر اکثر ان لوگوں سے تلخ تجربے حاصل ہوتے ہیں، مدینہ منورہ میں میرے دو بھائی بڑے مولوی سید احمد صاحب اور چھوٹے محمود احمد ہیں، اگر غیر مناسب نہ ہو تو ان سے بھی ملیں، اگر کوئی خدمت درکار ہو تو انشاء اللہ وہ اپنی طاقت کے موافق اس میں حصہ لیں گے۔ مولانا شفیع الدین صاحب نگینوی مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے خادم اور خلیفہ اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے حدیث میں شاگرد نہایت پاکیزہ شخص موجود ہیں، ان سے بھی ملیں اور میرا سلام عرض کردیں، دعا کی درخواست بھی ظاہر فرمادیں، کوشش ہونی چاہیئے کہ دونوں مقدس مقامات اور راستہ میں غفلت میں وقت نہ گذرے، خصوصاً عرفات کا دن بعد از زوال نہایت ہی غنیمت ہے، اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونا چاہیئے، اگر لوگوں کی بالخصوص وہاں کے سکان اور حکام کی فرو گذاشتیں نظر پڑیں تو اسکی طرف توجہ نہ کیجئے، اپنے کام سے کام رکھیئے اپنے اس نالائق و نابکار سگ دنیا روسیاہ خادم کو بھی دعوات صالحہ میں یاد رکھیئے کیا عجب ہے آپ حضرات کی دعائیں فلاح اور نجات کی اسباب بنجائیں، بہتر تو یہ ہوتا کہ کچھ دنوں پوری ہمت اور محنت کے ساتھ اذکار وغیرہ کر لینے کے بعد حج ہوتا اور زیارت کی مقدس نعمت حاصل کیجاتی تاکہ دونوں کی حقیقت سے اتصال کی نوبت آتی، مگر جب قصد کیا گیا تو پورا کرنا ضروری ہے جہاں تک ہوسکے غفلت کو راہ نہ دیجئے اور ذکر میں مشغول رہیئے ع من نہ کردم شما حذر بکنید۔

میں انشاء اللہ شوال کی پانچ تک یہاں سے روانہ ہوجاؤں گا، اور اگر منظور الٰہی ہے تو وحید بھی حج میں آپ کے ساتھ ہوگا، خداوند کریم سے دعا ہے کہ آپ سبھوں کو حقیقی نعمت حج و زیارت سے مالامال کردے، آمین، والدہ ماجدہ اور متعلقین و احباب سے

سلام مسنون عرض کر دیں۔

۹ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ از خلافت آفس سلہٹ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ۔

## مکتوب نمبر ۴۴

(۱) سفرِ حج و زیارت نہایت مبارک سفر ہے، کوئی ضرورت اجازت طلب کرنے کی نہیں، اور بالخصوص مجھ جیسے نالائق و ناکارہ سے، امتثالاً للامر یہ الفاظ بھی ادا کرتا ہوں تشریف لے جائیں اللہ تعالیٰ قبولیت فرمائے، اور باعثِ قرب و خوشنودی کرے، آمین۔

(۲) میں پہلے عریضہ میں کچھ عرض کر چکا ہوں، وہی میرے نزدیک دونوں عبادتوں کے لئے اصل الاصول ہے، اسی کو مطمح نظر بنائیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا رسالہ فیوض الحرمین بھی راستہ میں مطالعہ کر ڈالئے۔ سفرِ حرمین شریفین و وہاں کی اقامت وغیرہ کے متعلق بھی بہت سی معتبر معلومات حاصل ہوں گی۔

(۳) اونٹوں کا سفر کوئی مقصود بالذات نہیں، جبکہ موٹر کا سفر بہت سے مصالح کو مشتمل ہے تو جہاز اور ریل کی طرح اسکو بھی فضیلت ہی ہوگی، اسی کو اختیار فرمائیے۔

(۴) حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک حضوری مدینہ منورہ کے بارہ میں مرجوح[۱] بلکہ غلط مسلک ہے، مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرورِ کائنات علیہ السلام کی زیارت

---

[۱] امام ابن تیمیہؒ کے تبحر اور علم و فضل پر اجماع کے باوجود زیارت قبر نبویؐ میں اہل علم مختلف ہیں چنانچہ بعض یہ کہکر برأت کرتے ہیں کہ ابن تیمیہ کو نفس زیارت قبر نبویؐ کے استحباب کا انکار نہیں صرف سفر بقصد زیارت کا انکار ہے لیکن صاحب صارم نے خود ابن تیمیہؒ کی عبارتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہؒ نفس زیارت قبر نبویؐ کو غیر مشروع بلکہ غیر ممکن وغیر مقدور و ممتنع الوجود کہتے ہیں اور عموم زوروا القبور اور لا تجعلوا قبری عیدا (الحدیث) سے اسکو خارج سمجھتے ہیں، حالانکہ قبر نبویؐ کی زیارت (باقی حاشیہ ص ۱۲۰ پر)

اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہیئے، آپکی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین و شہداء کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی ہے، اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے، آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا، بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیئے، محبوب حقیقی تک وصال اور اسکی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ سے اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے، اسی وجہ سے میرے نزدیک یہی ہے کہ حج کے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیئے، اور آپ کے توسل سے نعمت قبولیت حج و عمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہیئے، مسجد کی نیت خواہ تبعاً کرلی جائے، مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کیجائے تاکہ لا تعملہ الا زیارتی والی روایت پر عمل ہو جائے۔

(۵) ذکر میں جو طریقہ اب تک کرتے رہے بہتر ہے۔ ایسے وقت میں یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ اٹھ کر ٹہلنے لگیں تاکہ نیند جاتی رہے، یہ وقت کی تعیین صرف ابتدا میں ہے اصلی مقصد یہ ہے کہ خلوت اور جلوت، آمد و رفت نشست و برخاست ہر حالت میں یہ ذکر جاری ہو جائے اور کوئی سانس بلا ذکر نہ نکلے، تنبہ اور عدم تنبہ ہر دو حالت میں ذکر جاری رہے۔

---

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۹) باجماع علما قربت اور بہ اختلاف مستحب یا واجب، جیسا کہ ابن ہبیرہ نے کتاب اتفاق الائمہ میں تصریح فرمایا ہے۔ اتفق مالک والشافعی ابوحنیفہ و احمد علی ان زیارۃ النبی من افضل المندوبات یعنی امام مالکؒ شافعی و ابوحنیفہ و احمد حنبل کا اتفاق ہے کہ قبر نبوی کی زیارت سب سے بہتر کاموں میں سے ہے، اور زیارت شرعیہ کو ابن تیمیہؒ جائز فرماتے ہیں یعنی مسجد نبوی کی زیارت کرنا اور اس میں بوقت دخول صلوٰۃ و سلام، جیسا کہ وقت دخول تمام مساجد کے شروع ہے مراد لیتے ہیں، حالانکہ اس پر اطلاق زیارت قبر کا نہ لغۃً صحیح ہے اور نہ شرعاً و عرفاً درست ہے، بقول مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ و لا عجب فان لکل جواد کبوۃ و لکل عالم ہفوۃ۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "السعی المشکور" چونکہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم پر عشقیہ رنگ غالب ہے اور دیار حبیب صلعم میں مدتوں فیضیاب ہونیکا اثر ہے۔ اور صاف فیصلہ ہو (باقی حاشیہ ص ۱۲۱ پر)

(۶) نماز میں کسی شخص کا تصور نہ فرمائیے، بلکہ ضیاء القلوب میں نماز کے لئے طریقہ ذکر کیا گیا ہے، اس کو عمل میں لائیے، انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی ملفوظات (فیہ مافیہ) بھیجیں، مگر افسوس ہے کہ ان دنوں اسقدر عدیم الفرصتی ہے کہ مطالعہ کرنا سخت دشوار ہے، ہمارے اسلاف پر نسبت چشتیہ ہی غالب ہے اگرچہ دوسرے طریق میں بھی ان کو اجازت ہے، حضرت خواجہ علاؤالدین صابر قدس اللہ سرہ، (جن کے اصل سلسلہ سے اسلاف کا انتساب اور سلوک ہے اور جس میں بہ نسبت سلسلہ نظامیہ سوز و گداز اور اضطراب و شورش عشق بہت زیادہ ہے) اور حضرت محبوب سبحانی قدس اللہ سرہٗ العزیز دونوں ایک ہی در کے دریوزہ گر ہیں، اس لئے کہ سلسلہ نظامیہ میں بھی ہمارے اکابر کا سلوک ہے، تعلق اور تناسب ہونا ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے فیوض سے فیضیاب فرمائے، بزرگوں کے شئون بھی جدا ہوتی ہیں، التفاتات اور توجہ کی حالتیں علیحدہ علیحدہ ہیں طبعی تناسب کو اس مبارک سفر میں جہانتک ہو سکے دل کو مطمئن رکھتے ہوئے ذکر میں حضور قلب کے ساتھ پوری جد و جہد قائم رکھیں۔

مدینہ منورہ میں کم از کم آٹھ دن ضرور قیام فرمائیں، بعض روایتوں میں ہے کہ جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ کوئی نماز فوت نہ ہوئی ہو تو اس کیلئے نفاق اور نار سے برأت کی جاتی ہے، لہذا آٹھ دن اس التزام کے ساتھ فرمائیے کہ متصل طریقہ پر چالیس نمازیں باجماعت اولی مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) میں ادا ہو جائیں) اور حتی الوسع کوشش کیجئے کہ اس حصہ میں یہ فرائض ادا ہوں جو کہ زمانہ نبوت میں مسجد تھا۔ اس کی علامتیں ستونوں پر بنی ہوئی ہیں، ہر ستون پر اس صف ستون کے بالائی حصہ پر لکھا ہوا

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۰) کہ مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپکے توسل کی غرض سے ہونی چاہیئے۔ الخ واللہ اعلم س ۵

عشق گوید ہست راہے بارہا من رفتہ ام

ہے، بلکہ اگر ہو سکے تو فرائض روضۃ من ریاض الجنۃ کی حد میں ادا کریں، ان ستونوں پر زیریں حصہ میں قد آدم تک سنگ مرمر لگا ہوا ہے، نماز اور جماعت کی آسانی کیلئے حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قریب مکانات زیادہ تر ممد معاون ہونگے، بھائی صاحب کو میں نے لکھ دیا ہے، اگر آپ بلدان سے مل لیں گے تو وہ آپکی مدد میں کوتاہی نہ کرینگے، انکے نام کا یہ لفافہ بھی رکھتا ہوں، وہ حرم محترم کے بہت قریب باب النسا کے اطراف میں قاق البذر میں رہتے ہیں، ممکن ہے کہ وہاں کوئی مناسب مکان خالی ملجائے، یا وہ اپنے ہی مکان میں کوئی خالی قطعہ دیسکیں، تو زیادہ آسانی ہوگی، آپ جسطرح مجھ سے تکلف برتتے ہیں وہاں نہ برتیں، وہاں پر آپ نو وارد ہونگے، اور وہ لوگ وہاں کے باشندے ہو گئے ہیں، شہر سے، زبان سے امور دریات سے واقف ہیں، ان کو آپ کی خدمت کرنی چاہیئے، اور آپکو ان سے خدمت لینی چاہیئے، میں ایک دوسرا خط شیخ خلیل آغا خواجہ سرائے حرم نبوی اور خادم حجرہ شریفہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کو لکھتا ہوں، اگر حرم شریف میں رات کو رہنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ آپ حضرات کو مدد دیں گے اور سہولتیں پیدا کریں گے۔

آنجناب کی اہلیہ محترمہ کی عنایات بھی آپ ہی کی عنایتوں کی ظلال ہیں، میری جو حالت ہے وہ تو ظاہر ہے ؎

یظن الناس بی خیرا وانی لشر الناس ان لم یعف عنی

لوگ میرے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں، لیکن اگر وہ درگذر نہ کریں تو میں سب سے برا آدمی ہوں۔

کیا عجب ہے احباب اور بزرگوں کے حسن ظن اور عنایات ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نجات کر دے۔

والسلام

از سلہٹ، خلافت آفس ۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۴۵

مولانا محمد علی صاحبؒ کا شکوہ اور خفگی بجا تھی، مجھکو یہ خبر متعدد طریقوں سے ملی تھی کہ پندرہ بیس دن پہلے سے بڑے زوروں پر تیاریاں ہو رہی تھیں، اگر ایسے رہنمایانِ اسرافات اور فضول خرچیوں نمود و نمائش کو نہ چھوڑیں گے تو عوام الناس کسطرح اقتصاد اختیار کرینگے، یوں میں انکی تمام خفگیوں کو سر اور آنکھوں پر رکھتا ہوں، انشاء اللہ تاریخہائے مذکورہ پر دیوبند حاضر رہونگا، جس دن مولانا محمد علی صاحب کے یہاں عقد تھا، اسیدن شام کو بعد از عشا مولانا عبدالباری صاحب کا بھی عقد اچھے گانوں علاقہ بارہ بنکی میں ہوا، ماشاء اللہ انتہائی سادگی تھی، باہر کے لوگ فقط ہم چار آدمی تھے، مولانا عبدالحلیم صاحب ڈاکٹر عبدالعلی صاحب، یہ نالائق، خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ اور باقی دو یا تین ان کے بھائی اور خود اور ان کے والد صاحب، مہر فاطمی ہوا، کوئی تزک و احتشام نہ تھا، فریق ثانی نے بھی اسکا ثبوت دیا، اللہ تعالیٰ طرفین کو مبارک کرے، مولوی حبیب احمد صاحب واقع میں نہایت عجیب و غریب بنو رنگ ہیں، حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں سلام مسنون عرض کردیں اور درخواست دعا۔ صالحہ گھر میں بھی سلام مسنون عرض کردیں۔ والسلام

از اسٹیشن سہارنپور، ۶ محرم الحرام ۱۳۴۵ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۴۶

والانامہ محررہ ۹ اکتوبر باعث سرفرازی ہوا تھا اب تو جناب خانقاہ میں پہنچ گئے ہوں گے، خداوند کریم وہاں کی حاضری باعث برکات غیر متناہیہ کرے، آمین ؎

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی ٭ بیاد آر حریفان بادہ پیمارا

مجھالی جادہ مجھکو توی امید ہے کہ جناب وہاں پر اپنے اوقات کو مشاغل حقیقیہ میں صرف

فرمائیں گے جس کے متعلق ہدایت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ ایک ضروری عرض محض اخلاص کی بنا پر کرتا ہوں، اور امیدوار ہوں کہ کسی غیر محل پر حمل نہ فرمائیں، میں نے حسبِ ارشاد حضرت مولانا دامت برکاتہم اور آپ حضرات کے ارشاد پر اسوقت بیعت کرلی تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی بداحوالی، روسیاہی، ناکامی پر نہایت زیادہ گریہ کناں ہوں اور سخت شرمندہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مولانا دامت برکاتہم کے دربار میں پہنچادیا ہے اور مولانا کو آپ سے اور آپ کو مولانا سے انس اور تعلق پیدا ہوگیا ہے، وللہ الحمد اللھم زد فزد۔ اب مناسب اور ضروری ہے کہ آپ مولانا سے بیعت بھی کرلیں، مجھے قوی امید ہے کہ مولانا دامت برکاتہم اب آپ کو نہ ٹالیں گے، میں نے خود بھی ان دنوں جب حاضر ہوا تھا، یہی عرض کیا تھا کہ آپ جب تشریف لائیں اور درخواست کریں تو جناب انکو ضرور بیعت کرلیں، قواعد طریقت کے اصول پر بیعت کرلینا ہی زیادہ تر مفید اور کارآمد ہے اور اسی کی بنا پر فیض کی زیادہ تر امید ہے مجھ روسیاہ کو بھی کبھی کبھی دعوات صالحہ سے یاد فرمالیا کریں۔ نیز مولانا دامت برکاتہم سے بھی دعا کی التجا کردیا کریں، جو امر جناب نے مولانا عاشق الٰہی صاحب کی تحریر سے انتزاع کیا ہے، عجب نہیں کہ وہ صحیح ہو، مگر معصومیت تو سوائے انبیاء علیہم السلام کسی کے لئے نہیں والسلام۔ از دیوبند

۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۴۶) ہم نے "یادگار سلف" میں بیعت، حکمت بیعت، ثبوت بیعت، اقسام بیعت اور سلسلہ بیعت پر مفصل لکھا ہے، اس کو ملاحظہ کرلیا جائے، البتہ تکرار و تجدید بیعت جو علماء و مشائخ میں رائج ہے، اس میں کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے، سو جاننا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص مدت تک ایک شیخ کی خدمت میں حسن اعتقاد کے ساتھ رہا اور اپنے اندر اس کی صحبت کا کوئی اثر نہیں پایا تو اس پر ضروری ہے کہ اس شیخ کو چھوڑ دے لیکن حسن ظن برابر قائم رکھے۔ کیونکہ (باقی حاشیہ ص ۱۲۵ پر)

# مکتوب نمبر ۴۷

اس مبارک جہاد پر جس قدر بھی آپ کو مبارک باد دوں کم ہے، اللہ تعالیٰ طرفین بلکہ اطراف ثلاثہ کے لیئے دینی اور دنیوی برکت کا ذریعہ فرمائے آمین، چونکہ مولوی عبد الرحمن نگرامی مرحوم سے مجھکو بھی ذاتی تعلق ہے، اس لیئے اور بھی زیادہ خوشی ہوئی، البتہ آپ کی پہلی اہلیہ محترمہ کے طبعی ملال کا خیال ہے، مگر چونکہ وہ تعلیم یافتہ، سمجھدار، دیندار، نیک مزاج عورت ہیں،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۴) ہو سکتا ہے کہ وہ شیخ کامل رہا ہو اور اس کا حصہ اس کے پاس نہ ہو، لہذا دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرے، اگر ایسا نہ کریگا تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ مقصود خدا سی نہیں بلکہ شیخ پرستی ہے، جو جائز نہیں، یا اسی طرح شیخ دنیا سے رخصت ہو گیا، اور مزید تزکیہ نفس و تطہیر باطن سے محروم رہا تو جائز ہے کہ ایسا شخص دوسرے شیخ کیطرف رجوع کرے یا شیخ موجود ہے، لیکن اب ملاقات کا امکان نہیں تو بھی دوسرے شیخ کو اختیار کیا جا سکتا ہے، یا شیخ کے عقائد و خیالات خراب ہو گئے، بدعات وغیرہ کا خوگر ہو گیا تو بھی ایسے شیخ کو ترک کرنا اور دوسرے کو اپنا مرشد و رہنما بنانا لازمی ہے، چنانچہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا ہے کہ بیعت میں بھی تجدید آئی ہے (مسالک السالکین) حضرت سید جلال الدین بخاریؒ جو مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے نام سے مشہور ہیں، آپ بھی تجدید بیعت کے قائل تھے، حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی نے اس مسئلہ پر بہت مدلل بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ ہم درج کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلعم کے بعد ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وغیرہ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی، مقصود اس بیعت سے محض امور دنیوی ہی نہ تھے بلکہ کمالات باطنی کا حصول بھی تھا، یہ کہنا کسی طرح جائز نہیں کہ فیض اولیاء بعد موت بھی باقی ہے، لہذا دوسرے شیخ کی طلب فضول ہے، حالانکہ اولیا کا فیض مرنے کے بعد اتنا نہیں ہے جو ناقص کو کمال تک پہونچا سکیں۔ اگر موت کے بعد بھی فیض اسی طرح ہوتا جیسا کہ زندگی میں تھا، تو تمام اہل مدینہ نبوت کے زمانہ سے ابتک کل صحابی ہوتے اور کسی کو اولیاء کی صحبت کی ضرورت نہ باقی رہتی، حالانکہ تجربہ شاہد ہے کہ (باقی حاشیہ ص ۱۲۶)

اس لئے مجھکو قوی امید ہے کہ وہ نہ صرف خوش و خرم رہیں گی، بلکہ وہ آیندہ آپکے اور آپکی جدید اہلیہ محترمہ کی خوش وقتی اور طمانیت کی مساعی میں بھی حصہ لیں گی، مجھکو یہ بھی قوی امید ہو کہ آپ حتی الوسع دونوں کے حقوق میں انشاء اللہ مساوات اور عدالت کو کام میں لاتے رہیں گے اور اپنی طاقت کیموافق کوئی ایسا عمل نہ کرینگے جس سے کسی کو رنج و ملال کی نوبت پیش آئے اگرچہ ازواج مطہرات کے واقعات ہم کو ایسے معاملات میں مشعل ہدایت کا کام دے رہے ہیں، ہرچند میرے لئے اس وقت یہاں سے باہر جانا سخت مضر رساں ہو، بہتر تو یہی ہے کہ معاف کردیا جاؤں۔ والسلام۔ از دیوبند۔ ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۴۹ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۵) اہل حرمین شریفین ہمیشہ صحبت و بیعت اولیاء مدینہ منورہ و مکہ معظمہ اور دوسرے شہروں کی اختیار کرتے رہے، اور صرف قبر نبوی صلعم ہی سے استفاضہ پر قانع نہ تھے، اور یہ تو بدیہی بات ہو کہ فیض مردہ مثل زندہ کے نہیں ہو سکتا ہو۔ کیونکہ فیض پہنچانے والے اور فیض حاصل کرنے والے میں مناسبت ضروری ہو، اور یہ چیز مرنے کے بعد جاتی رہتی ہو، اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ بعد فناء بقا کے مناسبت باطنی اور ربط معنوی حاصل ہوتا ہی، لہذا اموات سے فیض حاصل کیا جا سکتا ہو تو کہا جائیگا کہ جو زندگی میں حاصل ہو سکتا ہو اتنا مرنے کے بعد کہاں حاصل ہو سکتا ہو ؎ بہتر ز ہزار شیر مردہ:۔ اس مکتوب گرامی سے ایک اور صورت بھی جواز تکرار بیعت کی ثابت ہوتی ہو کہ شیخ اول کی اجازت سے دوسرے شیخ سے بیعت کرنا جائز ہو۔ بشرطیکہ تعلیم و تربیت اور سلسلہ ہر دو شیوخ کا ایک ہی ہو، حضرت مولانا تھانوی اور حضرت امام العصر دامت برکاتہم دونوں نے تعلیم و تربیت حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پائی ہی، میرے نزدیک تو اسکی بھی ضرورت نہ تھی کہ تجدید بیعت کیجائے، محض تعلیم و تربیت کافی تھی، اگر فراست مدنی پر قربان جایئے، اگر شیخ کی تعلیم پر عمل نہ ہوا اور اس کے کہنے پر اطمینان نہ ہوا، ساری عمر چکی پیسے گا ذرہ برابر نفع نہ ہوگا، یہ تعلق بڑا نازک ہو، یہ مکتوبات شاہد ہیں کہ کجا وہ شوراشوری اور کجا یہ بے نمکی کہ رفتہ رفتہ یہ تعلق بھی اتنا کمزور اور ضعیف ہو گیا کہ اگر کہا جائے کہ باقی نہیں رہا تو خلاف نہ ہوگا، اسکا اعتراف مولانا دریابادی مدظلہ نے اپنے ۹ جنوری ۱۹۵۰ء کے گرامی نامہ میں کیا ہو۔ ؎ مولانا عبدالرحمن صاحب مرحوم (باقی حاشیہ ص ۱۲۷ پر)

## مکتوب نمبر ۴۸

والانامہ صادر ہوا، بخیرو عافیت پہنچنے کی خوشی ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کے بارے میں جو آپ نے فرمایا ہے، یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے، جبکہ نماز کے اندر فعل کثیر ممنوع نہ تھا، اور اسقدر تقیید نہ تھی، جیسا کہ اب بھی ضرورت شدیدہ مثلاً خوف وغیرہ کی حالت میں فعل کثیر اور تحول عن القبلہ کی اجازت ہے، علیٰ ہذا القیاس یہ صورت ہے۔

امر ثانی یہ کہ مجھکو آپ کے تشریف لے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کے گھر میں تمام نمازوں کو بیٹھکر پڑھتی ہیں، آپ ان سے کہدیجئے کہ کم از کم فرائض تو ضرور کھڑے ہو کر پڑھنا ہی اولیٰ ہے۔

والسلام:۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۴۹

والانامہ رجسٹری شدہ باعثِ سرفرازی ہوا، احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی، بہت زیادہ قلق اور اندوہ کے باعث ہیں، پھر نہ معلوم آپ پر انکا کیا اثر ہوگا، "دلے افتاد مشکلہا" کا سماں ہے، پہلے بھی جلدی کیگئی تھی، مگر نیت بخیر تھی، امید قوی ہے کہ اجر سے خالی نہ ہوگا، ہاں نفس کی قدرے اصلاح تو ضرور ہونی چاہیئے۔ اگرچہ بہت باقی ہے موجودہ صورت میں بظاہر فراق ہی بہتر معلوم ہوتا ہے، خصوصاً جبکہ والدہ ماجدہ کا حکم بھی بار بار نافذ ہو چکا ہے، اور تعجیل کا حکم ہے استخارہ سات مرتبہ کیجئے، اور اگر قلب کی حالت فراق ہی کی طرف میلان رکھتی ہے تو اس پر عمل کیجئے، فریق ثانی کے لئے فکر سے غافل نہ رہیں اور انکے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۶) راقم الحروف کے استاد تھے، بڑے ذہین اور فاضل تھے، لیکن مشیت ایزدی کہ عمر نے دغا نہ کیا اور ۳۰۔۳۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا، انا للہ الخ آپکی اہلیہ محترمہ سے مولانا دریابادی نے غالباً سنت کی پیروی میں عقد ثانی کیا اور پھر چند روز کے بعد طلاق دیدیا، والقصۃ بطولہا اس مکتوب گرامی میں اسی جانب اشارہ ہے۔

خاص لوگوں کو جو کہ اس امر میں ساعی یا ممد رہے تھے، اپنی معذوری علیحدگی میں مل کر بابن وجوہ سمجھا دیجئے، اور اہلیہ محترمہ کے ساتھ بعد از فراق بھی کفاف کی اعانت بعد از عدت قائم رکھیئے، اگرچہ بمقدار قلیل ہو، طلاق صرف ایک ایام طہر میں دو گواہوں کے سامنے تحریری یا زبانی دیجئے اور اہلیہ قدیمہ کو بھی اس کی اطلاع دیدیجئے، آپ کا لہجہ علی برادر کی اعانت اور الجمعیۃ کی اہانت میں بہت سخت ہوگیا ہے۔ افسوس کہ شوکت صاحب کے معاملات قابل تاویل باقی نہیں رہے، مسلمانوں کا مستقبل روز بروز اندیشہ ناک ہوتا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، ذکر سے تغافل ہرگز نہ کریں، ع

من نہ کردم شما حذر بکنید

اللہ تعالیٰ آپ کی اور ہماری اور مسلمانوں کی مدد فرمائے۔ والسلام

از دیوبند۔ ۲۶ محرم الحرام ۵۰ھ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۵۰

آپ نے بہت اچھا کیا کہ رنگون کے خط کو شائع نہیں کیا، میں بیحد شکر گذار ہوں اور نہایت ادب اور بر نہ ور التجا کے ساتھ عرض رساں ہوں کہ مہربانی فرما کر اس قسم کی تحریر کبھی بھی اوراق میں آنے نہ دیجئے، بلکہ زبانی تذکرہ تک سے بھی قطعی پرہیز فرمایئے مجھے تو آپ سے یہ بھی شکایت ہے کہ آپ میری تعریف (جو کہ میرے نزدیک بالکل غیر واقعی ہوتی ہے اور انسان کو اپنا علم حضوری اور صحیح ہوتا ہے) دوسروں کے سامنے کیا کرتے ہیں، میری دلی خواہش ہے جو کہ میں بلا تصنع عرض کرتا ہوں، کہ اس سے آپ کلی پرہیز فرمائیں اگر آپ میرے واقعی عیوب ظاہر نہیں فرماتے یا خداوندی ستر کی وجہ سے واقع میں آپکو اطلاع نہیں ہے تو ان غیر واقعی مدائح کو تو زبان پر نہ لایا کریں اگر آپ کسی غلطی میں مبتلا ہوگئے ہیں تو دوسروں کو تو ایسے ناخوش گوار گڑھے میں نہ ڈھکیلیں، اللہ ثم باللہ ثم تاللہ

میں اس قدر نالائق و ناہنجار، گنہگار، دنیا پرست، سگ دنیا، اور بدکردار ہوں کہ اگر محض اپنے فضل و کرم سے اس غفار الذنوب، ستار العیوب نے کام نہ لیا تو اشد الناس عذاباً اور اخسر الخاسرین میں ہوگا، فلہ الحمد علی حلمہ وعلیٰ عفوہ بعد قدرتہ، میرا اپنے آپ کو ننگ اسلاف کہنا اور لکھنا واقعیت کی بنا پر ہے، کسر نفسی کی بنا پر نہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری برائیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے، ورنہ لوگ مجھ سے اس سے زیادہ نفرت کرتے جتنی سور اور کتے سے کرتے ہیں ؎

یظن الناس بی خیراً وانی لشر الخلق ان لم یعف عنی

میں آپ سے پھر خدا اور رسول (علیہ السلام) کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ اس قسم کے خطوط اور تحریروں کو ہرگز اپنے یا کسی اخبار میں جگہ نہ دیں، امارت کیلئے بہت سے اہل اور لائق اشخاص موجود ہیں، مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا انور شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب وغیرہ، میں ان حضرات کے دست مبارک پر بیعت امارت کرنیکے لئے تیار ہوں اور انشاء اللہ حتی المقدور اطاعت کرونگا۔ خواب مبارک ہے، اگر خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے مجھے کچھ نوازے تو اس کا کرم ہے۔ والسلام

در دیوبند۔ ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۱۵

والانامہ باعث سرفرازی ہوا۔ بھانہ کبون کی تشریف ارزانی کے متعلق مجھ روسیاہ و نالائق سے اجازت چاہنا عجیب بات ہے، میں تو خود ہی ناکارہ ہوں، اور اس امر کو ہمیشہ عرض کرتا رہا ہوں، بناوٹ اور کسر نفسی سے نہیں، بلکہ حقیقت الامر کی بنا پر، مگر میری عرض پر التفات نہیں کیا گیا، اس سے بڑھ کر کیا چیز خوشی کی ہوسکتی ہے کہ مقصد اصلی اور محبوب حقیقی

کی بارگاہ اقدس تک رسائی ہو، جو کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی بارگاہ میں ارجی ہے۔
اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی مرضیات سے نوازے، آمین۔ والسلام

از دیوبند ۹ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۵۲

یادآوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور ساتھ ہی ساتھ اس کی شکایت بھی ضرور کرتا ہوں کہ آنجناب غریب خانہ پر مہمانوں کی آمد اور ان کی خدمت کو ہوٹل یا سرائے قرار دیتے ہیں، کیا مہمانوں کا آنا خوش نصیبی نہیں ہے؟ کیا مہمانوں کی خدمت سنن انبیاء خصوصاً سنت ابراہیمی نہیں ہے؟ کیا مہمان نوازی اعلیٰ درجہ کے مفاخر میں سے نہیں ہے؟ کیا ارشاد نبوی نہیں ہے من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں مہمان کی خدمت کی تاکید نہیں فرمائی ہے؟ فالعجب العجب میں مہمانوں کی کبھی بھی انکے مراتب کے موافق خدمت نہیں کر سکا جس سے مجھکو شرمندگی رہتی ہے، اسپر آپ کے ایسے الفاظ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیا اثر کر رہے ہیں، کاش آپ میرے بڑوں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت نانوتویؒ کو ملاحظہ فرماتے اور پھر فیصلہ کرتے کہ میں کسقدر قاصر ہوں، اعزہ احباب سے سلام مسنون عرض کر دیں۔

والسلام۔ از دیوبند ۱۲ر رجب ۱۳۵۱ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

حاشیہ مکتوب نمبر ۵۲ اکسی ستم ظریفی ہو کہ جو بات اپنی سمجھ میں۔ آئے جھٹ اسکو غلط کہدینا اور اعتراض کا ایسا انداز اختیار کرنا جو اہل علم کی۔ ان کے منافی اور استادی و شاگردی، پیری و مریدی بلکہ طریق کے اندر سخت معیوب ہے سوالا در یا بادی کا شمار اہل علم میں ہے اور ماشاء اللہ اب تو وہ اچھے خاصے درویش بھی ہیں، گستاخی نہ ہو تو ینہ بی زبان سے عرض کروں کہ ماہرین طریقت کی اتباع ہی میں سب کچھ ہے، بزرگوں کا قول ہے "الاعتقاد خیر من الانتقاد" لہٰذا ہر چیز کے اندر (باقی ص ۱۳۱ پر)

# مکتوب نمبر ۵۳

مجھکو تعلیمی مشاغل سے فرصت نہیں، ادہر دہلی جانا بخوف نوٹس غیر مناسب معلوم ہوتا ہے حسب پروگرام وقت پر قانون شکنی کے لئے انشاء اللہ جانا ہو جائیگا، تلامذہ کی تعلیم کے لئے دوسرے اساتذہ موجود ہیں کسی کے تڑپنے کی انشاء اللہ نوبت نہ آئیگی، مولانا عبد الحلیم صاحب کو دو سال کی مہمانی کا شرف حاصل ہو گیا، کچھ بعید نہیں کہ کارکنان دار العلوم دیوبند اس مرتبہ کی مہمانی ہیں کے بعد میرا تعلق ہی دار العلوم سے قطع کر دیں، جہانتک سنا جاتا ہے لوگ اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح اسکا پاپ کٹو واللہ اعلم، خیر اللہ تعالیٰ جو کچھ بہتر ہو اسکو ظاہر فرمائے آمین۔ والسلام۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۰) اسرار و دلائل کا ڈھونڈھنا بہتر نہیں ہے، اتباع ہی بہتر ہے، باقی جنہوں نے اساتذہ سے احادیث پڑھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ مہمان نوازی کا کیا درجہ ہے، ترمذی کی یہ روایت تو یاد ہوگی کہ ابو الاحوص اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا، یا رسول اللہ اگر میں کسی شخص کے پاس مہمان ہو کر گذروں اور وہ مہمانی نہ کرے اور پھر وہ اگر میرے یہاں آئے تو میں کیا کروں؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تو اسکی مہمان نوازی کر" دوسری روایت میں ہے فاطعموا طعامکم الا تقیاء، اپنا کھانا متقیوں کو کھلاؤ، تیسری روایت میں فاجتمعوا علیٰ طعامکم یعنی اپنے کھانے پر اکٹھا ہو کر کھایا کرو، حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے اصولی روایات کا یہی ذکر فرمادیا ہے اور تمام روایات کو ملانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کے یہاں جو کچھ ہوتا ہے اتباع نبوی صلعم ہی کے تحت ہوتا ہے، مثلاً ایک ہی پیالے اور سالن میں کئی کئی آدمی شریک ہو جاتے ہیں، ممکن ہے کل کو اسی پر اعتراض کیا جانے لگے اور نام کے مہذب اسکو بھی برا سمجھیں لیکن ایک عارف مدنی کی نگاہیں حد نظر کی پابند نہیں جو چند قدم کے بعد ٹھٹک کر رہجاتی ہے بلکہ وہ برای العین دیکھتا ہے کہ سب کا منشاء مطمح نظر محض دنیا طلبی کا ہے اور زمانہ حاضرہ کا سب سے مرض سنن انبیاء سے آزاد ہو جانا ہے اسلئے ضروری تھا کہ اسوۂ محمدی کا عامل اور سنت نبوی کا عاشق، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے غرض کہ جملہ طریق آداب نبوی کی تعلیم و تربیت ہی کو اصلاح امت کا واحد علاج تجویز فرماتا کہ اور سے کار پاکاں را قیاس از خود مگیر : گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر۔

## مکتوب نمبر ۵۴

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا، لڑکیوں کا نعام سنت نبوی ہے، مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ صالحہ طویل العمر کرے، آمین، یہی نہیں کہ فقط سنت ہے، بلکہ والدین کیلئے لڑکیوں کی خوشی اور دلدہی سے پرورش باعثِ نجات اخروی اور رفع درجات بھی ہے، چنانچہ متعدد روایات صحیحہ اس پر تصریح فرمارہی ہیں، لہذا امید کرتا ہوں کہ آپ طبعی طور پر دل تنگی نہ ہونی چاہیئے فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا کو بھی پیش نظر رکھیئے۔

کھجوریں بھائی صاحب نے رجب میں روانہ فرمائیں، آپ فرماتے ہیں کہ انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ آپکے حصہ کی کھجوریں حسین احمد کے پاس بھیجدیں، کیا یہ احتجاج کیلئے کافی ہے؟ میرے پاس تو نہیں لکھا، لہذا مجھ پر الزام نہیں ہو سکتا، اور پھر کوئی مقدار نہیں، اسلئے ممکن ہے کہ ایک ہی دانہ پیش کرکے سبکدوش ہو سکوں، کلام مجید کا ترجمہ نعمت عظیمہ ہے، اللھم زد فزد۔ فللہ الحمد والمنہ۔ والسلام۔ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۵۵

آنجناب کی توجہات کا شکریہ ادا کرتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ تو حضرت ممدوح دامت برکاتہم

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۵) عربی کا مشہور مقولہ ہے، "المعاصرۃ سبب المنافرۃ" چنانچہ علامہ سیوطی و سخاوی وغیرہم اکابر کے واقعات جس طرح اس پر گواہ ہیں اسی طرح اسلاف کبار کے حالات میں ابن علیہؒ اور امام مالکؒ کی باہمی ملاقات اور پھر ایک دوسرے کی عظمت کا اعتراف کتب طبقات و رجال میں موجود ہیں حضرت امام العصر دامت برکاتہم پر اسلاف کا گہرا رنگ اس درجہ غالب ہے کہ اسلاف کی بلندی دیکھتے ہوئے اپنے کو ننگ اسلاف لکھنا ذرا بھی عار نہیں سمجھے اور بقول حضرت گنجی (باقی حاشیہ ص ۱۳۳ پر)

کا نہایت معتقد اور ان کی تنظیم اور احترام کو نہایت ضروری سمجھتا ہے، انکی قابلیت اور کمالات کے سامنے اتنی بھی نسبت نہیں رکھتا جو کہ طفل دبستاں کو فلاطون سے ہو سکتی ہے، البتہ تحریک حاضرہ کیمتعلق جو چیزیں وہاں سے شائع کرائی جاتی ہیں، اور جو کچھ وہاں کی متوسلین گاتے ہیں وہ نہایت دلخراش ہیں، میں مولانا کو اپنا مقتدا اور اپنے اکابر میں سمجھتا ہوں۔ والسلام

۱۵ ارشوال سنہ ۱۳۵۲ھ از رسڑا۔ ضلع بلیا۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۵۶

چوں باحبیب نشینی و بادہ پیمائی　　بیاد آر محبان جادہ پیما را

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، اپنے مشاغل قلبیہ سے غافل نہ رہیں ذکر میں کوشاں رہیں، مولانا دامت برکاتہم کی خدمت میں جسقدر بھی بیٹھنا ہو غنیمت جانیں، اس وقت میں جہانتک ممکن ہو ذکر کا خیال رہے، اور قلب حاضر ہو۔ صحبۃ الشیخ ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ قول اکابر ہے حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خدمت میں سلام مسنون اور استدعا دعوات صالحہ و صرف ہمت عرض کر دیں، میں اس وقت لکھنؤ برائے شرکت عقد مولانا عبدالباری جا رہا ہوں، والسلام۔

از سٹیشن سہارنپور۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۲) امداد اللہ رحمہ اللہ کہ انفاق کی جڑ تو اضع ہی، اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے تو پھر نااتفاقی کی نوبت ہی نہ آئے، سبحان اللہ، کیا حقیقت ظاہر فرمائی، حضرت امام العصر دامت برکاتہم پر یہی رنگ غالب اور اپنے اکابر کی نسبت چھائی ہوئی ہے، جسکو بادی النظر میں کسر نفسی اور خلقی سے بعض سطحی لوگ تعبیر کرتے ہیں، اور کہنا پڑتا ہے کہ (باقی حاشیہ ص ۱۳۴ پر)

# مکتوب نمبر ۵۷

مخدما کرم و تصیلی - نہایت افسوس کے ساتھ مطلع کرتا ہوں کہ ۱۸/۱۹ شعبان ۱۳۵۵ھ چہار شنبہ، پنجشنبہ کی درمیانی شب میں والدہ اسعد دہلی میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئیں - اِنَّا لِلّٰہِ الخ مجھ کو شب ہی میں تار ملا، دہلی پہنچا، جنازہ دیوبند لایا - اور پنجشنبہ کی شام کو مرحومہ کو سپرد خاک کیا گیا، دعائے مغفرت فرمائیں، دعوات صالحہ و کار لائقہ سے فراموش نہ فرمائیں، والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۵۸

میں جناب سے ریل میں جدا ہو کر شب میں ٹانڈہ پہنچا، وہاں میرے تائے زاد بھائی محمد بشیر صاحب کی لڑکی دو سال سے بیوہ تھی، اس کو نکاح کے دو تین سال کے بعد بیوگی کا منہ دیکھنا پڑ گیا تھا صرف ایک بچی پیدا ہوئی تھی جو کہ تھوڑے ہی دنوں میں زندہ رہکر راہی ملک بقا ہو گئی تھی، اس بیوہ کے نکاح کا عرصہ سے جھگڑا چلا آتا تھا، مختلف مقامات پر اسکے نکاح کے لئے گفتگو ہوئی تھی، مگر کوئی جگہ مناسب ہاتھ نہ آئی تھی، میرے احباب نے بغیر میری منشا اور تحریک کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳) برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اسکے اندر ہوتا ہے، اس مکتوب گرامی میں حضرت مولانا تھانوی کے کمالات کا اعتراف جس حوصلہ سے فرمایا ہے اسکی نظیر صرف مخصوص حضرات کے برتن کے اندر پائی جاتی ہے اور یہ امام العصر کا وہ مقام ہے جہاں تک تو معاصرین پہنچ ہی نہیں سکتے اور دوسرے ابھی کیسا سیاسی تحریکات میں تھانہ بھون سے جو کچھ شائع ہوا اور خلافت وغیرہ کے دور میں تحریک سے جس درجہ اختلاف کیا گیا، اور پھر ۱۹۴۶ء کے الکشن تک قائم رہا، جن بھولے بھالے علماء نے حضرت حاجی صاحبؒ کے سیاسی مسلک اور طریق کار سے علیحدہ ہو کر فتنہ کھڑا کر دیا اسکا ذکر احادیث فتن کے اندر موجود ہے حضرت حاجی صاحبؒ کی صحیح جانشینی حضرت مولانا نانوتویؒ، حضرت قطب گنگوہیؒ، شیخ الہندؒ اور حضرت امام العصر دامت برکاتہم وغیرہ نے فرمائی، حق اور انصاف یہی ہے، مگر کون ہے جو اس کا اعتراف کریگا؟ تھانہ بھون سے جو کچھ کہا گیا رسالہ الامداد وغیرہ کی پرانی فائلیں شاہد ہیں جنکو ہم ڈر کے خیال سے شائع نہیں کر رہے ہیں۔

اس میں تحریک شروع کردی تھی، کیونکہ بھائی محمد ظہیر صاحب جو کہ بھائی محمد بشیر صاحب کے بڑے بھائی ہوتے ہیں بطور تعزیت دیوبند گئے تھے، میں اس جگہ کو غیر مناسب نہیں سمجھتا تھا، بالخصوص اس بنا پر کہ اپنے گھر ہی کا معاملہ ہے، اگرچہ اس وجہ سے کہ میں اس ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ رہا ہوں اور لڑکی کی عمر تقریباً بائیس ۲۲ سال ہے، عدم تناسب بھی تھا، مگر اتحاد خاندانی اور اسکی بیوگی، اور کسی موزوں جگہ کا ہاتھ نہ آنا، کیونکہ جن جگہوں سے اسکے رشتے آرہے تھے، انکی بیویاں موجود تھیں مگر وہ اپنی بیویوں سے خوش نہ تھے وغیرہ امور اس کے متقاضی ہوئے کہ میں اس کو منظور کروں میں نے استخارہ کیا، اس سے پہلے دیوبند میں اور دوسری جگہوں میں آٹھ نو جگہ سے پیغام کنواری اور بیوہ لڑکیوں کے لئے آیا تھا، مگر میں نے توقف کیا تھا، بہرحال صبح بروز دوشنبہ ۳۰ رشعبان کو میرے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا، لڑکی کے تائے نے ظاہر کیا کہ گھر میں سب لوگ راضی ہیں جب تو سلہٹ سے واپس ہو تو عقد کرکے ساتھ لیتے جانا، میں نے انکو نشیب و فراز پر متنبہ کیا، بالخصوص اپنی عمر کے متعلق چونکہ وہ ہمارے خاندان میں مردوں میں سب سے زیادہ عمر والے ہیں، ہم بھائی انکے سامنے بچے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں بخوبی واقف ہوں اور جملہ امور پر کافی غور کر چکا ہوں، اور گھر میں بھی عورتوں مردوں نے غور کر لیا ہے۔ تب میں نے کہا کہ اگر لڑکی اور اسکی ماں وغیرہ راضی ہیں تو کیوں نہ عقد ابھی کر دیا جائے میں عقد کر دینے کے بعد اسوقت چلا جاؤنگا اور واپسی پر لیتا جاؤنگا، جو لوگ مجھکو اپنی محبت کیوجہ سے مختلف مقامات سے پیغام دیتے اور تحریک کرتے ہیں ان لوگوں کو مزید تکلیف کی حاجت نہ رہے گی، بہت سے جھگڑے بند ہو جائیں گے، انہوں نے کہا کہ اسکا تذکرہ نہیں آیا ہے، ابھی مشورہ کرکے خبر دیتا ہوں۔ الحاصل انھوں نے مشورہ لیا اور چھوہارے منگا کر اس مجمع میں جس میں کچھ احباب ملنے کی غرض سے آئے تھے، مہر فاطمی پر عقد کر دیا، اس کے بعد حمید اور اسکے خسر وغیرہ کا اصرار ہوا کہ ایک شب یہاں قیام کر لیا جائے، زیادہ اصرار پر بجز اس کے کوئی چارہ نظر نہ آیا، چنانچہ یکم رمضان سہ شنبہ کو میں ٹانڈہ سے روانہ ہو گیا، جو حالت شاہدہ ہوئی مجھ کو قوی امید ہے کہ یہ عقد باعث طمانیت خاطر ہوگا، آئندہ جو تقضائے الٰہی ہو اس میں

دم مارنے کی جگہ نہیں ہے، اسعد بخیریت ہے، اپنی نئی اماں سے بہت زیادہ مانوس ہو گیا ہے، حتی کہ اس نے یہاں کی عورتوں سے کہا کہ مجھکو اپنی نئی اماں سے استدر محبت ہو گئی ہے کہ اب مجھکو اپنی پہلی اماں کی یاد نہیں ستاتی، اور اسکو بھی اسعد کیساتھ گرویدگی ایسی معلوم ہوئی جو کہ اپنے بچے سے ہوتی ہے۔ اللھم زد فزد والسلام

حسین احمد غفرلہٗ

۲۲ ر رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

# مکتوب نمبر ۵۹

## پروفیسر مولانا عبد الباری صاحب ندوی شبستان قدم رسول ہارڈنگ روڈ لکھنو کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے اس فریضہ سے سبکدوشی عطا فرمائی اس کے کرم سے امید ہے کہ شرف قبولیت بھی عطا کریگا، والدین کی خدمت اور خوشنودی ہر طرح سے باعث سعادت ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اصلاحات قلبیہ نہایت ضروری ہیں، مگر افسوس اسکا ہے کہ آپ حضرات نے نہایت ناکارہ اور نالایق کیساتھ رشتہ عقیدت وابستہ کیا ہے؛ لقد استسمنت ذاورم ونفخت فی غیر ضرم[1]۔ مجھکو خود اپنی حالت پر رونا آتا ہے، اور نہایت زیادہ شرماتا ہوں

---

[1] یہ عربی کی ایک مثل ہے، جس کے معنی ہیں کہ میں سوجن کو موٹاپا شمار کرتا ہوں (حالانکہ وہ فربہی نہیں ہے) دوسرے فقرہ کے معنی ہیں کہ میں نے بے فائدہ کوشش اور وقت ضائع کیا گویا بغیر چنگاری کے آگ سلگانا چاہا۔ اللہ اکبر! اس خاکساری کی بھی کوئی انتہا ہے، اور آپ کو اسدرجہ مٹا دینا کسی کے تصور میں آسکتا ہے؛ کسی نے سچ کہا ہے

فنا بغیر بقا کا پتہ نہیں چلتا
خودی مٹائے نہ جبتک خدا نہیں ملتا

کاش احباب کی توجہات اور دعاؤں اوران کے حسن ظن کی بنا پر نجات ہو جاتی۔

بہرحال جب بھی آپ کو اور جسقدر بھی فرصت ہو بلا تکلف اور بلا کسی قسم کے خیال کے تشریف لائیں، اور قیام فرمائیں، میں نے بھی مستقل مکان کا انتظام کر لیا ہے جسکی طرف ۲ دو تین ۳ ہفتہ میں انشاء اللہ منتقل ہو جاؤں گا۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ

# مکتوب نمبر: ۶

محترما! حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دل کو حاضر کر کے ذکر نہیں کیا جائے گا تو فائدہ مترتب نہ ہوگا، اگرچہ سالہا سال تک یہ عمل جاری رکھا جائے میں بھی اس ارشاد کو بڑے درجہ تک تسلیم کرتا ہوں، اگرچہ زبان کا ذاکر ہونا بھی ضرور بالضرور فائدہ رکھتا ہے، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس سے کوئی بھی فائدہ نہیں ہے، ثواب ذکر مترتب ہوتا ہے اور زبان سے تعدی قلب تک ہوتی ہے، جوارح اور روح کو بھی کچھ نہ کچھ انصباغ کی نوبت آتی ہے، مگر واقعیت یہ ہے کہ یہ فائدہ اس فائدہ کے مقابلہ میں جو دل لگنے پر ہوتا ہے، کان لم یکن ہے، نفس طبعی طور پر عالم تجرد سے متنفر ہے، چونکہ خود مادی ہے اسی کی اس کو طبعی رغبت ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ مثل اطفال اس کو بہلا پھسلا کر آہستہ آہستہ راہ پر لگایا جائے ؎

والنفس کالطفل ان تھملہ شب علی حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم [۱]

اگر نفس کو افیون، یا سنکھیا یا گانجہ، بھنگ وغیرہ غیر لذیذ کا عادی بنایا جا سکتا ہے، اگر اس سے جفاکشی کے وہ کام جن پر غیر معتود ہرگز صبر نہیں کر سکتا، لئے جا سکتے ہیں، اس ہی

---

[۱] (ترجمہ) اور نفس کی حالت تو اس شیر خوار بچہ کی طرح ہے جو دودھ پیتا ہے، اگر اس کے دودھ کو بچپن ہی میں نہ چھڑا دیا گیا تو جوان ہونے پر دشواری ہوگی۔

انجنوں اور بھٹیوں کے سامنے دن ورات سخت گرمی میں خدمت لیجا سکتی ہے، وہ جمناسٹک ظاہر الاستحالہ باتوں پر قابو پا سکتا ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تدریجاً عالم قدس کا حاضر باش نہیں کیا جا سکتا، مگر محنت اور استقلال، قوتِ عزم شرط ہے ؎

یقین میدان کہ آن شاہ نکونام — بدستِ سر بریدہ مید ہد جام

میرے محترم! جس قدر مطلوب بڑا ہوتا ہے اسیقدر اسکے لئے مشاق کا برداشت کرنا ضروری اور لازم ہوتا ہے، اسی قدر عالی حوصلگی اور عالی ہمتی لازم ہوتی ہے ؎

یغوص البحر من طلب اللآلی — ومن رام العلی سہر اللیالی

بیشک نفس بھاگیگا، اس کو دو منٹ بیٹھنا دشوار ہوگا، مگر اس کو متعوب کیجئے انشاءاللہ جلد از جلد رحمت الٰہی شامل حال ہوگی، چھوٹے بچے کو بھی قاعدہ پڑھتے ہوئے دل تنگی پیش آتی ہے مگر آہستہ آہستہ معتود ہو جاتا ہے، اور طبعی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ کوشش فرما کر مداومت کریں اور حتی الوسع دل لگائیں، عنایت الٰہی شامل حال ہوگی، تدریجاً اطمینان بھی پیدا ہوگا اور انقلاب صفات ذمیمہ کی نوبت آئے گی، ؎

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی زآفتاب — لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

رسالہ امداد السلوک مصنفہ حضرت گنگوہیؒ اور رسالہ صراط مستقیم مصنفہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ زیر مطالعہ رکھیں، قلبی ذکر میں سانس کا ذکر اگرچہ جاری رہے مگر توجہ بالذات قلب کیطرف رہنی چاہیئے، سانس سے قطع نظر رکھیں خواہ وہ اسکے ساتھ جاری رہے یا نہیں، یہ کشمکش برائے چندے پھر زائل ہو جائے گی، اور ہر ایک دوسرے سے متمیز ہو جائیگا، تسبیح پاس رہنا مضر نہیں ہے، کنز العمال میں ہے نعم المذکر السبحۃ۔" یاس اور ناامیدی کو کبھی پاس نہ آنے دیں: "انا عند ظن عبدی بی" اس نالائق و ناکارہ کو دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، اور جب آسانی ہو تو یہاں چندے قیام فرمائیں۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، دیوبند ۲۲ صفر ۱۳۴۸ھ

# مکتوب نمبر ۶۱

(۱) اس کا خیال رکھیں انشاء اللہ العزیز رفتہ رفتہ دوام حاصل ہوگا۔

(۲) بہت مناسب وقت ہے۔

(۳) گریہ اگر خود بخود طاری ہو تو بہتر ہے، کوشش کی زیادہ ضرورت نہیں اگرچہ نص میں موجود ہے۔ ان لم تبکوا فتباکوا (الحدیث) بعض اسلاف گریہ ہی کو مقصود بالذات فرماتے ہیں، مگر تحقیق یہ ہے کہ گریہ خلوص ذکر کا ذریعہ ہے، اسلئے مقصود بالذات ذکر ہی ہے، کام کیجئے۔ انشاء اللہ حالت پیدا ہوگی

(۴) بمجھے اس وقت کوئی تدبیر مخصوص یاد نہیں آئی، جس کا میں نے تذکرہ کیا ہو، ہاں حقیقی محبوب اور اسکی صفات کمالیہ کا تدبر اور اپنی احتیاج اور مفارقت وتقصیرات عشقیہ کا خیال انشاء اللہ بےچینی اور قلق پیدا کرکے رہیگا۔ لا تیئسوا من روح اللہ الایۃ۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۱) حضرت مرشد محترم ادام اللہ فیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ابکی حضرت کی خدمت میں چند دن کی حاضری کی سعادت کے سلسلہ میں حضرت کی مصروفیت کا پورا اندازہ ہوا، یہ محض میری ناواقفیت وجہالت کی جرأت تھی کہ حضرت کے اوقات ومشاغل کا اندازہ کئے بغیر لمبے چوڑے عریضے لکھتا اور مفصل جواب کی توقع کرتا تھا، اب اگر حضرت پسند فرمائیں تو آئندہ سے ہر عریضے میں صرف دو ایک باتیں اپنی نسبت عرض یا دریافت کرلیا کروں، وہ بھی اسطرح کہ جواب کیلئے عریضہ ہی کے حاشیہ پر کافی جگہ چھوڑ دیا کرونگا تاکہ اسی پر تحریر فرمادیا جایا کرے۔ (۱) پاس انفاس کی صبح وشام پابندی کے بجائے اب چلتے پھرتے ہر وقت خیال کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن اکثر بھول جاتا ہوں (۲) ذکر قلب پہلے عشا کے بعد کرتا تھا اب تہجد یا نماز فجر بعد کرتا ہوں (۳) حضرت نے ابکی فرمایا تھا کہ اس ذکر کے ساتھ گریہ کی کوشش کیا کرو (۴) اسکی کوئی تدبیر بھی فرمائی تھی بدبختی سے خیال سے اتر گئی ملتجی ہوں کہ تحریر فرمادیں۔ والسلام

حضرت کا بدنام کرنیوالا نالائق۔ محتاج دعا، عبد الباری غفرلہٗ۔ حیدرآباد۔ ۳۰ر صفر ۱۳۴۵ھ

# مکتوب نمبر ۶۲

اللہ حاضری اللہ ناظری الخ میں بھی صرف دھیان یعنی تفکر نہیں مطلوب ہے، بلکہ زبان سے بھی کہنا چاہیئے، البتہ معنی کا خیال رکھتے ہوئے اور اسم سے مسمیٰ کیطرف منتقل ہوتے ہوئے ذکر کرتے رہیں، چونکہ صفات حضور و ناظریت و معیت کی ہیں، اسم جلالہ کی نہیں ہیں لہذا یہ دھیان رہنا چاہیئے کہ وہ ذات مقدسہ بلاکم وکیف، بیچوں وبیچگوں ان معانی کی ساتھ متصف اور مشاہد ہے اسیطرح یاحی یاقیوم (الخ) میں الفاظ کے ساتھ اس مسمیٰ اور ذات مقدسہ کا دھیان رکھتے ہوئے مخاطبت کرنی چاہیئے اور عدد مذکور کو پورا کرنا چاہیئے انگریز یا دیگر عیسائی یورپین قومیں حربی اور محارب قطعاً و یقیناً ہیں، ان کے خالص بنک بلاشبہ اس حکم کے مستحق ہیں، کافر حربی جبکہ محارب ہے اس کی اعانت بھی دشمن کی اعانت ہے اور اس کی تقویت کا ذریعہ ہے، لہذا ممنوع ہوگا بخلاف عاصی کی اعانت کے کیونکہ اسمیں دشمن کی تقویت لازم نہیں، خصوصاً جبکہ اسکی اعانت امور اضطراریہ وغیرہ میں ہو، لہذا دونوں میں فرق ہوگا

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۹ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ از دیوبند

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۲) حضرت مرشد محترم ادام اللہ فیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ. خادم کو وطن سے واپس آئے ہوئے آج پانچواں دن ہے، ابھی اثناء سفر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بھوپال اسٹیشن پر کچھ کھانا لینے کے خیال سے ڈبہ سے باہر آیا، سامنے ہی ایک خوانچہ دکھلائی پڑا جنمیں تین بڑی بڑی المونیم کی پتیلیاں بند رکھیں تھیں بیچنے والا سامنے نہ تھا، قرینہ سے مسلمان سمجھا اور ایک پتیلی کے صرف ڈھکن کو ہاتھ لگا دیا، اتنے میں وہ آگیا تو ہندو تھا، کہا کہ اب تو سب خراب ہو گیا، اور سب کے دام آپ کو دینا پڑینگے، ایسے موقع پر ذرا مشتعل ہو جایا کرتا ہوں، لیکن اسوقت کوئی فوری اشتعال نہیں پیدا ہوا بلکہ معاً ذہن میں یہ خیال آیا کہ اسکا نقصان ہو گیا ہے جو مجھکو ادا کرنا چاہیئے، اور جو کچھ اسنے مانگا دیدیا اور پوریاں وغیرہ جو کچھ تھیں وہ اسی جگہ مسلمانوں کو تقسیم کر دیں، لیکن بعد کو (باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۱ پر)

# مکتوب نمبر ۶۳

واقع میں ایک غیرت دار شخص کا یہ خیال بجا ہے، مگر اسی کے ساتھ چند امور قابل ملاحظہ ہیں، تاریخ بتلاتی ہے کہ ہند میں ابتداءً جب مسلمان آئے عام طور سے اہل ہند بودھ مذہب رکھتے تھے، اور ترک چھوت چھات تو درکنار بیاہ شادی تک بخوشی کرتے تھے جس طرح آج برہما، سیام چین کھاسیا پہاڑوں وغیرہ میں رائج ہے، اور اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ اختلاط نے نہایت قوی تاثیر کی، خاندان کے خاندان مسلمان ہو گئے، مغربی پنجاب خصوصاً سندھ میں مسلمانوں کی زیادتی کا بڑا راز یہی ہے۔ اسکے بعد جبکہ محمود غزنوی مرحوم کا زمانہ آیا ہے تو ہندوؤں میں مختلف احوال کی وجہ سے اشتعال پیدا ہوتا ہے، اور شنکر اچاریہ عام مذہب ہند کو بودھ سے نکال کر برہمنی بناتا ہے، اور حکومت بودھ کی کمزوری کی بنا پر جو کہ افغانستان، بلوچستان، سندھ، لاہور سے فنا کردی گئی تھی اور وسط ہند کے بھی بودھ رجواڑے محمود مرحوم کے پے در پے حملوں سے یکسر کمزور ہو گئے تھے، شنکر اچاریہ کو عوام پر بڑی کامیابی حاصل ہو جاتی ہے، چاروں طرف دبے ہوئے برہمن جن کو بودھوں نے تقریباً دفن کر دیا تھا اٹھ پڑتے ہیں، اور تھوڑی سی مدت میں پھر برہمنی مذہب اقطار ہند میں پھیل جاتا ہے، اسی کے دلدادہ ہو جاتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۰) سب سے پہلا جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ آئندہ سے کھانے پینے کی چیزیں تو قطعاً ہندوؤں سے نہ خریدوں اور دوسری چیزیں بھی جہانتک مسلمانوں سے مل سکیں ہندو دوکانداروں سے پرہیز ہی کروں بلکہ ذہن نے کچھ اس قسم کی تدبیریں بھی سوچنا شروع کیں کہ مسلمانوں کو عام طور سے کیسے بچایا جا سکتا ہے، اور باوجود سراپا بے عمل ہونے کے جی چاہتا ہے کہ اس کیلئے کچھ کروں ان بعد کے خیالات کی نسبت یقین کیساتھ نہیں عرض کر سکتا کہ انتقام کے جذبہ سے پاک ہیں، بلکہ جہانتک اپنی طبیعت کا عام اندازہ ہے انتقام کا جذبہ غالباً ضرور شریک ہو گیا ہوگا، اور للّٰہیت یا تو مرے سے نہ ہوگی یا نہ ہونے کے برابر، اسی لئے دل میں ساتھ ہی (باقی حاشیہ ص ۱۴۲ پر)

برہمن چونکہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام کا سیلاب اختلاط کی بنا پر ان کے اقتدار ہی کو نہیں بلکہ مذہب کو بھی مٹا رہا ہے، جس کے بنا پر ان کے مذہبی اور دنیاوی سیادتوں کا خاتمہ ہو جائیگا اس لئے انھوں نے عوام میں نفرت کا پروپیگنڈہ پھیلایا، اور مسلمانوں کو ملیچھ کا خطاب دیا، گاؤکشی اور گوشت خوری کو اسکے لئے ذریعہ بنایا، عوام ہند کی ذہنیت ہمیشہ سے تارکین دنیا کی پرستش کرنے والی واقع ہوئی ہے، خصوصاً ہندو ذہنیت جسقدر سادھو اور فقیر کی پرستش کرتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ یہ ذہنیت بہت جلد شرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک پھیل گئی، اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے، چونکہ اسلامی قوت سے ان کو مقابلہ کرنے میں باوجود مساعی عظیمہ کامیابی نہیں ہوئی، اس لئے اسی طریقہ پر ان کی جدّ و جہد محصور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۱) اسیوقت دوسرا خیال یہ آیا تھا کہ ساری صورت حال کو حضرت کی خدمت میں عرض کردوں گا جیسا ارشاد ہوگا اسی کے مطابق انشاءاللہ عمل کرونگا، لہذا نفس واقعہ اور حال کے عرض کر چکنے کے بعد جو خطرات وسوالات دل میں پیدا ہو رہے ہیں وہ عرض کرتا ہوں، (۱) مشرکین کا نجس ہونا تو منصوص ہے پھر اس نجاست کو محض معنوی تک کیوں محدود رکھا جائے اور اگر محدود بھی کیا جائے تو کیا کم از کم ادنی یا قرین تقوی یہ نہیں ہو کہ ظاہراً بھی احتیاط کیجائے؟ (۲) خصوصاً جب نفس مسلم کی ذلت بھی ہے اور اسلئے مشرک مسلم کو نجس سمجھکر اس سے ویسا ہی برتاؤ کرتا ہے جو نجاست ظاہری کی صورت میں کیا جاتا ہو؟ (۳) پھر کافروں سے ترک معاملات میں ان سے اظہار بغض کی بھی ایک صورت ہو اور ان سے قیام معاملات کی صورت اکثر موالات کے حد تک پہنچا دیتی ہے؟ (۴) کیا یہ بہتر نہیں کہ دن رات کے معاملات میں کافر و مسلم کا امتیاز ہمارے اندر زندہ رہے؟ (۵) میرا دل تو انگریزوں کے ساتھ ترک معاملات کو محض سیاسی اور عارضی سمجھنا نہیں چاہتا، اگر وہ اسلامی حکومتوں اور مقامات مقدسہ کیساتھ اپنی معاندانہ وغاصبانہ روش سے دست بردار بھی ہو جائیں تو کیا ان سے معاملات جائز ہو جائیگا؟ (۶) بلکہ کھانے پینے میں تو وہ ایسا پرہیز نہیں کرتے جس سے نفس مسلم کی ذلت ہو، اس لئے ان سے کھانے پینے کی چیزیں لینا اہون ہو جاتا ہو، خصوصاً اگر ان کے اہل کتاب ہونیکا بھی لحاظ ہو؟ (۷) میں نے اپنے دل میں آیندہ احتیاط و پرہیز کا جو عزم کیا ہے اگر وہ (باقی ص ۱۴۳ پر)

ہو گئی، اور اسی کو انہوں نے آڑ کار مدافعت بالقویٰ کا بھی بنانا چاہا، بادشاہان اسلام نے اولاً اس طرف توجہ ہی نہیں کی، بلکہ وہ تمام باتوں کا قوت سے مقابلہ کرتے رہے، مگر شاہان مغلیہ کو ضرور اس طرف التفات ہوا، خصوصاً اکبر[1] نے اسی خیال اور اس عقیدہ کو جڑ سے اکھاڑنا

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۲) تمامتر انتقام ہی پر مبنی ہو تو بھی کیا ایسا انتقام ایسی صورت میں مستحسن یا کم از کم جائز نہیں ہے؟

(۸) نیز اب اگر انتقام کے خیالات کو اپنے علم و ایمان بھر دور کر کے نیت کی تصحیح کروں اور دینی و اسلامی مصالح کی بنا پر پرہیز کروں! یہ سوالات تو محض اطمینان قلب حاصل کرنے کے لئے پیش کرنے کی جرأت کی ہے، ورنہ حضرت جو کچھ شریعت کے حکم یا خادم کی ذاتی اصلاح کے لحاظ سے فرمائینگے، عمل انشاء اللہ مقدور بھر اسی کے مطابق کرونگا، اس واقعہ کو لکھکر جی چاہتا ہے کہ اگر حضرت اجازت دیں تو گاندھی جی سے بھی کچھ سوالات کروں مثلاً یہ کہ ہندوؤں کی اسی چھوت چھات سے جو منافرت پیدا ہوتی ہے کیا مخلوط انتخاب میں اس سے بھی زیادہ پیدا ہوتی ہے اور کیا قومیت کی راہ میں ثانی الذکر اول الذکر سے بھی زیادہ حائل ہے؟ اگر نہیں تو پھر قومیت و اتحاد کے لئے مقدم کن چیزوں کا مٹانا ہے؟ والسلام۔

عبدالباری غفرلہٗ

[1] اکبر کے متعلق حضرت امام العصر نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اسکا تعلق محض دنیاوی انتظام اور نظام حکومت سے ہے، چنانچہ اسی پالیسی کی جانب شہنشاہ ہند بابر مرحوم نے انتقال کے قریب اپنے بیٹے ہمایوں مرحوم کو توجہ دلائی تھی، اکبر نے اسی وصیت کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور اس سے بہت سے فوائد بھی حاصل ہوئے، جسمیں ندماء نے حد درجہ غلو سے کام لے کر نہایت قبیح درجہ تک پہنچا دیا، اسی بات کو لارڈ ولیم بینٹنگ ۱۸۳۲ء میں انگلستان کے اندر کمیٹی کے روبرو بیان میں ظاہر کر رہا ہے، ملاحظہ ہو۔ "بہت سی باتوں میں اسلامی حکومتیں انگریزی راج سے کہیں بہتر ہیں مسلمان اس ملک میں آباد ہو گئے جسے انہوں نے فتح کیا تھا، وہ ہندوستانی باشندوں کے ساتھ گھل مل گئے، ان میں شادی بیاہ ہونے لگے مسلمانوں نے ہندوستانی غیر مسلموں کو ہر قسم کے حقوق دیئے، فاتح مفتوح کے مذاق دلچسپی اور ہمدردی میں یکسانیت تھی، کوئی فرق نہ تھا، بخلاف اسکے انگریزی پالیسی اسکے برعکس ہے۔ (باقی حاشیہ ص ۱۴۴ پر)

چاہا، اور اگر اس کے جیسے چند بادشاہ اور بھی ہو جاتے یا کم از کم اسکی جاری کردہ پالیسی جاری رہنے پاتی تو ضرور بالضرور برہمنوں کی یہ چال مدفون ہو جاتی، اور اسلام کے دلدادہ آج ہندوستان میں اکثریت میں ہوتے، اکبر نے نہ صرف اشخاص پر قبضہ کیا تھا، بلکہ عام ہندو ذہنیت اور منافرت کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا تھا، مگر ادھر تو اکبر نے نفس دین اسلام میں بھی کچھ غلطیاں کیں، جن سے مسلم طبقہ میں اس سے بدظنی ہوئی، اگرچہ بہت سے بدظنی کرنیوالے غافل اور کم سمجھ تھے، ادھر برہمنوں کے غیظ و غضب میں اپنی ناکامی دیکھ کر اشتعال پیدا ہوا، ادھر یورپین قومیں خصوصاً انگلستان کو اپنے مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ تلاش کرنا پڑا، اور سب سے بڑا ذریعہ اس کا منافرت بین الاقوام تھا اور ہے، اب سیواجی کی تاریخ اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۳) اب سرد مہری، خود غرضی اور بے پروائی ہے، جس میں ایک طرف حکومت کا آہنی پنجہ حکمران ہے اور دوسری طرف ہر چیز پر اپنا قبضہ ہے، ہندوستانیوں کو کوئی دخل نہیں۔" (جریدہ انصار نمبر ۲۲ جلد ۲ مورخہ ۱۶ جون ۱۹۲۶ء از فارورڈ کلکتہ۔

وصیت نامہ شہنشاہ بابر بنام شہزادہ نصیر الدین ہمایوں۔ درج ذیل ہے۔

"اے پسر ہندوستان مختلف مذاہب سے پر ہے، الحمد للہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی ہے، تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی کو لوح دل سے دھو ڈالو اور عدل و انصاف کرنے میں ہر مذہب و ملت کے طریق کا لحاظ رکھو جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون ہوتی ہے، جو قوم یا ملت قوانین حکومت کی مطیع اور فرمانبردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کئے جائیں، عدل و انصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے ظلم و ستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے، شیعہ سنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو، ورنہ اسلام کمزور ہو جائیگا، جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتفاق و اتحاد سے کام کرتے ہیں اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو ان میں اتحاد عمل پیدا کرو تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔ سرگذشت تیمور کو جو کہ اتفاق و اتحاد کا مالک تھا، ہر وقت (باقی بر ص ۱۴۵)

سکھوں کی کارروائیوں اور صوبہ جات کے باغیانہ کارناموں، لارڈ کلایو کے بنگال وغیرہ میں بذریعہ ہندو قوم فتحمندیوں میں اس ہاتھ کو بہت زیادہ کھیلتے ہوئے پائیں گے، آج ہماری مہربان گورنمنٹ اس کے ذریعہ بہت زیادہ کامیاب ہو رہی ہے اس بنا پر اگرچہ بڑے درجہ ⁘ قوم کو محفوظ رکھا مگر اس نے انکی متحدہ قومیت کا بھی شیرازہ بکھیر دیا، اور خود ان میں بھی چھوت چھات کا عقیدہ جہلانے پیدا کر دیا، حتی کہ بعض خاندان برہمنوں کے بھی دوسرے برہمن سے چھوت چھات کرنے لگے۔

⁘ لیکن چھوت نے مسلمانوں سے اپنی ⁘

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۴) اپنی نظر کے سامنے رکھو تاکہ نظم و نسق کے معاملات میں پورا تجربہ حاصل ہو" (ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل راجہ رام کالج کولہاپور) از قدیم تحریر بزبان فارسی،

اس وصیت کی ایک نقل اسٹیٹ لائبریری بھوپال میں بھی موجود ہے، جو دفعہ وار ہے:

ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اکبر کو اس پالیسی میں کافی حد تک کامیابی ہوئی، اور مغلیہ سلطنت کی بنیادیں اتنی مضبوط ہو گئیں کہ اکبر کی چوتھی نسل تک اس کی ہئیت حاکمہ میں کوئی تغیر رونما نہ ہو سکا۔

غرض اکبر نے کچھ ایسی مذہبی غلطیاں کیں جس سے مسلم طبقہ میں اس سے بدظنی ہو گئی، اور اکبر کی پالیسی کما حقہ کامیاب نہ ہوئی، اور پھر چند دنوں کے بعد ہندوستان میں عربوں کے بعد پہلی دفعہ اسلام کو ایک ہمہ گیر دعوت کی حیثیت سے پیش کرنے کا طغرائے امتیاز حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا حضرت مجدد صاحبؒ کی تعلیمات کی ایک نمایاں خصوصیت غیر مسلموں کے متعلق ایک خاص نقطہ نظر تھا۔ آپ نے وہ زمانہ دیکھا تھا جب مسلمان بادشاہ کے زمانہ میں احکام اسلامی پر عمل کرنے سے عاجز تھے آپ کے حساس دل پر ان حالات کا بڑا اثر ہوا، جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں تو حضرت مجددؒ کے خیالات پر پوری طرح عمل نہیں ہوا، لیکن اورنگزیب نے آپ کی تقریباً تمام خواہشیں پوری کیں، خلاصہ یہ کہ اگر اکبر اپنی کوشش فقط عام مذہبی رواداری تک محدود رکھتا اور شعائر اسلامی کے راستے میں رکاوٹیں نہ بنتا تو اس کی کوششوں کے خلاف اتنا ردعمل نہ ہوتا، اور نہ مجدد صاحبؒ کے خیالات غیر مسلموں کے متعلق وہ ہوتے جسکا اظہار اپنے متعدد مکتوبات میں کیا ہے۔ اور نہ اورنگ زیب بھی وہ پالیسی اختیار کرتا۔ (باقی ص ۱۴۶ پر)

آپ کو معلوم ہے کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ اور فتح عرب کا پیش خیمہ ہے، اور جس روز صلح حدیبیہ تمام وکمال کو پہنچی ہے اسی روز اِنَّا فَتَحْنَا الآیۃ نازل ہوتی ہے جس پر حضرت عمرؓ تعجب کرتے ہوئے استفسار فرماتے ہیں "اوفتح ھو یا رسول اللہ"۔ آپس میں اختلاط کا ہونا، نفرت میں کمی آنا مسلمانوں کے اخلاق اور انکی تعلیمات کا معائنہ کرنا، دلوں سے ہٹ اور ضد کا اٹھ جانا، یہی امور تھے جنہوں نے افلاذ اکباد[1] قریش کو کھینچ کھینچ کر صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان بناتے ہوئے مکہ سے مدینہ کو پہنچا دیا، حضرت خالد بن ولید، عمرو ابن العاصؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم اسطرح حلقہ بگوش اسلام بن گئے کہ قریش کی ہستی فنا ہو گئی، الغرض اختلاط باعث عدم تنافر ہے، اور وہ اقوام کو اسلام کی طرف لانے والا، اور تنافر باعث ضد اور ہٹ اور عدم اطلاع علی المحاسن ہے، اور وہ اسلامی ترقی میں سدّراہ ہونے والا اور چونکہ اسلام تبلیغی مذہب ہے اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ جسقدر ہو سکے غیر کو اپنے میں ہضم کرے نہ یہ کہ انکو دور کرے، اس لئے اگر ہمسایہ قومیں ہم سے نفرت کریں تو ہم کو ان کے ساتھ نفرت کرنا چاہیئے۔ اگر وہ ہم کو نجس اور ملیچھ کہیں تو ہم کو ان کو یہ نہ کہنا چاہیئے، اگر وہ ہم سے چھوت چھات کریں ہم کو ان سے ایسا نہ کرنا چاہیئے، وہ ہم سے ظالمانہ برتاؤ کریں، ہم کو ان کے ساتھ ظالمانہ غیر منصفانہ برتاؤ نہ کرنا چاہیئے، اسلام پدر شفیق ہے، اسلام مادر مہربان ہے، اسلام ناصح خیر خواہ ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۵) جس پر وہ اپنے عہد حکومت میں کاربند تھا۔ پس جس طرح مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اکبر جب مرنے لگا تو کلمہ شہادت زبان پر جاری تھا، اور اس کی موت ایک راسخ الاعتقاد مسلمان کی تھی، اسیطرح اکبر کے مذہب کے متعلق اس کے زمانہ ہی میں اختلاف تھا، بدایونی اکبر کے اقرار نامہ سنکہ فلاں بن فلاں باشم بطوع و رغبت و شوق قلبی از دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابرا و تبرا نمودم در دین الٰہی اکبر شاہی در آمدم الخ کو صریح کفر کہتا ہے۔ ابوالفضل جو اس مسئلہ پر سب سے زیادہ واقفیت رکھتا تھا، کہتا ہے کہ یہ فقط اسلام کی ایک صورت ہے مجازی تقلیدی اسلام سے دور لیکن حقیقت اسلام سے قریب آج بھی اس مسئلہ پر بحث کی گنجائش ہے۔

۱؎ لخت جگر۔

اسلام جالب اقوام ہے، اسلام ہمدردِ بنی نوعِ انسان ہی، اسکو غیروں سے جزاءُ سیئۃٍ سیئۃٌ مثلہا پر کاربند ہونا شایاں نہیں، بلکہ اس کی غرض کے لئے سدِّ یاجوج ہی، کفر نے کبھی اسلام سے عدل و انصاف نہیں کیا۔ اِن یَظْهَرُوا عَلَیْکُمْ لَا یَرْقُبُوا فِیْکُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً الخ وغیرہ شاہد عدل ہیں، مگر اسلام نے انصاف، عدل و احسان کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور نہ چھوڑنا مناسب تھا، اگرچہ انتقامیہ جذبات بہت کچھ چاہتے تھے، اگر بعض دنیادار بادشاہوں نے کوئی ظلم و ستم کیا ہی تو وہ اس کے ذمہ دار ہیں، اسلام ان کا روادار نہیں، اب تفصیلی باتیں عرض کرتا ہوں۔

(۱) مشرکین بیشک نجس ہیں، مگر علت حکم آیۃ حسب سلیقہ عربیہ کہ مشتق کو محکم علیہ قرار دینا ماخذ اشتقاق کو علت قرار دینا ہے، لہذا علت نجاست شرک ہوگا، جو کہ نجس معنوی ہی، اسی بنا پر اگر مشرک کو سات سمندر سے غسل دیا جائے تب بھی بوجہ شرک وہ نجس ہی رہیگا، حالانکہ تین مرتبہ غسل سے نجاست ظاہری زائل ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جمہور اسلام متفق ہیں کہ مشرک کا سؤر عرق وغیرہ پاک ہے، آیت میں مسجد حرام سے صرف خانہ کعبہ یا مسجد مکہ معظمہ مراد نہیں بلکہ تمام حد حرم مراد ہے اس میں مشرکین داخل ہو کر یا قریب آکر تجارت کر سکتے ہیں، اسواق اربعہ میں سے کوئی بھی مجلس مکہ معظمہ بلکہ نفس مکہ معظمہ میں منعقد نہیں ہوتی تھی، تو پھر وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً سے کیا مناسبت متنبی کہتا ہے۔

لا تشترو العبد الا والعصا معہ ان العبید لانجاس مناکید

ظاہر ہے کہ یہاں بھی مراد وہی نجاست معنوی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد میں باندھا، وفود مشرکین کو مسجد میں داخل فرمایا وغیرہ۔

(۱) کفر ہمیشہ سے ایسا ہی کرتا آیا ہے، آنحضرت علیہ السلام اور صحابہ کرام اور اسلاف کے کارنامے یاد کیجئے، انبیاء علیہم السلام کی تذلیل کفار نے اس سے بدرجہا زائد کی پھر کیا وہ ذلیل ہو گئے

(۳) احکام سیاسیہ ایک حالت نہیں رکھتے، کبھی زجر علانیہ دینے کا موقعہ ہوگا تو کبھی مشرک کا

غلام اگر خریدے تو ساتھ ہی اکی تادیب و تعلیم کیلئے چھڑی بھی ضروری ہے کیونکہ غلام طبیعت کے ناپاک اور بے خیر ہوتے ہیں

شربت پیش کرنا ہوگا، آپ کو محض انتقام کبھی لینا ہوگا اور کبھی شفقت کے ساتھ در گذر کرتے ہوئے اپنی طرف کھینچنا، آج موقعہ ہے کہ بڑے دشمن سے ترک موالات کیجئے اور اس کو زک دینے کے لئے غیروں کو ساتھ لیجئے۔ جیسے یہود بنی حارثہ کو خیبر میں، صفوان بن امیہ اور دیگر طلقاء مکہ کو حنین میں خزاعہ کو حدیبیہ وغیرہ میں ساتھ لیا گیا؛ ان کی تذلیلات نے ہی اسلام کو بڑی مدد پہنچائی، ادھر مسلمانوں کو ان سے نفرت ہوئی، ادھر انکی اقوام کو اسلام کی طرف رغبت ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کروڑوں آدمی تھوڑی سی مدت میں مسلمان ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی مردم شماری موجودہ کی تقریباً نصف ہے، اگرچہ مساوات اور عدالت آپکے خیال کی تائید کرتی ہے۔ مگر جاذبہ اسلامیہ تنگدلی کی اجازت نہیں دیتا، مداراۃ بالاعداء مع البغض الباطنی بالفعل زیادہ ضروری اور مفید ہے، اور حتی الوسع موالاۃ ممنوعہ سے بچتے رہنا چاہیئے۔

(۴) ضروریات اسلامیہ اور وقتیہ کا لحاظ رکھتے ہوئے الانفع فالانفع پر عمل پیرا ہونا چاہیئے اور اھون ھما کو اختیار کرنا چاہیئے۔

(۵) انگریزوں کے ساتھ معاملہ سیاسی غیر مذہبی نہیں ہے بلکہ مذہبی ہے، البتہ وہ اکبر الاعداء اور اقوی الاعداء اور اضرار الاعداء ہیں ان کے اسلامیت سے ناامیدی ہے، ما نحن فیہ ایسا نہیں، اگر وہ اسلامی دنیا پر مظالم گذشتہ سے تلافی اور آئندہ کے لئے دست بردار ہو جائیں تو ترک موالاۃ وغیرہ میں تخفیف ضرور ہوگی، البتہ تابقاء کفر مصالحت کی بنا پر نہ موالات تامہ ہوگی اور نہ معادات۔

(۶) اگرچہ انگریز وہ معاملہ چھوت چھات کا نہیں کرتے مگر اسلام کے بدترین اور اعلیٰ ترین دشمن ہیں بخلاف ہنود[۱]۔ یہ ہمارے پڑوسی اگرچہ کافر ہو، پڑوسی پر حق رکھتا ہے، کما ورد فی الحدیث ان[۲] کے ساتھ ہمارا خون ملا ہوا ہے، رشتہ اور قرابت داری ہے، یا آباء کے ساتھ یا جدات کے ذریعہ سے۔ ان[۳] کے ساتھ ہندوستان میں ہم کو مجبوراً[۴] رہنا اور در گذر کرنا ہے۔ بغیر میل جول جس قدر بھی ممکن ہو ہندوستان میں گذر کرنا عادتاً مستحیل ہے۔ اس لئے ضروریات زندگیہ اس طرف تخفیف ضرور

پیدا کرینگی، انگریزوں سے ہم کو نہ یہ تعلقات ہیں نہ مجبوریت۔

(۷) جائز بلکہ مستحسن ہے۔

(۸) یہ بھی جائز بلکہ باعثِ ثواب ہے۔

نئے تعلیم یافتہ اس چھوت چھات میں نہ صرف قومیت متفقہ کا مضر سمجھتے ہیں بلکہ اپنی مذہبیت کا بھی شیرازہ بکھرتا ہوا پاتے ہیں، اور انسانی اخوت کے خلاف پاتے ہوئے ازالہ کی کوشش کر رہے ہیں، اور اپنی سیاسی زندگی کے لئے وبال جان جانتے ہیں، گاندھی جی خود اسکے ازالہ میں کوشاں ہیں، مگر جو مرض قرنہا قرن سے آرہا ہے وہ اس قدر جلد کسطرح دور ہو جائے تجربہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ چھوت چھات ہندو قوم کو روز افزوں کمی کیطرف ڈھکیل رہا ہے، اور اسلام باوجود ہر طرح کی کمزوریوں کے ترقی پا رہا ہے، پس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے قلت وقت کی بنا چند مرتبہ ریل میں مضمون کو پورا کیا ہے، معاف فرمایئے گا۔ والسلام

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

## مکتوب نمبر ۶۴

مخزم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف والا نامہ مشتمل بعض شبہات وارد ہوا تھا، جس کے جواب میں ایک مفصل عریضہ ارسال خدمت کیا تھا، نہ معلوم ملاحظہ نظر فیض سے گذرا یا نہیں، اور اس کے بعد رائے عالی میں قابل قبولیت معلوم ہوا یا نہیں، مسائل میں اعتقاد کو جگہ نہ دینی چاہیئے، بلکہ حتی الوسع اطمینان حاصل کرنا چاہیئے، اگرچہ تحریری میدان تنگ ہے اور بالخصوص ہم جیسے قصیر الباع، قلیل الفراغ، راحت طلب اشخاص سے ...... والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، از دیوبند ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۴) جامد مقلدین اور تنگ نظر مولویوں نے مسائل دینی اور تصوف اسلام کے بارے میں یہ حکم دے رکھا ہے کہ بس وہی درست اور حق ہے جو اپنے استاد یا شیخ طریقت نے بتلا دیا اور لکھ دیا ہو (باقی ص ۱۵۱ پر)

# مکتوب نمبر ۶۵

حبسِ دم[۱۵۱] نہایت مفید عمل ہے، ایسے وقت میں جبکہ معدہ بھرا ہوا نہ ہو اور نہ اسقدر گرسنگی ہو جو کہ بیقرار کرے، معتدل جگہ میں جہاں پر نہ زیادہ سردی ہو اور نہ زیادہ گرمی، باوضو چار زانو قبلہ رو بیٹھیں، اور آہستگی سے سانس ناف سے کھینچکر دل پر روک لیں، زبان اس وقت میں تالو سے لگی ہوئی غیر متحرک ہو، اور خیال سے لفظ لاالٰہ بائیں زانوں سے نکال کر دائیں زانوں پر گذراتے ہوئے داہنے مونڈھے پر ختم کر دیں، اور پھر الا اللہ کی ضرب قلب پر لگائیں، اس سب کارروائی میں سر کو حرکت دیتے رہیں، یعنی زانوئے چپ سے زانوئے راست پر گذرتا ہوا دائیں مونڈھے تک پہنچے اور پھر قلب پر ضرب الا اللہ کی حرکت ہو، ہر ایک سانس میں تین مرتبہ ذکر ہو اس کے بعد آہستہ سے سانس باہر نکالدیں، پھر دوسرے سانس میں اسی طرح کریں، اس طرز پر دس سانس پہلے روز کریں، دوسرے دن دس اور بڑھائیں۔ یہانتک کہ سو سانس تک نوبت آجائے، اس کے بعد ہر سانس میں ایک ایک عدد روزانہ زیادہ کرتے رہیں، یہانتک کہ ہر سانس میں اکیس ۲۱ تک ذکر کرنے لگیں، اگر ابتدا میں روزانہ اس دس سانس بڑھانے میں دقت ہو تو ایک ایک سانس بڑھائیں، مگر ہر سانس میں کم از کم تین مرتبہ ذکر سے شروع

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۹) اس روک تھام نے اگر ایک طرف تحقیق و اطمینان سے محروم کر دیا تو دوسری جانب "اربابا من دون اللہ" کا مصداق ان لوگوں کو قرار دیدیا گیا جو کسی طرح اسکے اہل نہ تھے، اس جمود اور تعطل بلکہ... شخصیت پرستی نے لوگوں کو بھول بھلیاں میں ڈالدیا، اور تحقیق کا میدان تنگ کر دیا، صدر اول میں صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین باوجود غیر معمولی عقیدت اور دلی محبت کے مسائل میں اختلاف کرتے ہیں اور ہرگز اعتقاد کو دخل نہیں دیتے تھے، حضرت امام العصر دامت برکاتہم فی الحقیقت اسلاف کرام کی جیتی جاگتی تصویر ہیں غیر ممکن تھا کہ آپ متاخرین کی سطحی رائے سے اتفاق فرماتے بلکہ صاف صاف فرما دیا کہ "مسائل میں اعتقاد کو جگہ نہ دینی چاہیئے۔ بلکہ حتی الوسع اطمینان حاصل کرنا چاہیئے۔ فتدبر

۱۵۱ صوفیہ کرام نے بہت سی چیزیں تدبیر کے طور پر اختیار کر لیں، ان میں سے ایک حبسِ دم بھی ہے جو مقصود نہیں (باقی ص ۱۵۱ پر)

کریں اور ہر روز ایک ایک ذکر زیادہ کریں، اس میں حرارت زیادہ پیدا ہوگی، ذکر کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک سرد پانی یا سرد غذا کو استعمال نہ کریں، اس حبس دم سے بہت زیادہ فوائد حاصل ہوں گے مگر مداومت شرط ہے، خطرات فاسدہ اور وساوس کاسدہ کیلئے اکسیر ہے، مگر اہل تصوف اسلام اس کو ایک سو اکیس مرتبہ ذکر کی مقدار سے زاید کرنا مناسب نہیں سمجھتے، جوگیوں کے یہاں اسکی اسقدر مشق کیجاتی ہے کہ کئی کئی مہینہ اور کئی کئی دن ایک ایک سانس میں گذارتے ہیں، اللہ کا نام لے کر شروع کیجئے، وہ مدد فرمائیگا۔ اگر اس پر بھی سمجھ میں نہ آوے تو مولانا سراج احمد صاحب گنگوہی، محلہ نامپلی حیدرآباد موجود ہیں، ان سے سمجھ لیجئے، وہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے خادم ہیں، میں نے اس قدر واضح کردیا ہے کہ غالباً سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔

ممبروں کی پوری جماعت نہیں آئی تھی مگر آراء آئیں تھیں، حاضرین کی پارٹیاں اگرچہ ایک ہی خیال نہ رکھتی تھیں مگر آخر میں سب اس امر پر متفق ہوگئیں کہ ہم مولانا تھانوی کے ان ہی اختیارات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں جو ۱۳۴۸ھ میں مولانا نے تجویز فرمائے تھے، اور جنہیں محرم ۱۳۴۹ھ میں مولانا نے ترمیم بھی کی تھی، الغرض وہ اختیارات مع ترمیم کے تسلیم کرتے ہیں، بشرطیکہ مولانا خود جلسہ میں شرکت فرمایا کریں، مگر شرط کے لفظ کو حامیین نے صراحتہ لکھنا پسند نہیں کیا، اس لئے یہ لکھا گیا تھا کہ ہم فلاں فلاں دفعہ کو مع ترمیم قبول کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ مولانا خود شرکت جلسہ فرمایا کریں، مولانا نے خوشی سے اس کو قبول فرمالیا، اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ سرپرست کو متفق علیہ تجویز میں کوئی اختیار مداخلت نہیں، مختلف فیہ میں اختیار مداخلت ہے، جس جانب کو چاہیں ترجیح دیدیں، خواہ اکثریت کو یا اقلیت کو، بشرطیکہ ان کو کسی جانب میں شرح صدر ہوجائے، ورنہ اکثریت ہی کو ترجیح ہوگی: مولانا مناظر احسن صاحب جبکہ دارالعلوم کے ممبروں کی فہرست میں داخل ہونا اپنی کسرشان

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۰) حضرات نقشبندیہ حبس دم کو مانتے ہیں اور حبس دم سے حبس خیر منزل مراد لیتے ہیں نہ کہ حصر نفس ایسی صورت میں جوگیوں کے حبس دم اور ان بزرگوں کے حبس دم میں نمایاں فرق ہوجاتا ہے، اور اس فرق نہ کرنے کی بنا پر بہت سے شکوک پیدا ہوتے ہیں بھلا یہ حضرات اور جوگیوں کے طریقہ کے محتاج! معاذ اللہ)

سمجھتے ہیں اور اس کے لئے سال میں ایک دفعہ سفر کرنا ثقل من الجبال فرماتے ہیں تو پھر کیوں اس مسئلہ کے دریافت فرمانے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں، ان کی خدمت میں میرا مودبانہ سلام عرض کر دیں، مولانا عبد الحلیم صاحب ڈاکٹر خاص گرفتار ہو گئے، بعد ازاں قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند وعلی اللہ التکلان۔ والسلام۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، از دیوبند۔

# مکتوب نمبر ۶۶

آپ کے والانامہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ یقیناً قلبی اور روحی حالت درست ہونی چاہیے فلسفہ خواہ یونانی ہو یا یورپی اس حالت میں تغیر پیدا کرتا ہے جو شرعی اور آسمانی تعلیمات سے ہونی چاہیے

پائے استدلالیاں چوبین بود　　پائے چوبین سخت بے تمکین بود
گر بہ استدلال کار دیں بُدے　　فخر رازی راز دارِ دین بُدے
علم معقولات گندہ می کند　　علم منقولات بندہ می کند
علم منقولات علم انبیا　　علم معقولات علم اشقیا الخ

ان فلاسفہ کے لچر اور پوچ خیالات وَفَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ کے ماتحت ہیں جو علوم الٰہیہ سے کہیں بھی مناسبت نہ رکھنے کی بنا پر مبغوض ہیں اسلئے قلب پر ضرور گندگی اور نجاست پیدا کرتے ہیں، اور صفاء روح میں حاجز ہیں، قرن اول اس سے بالکل مطہر نظر آتا ہے، لہٰذا حتی الوسع اس سے اشتغال میں کمی ہونی چاہیئے، تاہم اس نجاست کے زائل کرنیکے لئے اگر اس میں اشتغال ہو تو جس طرح کھاد سے گل وریحاں پیدا ہو جاتے ہیں، ممکن ہو یہ بھی کسی مفید نتیجہ تک پہنچا دے، بہر حال بالفعل اس میں گندگی ضرور ہے، دو ضرورتیں اس پر مجبور کر رہی ہیں، نوعمروں اور غیر تجربہ کاروں کی اصلاح، دوسرے ملازمت اور ضرورت معاش اسلئے پوری کوشش ہونی چاہیئے کہ اس کے ضرر سے بھی بچیں اور آگے کو صفائی اور تنوّدیں بھی...

فرق نہ آئے بنا بریں جلاء قلب یعنی ذکر کی کثرت اور استغفار کی مداومت بہت زیادہ ضروری ہے، جو خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں بحمد اللہ آپ خود ان کو گندہ سمجھکر دفع کرتے رہتے ہیں، اسی قسم کے واقعات کو صحابہ نے عرض کیا تھا، جس کو آنحضرت علیہ السلام نے عین الایمان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجیے اور ذکر و فکر میں لگے رہیئے، عاقبت زنے بیابی کام را، آپ دیوبند کتبخانہ قاسمیہ سے مجموعہ شجرات منگا لیجئے، اور اس میں حضرت نانوتوی کا شجرہ فارسیہ جسکی ابتدا الٰہی غرق دریائے گناہم سے ہوتی ہے، اس کو کم از کم ایک مرتبہ دن میں دعاءً پڑھ لیا کیجئے۔

دوسرے امر کی نسبت آپ کو وہ حدیث شریف یاد دلاتا ہوں جس میں فرمایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| ان المرأۃ خلقت من ضلع | بیشک عورت (آدم کی) بائیں پسلی سے پیدا |
| ایسر وان اعوج شئ من الضلع | ہوئی ہے۔ اور بہت ٹیڑھی چیز پسلی میں |
| اعلاہ (الحدیث) | اوپر کی پسلی ہے۔ |

یہ ضعف ہی طبعی طور پر اعوج ہے اور چونکہ اعالی ضلع سے پیدا ہوئی ہے، اس لئے اس میں اعوجاج بھی زیادہ تر ہے، اب دو صورتوں میں سے ایک اختیار کرنی ضروری ہے، یا تو پوری طرح اس کو سیدھا کیا جائے، تب تو توڑنا پڑ جائیگا، جو کہ بہت سی دینی اور دنیوی مصالح کے خلاف ہے یا اسی اعوج کے ساتھ ساتھ منافع دینی اور دنیوی کو حاصل کر لیا جائے اور اس اعوجاج پر صبر کیا جائے، آنحضرت علیہ السلام دوسری شق کا ارشاد فرماتے ہیں، اگر عورتیں اعوجاج سے پاک ہوتیں تو ازواج مطہرات ہوتیں، لہذا استقامت کاملہ کو تلاش کرنا اور بالخصوص نوعمر، ناتجربہ کار لڑکی ہیں، اور وہ بھی دیہات کی رہنے والی ہیں بہت زیادہ بے موقع بات ہے، شہروں کی لڑکیوں میں بہت سی باتیں حسب طبع پائیں گے، مگر ان میں دوسری خرابیاں اتنی اور ایسی ہیں جن کے سامنے موجودہ خرابی کی کوئی وقعت نہیں، آخر کار کانپور کے متعلق آپ کو کچھ انکشافات ہوئے ہی تھے، اور پھر اگر یہ لڑکی بالکل مستقیم ہوتی تو آپ کے نفس

کی اصلاح کس طرح ہو سکتی. آپ اپنے نفس کو جنیدؒ و شبلیؒ کا نفس سمجھتے ہوں گے، حالانکہ ان کا نفس بھی نفس ہی تھا، حضرت یوسف علیہ السلام تو فرماتے ہیں وَمَا اُبَرِّیُٔ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ۔ ایسے ظلوم و جہول کو جب ہر وقت چونکے اور تیز چونکے نہ پڑیں گے کب درست ہو سکے گا۔

خدا کا شکر کیجئے کہ آپ کی اصلاح کا اللہ تعالیٰ نے سامان کیا ہے جس میں آپ کو ایک گونہ مجبوری ہے، ملازم اگر خلاف طبع کام کرتا، کان پکڑ کر نکال دیا جاتا، مگر یہاں نہ نکال سکتے ہیں اور نہ چونکوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ علیحدہ رکھ کر اگرچہ بغیر طلاق ہو زندگی بسر کرنا سخت نامردی اور جبن ہے اور اصلاح نفس سے بہت دور کرنے والا ہے، یہ بہت عمدہ ذریعہ آپکی درستی کا ہے۔ تحمل کیجئے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحمل کو سامنے رکھئے، یہاں تو شرارت کا مادہ نہیں ہے، وہاں فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا ہے، وہاں تو عورتیں سوت موجود ہیں، یہاں ایک ہی بیچاری ہے ؎

بھونرا بولے پھول کا کلی کلی رس لے  کا نٹا لاگے پریم کا تو مٹ تڑپ جیو دے

ساتھ رکھئے اور بوجھ اٹھائیے اور صبر کیجئے اور کڑوے سے کڑوے گھونٹ پیجئے اور اس کو نعمت سمجھئے، یہاں حوروں کے ملنے کا امکان نہیں ہے، ان کے لئے یہ ذریعہ ہے، والدہ ماجدہ درست کرتی رہیں گی، اور انشاء اللہ آہستہ آہستہ درستی آتی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے تنہائی میں اس کی اصلاح کی بھی دعا کیجئے،

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا الآیۃ

اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر وہ تمکو نہ بھاویں تو شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی۔

اس میں انشاء اللہ خیر و برکت ہے، انکے حقوق مضاجعت وغیرہ میں بھی کمی نہ کیجئے۔ اگر غصہ کی

وجہ سے ناگوار امور پر جلنا بھننا بھی پڑے تو ازواج مطہرات نے بھی آنحضرت علیہ السلام کو اسقدر

ستایا تھا کہ دو دو تین تین دن تک غصہ کی بنا پر بات نہیں کرتے تھے، نہ آپ کا نفس نفوس نبویہ سے پاک تر ہے کہ اس کے اصلاح کی ضرورت نہ ہو، اور نہ آپ کے لئے ازواج نبویہ سے بالاتر عورت ڈھونڈی جا سکتی ہے، صبر نہیں بلکہ شکر کا موقع ہے، واللہ ولی التوفیق۔

والسلام :- ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ از نئی سڑک سلہٹ

# مکتوب نمبر ۶۷

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، آپ کے محبت و عنایت آمیز الفاظ متجاوز ہیں، میں ایک نالائق اور عاجز شخص ہوں، اپنی حالتوں پر نہایت افسوس کناں اور نادم ہوں، مگر اپنی محرومی پر افسوس کرنے سے بھی کوئی اثر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے، تو نجات اور کامیابی کی امید ہو سکتی ہے، الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ[1] ؎

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم     چند بر خود تہمتِ دین مسلمانی نہم

محترما! ہم ہر چند قصور وار اور کم ہمت ہوں، سراپا خطایا و تقصیرات ہوں، مگر جس طرح ہم کو غرور اور امن سے

اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ     کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے

اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ     اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔

یٰاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ     اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر

وغیرہ فرما کر روکا گیا ہے، اسی طرح قنوط اور یاس سے بھی سختی سے روکا گیا ہے، لَا تَیْاَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اور لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو) ارشاد ہے ؎

[1] آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے، مفہوم یہ ہے کہ عمل پر نازاں نہ ہونا چاہیئے، اگر اسکی رحمت شامل حال نہ ہوئی تو نجات کا معاملہ بڑا اہم ہو جاتا ہے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں لے لے۔

ایمن مشو کہ مرکب مردان مرد را ۔۔۔ در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ خوار ۔۔۔ ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

جس قدر بھی ممکن ہو ذکر و فکر اور توجہ الی اللہ کو عمل میں لاتے رہیئے مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ ۔ من نکردم شما حذر بکنید۔

مہربانی فرما کر بغور ملاحظہ عریضہ ہذا ایک مکمل نسخہ معاشیات ہند کا بذریعہ ڈاک رجسٹری کر کے ارسال فرمادیں، سخت ضرورت ہے، اگر برنی صاحب نے معاشیات یا سیاسیات کے متعلق علم المعیشت کے علاوہ اور کوئی کتاب لکھی ہو تو اس کو بھی ارسال فرمادیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۳ رجب ۱۳۵۶ھ

## مکتوب نمبر ۶۸

جو بنک ریاست اسلامیہ کے ہیں ان سے سود لینا سمجھ میں نہیں آتا، اگر بعض نصوص شامی وغیرہ کے مبتلا رہے ہیں کہ دار الحرب[1] میں رہنے والے مسلمانوں سے بھی دارالاسلام کے مسلمانوں

---

[1] اس والا نامہ میں ایک فقہی اور اصطلاحی لفظ دار الحرب کا آگیا ہے جس کو کسی قدر ہم واضح کرنا چاہتے ہیں، پوری بحث فقہ کی مبسوط کتابوں میں اختلاف دار وغیرہ کے تحت دیکھنی چاہیئے۔

(۱) دارالاسلام وہ ملک ہے جہاں مسلمان بادشاہ کا حکم نافذ ہو اور ملکی انتظام قوانین شرعیہ پر ہونا ضروری ٹھہرایا گیا ہو، باقی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مسلمان بادشاہ کسی غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت نہ ہو، بلکہ ایسی صورت میں بھی وہ ملک دارالاسلام ہو سکتا ہے کہ قوانین ملکی تو مسلمان بادشاہ اپنے اختیار و تصرف سے حسب ارشاد شریعت مطہرہ مقرر کریں لیکن اس ملک کا مالیہ کسی دوسری غیر مسلم سلطنت کے آگے ادا کرتا ہو جیسے کہ پانچویں صدی ہجری میں معتمد ابن عباد کے عہد میں قرطبہ و اشبیلیہ کا حال تھا کہ معتمد ذونتش فرہ کند بادشاہ اندلس کے آگے مالیہ دیتا تھا، مگر اسکے شہروں میں اسلامی قوانین نافذ تھے، اسکے خلاف جو ملک ہو وہ دار الحرب ہے دار حرب کی دو قسمیں ہیں، دار الامن[1] اور دار الاقراء[2]، دار الامن وہ ہے کہ اس میں مسلمان (باقی ص ۱۵۷ پر)

کو سود لینے کی اجازت ہے، جو بینگ بنک مشترکہ مسلم اور غیر مسلم کے ہیں ان کا حکم حربیوں کے بنک کا نہیں ہوسکتا، ان میں یقیناً مسلمانوں سے سود لینا پڑیگا، معلوم نہیں آپکے یہاں تعطیل کب ہوگی والسلام - ۳۰ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۶) بادشاہ اور اسلامی قوانین نہیں ہیں، لیکن مسلمان وہاں عبادت میں آزاد ہیں، جیسے ہندوستان یا صلح حدیبیہ کے بعد مکہ معظمہ - دار القرار وہ ہے جس جگہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی ہو جیسے سکھوں کے عہد میں پنجاب یا صلح حدیبیہ سے پہلے مکہ مکرمہ، خلاصہ یہ کہ دار الحرب کے اقسام میں سے دار الامن ہے جسکو دار السلم بھی کہہ سکتے ہیں، اس کے مسلمان باشندے چونکہ فرائض مذہبی میں آزاد ہیں اسلئے ان کو اس ملک میں رہ کر اور رعیت کہلا کر حکومت سے خیانت، غدر، فساد کرنا حرام ہے، قرآن کریم اور احادیث و فقہ میں اسکی حرمت صریحاً موجود ہے، اور ان مسلمانوں کو اس ملک سے ہجرت بھی ضروری نہیں ہے۔ شیخ ابن حجر فتح الباری میں لا هجرة بعد الفتح کی شرح میں لکھتے ہیں ثم علم ان من یقدر علی الهجرة من دار الحرب ولا علیه اظهار دینه بها واداء واجباته فالهجرة منها واجبة علیه واما من هو قادر و لکنه یمکنه اظهار دینه واداء واجبات فمستحبة (ترجمہ) جس دار الحرب سے ہجرت کرنے پر آدمی قادر ہو اور وہاں فرائض مذہبی ازادی سے ادا نہ کرسکتا ہو تو وہاں سے ہجرت فرض ہے، اور اگر آدمی کو دار الحرب سے ہجرت کرنے پر قدرت تو ہے لیکن وہاں فرائض مذہبی ادا کرسکتا ہو تو ہجرت ضروری نہیں ہے، صرف بہتر ہے، ارشاد الساری میں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ جس دار الحرب میں اظہار دین ہو سکتا ہے، وہاں عالم کا اس لئے رہنا بہتر ہے کہ غیر مسلموں کو بھی ہدایت کیطرف اور اسلام کے برکات کا اظہار کرنے پر قادر ہو، باقی رہی سنن نسائی کی حدیث انا بری من مسلم مقیم بین المشرکین (او کما قال صلعم) علامہ ابن حجر فتح الباری میں اس روایت کیمتعلق تحریر فرماتے ہیں وهذا محمول علی من لم یامن علی دینه - یعنی نسائی کی حدیث کہ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں میں مقیم ہو، اس کا مدعا یہ ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جو دین میں محفوظ نہیں ہے ملاحظہ ہو تفسیر مظہری ص۱۸ رہ گئی یہ بات کہ دار الحرب میں رہنے والے (باقی ص ۱۵۸ پر

# مکتوب نمبر ۶۹

پاس انفاس میں تو جہر ہوتا ہی نہیں، اس سے دماغ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، البتہ بارہ تسبیح میں جہر ہوتا ہے جس میں پورا کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ) چار سو مرتبہ (الا اللہ) چھ سو مرتبہ اور (اللہ) ایک سو مرتبہ ہے، اگرچہ یہ مقدار تیرہ سو ہوتی ہے، مگر آخری تسبیح ضروری نہیں مکمل ہو یہ جہر عنیف نہیں بلکہ ادنیٰ جہر (ان یسمع غیرہ) کافی ہے، اسمیں مقدار سے دماغ پر زیادہ اثر نہیں ہوتا اور اعتیاد کے بعد تو بالکل مضمحل ہو جاتا ہے، ہاں اسمیں ضرب علی القلب ضروری ہے جو کہ مقامات علامات (ے) پر ہونا چاہیئے، سو وہ بھی بہت زور سے ضروری نہیں ہے۔ مجھکو یاد نہیں پڑتا کہ صرف کلمہ طیبہ کے ذکر کو کہا ہو، بہرحال بارہ تسبیح اور پاس انفاس پر اکتفا فرمائیں اور بعد از فجر جو ذکر کلمہ طیبہ کرتے ہیں، اس وقت کو بھی پاس انفاس میں ہی صرف فرمائیں، پاس انفاس میں زبان اور ہونٹ کو حرکت نہ ہونی چاہیئے نہ آواز جہر پیدا ہونا چاہیئے، اندر جانے والے سانس میں لفظ اللہ اور باہر نکلنے والے سانس میں لفظ ھو پیدا ہونا چاہیئے، اور ھو الظاھر والباطن کا تصور قائم کرنا چاہیئے، اسکے علاوہ وقت مقررہ کے چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، حتیٰ کہ پاخانہ اور پیشاب کرتے ہوئے بھی جاری کرنا چاہیئے تا آنکہ طبیعت ثانیہ بنجائے اور بلا اختیار و بلا ارادہ ہونے لگے۔ الحمد للہ کہ اب آپکی طبیعت صحت پر آئی ہوئی ہے، اس سے استفادہ کیجئے، مشائخ سلسلہ کے لئے ایصال ثواب کرنے کے بعد یہ دعا ہونی چاہیئے:۔ اللھم بجاھھم طھر قلبی عما سواك و نورہ بانوار معرفتك و عشقك و محبتك۔ اگر محبت خداوندی میں آپ کو ہجوم ان خطرات کا ہوتا ہے جن کو آپ ذکر فرما رہے ہیں تو اول تو یہ خطرہ آیات و نصوص کے مخالف ہے "یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ" "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ" وغیرہ آیات و نصوص پر غور فرمانے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۷) مسلمانوں سے دار الاسلام کے مسلمانوں کو سود دینے کی اجازت ہے یا نہیں۔
اسی جلد میں دوسری جگہ حضرت امام العصر کی تحقیق درج ہے۔

سے اگر اپنی بے مائگی اور درماندگی پیش نظر ہے تو اگرچہ یہ خیال بہت عمدہ اور اعلیٰ ہے تاہم یہ چیز نوع بنی آدم اور جملہ افراد میں ہے، جس طرح افضال خداوندی نے کروڑوں اربوں نفوس انسانیہ کو محض اپنے کرم اور جود سے بارگاہ قدس و محبت میں جگہ دی ہے اور دیتا رہتا ہے باوجودیکہ وہ بھی اپنے والدین کے منی اور حیض ہی سے پیدا ہوئے تھے اور باوجودیکہ وہ بھی پاخانہ اور پیشاب وغیرہ کی نجاستوں سے ملوث تھے، اسی طرح وہ کریم کارساز ہم کو بھی ان گندگیوں کے ہوتے ہوئے پاک صاف فرماکر نعمہائے قرب و معیت سے نوازے، آمین۔

ایسے ہی استبعاد پر آیت "خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ" روشنی ڈالتی ہے، اسم خداوندی کا ذکر کرنا ایسی زبان سے جو کہ منی اور حیض کے خون اور علق سے بنی ہو زیادہ تر مستبعد ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

جس طرح یہ اجازت ذکر عظیم الشان انعام ہے اسیطرح خداوند قدوس کا اپنے کسی بندۂ انسانی سے محبت فرمانا اور اپنے قرب و معیت اور محبت و رافت سے نوازنا انتہائی انعام و کرم ہے اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ اِنَّ اللّٰہَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ الآیۃ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ بہرحال غور فرمایئے تو بے تعداد انعامات خداوندی اس خاکی انسان پر فرمائے گئے ہیں ؎

نظر کردن بمسکینان منافی جلالت نیست سلیمان باچنین حشمت نظرہا سوئے موران کرد

جدوجہد جس قدر ممکن ہو جاری رکھیے اور مایوس مت ہوجیے۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَلَا تَیْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ (الآیۃ) اگر بالفرض یہ وہم غالب ہی آتا ہے تو دعائیں صرف وضو کے بانوافل معرفتاً پر اکتفا فرمائیے، دعائیں ابتہال تضرع کے ساتھ مانگا کیجئے اور یہ نہ کہیئے کہ قبول نہیں ہوئیں، اول تو وظیفہ عبودیت ہی کے خلاف ہے، عبد کا کام مانگنا تضرع و زاری عمل میں لانا، الحاح کرنا ہے ع بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم۔

دوم یہ کہ ارشاد ہے "یستجاب لاحدکم مالم یقل دعوت لہم

یستجب لی" (او کما قال)[۱]

سوم یہ کہ اجابت دعا کا اثر یہ ہی نہیں کہ ہم جو مانگتے ہیں بعینہٖ وہی چیز حاصل ہو، حکیم و رحیم بمقتضائے حکمت و رحمت جو بھی ہمارے بہبودی کی چیز عطا فرمائے، اجابت دعا ہی میں سے ہوگا۔

معاصی میں کمی اور صدور گناہ پر شرمندگی اور نفس کو ملامت علامات کمال ایمانی میں سے ہے۔ اذا سرتک حسنتک[۱] و ساءتک سیئاتک فقد استکملت الایمان[۲] الحدیث (او کما قال) بہرحال اس پر حصول قوالب اعمال صالحہ پر شکر گذار رہیے، لَئِنْ شکرتم لازیدنکم قوالب کے بعد ہی نفخ روح ہوتا ہے، جد و جہد ان شاء اللہ وہاں تک بھی پہنچائیگی، دعا کرتا ہوں، معاشی جد و جہد میں اقتصاد اور توسط کا لحاظ رکھئے کیا عجب ہے کہ جو خطرات مستقبل میں آپ کے خیالات میں درپیش ہیں ان کا بہترین حل قدرت ظاہر کردے۔ والسلام

دعاگوئے قدیم:- چراغ محمد غفرلہٗ از خلوتخانہ

۲۰ شعبان ۱۳۶۳ھ

# مکتوب نمبر ۷

آپ کا ذکر پر مداومت کرنا باعث شکر ہے، خواہ جی لگے، حضور قلب ہو یا نہ ہو۔ انا مع العبد ما تحرکت بی شفتاہ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں اگر قلب ذاکر نہیں ہے تو جسم اور زبان تو ذاکر ہے، اگرچہ یہ ذکر لسانی ذکر قلبی کے سامنے نہایت کمزور نسبت رکھتا ہو جیسے کہ ذکر قلبی ذکر روحی[۳] کے سامنے نہایت کمزور نسبت رکھتا ہے۔ "ذکر اللسان لقلقہ و ذکر القلب وسوسۃ

---

[۱] آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تمہاری دعائیں قبول کیجاتی ہیں جبتک کہ گناہ کی دعا یا قرابت کے توڑنے کی دعا وغیرہ کہیں نے دعا کی اور قبول نہیں ہوئی۔ [۲] آنحضرت صلعم کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ جب تجھکو بھلائی اچھی معلوم ہو اور برائی گناہ نظر آئے تو ایسی صورت میں ایمان پورا ہو گیا۔ [۳] معلوم ہونا چاہیے کہ ذکر کی چند قسمیں ہیں ذکر ناسوتی لا الٰہ الا اللہ و ذکر ملکوتی صرف الا اللہ و ذکر جبروتی اسم ذات یعنی اللہ اللہ (باقی ص ۱۶۱ پر)

قول سلف ہے، مگر تاہم اس ذکر لسانی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے، بسا غنیمت ہے، اور بہت سے اشخاص اس سے بھی محروم ہیں، ثمرہ سے خالی نہیں، اگرچہ ضروری ہے کہ حتی الوسع کوشش کیجائے کہ حضور قلب ہو، سیلاب میں دریا کا پانی بہتا ہے اور اس پر جھاگ اور کوڑا کرکٹ ہوتا ہے، تاہم پانی اپنے فوائد زمینوں اور کاشت کے رقبوں، حیوانات وغیرہ کو پہنچاتا ہے، خدا کی اس نعمت کا کفران نہ ہونا چاہیئے، اور ازدیاد کی فکر کرنی چاہیئے، میں بذات خود نہایت نالائق ہوں، مجھکو خود ان مشائخ کرام اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرنے میں شرم آتی ہے، جنکا میں متوسل ہوں، اور یہی واقعی وجہ ہے کہ میں اپنے نام کے ساتھ صحیح طور پر ننگ اسلاف لکھتا ہوں۔ اگر فضل وکرم خداوندی شامل حال نہ ہوا تو مجھکو اپنی خلاصی سے ناامیدی ہے ؎

سودہ گشت از سجدۂ راہِ بتاں پیشانیم　　　چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

ماشغلك عن الحق فهو طاغوتك قول حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہے، ان ہی نالائقیوں میں سے میری انتہائی مصروفیتیں ہیں ؎

از نکتہ مقصود نشد فہم حدیثے　　　لادین ولادنیا بیکار بماندیم

صاحب الصنعتين كذاب قول مشہور ہے، یہ بھی بڑی وجہ ان میں سے تھی جن کی بنا پر میں نے بیعت میں پس و پیش کیا تھا اور میں اب بھی بخوشی عرض کرتا ہوں کہ جس شخص کو آپ قابل پائیں اس کی طرف متوجہ ہو جائیں نہ صرف آپ کو بلکہ اپنے تمام دوستوں کو میرا مشورہ یہی ہے یہ میرا مقولہ کسی خفگی یا طعنہ وغیرہ کی بنا پر نہیں ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے من آنم کہ من دانم۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۰) ذکر لاہوتی ھُوھُو لہذا زبان سے ذکر کرنیکا نام ناسوتی اور دل کے ذکر کا نام ملکوتی اور روح کے ذکر کا نام جبروتی اور سر کے ذکر کا نام لاہوتی، اور بھی دوسرے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً ذکر زبان کو ذکر جسمی اور فکر کو ذکر نفسی مراقبہ کو ذکر دلی اور مشاہدہ کو ذکر روحی اور اسی طرح ذکر سری کہتے ہیں، ترتیب مذکور کے لحاظ سے مدارج میں بھی فرق ہے۔ اسی کی جانب حضرت امام العصر نے اشارہ فرمایا ہے۔

آپ کو دیوبند میں یا سلہٹ میں میرے ساتھ رہنے کا اختیار ہی مگر ہر حالت میں محنت کرنیکی ضرورت ہے اگر فضل الٰہی شامل حال ہے تو ہر جگہ کامیابی ہو سکتی ہے ورنہ ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم — زخاک مکہ ابوجہل ایں چہ بو العجبی است

بہر حال فضائل رفاقت اور تاثیر صحبت کا عالم اسباب میں انکار نہیں کیا جا سکتا، صحبۃ الشیخ[۱] ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ اور الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ مشہور مقولہ ہے مگر یہ ان مکمل اور افاضل کے متعلق ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات اور مکارم سے مالا مال فرمایا تھا، ہم جیسے ٹٹو بچیئے بجز بد نام کنندہ نکونامے چند کے اور کس قابل ہیں، والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

## مکتوب نمبر ۱۷

آپ کا والا نامہ جس کو آپ نے مولانا اعزاز علی صاحب کو لکھا تھا، مجکو کراچی ہی میں ملا تھا، انہوں نے اس کو ملفوف کر کے بعینہ بھیجدیا تھا، مگر وہ ایسے وقت میں ملا جبکہ میں جواب نہیں لکھ سکتا تھا، مگر اس سے پہلے میں ایک عریضہ مفصلاً آپ کو لکھ چکا تھا جس پر قدیمی پتہ توپ کے ساتھ کا تحریر تھا، آپکے والا نامہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے وہ جگہ بدل دی ہو نہ معلوم وہ ملا یا نہیں، اس کے بعد مدینہ منورہ پہنچنے پر آپ کا وہ والا نامہ ملا جس کو آپ نے مستقل طور پر مدینہ منورہ روانہ فرمایا تھا، چونکہ بیرونی ڈاک کا انتظام سنسر کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہے، اور ہوائی ڈاک بھی بہت دیر میں پہنچنے لگی ہے، اس لئے میں نے مدینہ منورہ سے جواب نہیں لکھا اور یہ ارادہ کیا کہ ہندوستان پہنچکر عرض کروں گا، میرے اور آپکے حسب حال یہ قدیمی اشعار ہیں جنکو میں نے اپنے اس عریضہ میں پیشانی پر لکھا تھا جس کو کراچی سے بھیجا تھا ؎

---

[۱] صحبت شیخ پر ہم اور جگہ مفصل لکھ آئے ہیں یہاں عربی کے مشہور قول کہ شیخ کی صحبت میں ایک گھنٹہ رہنا ساٹھ سال کی عبادت کے برابر ہے اور شیخ کی مثال اپنی قوم کے اندر ایسی ہی جسطرح نبی اپنی امت میں تا ہی آخری قول کے مصداق گھر کے بوڑھے لوگ بھی ہیں۔

سأشکر عمرًا ان تراخت منیتی ایادی لم تمنن وان ھی جلت [۱]

فتی غیر محجوب الغنی عن صدیقہ ولا مظھر الشکوی اذا النعل زلت [۲]

رأی خلتی من حیث یخفی مکانہا فکانت قذی عینیہ حتی تجلت [۳]

میرے محترم! آپ ان نقود کے ارسال پر خفگی کا اظہار فرماتے ہیں اور اس ہبہ کو اپنی نالائقی کا بیمہ قرار دیتے ہیں، کیا تعجب کی بات نہیں ہے، کیا آپ نے یہ دستگیری اسوقت نہیں فرمائی تھی جبکہ مجھ کو شدید حاجت تھی، دیواریں مکان کی چھت تک بلند ہو گئی تھیں، اور برسات کا زمانہ آگیا تھا، روپیہ ختم ہو چکا تھا خوف تھا کہ اگر چھت نہ ڈالی گئی تو برسات میں دیواریں گر جائیں گی، آپنے ایسی ضرورت کے وقت میں دست اعانت دراز فرمایا فجزاکم اللہ خیر الجزاء پھر جبکہ میں نے کچھ عرصہ کے بعد ارادہ قضاء دین ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا کہ جبتک تو مردانہ مکان سے فارغ نہ ہو جائے جبتک اس کی فکر نہ کرنا، چنانچہ سال گذشتہ میں مردانہ حصہ سے بھی فارغ ہو گیا، اس مدت کو کئی سال گذر گئے، آپ نے اس تمام مدت میں کبھی اشارۃً یا کنایۃً بھی تقاضا نہیں فرمایا، کیا یہ دوسرا احسان عظیم الشان احسان نہیں ہے، آپ کے معاملات میں کسی قسم کا ادنیٰ درجہ کا تغیر نہیں پایا گیا، حالانکہ القرض مقراض المحبۃ مشہور مقالہ ہے، کیا مجھکو کسی طرح درست تھا یا ہے کہ ایسے عظیم الشان انعامات کو فراموش کر سکوں، کیا میرے لیئے نہایت زیادہ شرمندگی کی بات نہیں ہے، کہ میں نے اس قرض کے ادا کرنے میں سالہا سال کی مدت لگا دی، بیشک میں اپنی ناداری اور مصاریف تعمیر کی بنا پر عاجز تھا، مگر مجھکو فی النفس مجبوریت ضروری اور ہے مہینہ دو مہینہ نہیں سال نہیں

[۱] (ترجمہ) اگر میری موت نے مہلت دی تو میں عمرو کے ان احسانات کا شکریہ ادا کروں گا جن پر اس نے احسان نہیں جتایا۔ اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے تھے [۲] وہ ایک ایسا نوجوان تھا جو اپنے دوستوں سے اپنا مال (؟) کرتا نہ تھا بلکہ ان پر اسکا مال نثار تھا اور فقر و مصیبت کے وقت حرف شکایت زبان پر نہ لاتا بلکہ صابر رہتا،

[۳] اس نے میری حاجت مکان کو بھی معلوم کر لی جہاں سے کسی کو معلوم ہو سکتی تھی، پھر جبتک میری بدحالی دور نہ ہوئی، اس کی آنکھوں کا تنکا بنی رہی یعنی اسکے دور کرنے کی فکر میں لگا رہا،

سالہاسال یعنی تقریباً دس سال یا زیادہ گذر چکے ہیں، پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ اس وقت جبکہ میں حجاز جارہا تھا اور جب کہ بتقاضائے وقت وحال لازم تھا کہ میں پوری رقم ادا کرتا، کیونکہ موت و حیات کا معاملہ سوائے اللہ تعالےٰ کوئی نہیں جانتا، چاہیئے یہ تھا کہ میں بالکل بری الذمہ ہو کر جاتا اور پوری رقم آپ کی خدمت میں بھیجتا، مگر میں نے خواہ مجبوری یا بغیر مجبوری تین سو کی رقم بھیجی اور باقی کے متعلق توکل الی اللہ کیا، کہ وہ کریم کارساز اس کی کوئی صورت کردیگا، مگر تعجب ہے کہ آپ اس پر بھی ایسے الفاظ تحریر فرماتے ہیں، آپ کو چاہیئے تھا کہ سرزنش فرماتے کہ ایک تو اتنی مدت کے بعد قرضہ ادا کرتا ہے اور پھر وہ بھی پورا نہیں تجھکو شرم آنی چاہیئے، مگر بجائے میری سرزنش کے آپ خود اپنے آپ کو ملامت فرماتے ہیں، بہرحال میں آپ کے ان عظیم الشان احسانات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور محجوب ہوں کہ اس قدر دیر کیوں ہوئی اور انشاء اللہ باقیماندہ رقم بھی جلد ادا کرنے کی کوشش کروں گا، اور امیدوار ہوں کہ گذشتہ تاخیرات کو بنظر عفو دیکھیں گے اور اگر آئندہ بھی تاخیر ہو تو اس پر بھی وسعت قلب اور عفو کو کام میں لائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ میرے اور آپ کے علائق محض لوجہ اللہ ہونے چاہئیں، کسی دنیاوی امر کو درمیان میں حائل نہ ہونا چاہیئے، علائق اور اغراض مادیہ نہایت ذلیل امور ہیں جن سے ہم کو سخت احتراز چاہیئے، اللہ تعالےٰ مجھ کو اور آپ کو توفیق عطا فرمائے، کہ ہمارے جملہ افعال واعمال، حرکات وسکون محض اس کی رضاجوئی کے لئے ہوں، اور بس میں ابتک اپنی ڈائری میں قرضوں کو لکھتا رہا، کیونکہ معلوم نہیں کب داعی اجل کو لبیک کہنا پڑے، آپ کا قرضہ چونکہ سب سے بڑا تھا، اس لئے اس کو سب سے پہلے لکھتا رہا، کیونکہ معاملات کی صفائی ازبس ضروری ہے، آپ حضرات کی محبت اور مودت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میرے عیوب سے چشم پوشی کریں، بلکہ یہ لازم ہے کہ مجھکو میرے عیوب پر اور میری کمزوریوں پر متنبہ فرماتے رہیں۔

المومن مرآۃ المومن" بجز انبیاء علیہم السلام اور کوئی معاصی اور عیوب سے پاک نہیں اور انسان کو اپنے عیوب نظر نہیں آتے ہ

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ولکن عین السخط تبدی المساویا[۱]

حبک الشئی یعمی ویصم چونکہ انسان کو اپنے نفس کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے، اس لئے عیوب سے انسان اندھا ہی ہوتا ہے، اور اگر کچھ جانتا بھی ہے تو اسکو تاویلات کیکہ وغیرہ سے کمال بتلاتا ہے دوستوں کا فریضہ ہے کہ اس پر متنبہ کرکے اس کا ازالہ فرمائیں نہ کہ اسکو چھپائیں، اور دوسرے اس پر طعن و تشنیع کریں، ہیں ۴ ذیقعدہ کو جدہ پہنچا، چونکہ کراچی سے عزیزم محمود کو تار دیچکا تھا اس لئے وہ اسی روز اپنی موٹر لاری لیکر جدہ پہنچ گئے اور کوشش کی کہ مجھکو مع عائلہ کے کوشان سے مستثنیٰ کر دیا جائے، چنانچہ یہ امر اس بنا پر قبولیت کو پہنچ گیا تھا کہ میں عرصہ دراز تک مدینہ منورہ رہ چکا ہوں، اگلے روز یعنی ۵ ذیقعدہ کو ہم مدینہ منورہ اسی لاری پر روانہ ہو گئے

---

[۱] ایک بہت اہم چیز کی جانب حضرت نے تنبیہ فرمائی ہے جو ہمارے علما اور صوفیہ کی وہ کمی ہے جس سے بہت کم لوگ محفوظ ہیں، وہ یہ کہ شیخ طریقت، استاد اور بڑوں کی محبت و مودت بسا اوقات انکے عیوب سے چشم پوشی پر مجبور کرتے ہیں حدیث کہ مومن مومن کیلئے آئینہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ سب سے بڑا ہدیہ یہ ہے کہ کوئی میرے عیب اور کمزوری سے مجھکو مطلع کرے، تو پیر کی جو بات سمجھ میں نہ آئے یا واقعی اسکی کوئی کمزوری معلوم ہو تو تخلیہ میں ادب کے ساتھ اسکو صاف کرے اور ظاہر کردے، مگر خدا ناس کرے پیر پرستی کا کہ اس نے مسامحت و مداہنت کا دروازہ کھول دیا ہے، حضرت نے اس بدعت پر کاری ضرب لگائی اور اپنے متوسلین کو خصوصی اور دوسروں کو عمومی انتباہ دیا، اور کیوں نہ ایسا تحریر فرمایا جاتا جبکہ آپ کا سلوک و تصوف مجاہدین فی سبیل اللہ کا تصوف تھا، چنانچہ یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی اور کسی وجہ سے دیر میں تشریف لائے تو آپ کے مرید اور وزیر حضرت مولانا عبدالحیؒ نے ٹوکا اور سید شہیدؒ نے اس کو مستحسن قرار دیا، فاعتبروا یا اولی الابصار تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سیرت شہیدؒ ص ۲۶۷ - [۲] شعر کا مفہوم یہ ہے کہ بنا دادو دوستی میں ہر عیب معمولی نظر آتا ہے، لیکن اختلاف و دشمنی کی آنکھوں میں چھپے عیب بھی اجاگر نظر آتے ہیں،

۱۴ ذی الحجہ تک مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ ۷ ذی الحجہ کی شب میں مکہ معظمہ پہنچنا ہوا۔....
۱۸ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر ۲۰ ذی الحجہ کو جدہ سے روانگی ہوئی..... آج بتاریخ
۲۸ ذی الحجہ بخیر و عافیت سب کراچی پہنچ گئے۔

والسلام

ننگ اسلام حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۱) امام العصر کی ساری زندگی سبق آموز ہے، پیر اور مرید کے تعلقات لین دین میں بظاہر یہ چیز کسی اور عینک سے دیکھی جاتی ہے، لیکن احقر کی نظر میں تو یہ چیزیں بھی حضرت کے فضل و کمال کی مستقل کرامت ہے، اور افادہ اور سبق آموزی کے نہ جانے کتنے پہلوؤں کو حاوی ہے، آدمی معاملات سے پہچانا جاتا ہے، معاملات کی صفائی اخلاق و تزکیۂ نفس کا اہم عنصر ہے۔ اسلئے شریعت نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور صوفیہ نے اسکو بنیادی مسئلہ بنا دیا ہے جو والا نامہ کے ہر ہر فقرہ سے ظاہر ہے، جو لوگ قرض کو شیر مادر سمجھکر پیتے اور فراموش کر جاتے ہیں وہ اللہ و رسول کے نزدیک جس طرح مجرم ہیں اللہ کے بندوں کے نزدیک بھی اس سے زیادہ گناہ گار ہیں، حقوق العباد معاف نہیں ہوتے جبتک ادا نہ کئے جائیں اور حق والا معاف نہ کرے اس لئے حضرت نے اس پر بہت زور دیا ہے۔

مولانا عبد الباری صاحب ندوی امام العصر حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کے مرید ہیں اور مراحل سلوک حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم سے طے فرماتے رہے، جیسا کہ متعدد والا ناموں سے ظاہر ہے چونکہ حضرت امام العصر کے تدریسی مشاغل اور سیاسی مصروفیتیں ارشاد و اصلاح کی راہ میں حائل ہوتی رہتی ہیں، اسلئے آپنے مولانا عبد الباری صاحب وغیرہ کو بارہا مشورہ دیا کہ وہ اپنی تعلیم و تربیت کا سلسلہ حضرت مولانا تھانوی رح سے قایم کریں، مولانا ندوی نے اسپر عمل کیا۔ مولانا مدنی کی یہ کرامت ہے کہ ہر دو شیخ طریقت کا پورا پورا احترام اور حسن ظن قایم رکھا، چنانچہ امام العصر کے اس جوابی والا نامہ سے ظاہر ہے، کسی مزید ثبوت اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے، اور طریق میں یہ چیز طے ہو چکی ہے، اگر شیخ اپنی مصروفیت کی وجہ سے لطیب خاطر اپنے مرید کو یہ اجازت دیدے کہ تو بجائے میرے (باقی ص ۱۶۷ پر)

# مکتوب نمبر ۶۷

علالت اور رعشہ کی کیفیت پیدا ہونے سے رنج ہوا، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ کریم کارساز اپنے فضل وکرم سے صحت اور عافیت عطا فرمائے۔

بیماری اور صحت میں جسقدر زیادہ سے زیادہ ذکر ہوسکے کرتے رہیں، خواہ زبانی ہو یا پاس انفاس یا ذکر قلبی بہرحال جسطرح بھی ہو ذکر سے غافل نہ رہیں، اور رحمت خداوندی سے کسی وقت بھی، مایوس نہ ہوں، وہ کریم کارساز عمیم الاحسان، غفار الذنوب والخطایا ہے، اسکا وعدہ ہے اور نہایت سچا وعدہ ہے کہ آسمان وزمین کے تمام فضا سے بھرے ہوئے گناہوں کو بھی رجوع اور انابت الی اللہ کی بنا پر اپنی مغفرت سے بھر دے گا، اس نے اسرائیلی[1] کو ننانوے اہل ایمان کی قصداً قتل کر دینے پر بھی مغفرت فرمادی اور جبکہ وہ توبہ کرکے ارض مقدسہ کی طرف گھسٹتے ہوئے مرگیا تو اس زمین کو جہاں سے ارتکاب کرکے چلا تھا دراز ہونے اور ارض مقدسہ کے حصہ کے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۶) فلاں بزرگ سے سلوک اور تصوف میں رجوع کرلے تو اس شرط پر رجوع جائز ہوگا کہ شیخ اول کا ادب واحترام اور اسکے ساتھ عقیدت میں فرق نہ آئے جیسا کہ بعضوں نے کیا، خدا رحم کرے۔

مولانا عبدالباری صاحب نے حضرت مولانا تھانویؒ پر مفصل کتابیں لکھی ہیں اور ان میں بعض بزرگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے، مگر عجیب بات ہے کہ امام العصر مولانا مدنی دامت برکاتہم سے زبردست علاقہ رکھنے کے باوجود شاید ایک جگہ بھی بھول کر ذکر نہیں فرمایا گیا ہے، حالانکہ نسبت اور محبت کا تقاضا تھا کہ اگر اس کے لئے کوئی عنوان الگ سے اختیار نہ کیا جاتا تو ضمناً ہی سہی، مگر اتنی زبردست ہستی کو فراموش نہ کیا جاتا، ہوسکتا ہے کہ کوئی راز ہو۔

[1] حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے جس اسرائیلی کا حوالہ اپنے اس والانامہ میں دیا ہے اس کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے کہ ایک شخص بنی اسرائیل میں تھا جس نے ننانوے ۹۹ اشخاص کو قتل کر دیا تھا، پھر نکلا اور پوچھتا تھا (کہ میری توبہ ہوسکتی ہے) ایک عابد وزاہد کے پاس پہنچا اور سوال کیا کہ آیا میری توبہ ہوسکتی ہے؟ جواب دیا نہیں اس نے ان کو بھی قتل کر دیا، پھر پوچھنا شروع کیا، ایک شخص نے (باقی ص ۱۶۸ پر)

قصیر ہونے کا حکم دے کر مغفرت کا سامان پیدا کر دیا، پھر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے متوسل کے لئے کیونکر مایوس ہونا جائز ہوگا۔ توبہ اور انابت میں مشغول رہیئے، اور ذکر سے غافل مت ہو جیئے، اللہ تعالیٰ آپ کی اور ہماری اور تمام امت کی مغفرت فرمائے، آمین۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

دار العلوم دیوبند۔ ۲ ر ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۷) کہا کہ تو فلاں گاؤں میں جا کر دفعۃً موت آگئی، مرتے وقت اس نے اپنا سینہ بستی کی طرف مائل کر لیا، اسکے بعد ملائکہ رحمت و عذاب روح قبض کرنے میں جھگڑ پڑے (کہ ہم قبض کریں گے دوسرا کہتا ہم) بس اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو حکم دیا کہ تو نزدیک ہو جا اور دوسری کو حکم دیا کہ دور ہو جا، پھر اللہ نے دونوں بستیوں کے پیمائش کا حکم دیا پس پایا گیا وہ شخص اس بستی کے قریب جسکی طرف چلا تھا ایک بالشت زیادہ اسکے سبب اللہ نے اسکی مغفرت فرمادی (روایت کیا اسکو مسلم اور بخاری نے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۲) میں نے مولانا ندوی مدظلہٗ کو ایک عریضہ لکھا تھا جس میں میں نے مولانا تھانوی اور حضرت امام العصر کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا، اور یہ مصرع لکھ گیا تھا "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" جس کے جواب میں مولانا عبد الباری صاحب نے تحریر فرمایا تھا "آپ نے بالکل سچ لکھا کہ "ہر گلے را الخ" ایک صاحب اپنے چھوٹے بھائی کو لائے کہ ان کو پرانی عقیدت تو حضرت مولانا مدنی سے ہے لیکن اب حضرت تھانوی سے بھی بہت اعتقاد ہو گیا ہے، دونوں کو کس طرح جمع کریں، میں نے کہا کہ عمر و علی رضی اللہ عنہما کے جمع کرنے میں دشواری تو رافضی یا خارجی کو ہو سکتی ہے، سنی کو کیا دشواری؟ مولانا ندوی کی یہ تشبیہ بہت خوب ہے، اس کے بعد خود ہی فرماتے ہیں، "اور الحمد للہ اس جمع اضداد میں یہ سراپا نالائق بھی زیادہ نالائق نہیں رہا"

(مکتوب ۱۵ ر ذوالقعدہ ۱۳۶۸ھ) ۶

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

باسمہ سبحانہ

# مکتوب نمبر ۲۳

## مولانا ابوالحسن[1] حیدری نغازیپوری کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف۔ امور مستفسرہ کے متعلق مندرجہ ذیل امور معروض ہیں:۔

(۱) حدیث اول اولیائی تحت قبائی[2] لایعرفھم غیری کے متعلق وجہ اشتباہ درج نہیں کی گئی۔ بظاہر وجہ اشتباہ یہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جنکو ہم لوگ بھی جانتے ہیں، اسلئے لایعرفھم غیری کس طرح صحیح ہو سکتا ہے، اسلئے عرض ہے کہ یہ قضیہ سور کلیہ سے خالی ہے اسلئے مہملہ ہو گا جو کہ قوت جزیہ میں ہوتا ہے۔ یہ اشکال جب ہوتا کہ کہا جاتا جمیع اولیائی تحت قبائی الخ اس جزیہ کے صدق میں کوئی کلام نہیں ہے کیونکہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جنکو سوائے اللہ تعالیٰ کوئی نہیں جانتا ہے

دوسرا جواب یہ ہے کہ مدار ولایت ظاہری اعمال پر نہیں ہے، فرمایا جاتا ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے، جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے انکے لئے ہے خوشخبری دنیا کی زندگی میں اور

---

[1] جناب مولانا ابوالحسن حیدری صاحب ظلہ نے مکتوبات کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا تھا، جو حالات کی ناسازگاری کی بنا پر طبع نہ ہو سکا لیکن جب موصوف کو معلوم ہوا کہ اصلاحی نے اس کام کو پورا کرنیکا ارادہ کر لیا ہے تو پوری فیاضی سے اپنا مجموعہ کلی اختیار کیساتھ عنایت فرمایا، ناچیز مولانا کا اس ایثار کا تہ دل سے شکر گذار ہے، جزاہ اللہ خیر الجزا، حیدری صاحب کا یہ مجموعہ اپنی جگہ پر مفید مجموعہ ہے جسکو ہم عربی فارسی عبارات کے ترجمے، بعض غیر ضروری خطوط کے حذف، ترمیم اور حواشی وغیرہ کے اضافہ کیساتھ درج کرتے ہیں۔ ناظرین طبع میں اس مجموعہ کو بھی کافی دخل ہے۔ اصلاحی۔

[2] "اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری" کے معنی و مطلب کیا ہیں؟

آخرت میں، بدلتی نہیں اللہ کی باتیں، یہی ہے بڑی کامیابی۔)

تفسیر اولیاء میں ایمان اور تقویٰ کو ذکر فرمایا ہے اور دونوں قلبی امور میں سے ہیں، ایمان کا قلبی ہونا ظاہر ہے، فرماتے ہیں قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ الآیۃ (کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں گھسا ایمان تمہارے دلوں میں۔)

اور تقویٰ کیلئے ارشاد ہے:۔ الا ان التقوی ھھنا واشار الی قلبہ ۳ او کما قال علیہ السلام (آنحضرت صلعم نے فرمایا یاد رکھو تقویٰ یہاں ہے، اور آپ نے اپنے سینۂ مبارک کیجانب ۳ بار اشارہ فرمایا)

اعمال ثمرات اور نتائج امور قلبیہ اور ان سے صادر ہونے والے ہوتے ہیں جنکی دلالت قطعی نہیں۔

امور قلبیہ کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، عام لوگ تو صرف ظاہر کی بنا پر کسی کی ولائت کی شہادت دیسکتے ہیں جو محض ظنی دلیل ہے، بسا اوقات اس میں غلطی اور فاش غلطی ہوتی ہے۔ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست الخ

البتہ اولیاء کاملین کو قلبی امور پر بھی اطلاع ہو جاتی ہے، مگر یہ بھی علم یقینی نہیں ہے، عقائد میں تصریح ہے کہ کشف والہام ورویا رصالحہ غیر انبیاء علیہم السلام میں ظنی اور غیر حجت شرعیہ ہیں، اگرچہ مشہور ہے کہ ولی را ولی می شناسد۔

(۳) مدار ولائت حقیقت میں موجودہ اعمال اور احوال اور صفات ظاہرہ یا باطنہ پر نہیں ہے۔ بلکہ حسن خاتمہ پر ہے، فرمایا جاتا ہے وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالخواتیم (او کما قال علیہ السلام) اور فرمایا جاتا ہے ان الرجل لیعمل بعمل اھل الجنۃ حتی لایکون بینہ وبین الجنۃ الا ذراع واحد فیسبق علیہ الکتب فیعمل بعمل اھل النار فیکتب من اھل النار، الحدیث (بیشک ایک شخص اہل بہشت کا کام کرتا ہے یہانتک کہ اسکے اور بہشت کے درمیان میں ایک ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر جو لکھی جا چکی ہے اس پر غلبہ کرتی ہے پس وہ دوزخیوں کا کام کرتا ہے اور جہنمی لکھ دیا جاتا ہے) بنا بریں خواہ کیسے ہی تقویٰ پر انسان ہو اور کیسے ہی اعمال صالحہ اور کشف و کرامات کا مظہر ہو کسی کے متعلق ولائت حقیقیہ کا فتویٰ نہ عامی دے سکتا ہے نہ کوئی ولی دے سکتا ہے، جب تک کہ خاتمہ کا علم نہ ہو جائے، اور یہ مخصوص بعلم اللہ تعالیٰ ہے یا وحی سے پیغمبر

کو علم کرا دیا جاتا ہے، جیساکہ مبشرین بالجنۃ کے متعلق واقع ہوا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں من کان منکم مستنا فلیستن بمن مات فان الحی لا یومن علیہ الفتنۃ۔ اس لئے کوئی شخص بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کو نہیں پہچان سکتا۔ بلعم باعور اور برصیصا وغیرہ کے احوال معروف و مشہور ہیں، کس قدر کرامات وکشوف اور فیوض کے مالک تھے مگر آخر الامر کیا ہوا۔

(۴) حدیث شریف میں لا یعرفھم غیری فرمایا گیا ہے لا یعلمھم نہیں فرمایا گیا اور معلوم ہے کہ معرفت ہر علم کو نہیں کہتے ہیں جو کہ مسبوق بالعلم ہو اور اس وجہ سے اس شخص کو کہا کرتے ہیں کہ پہچان لیا جسکو پہلے سے جانتے ہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے سب لوگوں کے احوال کو جانتے ہیں اسلئے وہی پہچان سکتے ہیں کہ کون ولی ہوگا، اور کون نہ ہوگا، ملائکہ مقربین اور اولیاء اللہ وغیرہ نہیں پہچان سکتے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ الآیۃ (جنکے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے دور رہیں گے) اُولٰٓىٕكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ الآیۃ۔

ترسم ز گنہ نیست کہ او غفار است   از سابقہ روز ازل می ترسم

اگرچہ اطلاق لفظ عارف جناب باری عز اسمہ پر ایہام کی وجہ سے ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ انسانوں میں اسکا اطلاق ادراک بعد الذہول پر مبنی ہوتا ہے وھو محال علی اللہ عز وجل۔ اور کبھی ادراکات جزئیہ پر ہوتا ہے جس سے ایہام ہوتا ہے کہ معاذ اللہ کلیات کا علم اس کو نہیں ہے اور نہ فی ذاتہ یہ اطلاق جناب باری عز اسمہ پر ممنوع نہیں تھا، جیساکہ روایات میں لفظ مذکور بصیغہ فعل ماضی یا فعل مضارع وغیرہ موجود ہے۔

(۵) حصر اس روایت میں اضافی ہو یعنی استغراق حقیقی نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو عام لوگ نہیں پہچان سکتے، اگرچہ خاص خاص لوگ بتعلیم اللہ پہچان جاتے ہوں، یا بالذات کوئی نہیں پہچانتا بلکہ بتعلیم اللہ تعالیٰ و بتعریفہ پہچان سکتے ہیں، واللہ اعلم۔

اگر موجب اشتباہ فی معنی الحدیث اور کوئی امر ہو اور اس کے لئے یہ جوابات کافی نہ ہوں

تو اس کو تحریر فرمائیں تاکہ اس پر غور کیا جائے۔

(۱) یہ روایت[لے] بہت قوی ہے، بخاری شریف کی روایت ہے، مگر معلوم ہے کہ حسب قواعد عربیہ ضمیر کو اقرب مراجع کی طرف لوٹانا چاہیے، اور وہ لفظ آدم ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا، ایسا نہیں ہوا جیسا کہ عام آدمیوں میں ہورہا ہے سورہ حج میں یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ الآیۃ (اے لوگو اگر تم کو دھوکا ہے جی اٹھنے میں تو ہم نے تمکو بنایا مٹی سے پھر قطرہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنی ہوئی الخ) سورہ مومنون میں ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً الآیۃ (اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے پھر ہم نے رکھا اسکو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی سورہ مرسلات میں ہے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ الآیۃ (کیا ہم نے نہیں بنایا تمکو ایک بے قدر پانی سے)
الحاصل تمام انسانوں کی خلقت تدریجی ہے، مگر حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت دفعی ہے، اسی بناء روایت موجودہ میں بعد کو فرمایا ہے طولہ ستون ذراعا الحدیث (دیکھو بخاری شریف نصف ثانی) اب اس تقریر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

(۲) صورتہ کی ضمیر حضرت آدم علیہ السلام ہی کیطرف راجع ہو اور مراد ان کی صورتِ روحانیہ ہو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جسمانی اور مادی حیثیت ایسی ہی دیگئی جیسی ان کو روحانی صورت عطا کی گئی تھی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسانی ارواح بھی واقع میں مرکب ہیں بسیط وہ نسمہ یعنی روح حیوانی، نفس ناطقہ، روح ملکوتی سے مرکب ہے اور اس میں مادہ شیطانی اور مادہ ملکی وغیرہ بھی رکھا گیا ہے، اس میں عالم علوی کی تمام موجودات کا عنصر اسی طرح رکھا ہوا ہے جسطرح اسکی جسم میں عالم سفلی کے تمام مواد خاک، نار، ماء، ہوا، نفس جمادی، نفس نباتی، نفس حیوانی وغیرہ

---

[لے] "خلق اللہ آدم علی صورتہ" کے کیا معنی و مفہوم ہے؟

موجود ہیں، خلاصہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں وہ سب چیزیں اور قوتیں پیدا کی گئیں جو کہ اس کی روح میں کامن اور مستتر تھیں، اس کی روح میں قوت باصرہ تھی، اس کو آنکھ دیگئی، اس میں قوت بطش تھی، اسکو ہاتھ دیئے گئے وعلی ہذا القیاس، اس کی روح میں قوت حاسہ تھی اسلیے اسکے جسم میں قوتِ حساسہ رکھی گئی، اس کی روح قوت واہمہ تھی، اسکے دماغ میں یہ قوت رکھی گئی اسکی روح میں قوت بہیمیہ تھی اس کے جگر میں یہ قوت رکھی گئی، علی ہذا القیاس، اس کو قلب دیا گیا تاکہ قوت سمعیہ کا مرکز ہو، اس کو دماغ دیا گیا تاکہ قوئ عقلیہ کا تخت سلطنت بنے، وہکذا غرضکہ مبدا فیاض سے انسان پر فیض کامل کیا گیا اور اس کی باطنی اور ظاہری دونوں طرح تکمیل فرمائی گئی مَامَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَیَّ (کس چیز نے روکدیا تجھکو کہ سجدہ کرے اسکو جسکو میں نے بنایا اپنے ہاتھوں سے۔) ارشاد فرمایا گیا ہے، یہاں مخلوق ہے جس میں باطنی تکمیل ہے مگر ظاہری نہیں جیسے فرشتے وغیرہ یا ظاہری تکمیل ہے مگر باطنی نہیں، جیسے حیوانات اور پہاڑ، نباتات وغیرہ، بخلاف انسان کے کہ وہ خلاصہ موجودات اور عالم اصغر بنایا گیا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب اندازے پر) اس لئے اس پر بوجھ تشکر سب سے زیادہ رکھا گیا، اور اسی وجہ سے عدم شکر پر عذاب بھی زیادہ اور سب سے زیادہ رکھا گیا، قاعدہ ہے کہ جس پر زیادہ انعام ہوتا ہے اس سے باز پرس بھی زیادہ ہوتی ہے، ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ الآیۃ (پھر پھینک دیا اسکو نیچوں سے نیچے) اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہی مستحق خلافت ربانیہ قرار دیا گیا، شہنشاہ کی نیابت ہر شخص کو نہیں دیجاتی۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام کی روح ارواح میں سب سے زیادہ جامع اور خوبصورت پیدا کی گئی جس پر بشارت خلافت اور مجلس ملائکہ میں اس کو پیش کرنا بتلاتا ہے، اسیطرح انکو جسم بھی تمام اجسام سے خوبصورت اور مکمل دیا گیا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ شاعر کہتا ہے۔

مااانت مادحها یامن یشبهها　　بالشمس والبدر لا بل انت هاجیها

اے مادح تو محبوبہ کی تعریف کرتا اور اسکو سورج اور ماہ کامل سے تشبیہ دیتا ہے یہ تو تعریف نہیں ہے بلکہ اسکی ہجو ہے

من این للشمس خال فوق وجنتها　　ومضحك من نظام الدر فی فیها

بھلا سورج کے گالوں پر سیاہ تل اور اس کے منہ میں موتیوں کی لڑی کہاں ہے؟

من این للبدر اجفان مکحلۃ      بالسحر والغنج یجری فی حواشیہا

بھلا بدر کامل میں وہ سرمگین آنکھیں کہاں جو جادو اور ناز کے ساتھ گردش کرتی رہتی ہیں۔

فارسی شاعر کہتا ہے ؎

من ماہ ندیدم کلہ دارد      من سرو ندیدم قبا پوشش

(۴) اگر ضمیر صورتہ کی لفظ جلالہ کی طرف راجع کی جائے، اگرچہ یہ طریقہ شائع عربیہ کے خلاف ہے تاہم کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جیسے اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ (الآیۃ انفال) اور لِتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ وَتُسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا (فتح) ضمیر تسبحوہ ما بعد مذکور کی طرف راجع ہے، تو البتہ اشکال وارد ہوتا ہے، کیونکہ جناب باری عزاسمہ صورت و شکل سے منزہ ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ذی صورت کیلئے محاط بحد یا محدود ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ بکل شیء محیط ہے وہ محاط نہیں ہو سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ صورت اس جگہ بمعنی صفت ہے، جیسے مسائل عقلیہ غیر مادیہ کیلئے کہا جاتا ہے صورۃ المسئلۃ کذا و کذا ای صفتہا کذا و کذا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا اور حضرت آدم کو اپنی تمام صفات کمالیہ میں سے حصہ دیا، ان کے ظلال و عکوس تمام اس میں رکھدیئے۔ اور مخلوقات سب کے جامع نہیں ہیں، جسطرح آئینہ مظہر نور شمس ہے اسیطرح آدم علیہ السلام مظہر جملہ صفات کمالیہ جناب باری عزاسمہ بنائے گئے، اور اسی لئے اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ ہو سکے کسی کا نائب وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ منیب کے صفات خاصہ کا کم و بیش حامل ہو، آفتاب کا نائب چاند یا ستارے یا شمع، چراغ ہو سکتے ہیں، شجر حجر نہیں ہو سکتے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۴۷

آپ اسی آیہ کریمہ قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ الآیۃ پر اکتفا فرماتے رہیں، آپ کا استخراج صحیح ہے، مگر اس کیساتھ

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے چکھانا چاہیے انکو کچھ مزہ اس کام کا تاکہ وہ پھر آئیں) اسی طرح آیت يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ (اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے اگر تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکتے کے بدون سند کے چھوڑے جائیں تم پر شعلے آگ کے صاف اور دھواں ملے ہوئے پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے) اسی طرح وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (اور وہ جو کہتے ہیں اپنے کو نصاریٰ ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد انکا پھر بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو انکو کی گئی تھی پھر ہم نے لگا دی آپس میں ان کے دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک اور آخر جتا دیگا اللہ ان کو جو کچھ کرتے تھے) وغیرہ آیات آج تاویل اور صرف عن الظاہر کی محتاج نہیں رہی ہیں، جملہ فرق یعنی مسلم یہود، نصاریٰ، مشرکین، ملاحدہ، سب کے قلوب پر غشاوات تہ بر تہ چڑھتے چلے جارہے ہیں، اور ان مواعظ اور آیات سے تذکر اور توجہ الی اللہ کا نام تک بھی حاصل نہیں کرتے، آج حروب میں دخان سے مختلف طریقوں سے کام لیا جاتا ہے اور دشمن کو زیر و زبر کیا جارہا ہے، فضا میں بحر میں بر میں دخان کو پھیلا کر دشمن کو برباد کرتے ہیں جس کی تفصیل اخباروں میں آچکی ہے کیا يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى الآية (اس دن کہ لائے آسمان دھواں صریح جو گھیرے لوگوں کو یہ ہے عذاب دردناک، اے رب کھول دے ہم پر سے یہ آفت ہم یقین لاتے ہیں، کہاں نصیب ہو انکو سمجھنا الآیۃ) بغیر تاویل اس پر چسپاں نہیں ہوتی ہے۔ یہ سب قہر الٰہی کے مظاہر ہیں ویخلق مالا تعلمون کے ماتحت ہو رہے ہیں مگر حضرت انسان حسب آیۃ وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا

معرضون وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون افامنوان تاتیھم غاشیۃ من عذاب اللہ الایۃ (اور بہتری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر گذر ہوتا رہتا ہے انکا اور وہ انپر دھیان نہیں لاتے۔ اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں، کیا نڈر ہو گئے اس سے کہ آ ڈھانکے انکو ایک آفت اللہ کے عذاب کی (الایۃ) انتہائی غفلت اور اعراض عن اللہ کرتے ہوئے، فسق و فجور کرتے ہوئے لاھیۃ قلوبھم میں مست الا وھم یلعبون میں سرشار ہیں۔ اعاذنا اللہ وایاکم من قھرہٖ وجلالہ۔ آمین۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

## مکتوب نمبر ۷۵

الولایۃ افضل من النبوۃ[۱] کسی حدیث کا جملہ نہیں ہے، بعض اکابر طریقت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے، کسی قطعی اور منصوص مجمع علیہ امر کے خلاف کسی شخص کا بھی قول معتبر نہیں ہو سکتا۔

(۲) ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس بزرگ نے یہ قول حالت سکر[۲] میں فرمایا ہے یا حالتِ صحو میں ظاہر ہے کہ سکر کا قول قابل اعتماد نہیں ہو سکتا۔

(۳) اس جملہ میں یہ نہیں کہا گیا کہ الولی افضل من النبی جو کہ مجمع علیہ اور قطعی کیخلاف ہو بلکہ الولایۃ افضل من النبوۃ کہا گیا ہے۔

---

[۱] الولایۃ افضل من النبوۃ کے کیا معنی ہیں، نبوت سے ولایت کیونکر افضل ہو سکتی ہے۔

[۲] سکر ایک خاص قسم کی مستی اور غیبت کا نام ہے، اگر سلطان حال کے غلبہ کی وجہ سے سرایت کا اثر باقی ہو تو اس پر اثر سکر کا مستور ہوگا، اور اگر حالت اپنی قرارگاہ پر آگئی تو یہ صحو ہوگا، پس سکر اہل قلوب کے لئے ہے اور صحو ان کے لئے جن پر غیب کے حقایق ظاہر ہو چکے ہیں، کیونکہ صحو کے معنی مستی سے ہوشیاری میں آنے کے ہیں یا باصطلاح صوفیہ اپنے اوصاف کو گم کر دینا اور عادات بشری کا مٹا دینا صحو ہے۔

(۴) نو لایۃ النبی افضل من نبوتہ ؎ اس سے مراد لیا جاتا ہے اور غالباً یہی معنی مراد ہیں کیونکہ ہر نبی کو مراتب ولایت طے کر لینے ضروری ہیں، اگرچہ وہ نہایت قلیل زمانہ بلکہ آن واحد میں ہو جائے فکل نبی ولی ولا عکس چونکہ ولایت سیر الی اللہ فقط یا سیر فی اللہ[۱] کیا تھا یا سیر فی اللہ فقط سے عبارت ہے اور نبوت سیر من اللہ الی العباد کا نام ہے، اس لئے ذاتی حیثیت سے ولایت اعلیٰ اور اکمل ہوئی کہ اس میں توجہ الی المحبوب الحقیقی اور حضور حاصل ہے، بخلاف نبوت کے وہاں پر

---

[۱] اس والانامہ میں سیر فی اللہ کا لفظ آگیا ہے جس کو ہم واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ مسائل عقائد و ایمانیات میں سب سے اہم مسئلہ معرفت باری تعالیٰ مانا گیا ہے، جہاں تک اس کے ظاہر کا تعلق ہے کتاب و سنت نے واضح کر دیا ہے، اور جنید جیسے باکمال کو صاف کہدینا پڑا کہ بیس نے مسئلہ توحید کی بساط کو بیس سال ہوئے لپیٹ دیا ہے، والناس یتکلمون فی حواشیہ۔ اس لئے اگر معرفت باری اور توحید الٰہی پر کچھ گفتگو ہو سکتی ہے تو صرف ارباب معرفت ہی کی زبان سے، چنانچہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ آفاق و انفس میں اللہ تعالیٰ کی حکومت جس طرح قائم ہے اسی طرح اس کے صفات، ظلال، آثار پھیلے پڑے ہوئے ہیں، یہ صفات اسماء تک پہنچنے کا ذریعہ اور پھر اسماء سے ذات کو جانا جاتا ہے، باقی غایت ادراک سوائے عجز کے کچھ نہیں ہے۔ البتہ

فلما استبان الصبح ادرج ضوءہ　　باسفارہ اضواء نور الکواکب

پس اپنے اور ساری موجودات کے صفات کو اللہ تعالیٰ ہی کے صفات کا پرتو سمجھکر اس کے اندر ڈوب جائے اور فرش سے عرش تک سارے عالم کو اپنے اندر لیلے تو اس پر ایسی حالت میں کیفیات عالم.... پیچ منکشف ہوں گی، مگر اس پر توقف نہ کرے اور نہ انوار کو مقصود سمجھے کیونکہ یہ تمام چیزیں حجاب ہیں۔ اگر تائید ایزدی اور جذبہ غیبی شامل حال ہوا تو انشاء اللہ تمام حجابات طے ہو کر معرفت ذات بحت تک رسائی ہوگی اور عجیب و غریب حالات پیش آئیں گے، اسی کو سیر فی اللہ سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ وہ مقام ہے جس کی تھاہ نہیں اور یہیں پر سلوک آکر منتہی ہو جاتا ہے، بعض حضرات نے اس مسئلہ کی تقریر اس طرح کی ہے کہ وہ نسبت خدا جس کو ولایت سے تعبیر کیا جاتا ہے کبھی کبھی کشتی نفرمیں (باقی ص ۱۷۸ پر)

توجہ الی غیر المحبوب الحقیقی والی العباد کرنی ہوتی ہے اور اسکا انہماک اور اس کے فرائض کا ادا کرنا غفلت یا کم از کم بے توجہی کا باعث ہوتا ہے اِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ اور وَاذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ اور اِنَّ لَكَ فِى النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا وغیرہ ان کے شواہد ہیں انه ليغان على قلبى الحديث اس کا مستدل ہے، ایک عاشق صادق قوی العشق کے لئے محبوب کیطرف سے منہ پھیرنا اور غیروں میں الجھنا کس قدر شاق ہے، اہل عشق سے پوچھیے ؎

ہر آنکہ غافل از وے یکزماں است ہماندم کافر است اما نہاں است

مبادا غایبی پیوستہ باشد در اسلام بروے بستہ باشد

از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

اہل جنت کو کوئی نعمت رویت باری عز اسمہ کے برابر نہ معلوم ہو گی، اس لئے ذاتی حیثیت سے فضیلت ولایت ہی میں ہے، مگر چونکہ نبی مامور ہے کہ مخلوق کو کھینچکر بارگاہ محبوب حقیقی تک لائے اور ان کو پروانہ شمع محبوب بنائے اس لئے وہ خلاف جذبہ طبیعت اطاعۃً للحبیب دن ورات جور و جفا

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۷) قرب جسمانی کی صورت میں سامنے آتی ہو اور جسقدر ترقی کے اندر قرب حاصل ہوتا جاتا ہو کشفی طور پر عارف کو نظر آنے لگتا ہو کہ گویا وہ ذات باری تعالیٰ کیطرف یا اس کے صفات میں سے کسی صفت کیطرف سیر کر رہا ہو، بنابریں اسی صورت مثالی کی نسبت کو قرب اور اس ترقی کو سیر الی اللہ و سیر فی اللہ و سیر من اللہ و سیر باللہ سے موسوم کرتے ہیں، خلاصہ تحقیق امام العصر دامت برکاتہم سے جو چیز سمجھی جاتی ہو وہ یہ ہو کہ نبی ولی سے افضل اور نبوت ولایت سے افضل ہو، کیونکہ ہر نبی ولی ہو سکتا ہو مگر ہر ولی نبی نہیں ہو سکتا، یہ مسئلہ اجماعی ہو اور اسی طرح اس پر بھی اتفاق اہل سنت والجماعت بلکہ تمام امت کا ہو کہ اصحاب رسول اللہ صلعم اولیاء امت سے افضل ہیں، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مبارک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ وہ غبار جو کہ امیر معاویہ کے گھوڑوں کی ناک میں داخل ہے۔ وہ اویس قرنی اور عمر مروانی سے زیادہ بہتر ہے، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عارفانہ نکتہ کہ اخر نھایات الصدیقین اول بدایات النبیین اپنی جگہ پر یہ قول فیصل ہے کہ صدیقین کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ابتدائی منزل ہے۔ (ریاض المرتاض) اصلاحی

وشدائد مکارہ جھیلتا ہے، اور معلوم ہے کہ جسقدر اس کو عشق تام ہوگا اسی قدر توجہ الی الغیر میں تکلیف اور گرانی ہوگی ؎

بھنورا تو بھی پھول کا کلی کلی رس لیت　　　کانٹا لاگے پریم کا ہرت پھرت جی دیت

اوذیت فی اللّٰہ وما اوذی نبی واخفت فی اللّٰہ ولا یخاف نبی مقالہ (جسقدر مجکو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی گئی کسی نبی کو نہیں دی گئی اور جسقدر مجکو اللہ کے راستہ میں ڈرایا گیا کسی اور نبی کو نہیں ڈرایا گیا) حضرت سرور کائنات علیہ السلام سے ہے۔ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ قول خداوندی ہے، اس سے یہ شبہہ بھی زائل ہو جاتا ہو کہ بعض بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بظاہر آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ تر تکلیف پہنچائی گئی، حضرت ذکریا اور حضرت نوح علیہما الصلوٰۃ والسلام کے واقعات ظاہر ہیں۔ بہرحال اگر یہ مراد ہے کہ اس پیغمبر کا مقام ولایت اسکے مقام نبوت سے افضل ہے، اگرچہ بحیثیت امتثال حکم محبوب حقیقی مقام نبوت میں خارجی اور عارضی فضیلت اس قدر آجائے کہ وہ پہلے سے بھی بڑھ جائے، تب تو جواب ظاہر ہی ہے۔

(۵) اور ممکن ہے کہ نفس مقام کی فضیلت بتلانی منظور ہو، کہ مقام ولایت میں مقام نبوت سے ذاتی طور پر افضلیت ہے، اگرچہ خارجی طور پر مقام نبوت کی فضیلت مقام ولایت کی فضیلت سے بڑھ جائے۔ قد یوجد فی النہر ما لا یوجد فی البحر۔ واللّٰہ اعلم۔

(۱) انا مدینۃ العلم[1] یا انا دار الحکمۃ وعلی بابہا نہ تو صحیحین میں سے ہے اور نہ روایت ذکر کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔

[1] انا مدینۃ العلم یا انا دار الحکمۃ وعلی بابہا سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ خود کو تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و حکمت کا شہر قرار دیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو باب (دروازہ) قرار دیا ہے، یعنی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم علم و حکمت کے شہر ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس شہر میں داخل ہونے کے لیئے دروازہ ہیں، مختصر یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کل علوم ظاہری و باطنی محض بتوسط جناب علی کرم اللہ وجہہ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث کو عبد السلام بن صلاح ہروی شیعی نے بھی روایت کیا ہے، ترمذی نے بھی روایت کرنے کے بعد

(باقی ص ۱۸۰ پر)

(۲) ترمذی نے اسکی تحسین کی ہے جسمیں حسن لغیرہ ہونے کا بھی احتمال ہے، اور ممکن ہے کہ کسی نے اس کی تصحیح بھی کی ہو، کتابیں ہمارے پاس موجود نہیں ہیں کہ ان کا انکشاف کیا جاتا تاہم یہ حدیث ان روایات سے مقابل ہونے کی طاقت نہیں رکھتی جو بالاتفاق صحیح ہیں، پس بوقت تعارض ساقط سمجھی جائے گی۔

(۳) اگر اس کے مفہوم میں تعارض نہ ہوتو البتہ قابل اعتماد قرار دیجا سکتی ہے، مگر جب ہم لفظ مدینۃ اور لفظ باب میں غور کرتے ہیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ مدینۃ اس جگہ کو کہتے ہیں، جہاں، بہت سے مکانات مجتمع ہوں ایک مکان بلکہ دس پندرہ مکان والی آبادی کو مدینہ نہیں کہا جاتا۔ خود لفظ مدینہ کا لغوی مفہوم بھی اجتماع پر دلالت کرتا ہے، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس علمی مدینہ میں بہت سے علمی گھر ہوں گے اور بہت زیادہ آبادی اسکے اندر ہوگی، ادہر دروازہ خواہ مکان کا ہو یا شہر کا ہمیشہ خارج ہوا کرتا ہے، شہر کا اندرونی حصہ یا مکان کا اندرونی حصہ شمار نہیں کیا جاتا اور کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ من وجہ خارج ہو، اور من وجہ داخل ہو، اس بنا پر اور صحابہ کرام بالخصوص انکے خواص (رضی اللہ عنہم) اس مدینۃ العلم کے اندر والے ہونگے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بحیثیت باب اندر داخل نہیں ہوں گے، لہذا ان کی فضیلت دیگر صحابہ پر ثابت نہ ہوگی، ہاں باہر سے آنے والوں یعنی غیر صحابہ پر ممکن ہے۔ کہ فضیلت ثابت کیجائے کہ ان کو اس مدینہ میں بغیر توسط حضرت علی کرم اللہ وجہہ داخل ہونا ممکن نہیں، اسلئے اشکال کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

---

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۹) کلام کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ حدیث شریک تابعی سے روایت کیا ہے، مگر علماء حدیث اس حدیث کو ثقات میں سے کسی سے نہیں پہچانتے سوائے شریک کے، علامہ ابن جوزی نے موضوعات میں اسکے جملہ طرق پر یقین کیساتھ باطل ہونے کا حکم دیا ہے، اور ایک جماعت محدثین کی اس کے موضوع ہونے کی قائل ہے، امام الجرح والتعدیل یحیٰی بن معین تو صاف فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سرے سے کوئی اصل نہیں ہے، اسلئے فیروزآبادی وغیرہ بھی اس حدیث کی صحت پر مطمئن نہیں ہیں، طاہر پٹنی نے بھی صحت کا انکار کیا ہے، امام العصر نے روایت انا دار الحکمۃ کی جو توجیہ فرمائی ہے وہ بعض محدثین کی تصحیح کی بنا پر ہے ورنہ خود امام العصر بھی روایت کی صحت کو تسلیم نہیں فرماتے۔ (اصلاحی)

(۴) کیا دنیا میں کوئی مدینہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جس کا ایک ہی دروازہ ہو، آخرت میں جنت اور دوزخ کے لئے بھی متعدد ابواب رکھے گئے ہیں، جہاں کا انتظام انتہائی قوت والا ہے، اور دنیا میں تو حوائج شدیدہ اور کمزوری انتظامات ہمیشہ اسی کے متقاضی ہوتے رہے ہیں کہ ہر سور البلد اور ہر شہر کے ابواب متعدد ہوا کریں ورنہ اہل شہر سخت تنگیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اسی لئے مدینۃ العلم کے لئے بھی متعدد دروازے ہونے چاہئیں، اس روایت میں اس کی نفی کہاں ہے کہ اس کے لئے سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوئی دوسرا دروازہ نہیں ہے، لہذا شبہہ کی گنجایش ہی نہیں رہتی۔

(۵) انا مدینۃ العلم، "العلم" اصل الف ولام میں عہد خارجی ہے، جس کے معنی علی طریق الاصولیین والبیانیین فرد معین کا ارادہ کرنا ہے، خواہ اس کا تعین عبارۃً ہو یا حضوراً یا عملاً یا حساً لہذا کیوں نہیں ممکن ہے کہ کسی خاص علم کا ارادہ فرمایا گیا ہو، اور اس کے حاصل کرنے کے لئے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ ذریعہ ہوں، جملہ علوم روحانی یا مادی شرائع سے تعلق رکھتے ہوں یا طریق تصوف سے عبادات کے علوم ہوں یا معاملات وغیرہ وغیرہ سب کا ارادہ کرنا محلی باللام الخارجی سے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ باتفاق الاصولیین والبیانیین اصل عہد خارجی ہے، استغراق کا ارادہ صرف اس وقت میں کیا جا سکتا ہے کہ عہد خارجی ممتنع ہو جائے اور واقعہ بھی یہی ہے: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم متنوعہ تمام صحابہ کرام سے پھیلے، صرف تصوف کا نشو ونما حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ دنیا میں جسقدر بھی سلاسل طریقت ہیں سب کا مرجع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی ہے، نقشبندیہ کا ایک سلسلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، مگر اس میں انقطاع بہت زیادہ ہے اتصال والا طریقہ ان کا بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دریوزہ گر ہے، بنا ءً علیہ اس حدیث کو اسی پر محمول کرنا لازم ہے کہ علم باطن اور تصوف میں داخل ہونے کے لئے پسماندوں اور بعد میں آنے والوں کے لئے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ وسیلہ ہیں، صراط مستقیم میں حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، (ص ۵۸)

"حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک نوع تفضیل بر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما ہم ثابت است

وآں تفضیل بجہت کثرت اتباع ایشاں دوساطت مقامات ولایت بل سائر خدمات است مثل قطبیت و غوثیت و ابدالیت وغیرہ ہمہ از عہد کرامت عہد حضرت مرتضےٰ تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایشان است و در سلطنت سلاطین را امارت امرا ہم ہمت ایشاں را دخلے است کہ بر سیاحان عالم ملکوت مخفی نیست" الخ۔

اسی قسم کی تفصیل حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصنیفات میں بھی بکثرت موجود ہے، بہرحال مراد اس جگہ پر عموم نہیں ہو سکتا، نہ تو قواعد اس کے حامی ہیں نہ واقعات، واللہ اعلم، والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

## مکتوب نمبر ۷۶

والانامہ معہ مرسلہ اشیاء کے حسب تحریر پہنچا، خواب نہایت مبارک اور بشارات سے پر ہے، آپ کی اور شیخ ولی محمد صاحب کی مخلصانہ جد و جہد اگرچہ مجھکو رہانہ کرا سکی، مگر آپ حضرات کی سب کوشش مساعی عنداللہ مقبول و محمود ہوئیں، اللہ تعالیٰ کی قبولیت اور عنایت بصورت حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ آپ دونوں حضرات سے ملاقی ہوئی ہے، اور آپ کی مہمان بنی ہے، اور علاوہ ازیں آپکو کدورات روحانیہ سے صفائی بصورت غسل حاصل ہوئی ہے، اگرچہ اس میں تھوڑی بشارت میرے لئے بھی ہے کہ میری پرسان حالی ...... کی جاتی ہے، وللہ الحمد، بہرحال آپ دونوں صاحبوں کو میں بھی مبارکبادی دیتا ہوں، اب تو آپ دونوں صاحبوں کا غم اور غصہ بالکل جاتا رہنا چاہیے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۶) سیدنا المحترم ذوالمجد والکرم دامت برکاتہم السامیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی۔ آج یوم الخمیس ہے، شب کو تقریباً ۲ بجے یا ۳ بجے میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے مکان پر ہوں، اور دریائے گنگ میں غسل کر رہا ہوں عصر کا وقت ہے اور لوگ بھی حسب معمول نہا دھو رہے ہیں، دریائے گنگ اصل سطح زمین سے بوجہ گنگ شکست بہت زیرین حصہ میں رواں ہے، عالم رویا میں دیکھ رہا ہوں کہ میں غسل کر رہا ہوں اور چند نوجوان عالم (باقی ص ۱۸۳ پر)

مقصود اعظم جملہ حرکات و سکنات رضا باری عز و جل ہے، وہ راضی ہو تو ساری خدائی پوجنے لگے اور اگر خدانخواستہ وہ ناراض ہو جائے تو کوئی بھی اپنا نہیں، بالخصوص عالم علوی میں ؎

ستیاں انکھیاں پھیریاں بیری ملک جہان  ٹک جھانکی اک مہر کی لاکھوں کریں سلام

ہماری اس تحریک کی روح رواں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہیں، باوجود ہر قسم کے کمالات ظاہری اور باطنی کے اور تصوف و معرفت خداوندی کے استغراق و انہماک کے انکی خصوصی توجہ اس خبیث حکومت کے انقطاع و انہماک کی طرف ہمیشہ آخر دم تک رہی، ان پر بغض فی اللہ کا اسقدر غلبہ تھا کہ فرماتے تھے کہ "مجھکو اپنے نفس کے ساتھ یہانتک بدگمانی ہے کہ غالباً مجھکو اسلام کی خیر خواہی اور محبت اس قدر نہیں ہے، جتنی کہ اس خبیث قوم کی بدخواہی اور عداوت"۔ حالانکہ یہ بغض بھی اسلامی محبت کا ہی لازمہ ہے، بہرحال حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر دیوبند کا آپکے پاس تشریف لانا اور آپکے دسترخوان پر سب کا شریک ہو کر کھانا نہایت مبارک امر ہے، جس سے ان بزرگوں کی توجہ اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۲) کچھ ادھیڑ سن عالمانہ لباس میں دریا کی جانب آرہے ہیں، ان میں ایک بزرگ ضعیف العمر بستہ قد عبا پہنے ہوئے ان علماء کے آگے آگے ہیں، اور ایک بزرگ انکے آگے آگے بطور رہنما ہیں، اور سب کے سب ڈھالو زمین سے اتر کر ساحل پر چلے آرہے ہیں، ان علماء کے گروہ میں سے ایک صاحب نے جلدی جلدی قدم میری جانب بڑھا کر زور سے آواز دی کہ مولانا حیدری! غسل سے فارغ ہو کر جلد تشریف لائیے، آپ سے حضرت شیخ الہندؒ ملنے آئے ہیں، اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی خیریت مزاج دریافت کرنے کی غرض سے تشریف لائے ہیں جس نے آواز دینے والے صاحب سے پوچھا کہ یہ اور لوگ انکے ہمراہ کون ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ دیوبند کے علماء کرام ہیں، جو حضرت شیخ کی معیت میں حضرت مولانا مدنی کی خیریت کے طالب ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ سطح زمین سے ڈھالو راستہ پر نصف اتر آئے تھے، مگر ان کو اترنے میں اور ساحل تک پہنچنے میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی، اس لئے وہ علماء کرام معیت میں تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! دریا تک پہنچنے میں بہت دشواری ہے، اوپر چل کر اس مسجد میں آپ تشریف لے چلیئے اور نماز عصر سے فارغ ہو لیجئے، مولوی حیدری وہیں غسل کر کے ابھی آجاتے ہیں؛ دریا کے بالائی حصہ پر (باقی ص ۱۸۴ پر)

ربانی الطاف کا پتہ چلتا ہے، اللہم زد فزد، اسکی اطلاع شیخ ولی محمد صاحب کو بھی دیدیجئے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۳) ایک چھوٹی سی مسجد نظر آئی، وہاں سے مڑکر حضرت شیخ الہندؒ اس مسجد میں مع اپنی جماعت کے تشریف لے گئے اور میں جلد غسل سے فارغ ہوکر سیدھے گھر آیا اور اپنی تائی صاحبہ اور والدہ صاحبہ سے کہا کہ چند اللہ والے مہمان تشریف لائے ہیں ان کے لئے کھانا تیار کیجئے، اس وقت گوشت تو نہیں ملے گا، جو کچھ ممکن ہو تیار کیا جائے۔ میری والدہ صاحبہ وغیرہ کھانے کی تیاری میں مصروف ہوئیں اور میں کپڑے پہنکر جلدی جلدی مسجد میں حضرت موصوف سے ملنے چلا، مجھے پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ اس اثناء میں حضرت شیخ الہندؒ مع اپنی جماعت کے میرے گھر کی جانب روانہ ہوگئے، راستہ میں ملاقات ہوگئی، حضرت موصوف سے مصافحہ کرکے دست بوسی کی، اللہ اکبر، نورانی چہرہ، ریش مبارک سفید نور علی نور، مجھے دیکھتے ہی متبسم ہوئے اور فرمانے لگے کہ اتنی دیر کہاں رہے، میں نے عرض کی کہ حضرت غسل کرکے کپڑے پہنے گھر چلا گیا تھا، معذرت چاہتا ہوں، اور علمائے کرام سے بھی مصافحہ ہوا، اور سب کے سب اس خادم کے گھر آئے، حضرت شیخ الہندؒ باطمینان بیٹھکر خیریت مزاج و استفسار کیفیات و حالات حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی بہت دیر تک پوچھتے رہے، اس کے بعد فرمایا کہ شیخ ولی محمد کہاں ہیں، میں نے کہا کہ حضور وہ جونپور ہیں ابھی تار دیکر ان کو بلاتا ہوں، فوراً ان کو تار دیکر طلب کیا، پھر حضرت ان سے مخاطب ہوئے، میں اٹھکر اندر گیا تو دیکھا کہ میری تائی صاحبہ اور والدہ صاحبہ بریانی، قورمہ، زردہ وغیرہ پکارہی ہیں، میں نے تائی صاحبہ سے کہا کہ آپ لوگوں نے گوشت کہاں سے اس وقت حاصل کیا دیہات میں اس وقت کہاں سے گوشت مل گیا تو میری تائی صاحبہ نے مسکرا کر فرمایا کہ بیٹا جس کے مقدر کی جو چیزیں ہوتی ہیں وہ ضرور مل جاتی ہیں، یہ سب ان ہی بزرگوں کی کرامت ہے جو تشریف لائے ہیں، کھانا تیار ہوا، میں نے باہر نشستگاہ میں دسترخوان لگایا، کھانا سامنے رکھا گیا، سب بزرگوں نے کھانا کھایا، اثنائے تناول طعام میں حضرت شیخ الہندؒ بہت محظوظ رہے، پھر اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، آج خلاف معمول نماز فجر کے لیے کچھ وقت سے پہلے بیدار ہوگیا، اور اس وقت سے الی الآن اس خواب کی کیفیت اور مسرت کا اثر باقی ہے، ایک کیف و سرور کے عالم میں ہوں، کاش اللہ تعالیٰ اس کیف و سرور کا اثر تا زیست باقی رکھتے، حضرت اقدس اس خواب کی تعبیر سے سرفراز فرمائیں۔

خادم ابوالحسن حیدری، ۲۷ ر ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ

یہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کون تھے؟ اس کا مفصل جواب مورخین دیں گے، ہم اسکے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ جنگ آزادی ہند کا ہیرو، اسلاف کرام کا حقیقی جانشین، مسلمانان ہند کا بے لوث خیرخواہ، مجاہد فی سبیل اللہ کا مظہر، لاتخافوہم وخافون کا واقعی منظر، قطب العالم حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیارا لعل، جس کی نسبت ارشاد تھا کہ مولوی محمود الحسن کو کم نہ سمجھو، وہ اپنے زمانہ کا شیخ ہوگا، حضرت نانوتوی و گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کا وہ لاڈلا جس کی منہ بھر تعریف کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ مولوی محمود حسن کا علم کٹھلا ہے، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا استاد، حضرت امام العصر مولانا مدنی کا استاد و مربی، جامعہ ملیہ دہلی کا موسس، علی گڈھ اور دیوبند کے بعد کو قریب میں تبدیل کرنے والا حکیم، برطانوی سامراج کا دشمن، اور ایسا دشمن کہ جسکو اپنے نفس کیساتھ (باقی ص ۱۸۵ پر)

(۱) ہم نے قربانی کی اجازت مانگی تھی، خیال تھا کہ اگر اجازت ہوئی تو ایک بکرا یا بھیڑ منگالیں گے مگر ابھی تک اجازت نہیں دیگئی یہ کہا گیا کہ ہم غور کریں گے، اگرچہ میں نے قاری صبا کو باضابطہ خط میں لکھدیا ہے کہ وہ مثل سابق میری طرف سے وہاں قربانی کر دیں، تاہم اگر یہاں بھی اجازت ہو جائے تو بہتر ہو، مالٹا میں ہم کو اجازت دیگئی تھی، اگر مل گئی تو آفس میں جو اکاؤنٹ ہے اس سے قیمت ادا کیجائے گی۔ اس کے لئے میں نے قاری صاحب کو لکھا ہے کہ عنہ اور بھیجدیں، کیونکہ باقی ماندہ مقدار اکاؤنٹ میں اب تھوڑی ہی ہوگی۔

---

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۴) اتنی بدگمانی ہے کہ شاید اسلام کی خیرخواہی و محبت اس قدر نہیں ہے جتنی کہ خبیث قوم انگریز کی بدخواہی و عداوت، بادی النظر میں یہ دشمنی غلو سے تعبیر کی جاسکتی ہے، لیکن ان سفید بھیڑیوں کی داستان ظلم و استبداد سے نہ صرف ارض ہند بلکہ دنیائے اسلام کا ذرہ ذرہ ماتم کناں اور ارض مقدسہ کے مرغان حرم قیامت تک کے لئے سوگوار ہیں، تفصیل تاریخ بتائے گی، تاہم کچھ داغہائے سینہ کی تازگی کے لئے اس دفتر پارینہ کو کبھی کبھی دہرالینا عقائد و ایمانیات کی تجدید کے مرادف اور قرآنی صداقت وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ کا اعتراف ہوگا۔

مانا کہ عیسائیت ... ابتدائے اسلام سے ملت اسلامی کی دشمن رہی ہے مگر اس نے قرون وسطی میں جو وحشیانہ .. مظالم اسلام پر کئے ہیں ان کو دیکھ کر آسمان کانپ اٹھا اور زمین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اندلس کے کھنڈر، غرناطہ کی ٹوٹی ہوئی دیواریں، قرطبہ کے اجڑے ہوئے مکانات، اسپین اور سسلیا کے مستحکم قلعے، مالٹا کے اسلامی کھوپڑیوں سے بنے ہوئے قلعے، جدہ پر گولہ باری، بیت المقدس پر قبضہ، نجف اشرف کا محاصرہ، کربلا و بغداد پر تسلط، حرمین شریفین کی توہین، طائف و جدہ میں کئی سو عورتوں کی گرفتاری، سمرنا، اناطولیہ، استنبول، ترا کیہ شرقیہ، تھریس وغیرہ کے مظالم، بحر ابیض کے غیر ترکی جزائر کے رہنے والے اور یونانی سرویہ، مانٹی نگرد، ہرسک، مجارستان، بلغاریہ رومانیہ وغیرہ اور بحر اسود کے سکان اہل اسلام سے پوچھیے کہ ان سفید بھیڑیوں نے کیا ظلم ڈھائے، عیسائی حسب شہادت تاریخ خونخوار بھیڑیئے ہیں جن کے شدائد سے یروشلم، فلسطین، سواحل سوریہ، اناطولوں میں خون سے بہنے والی گلیاں، اسپین، جبل الطارق پرتگال، سسلی، مالٹا، کریٹ، مقدونیہ کے کھنڈرات دھاڑیں مار کر ابتک رو رہے ہیں، غرض اسلامی دنیا پر وہ مظالم کئے گئے کہ خود عیسوی دنیا چیخ اٹھی، چنانچہ ۱۸۰۶ء میں گیلی پولی کے بیڑہ کو غرق کیا، ۱۸۲۱ء میں یورپ نے یونان کو ترکوں سے بغاوت پر ابھارا، اسی سنہ میں یونانیوں نے شہر نادریں .... پر قبضہ کیا، بچوں کو ماؤں کی گودوں سے چھین کر بوٹی بوٹی کر ڈالا، اور قتل عام سے دبا بیٹھی گئی ۱۸۲۷ء میں ابراہیم پاشا مصری پر اچانک حملہ کر کے عثمانی و مصری بیڑہ کو (باقی ص ۱۸۶ پر)

(۲) اگر آپ یہاں رہتے اور قربانی کی تو کیا آپ تن تنہا اس سے مستفید ہوں گے، جیسے کہ خواب میں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کو کھلایا، اور خود بھی کھایا اور ہم کو پوچھا تک بھی نہیں، یا اس میں سے ہم کو بھی اگرچہ ایک ہی ٹکیہ کباب ہو، حصہ دیجئے گا۔

(۳) آپ نصوص الحکم کے متعلق استفسار فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ آپ کو بالفعل سلوک طے کرنا چاہیئے، اور کتب تصوف کو مطالعہ کرنا نہ چاہیئے، جتنا وقت آپ ذکر میں عرف کر سکیں وہ ہی اشد ضروری ہے، کتب تصوف کے مطالعہ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سالک کے لئے منع فرماتے تھے، مریض ظاہر اگر کتب طب کو مطالعہ کرے تو بجز تشویش کے اسکو کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اگر خود ان ادویہ اور نسخہ جات کو استعمال کرنے لگے تو عموماً بجائے نفع، نقصان اٹھاتا ہے، مریض ظاہر کو لازم ہے کہ طبیب نے جو دوا تجویز کی ہے اسی کو استعمال کرے ورنہ نقصان ہی ہوتا ہے، جبکہ مرض ظاہر اور ادویہ ظاہریہ کا یہ حال ہو تو امراض روحانیہ اور ادویہ باطنیہ جو کہ حواس ظاہرہ سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۵) غرق کر کے ایک انگریز کے قتل کے انتقام میں سب جائز سمجھا گیا، ماسکو میں ترکی سپاہیوں کی ہڈیاں ڈھیر کی گئیں جنکو بلغاری پتھروں سے پیستے تھے جنکے متعلق روس کا سپہ سالار لکھتا ہو کہ ایسے وحشیانہ مظالم کی مثال عالم بہیمیت میں بھی نہیں ملتی، میں بار بار اپنی معلومات کو جھٹلاتا ہوں کہ ہزاروں بے گناہوں کو اتنی بری طرح نہ ذبح کیا گیا ہوگا، ہندوستان کے لاکھوں بچوں کا خون فرانس کے میدانوں، اٹالیہ کے پہاڑوں، سالونیکا کے مرغزاروں، درہ دانیال کے چٹانوں، صحرائے سینا اور سوریا سوریہ کے ریگستانوں، عدن، اور یمن، عراق و ایران کی خندقوں اور سبزہ زاروں، مشرقی و مغربی افریقہ کی جرمنی آبادیوں، ایشیائے کوچک وغیرہ کے برفستانوں، بحر اسود اور ابیض حتی کہ بحر احمر سواحل وغیرہ میں پانی کی طرح بہایا گیا، اسیطرح رولٹ بل کا پاس ہونا کورٹ مارشل لا کا جاری ہونا، پنجاب میں رنگین مظالم کا منتشر ہونا جلیانوالا باغ میں مشین گنوں کا مینہ برسانا مساجد کا منہدم کرنا اور نماز سے روکنا اور گذشتہ ۳۵ - ۳۶ بیرون ہند جنگوں میں کروڑوں ہندوستانیوں کا برفانی سبزہ زاروں میں ابدی نیند سونا تاریخ کی اہم روداد ہی، غرض ترکی اور یورپ کی قدیم و جدید تاریخیں ان مظالم پر پوری روشنی ڈالتی ہیں تفصیل کیلئے زید بک کی تاریخ آل عثمان مصطفے کامل کی مسئلہ شرقیہ عربی، مراد بک اور رشید بک کی تاریخ ترکی زبان میں، مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی کی ترکی اور یورپ وغیرہ، تاریخ اردو اور امام العصر امت غیر منصم کی تقریر ٹی وسیوہارہ ملاحظہ فرمائی جائی کیا نمرسالہ الامداد تھانہ بھون وغیرہ کو بتعجل ان اشد الناس الخ آیت سورہ مائدہ کو مذہب عیسائی سے حصہ اتار تا اور بے مہار الاستیا کھلی ہوئی جہالت اور تحریف دین کے مرادف نہیں تھا، حضرت شیخ الہندؒ ان تمام مظالم سے نہ صرف واقف بلکہ دیکھ رہے تھے چنانچہ جنکو کچھ بھی علم و احساس اور ایمان تھا انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور جنکے اندر دھن پیدا ہو چکا تھا وہ اسکے رد عمل میں مصروف تھے، غرض شیخ الہند کو ہم بھی جان سکے ہیں اور نہ جان سکیں گے کیا تھے، البتہ حضرت امام العصر کا وجود گرامی مسلمانوں کے اندر موجود ہے اور خدا کرے تا دیر موجود رہے۔ اس حقیقی و سچے جانشین کے قول و عمل، عقیدہ و مسلک، جہاد و ریاضت وغیرہ میں نہ صرف شیخ الہندؒ بلکہ جملہ مجاہدین ہند کو دیکھا اور پڑھا جا سکتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔ ممالک نصوص الحکم کا مطالعہ مجھے کرنا چاہیئے یا نہیں؟

پردہائے خفا میں ہیں، کیا حال ہوگا، یہ تو ان کتب کا حال ہے جو واردات باطنیہ اور سلوک و ریاضیات سے تعلق رکھتی ہیں، اور کتب حِکَم و حقائق جو کہ تکوینیات اور ثمرات و نتائج سے تعلق رکھتی ہیں جنمیں فصوص الحکم اعلیٰ پیمانہ کی کتب میں سے ہے اور ان کا حقیقی طور پر سمجھنا صرف ان نفوس کے لئے ہوسکتا ہے جو کہ عوالم علویہ کے مشاہدات سے فیضیاب ہو چکے ہیں ماو شما کے لیے کیسے درست ہوسکتا ہے اس میں غلط فہمی اور غلط کاری کا بہت زیادہ خطرہ ہے، اس لئے خود شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اور انکے مماثل کا مقالہ مشہور ہے کہ وہ فرماتے ہیں یحرم علی من لیس من اھلنا مطالعۃ کتبنا[۱] بہت سے شراح فصوص بھی اس کو سمجھے ہیں یا نہیں، اس میں کلام ہے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ مقالات شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کو سنکر ارشاد فرماتے ہیں فھو زندیق اور جب وفات شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ ہوئی تو فرمایا مات قطب الوقت[۲] من کان ولی اللہ لوگوں نے کہا آپ نے ان کی زندگی میں تو ان کو زندیق فرمایا تھا، ہم لوگوں نے ان سے اجتناب کیا اور اب آپ یہ

---

[۱] ان کتابوں کا پڑھنا اس شخص کے لئے حرام ہے جس نے ہماری کتابوں کو پڑھا نہیں ہے۔

[۲] قطب وقت جو اولیاء اللہ تھا وہ آج جاتا رہا۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ المتوفی ۶۳۸ھ کے متعلق بہت غلط فہمیاں عوام اور خواص تک میں پھیلی ہوئی ہیں، چنانچہ بہت سے فقہا اور علماء ظاہر نے مطعون کیا ہے، اسی کیساتھ صوفیہ کی ایک جماعت اور فقہا نے علو مقامات اور ولایت مقیدہ محمدی کا خاتم قرار دیا ہے، شیخ شہاب الدین سہروردی سے جب پوچھا گیا کہ شیخ اکبر کو آپ نے کیسا پایا، فرمایا رجل مملوٌ من فرقہ الی قدمہ من السنۃ یعنی شیخ سر سے پیر تک سنت نبوی صلعم میں ڈوبے ہوئے ہیں سعد الدین حموی جو اصحاب نجم الدین کبریٰؒ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ابن عربی، بحر مواج لانہایۃ لہ، یعنی شیخ اکبر ایک بحر ذخار ہیں جسکا کنارہ نہیں، شیخ صدر الدین قونوی، شیخ موید الدین جندی، شعرانی، جامی، قاضی شوکانی، اور امام ولی اللہ دہلوی نے شیخ اکبر کے کلام پر گہری بحثیں فرمائی ہیں، اور صاف صاف فیصلہ کردیا ہے کہ کلام محتمل تاویل ہیں، لیکن یہ کام علماء ظاہر کا نہیں ہے، اسلئے ان تمام بزرگوں نے بھی فصوص الحکم وغیرہ کے مطالعہ سے علماء رسوم کو سختی سے روکا ہے، چنانچہ یہی فیصلہ امام العصر نے بھی کیا ہے، باقی رہ گئی یہ بات کہ ان حضرات نے جو زبان اختیار فرمائی اور اشارات میں باتیں کیں اس میں کیا راز ہے۔ (باقی ص ۱۸۸ پر)

ارشاد فرماتے ہیں، ہم کو ان کے فیوض سے محروم کر دیا، تو فرمایا، ان کی زبان اسرار غیوب کے ساتھ کھل گئی تھی، جن کو تم سمجھ نہیں سکتے تھے، اگر تم ان کی صحبت میں جاتے تو بجز زندقہ تم کو کچھ حاصل نہ ہوتا، اسلئے میں نے تمہاری حفاظت کے لئے وہ کیا تھا، بعض اہل اللہ نے شیخ اکبرؒ کو خواب میں دیکھا، ان کے گرد کچھ عیسائی اور کچھ مسلمان جن کے چہرہ پر نور ہے، بیٹھے ہوئے ہیں، اور عیسائیوں پر ظلمتیں برستی ہیں، پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں فرمایا یہ عیسائی وہ لوگ ہیں جنہوں نے میری تصانیف کو مطالعہ کیا اور سمجھے نہیں اور ظلمات اور عیسائیت میں مبتلا ہو گئے، اور یہ مسلمان وہ لوگ ہیں جو سمجھے اور صحیح عقیدہ پر باقی رہے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر ان کی کتابوں کے مطالعہ سے سختی سے روکتے ہیں، اسرار تکوینیہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا پیش نہیں آیا، حالانکہ ان کا تعلق اسی عالم شہادت کے ساتھ تھا، تو پھر تکوینیات علویہ اور اسرار غیب میں ہم جیسوں کا کیا حال ہوگا، اس لئے اس کو ترک کر دینا ہی ضروری ہے، اگر شوق ہے تو صراط مستقیم ملفوظات حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور امداد السلوک، اور مکتوبات حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ مطالعہ فرمایئے، ارباب سکر جو کہ مغلوب بالسکر ہیں ان کی تصانیف سے اس وقت تک احتراز ضروری ہے جب تک کہ ہم کو اور آپ کو ان کا مقام نہ حاصل ہو جائے، ہمارے لئے فتوحات مدینہ اور فصوص محمدیہ انفع اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۷) اس کو ہم کسی اور جگہ واضح کریں گے تاہم اتنا تو سمجھ رکھنا چاہیئے کہ علوم اسلامیہ میں سے تصوف بھی ہے، اور اسی طرح اس کے اندر بھی بہت سی اصطلاحات موجود ہیں جس طرح فقہ اور کلام وغیرہ فنون میں پائی جاتی ہیں اور جب تک کسی فن کے اصول ومبادی اور اصطلاحات پر عبور نہ ہو، ہرگز ان بزرگوں کی باتوں کی تہ تک رسائی نہیں ہو سکتی جو اس علم وفن کے موسس وشارح ہیں، اس لئے سب نے فرمادیا ہے کہ ہم پر تنقید کرنے سے پہلے ہماری کتابوں اور ہمارے اصول کو سمجھ لیا جائے، ہمارے استاد حضرت مولانا ماجد علی شاگرد قطب گنگوہیؒ اثناء درس ترمذی میں فرمایا کرتے تھے کہ ابو عیسیٰ کی بولی کو سمجھو کیونکہ امام ترمذی جب قال ابو عیسیٰ بولتے ہیں تو اسی میں ان کی ساری فقاہت اور محدثانہ تحقیق مستور ہوتی ہے، اسی پر اور علوم کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(اصلاحی)

الزم ہیں، ان ہی میں ہمارے لئے شغل اور ہدایات ہیں ان کو لازم پکڑیئے اور ذکر پر اسقدر التزام کیجئے کہ قلب اور روح ذکر دائم کے ساتھ منور ہو کر ذکر حقیقی اور مشاہدہ تحقیقی کیلئے ذریعہ وسلم بنجائیں

کارکن کار بگذر از گفتار — کاندریں راہ کار دارد کار

ضرورت علم تصوف کی نہیں ہے، ضرورت حالِ[۱] تصوف کی ہے، اس کے لئے جدّ وجہد فرمایئے، آمین۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۷۷

(۱) صلوٰۃ[۲] تہجد کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے صبح صادق تک ہے، حضرت عائشہؓ سے صحاح میں روایت موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے شب میں بھی اور وسط شب میں بھی اور آخر شب میں تہجد پڑھی ہے، مگر آخری ایام میں اور زیادہ تر اخیر شب میں پڑھنا ہوا ہے، جس قدر بھی رات کا حصہ متاخر ہوتا جاتا ہے برکات اور رحمتیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں، اور سدس آخر میں سب حصوں سے زیادہ برکات ہوتی ہیں تہجد ترک ہجود یعنی ترک نوم سے عبارت ہے، اسلئے اوقات نوم بعد عشا سب کے سب وقت تہجد ہی ہیں۔

---

[۱] حال تصوف بدون صحبت شیخ کے ذرا دشوار ہے، مولانا رومیؒ نے صاف بات فرمادی ہے ؎

قال را بگذار مردِ حال شو — پیش مردے کاملے پامال شو

کسی دوسرے عارف نے بھی خوب بات فرمائی ہے ؎

سیاحیٔ دل کن کہ دیارے بہ ازیں نیست — در یاد خدا باش کہ کارے بہ ازیں نیست

از کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را — در مصحف دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

خلاصہ یہ کہ سیاحیٔ دل کے لئے اس راہ کے بڑے سیاح کی رہنمائی ضروری ہے۔

اصلاحی

[۲] (۱) صلوٰۃ تہجد کا صحیح وقت کیا ہے؟۔

(۲) منہ[۱] میں گلوری رکھ کر اگر اس میں تمباکو نہ ہو ذکر وغیرہ میں کوئی حرج نہیں، ہاں اگر تمباکو ہو تو کلی کرنا اور بدبو کو دور کر لینا چاہیے۔

(۳) الصّلوٰۃ[۲] معراج المومنین کے متعلق دو توجیہیں اس وقت خیال میں آتی ہیں۔

(الف) لفظ معراج علی وزن المفتاح صیغہ آلہ ہے، اس قضیہ میں حمل حقیقی ہے یعنی نماز مومنوں کے لئے آلۂ عروج ہے، کیونکہ بہیمیت سے ملکیت کی طرف، مادیت سے تجرد کی طرف، بعد سے قرب خداوندی کی طرف، غیبوبت سے حضور کی طرف عروج اسی نماز کے ذریعہ ہوتا ہے۔ طہارت جسمانی بالوضوء والغسل وغیرہ انسان میں تشبہ بالملائکہ اور ان سے قرب پیدا کرنیوالی اور انجاس ظاہری کے ساتھ ساتھ انجاس باطنیہ یعنی ذنوب اور ان کے ثمرات کو دور کرنے والی ہیں، قطرات وضو اور غسل کے ساتھ ساتھ ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، دماغ وغیرہ کے ذنوب نکل جاتے ہیں حتی یخرج نقیا من الذنوب الحدیث (یہاں تک کہ وہ گناہ سے صاف ہو جاتا ہے) یہی طہارت ظاہری قیامت میں غرہ اور تحجیل کی باعث ہوگی، ملائکہ جنکو بالذات طہارت اور روشنی سے محبت ہے اور نجاست اور ظلمات سے نفرت ہے وہ اس کی وجہ سے نمازی کیساتھ تعلقات پیدا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے، فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رکھنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو) اہل قبا کی ظاہری استنجا بالماء بعد الاستنجاء بالحجارہ کے متعلق نازل ہوئی۔ الطہور شطر الایمان (پاکی نصف ایمان ہے) ارشاد نبوی ہے اسباغ الوضوء علی المکارہ اور اس طہارت کی تحصیل میں مالی اور جسمی فدائیت نہ صرف رضا باری عز وجل کی سبب ہے، بلکہ اخلاق خبیثہ رذیلۃ البخل رذیلۃ الکسل وغیرہ کو زائل کرنے والی اور آئندہ کو قابل ہمنشینی و ہم کلامی بنانے والی بھی ہے، علی ہذا القیاس دیگر شروط صلوٰۃ بالخصوص توجہ الی القبلہ یکے بعد دیگرے غفلت کو دور اور بارگاہ ذی الجلال سے قریب کرنیوالی بھی ہے

سلہ منہ میں گلوری رکھکر ذکر وغیرہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ سلہ الصلوٰۃ معراج المومنین کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے۔؟

توجہ باری عزوجل کو کھینچنے میں مقناطیسی اثر رکھتے ہیں، جس کے لئے ارشاد اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ، توجہ الی اللہ وارد ہے، پھر نماز کے اثمار زاہیہ میں فرمایا گیا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَرِ (بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری بات سے) ترک فحشا اور منکرات کا اثر جس قدر بھی قرب خداوندی اور بعد از رذائل بہیمیت و نفسانیت میں ہوگا اظہر من الشمس ہے نماز میں جس قدر قرأت اور ادعیہ وغیرہ ہیں ان میں جناب باری عزاسمہ سے ہم کلامی اور تخاطب اور اس کا ذکر موجود ہے، جس سے غفلت کا دور ہونا اور توجہ الی اللہ حاصل ہونا اور ترقی پذیر ہونا معلوم ہوتا ہے، اگر انسان اس تخاطب کو سمجھتا ہوا حضور قلب کے ساتھ خشوع وخضوع کو ملحوظ رکھتا ہے (جو کہ مومنین کی نماز ہے) جب تو اس عروج کا حاصل ہونا ظاہر ہے ہی، مگر اس میں کوتاہی کرنے میں بھی نفع موجود ہے، الفاظ قرآنیہ اور اسمار باری عزوجل اور ادعیہ ماثورہ اور درود شریف کی تاثیریں سمجھنے پر موقوف نہیں ہیں، گل بنفشہ جان کر پیجئے یا بغیر جانے ہوئے اسہال بلغمی کا حاصل ہونا ضروری ہے، الفاظ قرآنیہ اور اسمار باری عزوجل حامل تاثیرات ہیں جو کہ بے سمجھے ہوئے بھی حاصل ہوتی ہیں، اگرچہ کمزور بہ نسبت سمجھنے کے ہوں من قرأ حرفا من القرآن کانت لہ عشر حسنات لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف (جس نے قرآن سے ایک حرف پڑھا اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں بڑھ جاتی ہیں، اس کے یہ معنی نہیں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، اور میم ایک حرف ہے) ارشاد فرمایا گیا ہے، اذا صلی احدکم فلا ینخمن قبل وجھہ فان اللہ بینہ وبین القبلۃ وفی روایۃ فان الرحمۃ تواجھہ (اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اس کو لازم ہے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان حائل ہوتا ہے، یا اس کی رحمت متوجہ ہوتی ہے) اسی طرح التفات کے متعلق ارشاد ہے کہ جب تک بندہ نماز میں التفات نہیں کرتا ہے اس وقت تک بندہ کی طرف اللہ تعالےٰ متوجہ رہتا ہے، یہ توجہ اور قرب خداوندی نماز کی وجہ سے بندہ کو حاصل ہوتی ہے، ارشاد

ہوتا ہے قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین فاذا قال العبد الحمد للہ رب العٰلمین
قال اللہ حمدنی عبدی فاذا قال الرحمٰن الرحیم قال اللہ اثنیٰ علی عبدی فاذا قال العبد
ملک یوم الدین قال اللہ مجدنی عبدی فاذا قال العبد ایاک نعبد وایاک نستعین
قال اللہ ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ماسئال الحدیث (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا ہے، پس جب بندہ
کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اپنے بندہ نے میری تعریف کی
اور جب کہتا ہے الرحمٰن الرحیم تو اللہ فرماتا ہے ثنا کی میرے بندہ نے میری، اور جب مالک
یوم الدین کہتا ہے تو خدا کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری عظمت بیان کی، اور جب ایاک
نعبد وایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ آیت میرے اور میرے بندے کے لئے ہے
اور جو میرا بندہ مانگے وہ اس کے لئے ہے مسلم)۔ یہ نعمت مکالمہ اور مناجات بندہ اور اللہ
تعالےٰ کے درمیان میں جاری ہونا کس قدر عروج اور ترقی انسانی ہے، اسی مکالمہ میں
انسان اپنے لئے نعمت ہدایت جو کہ سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی ضرورت انسانی ہے
طلب کرتا ہے، جس کو وہ اپنا نصب العین قرار دیتے ہوئے اس انعام وہدایت سے خالص
کرنا چاہتا ہے جو کہ مغضوب علیہم اور اہل ضلال پر ہوا تھا، (موسوئین وعیسوئین) اور ایسی
کھری اور خالص ہدایت (ایصال الی المطلوب) مانگتا ہے جو کہ اہل اجتبا واصطفا کو عطا کی گئی
حسب ارشاد احادیث صحیحہ اس کو عطا کر دیا جاتا ہے، اور بندے کو کہدیا جاتا ہے کہ تم کو ایسی
ہدایت خالصہ عطا کر دی، یہ ہماری کتاب جس کو ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ
الآیۃ کہا گیا ہے یہی ایسی ایصال الی المطلوب ہے جس میں الفاظ اور حروف کے لباس اور
کسوت میں اپنی صفت ازلیہ کلام نفسی کو ظاہر فرمایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ صفت موصوف کے
ساتھ کس قدر قوی اور شدید تعلق ہے، بالخصوص جبکہ وہ واجب الوجود تعالیٰ شانہ کی ہو،
اور پھر وہ صفات ذاتیہ میں سے ہو، ایسا انعام کسی امت اور کسی پیغمبر پر اس سے پہلے نہیں ہوا

بے شک کتابیں اتاری گئیں، مگر کلام خداوندی قدیم نہیں اتارا گیا، یہ نعمت مومن محمدی کو دی جاتی ہے اور بارگاہ ذوالجلال سے قبولیت دعا ہدایت کے بعد قرآن پڑھنے اور اپنے نفس اور حاضرین کو سنانے کا اسی طریقہ پر حکم ہو جاتا ہے، جیسے کہ جج اپنے فیصلہ وغیرہ کو سررشتہ دار کو دیتا ہے، کہ ہمارے ججمنٹ کو پڑھ کر لوگوں کو سنادو، اس وقت میں سررشتہ دار جج کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے، آپ اس سے اندازہ کر سکیں گے کہ محمدی مومن کے لئے کس قدر اعلیٰ اور ارفع عروج ہوا، نیابت خداوندی، صفت قدیم، بکسوت الفاظ عربیہ ہر دو امر انتہا تقرب کے موجب ہیں، پھر اس انعام کے بعد عظمت و جلال خداوندی کا لحاظ کرنا اور جسم کو جھکا دینا شکریہ عملی اور قولی بجالانا اور پھر شکریہ کرتے کرتے آقا کے سامنے زمین پر سر کو ٹیک کر پیشانی اور ناک کو رگڑنا اور آقا کی عظمت اور قدوسیت کو سراہنا کس قدر عروج اور تقرب کا باعث ہوگا، منہ حدیث ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:۔ ان اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا فیہ من الدعاء (اوکما قال علیہ السلام) (آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے، بندہ اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہو جاتا ہے، لہٰذا اس حالت میں بہت دعا کرتے رہو، صحاح)

خلاصہ یہ ہے کہ ارکان صلوٰۃ اور اس کے سنن و آداب کو غور سے دیکھئے تو ضعیف البنیان مخلوق من الماء المہین بشر کے لئے وہ اعلیٰ مکان اور ارفع مراقبہ دکھائی دیتا ہے، کہ جس کو اگر کروبی بنظر غبطہ دیکھیں یا مولی العالمین محفل ملائکہ میں مباہات فرمائے اور اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ اس کے لئے دعوات صالحہ سے رطب اللسان ہوں تو کچھ تعجب نہیں ہے۔ افسوس ہے ہم اپنی نمازوں سے سخت غافل ہیں فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔) وفقنا اللہ وایاکم للصلوٰۃ الحقیقیۃ۔

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ حمل اس جملہ میں حقیقی نہ لیا جائے، بلکہ مثل زید اسد بطور تشبیہ اور تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ بطور تمثیل قرار دیا جائے، یعنی الصلوٰۃ للمومنین کالمعراج للنبی

علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج سے خصوصی معراج جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھی مراد لی جائے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم مادی اور خاکدان سفلی سے عالم تجرد اور عالم علوی کی طرف نقل کیا گیا، آپ کو دنو اور تدلی اور قرب بمنزلہ قاب قوسین سے نوازا گیا، آپ کو نسبت مکالمہ اور اوحی الی عبدہ مااوحی سے مشرف کیا گیا، آپ کو نعمت رویت سے مالامال کیا گیا لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ مازاغ البصر وغیرہ فرمائے۔

مومن محمدی نماز میں ان ادناس مادیہ سے اٹھایا جاتا ہے، تدلی اور قرب کی نعمت عطا کی جاتی ہے۔ فان اللہ بینہ وبین القبلۃ شاہد عدل ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہر نمازی کے سامنے جب کہ وہ نماز کی نیت کرتا ہے تجلی خداوندی اور حقیقت از حقائق الٰہیہ ظہور پذیر ہوتی ہے، خواہ وہ اس کا احساس کرے یا نہیں اور اسی تجلی کو راز فان اللہ بینہ وبین القبلہ قرار دیتے ہیں، اور اس تجلی کی نسبت ذات مجمع الکمالات سے نسبت ساق الی الذوات قرار دیتے ہوئے یوم یکشف عن ساق الآیۃ کی توجیہ فرماتے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بھی سورہ قیامہ میں اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

نمازوں میں رہنے کی وجہ سے اس تجلی خداوندی سے مومن محمدی کو طبعی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، جو کہ میدان قیامت میں ذریعہ معرفت خداوندی ہو جائے گی، اور مومن سجدہ میں گر جائے گا، بہرحال دنو اور تدلی کا حصول اس درجہ ہو جاتا ہے کہ فرمایا گیا انا جلیس من ذکرنی، انا مع العبد ما تحرکت بی شفتاہ وغیرہ روایات اور فرمایا گیا واسجد واقترب رویت خداوندی کا حصول احسان والی حدیث سے پوچھئے۔ ان تعبد ربک کانک تراہ اور جب ظاہر بین کو یہ شبہہ لاحق ہوتا تھا کہ مجرد محض لاتدرکہ الابصار کی رویت کس طرح ہو سکتی ہے، اس کو محالات میں سے شمار کرنے لگا تو اس کے استبعاد کیلئے ارشاد کر دیا گیا فانہ یراک۔

اگر ارکان وآداب وسنن صلوٰۃ پر غور کیا جائے تو یقیناً وہ نعمتیں جو کہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیقی طور پر شب معراج میں عطا فرمائی گئیں، آپ کے طفیل میں ان سب کی تمثیلیں

مومن کو اسی زمین پر عطا کی جاتی ہیں، وقت کی قلت کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا، مگر مختصر بھی انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا، ھذا ما لدی واللہ اعلم، کتابیں موجود نہیں ہیں، جن سے کچھ نقل اور استدلال کرسکوں۔ والسلام فقط۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۷۸

ختم تراویح[1] پر کچھ تقسیم کرنا سلف سے منقول نہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف تین راتوں میں پڑھا تھا، اور پھر فرضیت کے خوف سے ترک کردیا، حضرت عمر رضؓ نے اس کی جماعت باقاعدہ منتظم فرمائی، مگر ختم پر کچھ تقسیم کرنا روایات میں نظر سے نہیں گذرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہ سورہ بقر یاد کرلیا تو خوشی میں احباب کی کھانے کی دعوت کی اس روایت اور اسی قسم کی دوسری روایات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے، اگر ختم قرآن جیسی نعمت حاصل ہونے پر احباب وغیرہ کو کچھ پیش کیا جائے تو خلاف شرع نہ ہوگا، اور امید ہے کہ ذریعۂ خوشنودی باری عزاسمہ ہو، مگر جو طریقہ آج رائج ہو رہا ہے کہ مساجد میں اہل اور نااہل سب جمع ہوکر نمازیوں کو مشوش کرتے اور شور وشغب عمل میں لاتے ہیں، تقسیم میں مار پیٹ گالی گلوج وغیرہ رونما ہوتی ہیں، بانٹنے کی چیزیں فرش مسجد پر گرتی ہیں، اور فرش گندہ ہوکر نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے اور اس قسم کی بہت سی خرابیاں رونما ہوتی ہیں، چندہ جبری طریقہ پر کیا جاتا ہے غیر مستطیع کو طعنے دئے جاتے ہیں، التزام مالایلزم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ یہ امور ایسے ہیں جن کی بنا پر یا تو اس کو بالکل بند کردینا چاہیے یا اس کی اصلاح اس طرح کرنی چاہیئے، کہ اصحاب استطاعت حضرات اپنی خوشی سے جو کچھ میسر ہو لائیں اور مسجد سے باہر تقسیم کیا جائے، مسجد میں کچھ بھی کسی کو نہ دیا جائے، جو لوگ آئیں ان کو تاکید کی جائے کہ ختم تک بالکل ساکت وصامت

[1] تراویح ختم ہونے پر شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

رہیں، دعا میں اخلاص کے ساتھ شرکت کریں، بچوں اور شور شغب کرنے والوں کو مسجد سے باہر ہی بیٹھایا جائے۔

کھجوروں یا چھواروں یا مٹھائی پر دم کرنا بالکل غیر متعلق چیز ہے، بہر حال ایسی چیز کا تقسیم کرنا جس سے مسجد کے احترام اور فرش وغیرہ کے تلوث کا اندیشہ نہ ہو یقیناً ان چیزوں کے تقسیم سے بہتر ہوگا جن میں تلوث کا اندیشہ ہے، ہاں باہر مسجد کے مضایقہ نہیں۔

(۲) سفر حج میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات کیطرف سے گائے ذبح فرمانا اور پھر گوشت کو ان میں تقسیم کرنا صحاح میں موجود ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ آپ نے باری والی زوجہ کے یہاں جب کھانا کھایا ہوگا تو یہ گوشت بھی کھایا ہوگا، اس کی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے یہاں کھانا اور بھی قرین قیاس ہے، اس کے علاوہ اور کوئی روایت جس میں صراحۃً لحم بقر کا تناول فرمانا ذکر کیا گیا ہو یاد نہیں آتی، کتابیں موجود نہیں ہیں کہ زیادہ تنقر کر کے جواب دوں۔

(۳) صحاح میں پائجامہ[۵۲] خریدنا منقول ہے، نیز محرم کے لباس میں پائجامہ کی ممانعت کا بھی تذکرہ ہے، غیر صحاح میں پائجامہ کی تعریف بھی مذکور ہے اور ترغیب بھی، اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہننا بھی۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی معجم اوسط اور موصلیؒ کی مسند میں بسند صحیح (خریدنے کی روایت میں اضافہ کرتے ہوئے) ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| قلت یا رسول اللہ وانک لتلبس | میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے |
| السراویل قال اجل فی السفر والحضر | پائجامہ پہنا ہے، آپ نے فرمایا ہاں سفر و حضر اور رات |
| وباللیل والنہار فانی امرت بالستر | و دن میں پہنا ہے، ستر پوشی کا مجھکو حکم کیا گیا تھا |

---

۵۱ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کا گوشت کھایا ہے یا نہیں؟

۵۲ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ پہنا ہے یا نہیں، اگر پہنا ہو تو وہ کس وضع کا تھا؟

ظلم اجد شیئا استر منه　　سوا اس سے زیادہ ستر میں نے کسی چیز کو نہیں پایا،

مسند امام احمد اور معجم طبرانی رحمہا اللہ تعالیٰ میں ہے:۔

عن ابی امامۃ قلنا یا رسول اللہ ان اھل الکتاب یتسرولون ولا یاتزرون فقال صلی اللہ علیہ وسلم تسرولوا و ائتزروا وخالفوا اھل الکتاب

ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اہل کتاب پائجامہ تو پہنتے ہیں مگر تہمد نہیں پہنتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پائجامہ پہنو اور تہمد بھی باندھو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

کنز العمال میں اور بھی روایات موجود ہیں، چونکہ عرب کے اصلی لباس میں ازار ہی تھا اور یہ پائجامہ فارس وغیرہ سے عرب میں داخل ہوا ہے، وہاں کے لوگ اسکو شلوار کہتے تھے اس لئے عرب نے اسی کی تعریب سروال کے لفظ سے کی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا مفرد نہیں ملتا، اب اس کے بعد اس کی ساخت کیسی تھی، اس کا پتہ چلانا مشکل ہے، بجز اسکے کہ اس میں اسراف اور اسبال یعنی ٹخنے سے نیچا ہونا (لقولہ علیہ السلام ما اسفل من الکعبین فھو فی النار) نہ چاہیئے، اور علیٰ ہذا القیاس تشبہ باعداء الاسلام نہ ہونا چاہیئے ریشم کا نہ ہونا چاہیئے اور کسی قسم کا فیصلہ مشکل ہے، کتابیں موجود نہیں ہیں، اور غالباً کوئی خاص تنگی بھی اس میں نہیں ہے، واللہ اعلم۔　　والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۷۹

(۱) [۱] قرآن شریف میں ہے مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ الآیۃ اس لئے تعمیر مساجد میں بلا واسطہ ان کا مال خرچ ہونا چاہیئے، ہاں اگر وہ ایسا کریں کہ کسی مسلمان کو مال کا مالک کر دیں اور وہ اپنی خوشی سے اس مال کو

[۱] غیر مسلم کا پیسہ تعمیر مسجد میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟۔

مسجد میں لگادے تو مضائقہ نہیں۔

(۲) مدرسہ دینیہ میں غیر مسلم کا چندہ لیا جاسکتا ہے اور طلبا یا دیگر مذہبی یا تعلیمی امور میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

محترما! آپ کو معلوم ہے کہ کتب فتاوی میرے پاس نہیں ہیں، پھر بھی بار بار آپ والانامجات میں فتاوی لکھتے ہیں، حالانکہ آپ کو خود ہر قسم کی آسانیاں مہیا ہیں، کتب بھی اور اہل کتب بھی اور مراکز فتاوی بھی آپ کے پاس اور زیر نظر ہیں، یہ الٹی گنگا کیوں بہتی ہے،

والسلام، ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

## مکتوب نمبر ۸۰

عشق میں ان کے کہ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو ٭ عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

آپ کا اور شیخ ولی محمد صاحب کا خط پڑھ کر بہت رنج ہوا، خصوصاً اپکی کمزوری پر۔ آپ اس واقعہ کو سنکر روئے اور دونوں صاحبوں کو قلق و اضطراب کی اس قدر نوبت آئی، میرے محترم! یہ نانی جی کا گھر نہیں ہے، اور نہ سسرال ہے، جہاں عزت، راحت، آرام، سکون کا خیال کیا جائے، یہ جیل ہے اور اہل وطن کا نہیں، سات ہزار میل لسنے والی اس قوم کا ہے جس سے نہ ہم کو مذہبی، نہ زبانی، نہ نسلی، نہ معاشرتی، نہ لونی، نہ وطنی کسی قسم کا اتحاد نہیں، اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس قوم کو ہم سے کوئی ہمدردی کہاں ہوسکتی ہے اور وہ کسی ہندوستانی کی عزت یا رفعت کو کب پہچان سکتی ہے، صرف اتحاد نوعیت یعنی انسانیت ہے، مگر آج یورپین قومیں خود آپس میں کونسی انسانیت عمل میں لارہی ہیں، جو ایشیائی اور افریقی قوموں کے ساتھ عمل میں لائیں گے، جرمن سے روسی کس قسم کا شاکی

ف ۱ مدرسہ دینیہ میں غیر مسلم سے چندہ لینا چاہیے یا نہیں؟

ہیں، اور روسیوں سے جرمن کیا شکایت کر رہے ہیں، پھر ہم تو ایشیائی اور ہندوستانی نیم وحشی ہیں ہی (ان کی نظروں میں) وہ جو کچھ مراعات کرتے ہیں محض اپنی مصلحت کی بنا پر فقط پھر ایسے کافر قوم کے افراد سے کوئی امید ایسی ہی ہے جیسے آگ سے پیاس بجھانے کی اور پانی سے جلا دینے کی، بہرحال ہمارا اس میدان میں اترنا اس نصب العین کی بنا پر ہے جو ہمکو سید الرسل علیہ السلام اور قرآن مجید نے بتایا ہے اور ہر قسم کی قربانیوں کا مطالبہ کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ الآیۃ | اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال الخ۔ |
| جاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم[1] (الحدیث) | مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال اپنی جان اور اپنی زبان سے۔ (حدیث) |
| افضل الجہاد کلمۃ حق (الحدیث) | بہتر جہاد حق بات کا ظالم بادشاہ کے سامنے کہنا ہے |
| قَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَافَّۃً الآیۃ | اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے ہر حال میں۔ |
| قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ الآیۃ | اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے .... جو لڑتے ہیں تم سے۔ |

میرے محترم! جب کہ اس دارالحرب کو جو کہ اس سے پہلے دارالاسلام تھا، کفار نے اپنے قبضہ میں لا کر احکام کفریہ اور شعائر لادینیہ کا مرکز بنایا ہے تو ہر اس فرد پر فرض ہے جو کہ خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہے کہ اپنی طاقت کے موافق ایسے ملاحدہ کے تسلط اور غلبہ سے آزاد کرائے اور ان کی قوتوں اور شوکتوں کو مٹا دے جبکہ کوئی ایسے عزائم لے کر کھڑا ہوگا تو کیا طاغوتی قوتیں اس کی طاقت، عزت، راحت وغیرہ کو صحیح سالم چھوڑ دیں گی۔ انبیاء علیہم السلام نہیں چھوٹے ہم اور ہمارے جیسے لاکھوں کروڑوں عوام الناس تو در کنار۔

---

[1] غالباً یہ روایت بالمعنی ہے مفہوم صحیح ہے مگر الفاظ نظر سے نہیں گذرے۔ (اصلاحی)

جو کچھ آپ تک خبریں پہنچیں یا جو کچھ شاہد صاحب نے بنارس میں بیان کیا اس تمام مجموعہ کو ایک پلڑے میں رکھئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو انتہائی تکالیف اور مشاق کفار سے اٹھانی پڑی ہیں اوذیت فی اللہ ولا یوذی نبی الحدایث (مجھکو اللہ کی راہ میں جو تکلیف دیگئی وہ کسی اور نبی کو نہیں دیگئی) ان کی معمولی مصیبت اور معمولی عزت کو دوسرے پلڑے میں رکھئے، پھر دیکھئے کون پلڑا بھاری رہتا ہے، ہم کو آپ وارث نبوت مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس وراثت میں سے کچھ نہ ملے ؎ این خیال است و محال است و جنون،

بہر حال، خود جیل کیا کم بے عزتی اور بے راحتی ہے، پھر اس کے بعد وہاں پر تو انسان بالکل بے دست و پا ہو ہی جاتا ہے، اور حکام جیل ہی کے مراحم پر اس کا بسر اوقات ہوتا ہے، وہ اگر مار بھی ڈالیں تو کس کو خبر ہو سکتی ہے، اور ہاتھ پیر توڑ ڈالنا، مار پیٹ، بے عزتی اور تکالیف تو ادنی چیزیں ہیں، مگر جب اس راستہ میں چلے تو سب چیزوں کو پھول سمجھنا ضروری ہے، اوکھل میں سر دیا تو موسلوں سے کیا ڈرنا ؎

بھنورا لوبھی پھول کا کلی کلی رس لے  کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیو دے

اب تفصیل واقعہ سنئے۔

(۱) جب سے میں یہاں آیا ہوں اس واقعہ تک نہ میں افسر اعلیٰ اور اسکے نائب سے ملا ہوں اور نہ وہ مجھ سے ملا تھا، اس نے تو مجھ کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا، میں نے دور سے دیکھا تھا، مگر صورت شناس نہ تھا، (۱) حکام جیل بالخصوص وہ شخص جو کہ سابقہ جیلوں میں چھوٹے عہدوں سے بڑا ہوا، مثل زبانیہ جہنم نہایت سخت اور بدخو، بدزبان، تندخو، ہوتے ہیں، بالخصوص اینگلو انڈین۔ (۳) میں عصر کے بعد اوراد وظائف میں عموماً مشغول رہتا ہوں، اور کمرہ ہی کے اندر رہتا ہوں، مغرب کی نماز کے وقت نکلتا ہوں اور کمرہ کے باہر ہی کمبل وغیرہ بچھا کر ہم چند مسلمان بارک کے اندر ہی پنجوقتہ نماز جماعت پڑھا کرتے ہیں، بعض مسلمان دوسری بارکوں سے آجاتے ہیں اور جو کہ اسی بارک میں رہتے ہیں جس میں میں ہوں یعنی نمبر (۱) میں وہ

عشار اور فجر میں بھی شریک جماعت ہوا کرتے ہیں، مغرب کے فرض ادا کرنے کے بعد نوافل میں ڈیڑھ دو پارہ پڑھا کرتا ہوں، اس کے بعد بارک کے مسلمان کھانا ساتھ کھاتے ہیں اور پھر عشا کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں ہو جاتے ہیں،

(۴) بارکوں کے دروازے گرمیوں میں آٹھ بج جانے کے بعد بند ہوا کرتے تھے، جاڑوں میں ساڑھے سات بجے سے بند ہونے لگتے تھے۔ شمار اور گنتی ہر بارک کے آدمیوں کی بارک ہی میں ہوا کرتی ہے، پولیٹیکل قیدی اپنی اپنی جگہ پر گنے جاتے ہیں میں نماز میں مشغول ہوتا تھا گننے والے کمرہ ہی میں ہوتے ہوئے گن جاتے تھے اور اب بھی وہی حال ہے۔

(۵) افسر اعلیٰ نے اہل سرکل نمبر ۵ کے جیلر سے کہا کہ تم اپنے سرکل کی بارکوں کو سات بجے بند کرو، اس نے بعض ذمہ دار اشخاص سے کہا کہ افسر کا حکم سات بجے بند کرنیکا ہے، سرکل نمبر (۱) والے (جن میں دوسرے پولیٹیکل قیدی ہیں) ساڑھے سات بجے بند ہو جاتے ہیں، تم بھی اسی وقت بند ہو جایا کرو، اس نے جواب دیا کہ ہم نے بعض مطالبات سپرنٹنڈنٹ کو بھیجے ہیں، انکا جواب اب تک نہیں آیا، جب تک وہ پورے نہ ہو جائیں ہم اس مطالبہ کو پورا نہیں کریں گے۔ مگر اس کی مجھ کو اور میرے رفقا کو کوئی خبر نہ تھی، مجھ کو اور میرے رفقا کو اس بند ہونے پر نہ کوئی اعتراض تھا اور نہ ان کے متعلق کوئی سوال پیدا ہوتا تھا، کیونکہ مغرب سے پہلے وہ سب بارک میں آجاتے تھے، اور صبح تک وہاں رہتے تھے، اور بالخصوص میں تو عصر سے تقریباً بند ہی رہتا ہوں، بلکہ دوسرے اوقات میں بھی کمرے سے باہر بلا ضرورت نہیں نکلتا۔

(۶) افسر اعلیٰ کو یہ جواب اس ذمہ دار کا ناگوار گذرا اور اپنی طاقت کے مظاہرہ کرنے کے لئے اپنی فورس لے کر ساڑھے چھ بجے جب کہ عین مغرب کا وقت تھا بلا خبر اور بلا نوٹس سرکل نمبر ۵ میں داخل ہوا اور سب سے پہلے ہماری بارک میں داخل ہوا، کیونکہ نمبر (۱) اسی کا ہے اس نے بارک میں جو لوگ موجود تھے حکم دیا کہ بارک سے باہر نکل آؤ اور دھکے دیکر لوگوں کو باہر نکلوایا۔

(۷) میرا کمرہ بارک کے مشرقی کنارہ پر ہے وہ پہلے مغربی کنارے پر گیا، اور جو لوگ اس طرف

کمروں میں یا باہر کمروں کے تھے، دھکے دے کر نکالا، پھر مشرقی کنارہ پر آیا، ہمارے رفقاء مغرب کی نماز کی تیاری کر رہے تھے، کمبل اور چادر بچھا رہے تھے، آفتاب غروب ہو چکا تھا، ان سے جب کہا گیا کہ بارک سے باہر نکل جاؤ تو انہوں نے کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، نماز پڑھ لیں جس میں صرف پانچ چھ منٹ لگیں گے، اس کے بعد نکل جائیں گے، چھوٹا افسر جو کہ یوروپین ہے، اس کو سن کر ساکت ہو گیا، اتنے میں افسر اعلیٰ (سپرنٹنڈنٹ) انگلو انڈین پہنچا اور اس نے مولانا عبد الباری صاحب گورکھپوری کی بنیائن میں اوپر سے ہاتھ ڈالکر کھینچا اور زور سے کہا نکل جاؤ، دوسروں نے پھر انکو دھکا دیا، اسی طرح مولانا عبد السمیع صاحب سلطانپوری کو دھکا دیا گیا، اور مولوی ماجد صاحب بستوی کو مارنے کے لئے بھی ہاتھ اٹھایا گیا، یہ سب یکے بعد دیگرے باہر نکل گئے، میں کمرہ میں وظیفہ پڑھ رہا تھا، مجھکو ان تمام معاملات کی کوئی خبر نہ تھی، شور و شغب سنکر میں کھڑا ہوا، دیکھتا ہوں کہ کمرہ کے دروازہ پر سپرنٹنڈنٹ کھڑے ہیں اور ان کے ساتھ واڈر اور نمبر دار وغیرہ ہیں، نکلا تو انہوں نے کہا کہ نکل جاؤ میں نے کہا کہ اچھا جوتا پہن لوں، میں اسوقت چمڑے کا موزہ پہنے ہوئے تھا، جو کہ سردیوں میں پہنا کرتا ہوں، میں کھڑاؤں لینے کے لئے بڑھنا چاہتا تھا کہ مجھکو دھکا دیا گیا، میں اس دروازہ کی طرف جو کہ بارک سے نکلنے کا ہے دھکے کی وجہ سے چلا ہی تھا کہ دوسرا دھکا دیا گیا، اس کی وجہ سے عمامہ سر پر سے گرنے لگا، میں اس کو سنبھالنا چاہتا تھا کہ تیسرا دھکا دیا گیا، میں اسکو سنبھال نہ سکا وہ گر گیا، پھر میں ٹوپی سنبھالنے لگا تو چوتھا زور سے دھکا دیا گیا، یہ اس قدر زور سے دھکا دیا گیا تھا کہ ٹوپی بھی گر پڑی اور اگر میں سنبھل نہ جاتا تو زمین پر گر پڑتا، بہر حال میں ننگے سر اور ننگے پاؤں وہی موزے پہنے ہوئے باہر نکل گیا، اس کے دو منٹ بعد سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ وغیرہ سب باہر آگئے، مجھ سے سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ آپ نے تو کمرہ کو ہوٹل بنا رکھا ہے، میں نے کہا کہ کیا بات ہے، اس نے کہا کہ بارک میں چلے جاؤ، ہم لوگ پھر ایک ایک کر کے داخل ہو گئے اور گنتی کے بعد بارک بند ہو گئی۔

(۸) ہماری بارک والوں کو کوئی نوٹس اس سے پہلے نہیں دیا گیا تھا اور نہ کسی نے باہر نکلنے سے انکار ہی کیا تھا، البتہ ہمارے ساتھی مسلمانوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، ہم نماز پڑھ لیں تو حسب حکم نکل جائیں گے، مگر میں نے یہ بھی نہیں کہا تھا۔

(۹) جہانتک مجھ کو معلوم ہے ہمارے رفقا اور بارک والوں میں کسی کو مارا نہیں گیا، صرف دھکے دیئے گئے، البتہ نمبر ۷ یا نمبر ۶ میں کچھ لوگ بارک سے باہر کھانا کھا رہے تھے اور یہ ہی ہمیشہ سے ان کی عادت تھی، ان کو کھانے نہیں دیا گیا، اور بعض کو مارا پیٹا بھی گیا، کھانا اور برتن چھوڑ کر بند ہو گئے، ہماری بارک میں بھی بعض وہ لوگ جن کا کھانا دوسری بارکوں میں پکا کرتا تھا اس رات بھوکے رہے۔

(۱۰) صبح کو ہم چار آدمیوں نے (حسین احمد، عبد الباری، ماجد حسین، عبد السمیع) اپنے دستخطوں سے عرضی لکھی کہ چونکہ ہمارے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا گیا ہے اس لئے ہم کو مشیر قانونی لاری صاحب سے ملایا جائے تاکہ ہم قانونی چارہ جوئی کریں، یہ عرضی ہم نے سرکل جیلر کے ہاتھ میں دیدی یہ عرضی انگریزی میں تھی، اور تقریباً بارہ بجے جیلر صاحب کو دی گئی تھی، جیلر اس ہنگامے کے وقت فورس میں موجود نہ تھے، واقعہ سنکر ان کو بھی بہت افسوس ہوا۔

(۱۱) تقریباً ۲ بجے سردار گندر سنگھ (جو کہ ضلع بہرائچ سے پولیٹیکل سیکورٹی پرزنر تھے، اور مرکزی اسمبلی کے ممبر ہیں) آئے، (وہ پہلے سے اسپتال میں تھے، ان کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو پہلے صبح کو ۹ یا ۱۰ بجے آئے تھے، اور تمام واقعہ سنکر بہت برہم ہوئے تھے) انہوں نے فرمایا کہ سپرنٹنڈنٹ تین موہانی میں (وسط جیل میں ایک چوکی ہے جس میں محافظ جیل وغیرہ بیٹھا کرتے ہیں) آیا ہوا ہے اس نے مجھکو بلایا تھا اور وہ مجھ سے کہتا ہے کہ کل شام جو واقعہ ہوا ہے اس کا مجھکو بہت افسوس ہے، میں مولانا مدنی کو پہچانتا نہ تھا، ان کو بلا دو میں ان سے معافی مانگوں گا، سردار صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں نے اس کو بہت لعنت ملامت کی ہے، اس لئے میری رائے ہے کہ تو میرے ساتھ چل کر اس کو معافی دیدے، میں نے کہا کہ یہ سوال

اب شخصی نہیں رہا ہے، بلکہ تمام جماعت کا سوال ہے، اس لئے آپ سب صاحبوں سے پوچھ لیجئے، انہوں نے ہر بارک کے چیدہ چیدہ اشخاص بلائے اور مشورہ لیا سبھوں کی غالب رائے یہ ہوئی کہ جب وہ معافی مانگتا ہے تو معافی دیدینی چاہیئے۔

میں نے کہا کہ اچھا آپ جاکر اس سے کہدیجئے کہ حسین احمد نے معاف کردیا! اتنے میں چیف وارڈ آگیا، اور اس نے اصرار کیا کہ تجھکو خود وہاں چل کر معافی دیدینی چاہیئے، پھر سردار صاحب موصوف بھی اسی کے ہم کلام ہو گئے، بعض دوسروں کی بھی اسی قسم کی رائے ہوئی، میں چلا گیا، اس نے اولاً عذر کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ تو سفید ریش معمر آدمی ہوگا، میں تجھکو پہچانتا نہ تھا وغیرہ وغیرہ میں اس کو جوابات دیتا رہا، بالآخر اس نے کہا کہ مجھے افسوس ہے اور میں معافی چاہتا ہوں، میں اس کے بعد چلا آیا، اس نے اثناء گفتگو میں یہ بھی کہا کہ میں نے وارڈروں کو پہلے سے تاکید کردی تھی کہ کسی کو ہاتھ نہ لگانا میں نے کہا کہ پھر ان کو سزا دینا چاہیئے۔

اس نے چیف وارڈر کو کہا کہ پتہ لگاؤ وہ کون کون تھے، ان کو سزا دیں گے، مگر یہ وقتی مدافعت تھی، ورنہ جو کچھ گذرا تھا، اسکے سامنے ہی گذرا تھا، اس نے کسی کو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

میرے آنے کے بعد دوسرے لوگوں اور سردار صاحب موصوف سے اس کی گفتگو ئیں ہوئیں اور جو تشدد وہ تمام سرکل والوں پر کرنا چاہتا تھا اس سے باز آگیا، اب کوئی سختی نہیں ہے یہ واقعہ ہے، مجھے معلوم نہیں کہ ابتک کیا کیا باتیں پہنچیں، ہمارے تین شرکاء باقیین سے نہ معافی طلب کی گئی اور نہ انہوں نے معافی دی، وہ عرضی ہم کو آج تک نہ واپس کی گئی اور نہ ہم نے طلب کی، ایک شریک مولانا عبد السمیع صاحب سلطانپوری رہا ہو کر چلے گئے مولانا عبد الباری صاحب اور ماجد صاحب باقی ہیں آج کل میں ان کی رہائی کی خبریں ہیں۔ وہ نکلیں گے تو ان سے اور احوال وغیرہ معلوم ہوں گے، پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ شیخ ولی محمد صاحب کو بھی یہ تفصیل بتا دیجئے اور مولوی فضل الرحمٰن سلمہٗ کو بھی، مولوی نور محمد صاحب کی زبانی معلوم کر کے بے چینی ہوئی ہے ان کو بھی مطمئن کر دیجئے، اس واقعہ کی

بنا پر شیخ ولی محمد صاحب کو طلب کرنا بے موقع تھا، میں نے کوئی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اس لئے آپ کو نہیں لکھا تھا، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۱۸

آپ کے رسالہ جات دیکھے، ماشاء اللہ بڑے پیمانہ اور درجہ کے ہیں، میں شعر و شاعری سے واقف نہیں، اس میں کیا دخل دے سکتا ہوں، چند اشعار برائے اصلاح ارسال کرتا ہوں، آپ کی تقریر درباره نور عام فہم نہیں ہے، نیز اس حدیث کی سند میں بھی گفتگو ہے، اگرچہ صوفیہ کرام اور محققین اہل کشف اس کے قائل ہیں، مگر اس کی تحقیق و تفصیل فہم عوام تو درکنار خواص سے بھی بالاتر ہے، اس پر تقریر اور بحث، کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم اتحبون ان یکذب اللّٰہ ورسولہ کے خلاف ہے ؎ ۔

---

؎ ۲۴ر جنوری ۴۳ء حضرت امام العصر کو نینی جیل الٰہ آباد میں داخل کیا گیا، مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری خلف جناب مولانا محمد فاخر صاحب الٰہ آبادی سجادہ نشین دائرہ حضرت شاہ اجمل صاحب قدس سرہ العزیز (الٰہ آباد) مولانا عبد الحی صاحب، عبد المجید صاحب، مولانا عبد القیوم صاحب لکھنوی، مولانا عبد الباری صاحب عباسی گورکھپوری جیسے احباب ہاں موجود تھے یہ حضرات یکے بعد دیگرے رہا ہوتے رہے، مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی تقریباً ۱۹ ماہ نینی جیل میں محبوس رہے، یکم نومبر ۴۳ء کو نماز مغرب کے وقت سپرنٹنڈنٹ جیل نے حضرت کیسا تھ گستاخانہ حرکت کی، صرف اس بنا پر کہ گنتی کیلئے جسقدر عجلت سے طلب کیا گیا تھا اتنی عجلت سے حضرت اسکی تعمیل نہ کرسکے تھے، سپرنٹنڈنٹ کی اس شوخ چشمی سے جیل کے تمام نظربند برافروختہ ہوگئے، اور جب رفتہ رفتہ باہر خبر پہونچی تو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اضطراب کی لہر دوڑ گئی، اور اگرچہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو اگلے دن ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا چنانچہ تیسرے روز حضرت سے معافی مانگ لی تھی، مگر جیل سے باہر تمام ہندوستان میں یہ ایجی ٹیشن بڑھتا رہا چنانچہ ۲۶ر نومبر ۴۳ء کو تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے کئے گئے، بالآخر ۲۷ر نومبر ۴۳ء کو ہندوستان ٹائمز میں گورنر یوپی کا ایک کمیونک شائع ہوا جس میں اس واقعہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے ذکر کیا گیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل نے مولانا کے سامنے اظہار افسوس کیا اور اب مولانا افسران جیل سے مطمئن ہیں لیکن حضرت کے (باقی ص ۲۰۶ پر)

بجز خدا کے بھلا تجھکو کوئی کیا جانے — تو شمس نور ہے شپرہ نظارہ اولو الابصار

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ مدحیہ میں ارشادتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں۔

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت — نہ جانا تجھ کو کسی نے بجز خدا نہار

مجامع عامہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فضائل اور محاسن اخلاق و اعمال اور تعلیمات بیان ہونی چاہئیں جن کو عوام ادراک کرسکیں اور ان میں جذبہ عمل و اتباع پیدا ہو اور اپنی اصلاح کے درپے ہوں، زبان جہانتک ممکن ہو عام فہم ہو ایسا مضمون عالی، خواص یا اخص الخواص کے مجمع میں ہو تو مضائقہ نہیں، نفس مضمون پر عرض معروض ان مختصر تحریرات میں نہیں ہوسکتا صفحہ ۶ میں فٹ نوٹ میں یہ عبارت قابل غور ہے، عرب جاہلیت (قبل زمانہ اسلام) میں جو لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں ان کو زندہ درگور کر دیتے تھے" اگر اس کا مفہوم ظاہری لیا جائے تو سوال وارد ہوگا، پھر توالد و تناسل کس طرح ہوتا تھا، صنف نساء کا وجود ہی نہ رہنا چاہیئے، بہرحال نظم بہت اعلیٰ ہے، صفحہ ۷ میں ع

وہ ماں کو بھی بنا لیتے تھے بی بی یہ جہالت تھی

بی بی اور بیوی میں کوئی فرق ہے یا دونوں مرادف ہیں، جہانتک مجھے معلوم ہے بی بی بمعنی حرہ ضد باندی اور بیوی بمعنی زوجہ مقابل زوج ہے، اس لیئے اس مصرعہ میں بیوی ہونا چاہیئے، اکبر مرحوم کہتے ہیں ؎ — کل بے حجاب چند نظر آئیں بیبیاں،

صفحہ ۱۰ میں ہے۔

گرے اصنام منہ کے بل الخ

جہانتک میں سمجھتا ہوں یہ لفظ بل بدون اظہار ہے۔

مہربانی فرماکر شاندار ماضی چند دنوں کے لیئے بھیجدیجئے، دعوات صالحہ سے فراموش

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۵) متوسلین کے لیے یہ کیمونک بھی اطمینان بخش نہ تھا، ان کا اصرار تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کو برطرف کیا جائے، لیکن حضرت کا ایک پیغام پہنچا کہ ہم نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو معاف کردیا، (حیات شیخ الاسلام اصلاحی

نہ فرمائیں مولوی محمد[1] صاحب سے سلام مسنون کہدیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر۸۲

مولوی احمد حسین صاحب لاہرپوری سے روپیوں کا وصول ہونا معلوم ہوا ان کو سختی سے لکھ دیجئے کہ آئندہ ہرگز ہرگز روپیوں کے بھیجنے کا ارادہ نہ فرمائیں، وہ خود انتہائی کشمکش میں ہر طرف سے مبتلا ہیں، وہ اپنی ضروریات کو انجام دیں، بحمد اللہ مجھ کو کوئی ضرورت نہیں ہے پروردگار جل شانہ بہت اچھے طریقہ پر کام چلا رہا ہے، اس مرتبہ تو یہ روپے رکھ لئے گئے آئندہ اگر بھیجا تو واپس کردیئے جائیں گے۔

ان روپیوں کو ہمارے پاس نہ بھیجئے، میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ مصاریف ڈاک وغیرہ کا باقاعدہ حساب مندرج رہنا چاہیئے، اور پیسہ پیسہ کا حساب لینا چاہیئے، جو صرف میری وجہ یا میرے کہنے اور میرے لکھنے سے واقع ہوا اس کو تماماً وصول کرنا چاہیئے، اس میں ذرا بھی تامل نہ ہونا چاہیئے، ہاں اگر بلا طلب آپ نے کوئی صرف میرے لئے یا میری وجہ سے کیا ہو تو اس میں آپ کو اختیار ہوگا، اگر کوئی دقت نہ ہو تو ایک پارسل ڈیڑھ سیر عمدہ قسم کے پیڑوں یا اور کسی عمدہ مٹھائی کا جو کہ جلدی خراب نہ ہونے والی ہو، ٹین کے ڈبہ میں یا بانس کی پٹاری میں کپڑا مڑھ کر بذریعہ ڈاک پارسل ریحانہ سلمہا کے لئے ٹانڈہ میں بھیج دیجئے، پتہ یہ ہو ریحانہ سلمہا بوسیلہ سید محمد بشیر صاحب محلہ اللہ داد پور، قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد اس پارسل کے مصاریف اسی میں سے انجام دیجئے، باقی روپے اپنے پاس رکھئے اور مصاریف متعلقہ محسوب کرتے رہیئے، میں تو دیوبند سے روپئے آپ کے پاس منگانے والا تھا ہاں تین چار روپئے کی دوائیاں، چوتنیاں، اور اکنیاں جمع کرکے رکھیئے یہ خرد سے خواہ چاندی

[1] مراد مولانا ابوالحسن حیدری صاحب کے برادر مرحوم۔

کے ہوں یا نکل کے، جب ضرورت ہوگی طلب کرونگا، اظہر[1] صاحب کے قاصد کے ذریعہ سے پہونچا دیجئے گا۔

مولانا شبیر احمد صاحب اور ان کے ہم خیال مدرسین و ملازمین اب ڈابھیل ضلع سورت کو ۱۶ - ۸ - ربیع الاول کو چلے گئے، نواب چھتاری نے ان کو دوسو روپیہ ماہوار نہیں دیا بلکہ کئی سال ہوئے تھے حیدر آباد سے وہاں کے وزیر اعلیٰ جن کے جانشین چھتاری صاحب ہیں انہوں نے دوسو روپیہ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ سے مقرر کرادیئے تھے، وہ ان کو برابر ملتے رہے یہ وزیر اعلیٰ حیدری صاحب مشہور و معروف بزرگ تھے، چودھری صاحب کا دیوبند دارالعلوم کے توڑنے کے لئے غلط افواہ معلوم ہوتی ہے، البتہ چودھری صاحب اپنا اقتدار اسیطرح وہاں بھی جمانا ضرور چاہتے ہیں، جس طرح علی گڈھ اور لیگ پر ہے اور اسی لئے ہر قسم کی کوششیں ہمیشہ جاری رہتی ہیں، میرا بڑا قصور یہی ہے کہ میرے ہوتے ہوئے چودھری صاحب کی دال نہیں گلتی، مجھکو جدا کیا گیا اور وہاں اپنی دال پکانی چاہی مگر بحمد اللہ کامیابی نہیں ہوئی اور منہ کی کھانی پڑی، غضنفر اللہ صاحب کا واقعہ اگر صحیح ہے تو معلوم کرنا چاہیئے کہ وہ آنے والے صاحب کون بزرگ تھے۔

آپ فرماتے ہیں "یہ ہمارے علمائے کرام کا حال ہے تو ہمارا کیا حشر ہوگا" آپ کے یہ جملے تعجب خیز ہیں چودھری صاحب کا ہمیشہ سے یہ اصول ہے کہ اپنے مقاصد کے لئے ارباب اثر و نفوذ علما کرام اور صوفیائے عظام اور اسی طرح امراء دنیا کو طرح طرح سے لایا کرتے ہیں،

---

[1] حاجی شیخ ولی محمد صاحب جونپوری مراد ہیں، شیخ صاحب موصوف کو امام العصر مدظلہ العالی، اظہر، محمود اور غلام حسین وغیرہ اسماء سے اپنے مکتوبات میں یاد فرمایا ہے، جو زیادہ تر نینی جیل الٰہ آباد سے لکھے گئے ہیں، جس طرح امام العصر کا وجود گرامی رشیمی خط کی اہم کڑی ہے اسیطرح شیخ صاحب موصوف آپ کے مخلص اور جانباز مجاہدین میں صف اول کے غازی ہیں، اور وہ وہ کارنمایاں کیا ہو کہ سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان ہی میں ہمارے مولانا ابوالحسن حیدری ہیں جو کبھی غلام حسین، خادم حسین، حاجی محمد مظفر وغیرہ اسماء سے موسوم ہوئے ہیں۔ اصلاحی

اوران کے ذریعہ سے عام مسلمانوں اور عام پبلک پر اثر جمایا کرتے ہیں، فتاویٰ لکھواتے ہیں، مریدوں کے لئے احکام نشر کراتے ہیں اور اس کی سیکڑوں صورتیں بنا سکتا اور خزانہ کی اچھی مقدار صرف کرتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہر زمانہ ایسے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔

متعلقین اور والدہ ماجدہ وغیرہ کی علالت سے فکر ہوا، دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تمام آفات سے محفوظ رکھے، آمین۔ صاحبزادہ کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ حسب ارشاد تعویذ بھیجوں گا، مجھ ناکارہ و نالائق کے ملفوظات جمع کرنے کا خیال غلط ہے، متقدمین اور اسلاف کرام کے ملفوظات کیا کم ہیں، جو ہمارے جیسے ننگ اسلاف کے ملفوظات جمع کئے جائیں اور ہینڈ کی کے لئے نعل تیار ہوں، ہم دنیا کے کتوں سے بجز نفس پرستی، راحت طلبی نصوص کو خواہشات کے بوتے میں، ڈھالنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں من کان مستناً فلیستن بمن قد مات فان الحی لا یومن علیہ الفتنہ (تم میں سے جو شخص نمونہ اور اسوہ بنائے وہ گذرے ہوئے (اصحاب رسول اللہ صلعم) کا کیونکہ جو شخص زندہ ہے ابھی وہ فتنہ سے محفوظ نہیں ہے) جب کہ خیر القرون کے لئے یہ فیصلہ ہے تو ہمارے زمانہ کا کیا حال ہوگا لوگ اسلاف کرام کی کتابوں سے نفع اٹھاتے ہی نہیں، نہ ان کا مطالعہ کرتے ہیں، ہم جیسے لغو اور بیکار کی کتابوں اور ملفوظات سے نفع اٹھانا سراب سے عطش کے زوال کی امید باندھنا ہے، اسلاف کی تصانیف کو شائع کرنا اور ان کی طرف توجہ دلانا البتہ ضروری ہے، اس لئے میں کسی تصنیف و تالیف کا قصد ہی نہیں کرتا بلکہ اضاعت وقت سمجھتا ہوں، پھر اس جگہ حسب ضرورت ذخیرہ کتب بھی نہیں ہے، جو کتابیں میرے پاس ہیں وہ ناکافی ہیں، اپنی ناقص یاد اور ناقص سمجھ سے کچھ لکھ دیتا ہوں، ان کو درج ملفوظات کرنا کیا غلطی نہیں ہے۔

## جواب سوال اول ۱

(۱) محبت عموماً دو قسم کی ہوتی ہے، محبت اجلال اور محبت شفقت، قسم اول میں والد سب سے بڑھا ہوا ہے اور قسم ثانی میں ولد سب سے بڑھا ہوا ہے، ہر دو محبتوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی اطاعت اور عقلی محبت سب سے بالا ہونی مطلوب ہے، یعنی انسان کو اپنی نفسانی خواہشات اور راحات سے پھیرنے والی یہ محبتیں ہوتی ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور اتباع میں ان دو محبتوں کے پھیرنے سے زیادہ تر پھرنا از بس ضروری ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ محبت طبعی کے لیے بڑے بواعث احسان اور قرابت ہیں۔ درباره احسان سب سے بڑا احسان عالم ظاہر میں باپ کا احسان ہے، اور قرابت میں سب سے زیادہ قرابت بیٹے کی قرابت ہے کہ وہ جزء والد ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان والدین کے احسان سے بھی بڑھا ہوا ہے، والدین کے احسانات صرف جسمانی اور مادی ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات روحانی اور مادی دونوں قسم کے تمام امت پر ہیں، روحانی احسانات سے آخرت کے عذاب سے نجات، روح کی حقیقی پرورش، اسکو غضب خداوندی کے موجبات سے بچانا وغیرہ وغیرہ بے شمار ہیں، اور مادی پرورش بھی ظاہر و باہر ہے امت کو جب تک وہ تابعدار رہی اقوام عالم پر فوقیت اور حکومت عطا فرمائی گئی،

فرماتے ہیں زویت لی مشارق الارض ومغاربھا وان ملک امتی سیبلغ مازوی لی منھا۔ (الحدیث) (آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ میرے لئے مشرق و مغرب کی زمینیں اکٹھا کردی گئیں میں نے دیکھا کہ عنقریب میری امت کی حکومت ان تمام حصوں پر ہوگی۔) لتفتحن کنوز کسری والروم۔ الحدیث (یقیناً کسریٰ اور روم کے خزانہ پر قبضہ کیا جائیگا) وغیرہ ہیں۔

بیٹے کی قرابت والدین سے صرف مادی اور جسمانی ہے، جس پر جملہ النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم (نبی سے زیادہ لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے) دلیل کامل ہے جب کہ آپ ارواح مومنین سے ان کے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہوئے جو کہ لفظ اولی کا لفظ مدلول مطابقی ہے تو وہ قرب مفہوم ہوا جو کہ آباء کے قرب سے بھی زیادہ

(حاشیہ متعلقہ صفحہ گزشتہ) لے لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین (الحدیث) (اس حدیث مبارک میں "ولد" اور "والد" کی قید کیوں لگائی ہے؟)

قوی اور کامل ہے کیونکہ جزئیت وکلیت کا قرب نفس شی کے قرب سے کمزور ہوتا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لفظ اولیٰ اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قرب نفوس مومنین کے اپنے قرب سے بھی زیادہ ہے، تو دو وجہ سے آپ کے قرب کو آباء و امہات کے قرب سے زیادتی ہوئی، ایک شدت قرب اور دوسرے روحانی قرب جو کہ جسمانیت سے بہت زیادہ بالاتر ہے، اور اسی کا نتیجہ ازواج مطہرات کی امومیت ہے وہ بھی روحانی امہات ہیں، نیز بعض قرأت میں وھو ابوھم بھی واقع ہے، خلاصہ یہ کہ طبعی محبت کے اقوی اسباب کا ان دونوں لفظوں والدہ و ولدہ میں اظہار فرمایا گیا ہے، واللہ اعلم۔

جواب ثانی (۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ (نساء پ ۶)

جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اسکے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اسکے بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں پر اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو جلد دیگا ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہو گیا کہ نہ فقط اللہ تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کا ایمان بغیر رسول کی ایمان کے معتبر ہے اور نہ فقط رسول پر ایمان بغیر اللہ کے اور اس کی توحید کے ایمان کے معتبر ہے اور نہ بعض رسولوں پر ایمان اور بعض پر عدم ایمان معتبر ہے، اس لئے یہ قول کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کا قائل یا عامل قابل نجات ہے اس کو اقرار برسالۃ کی ضرورت نہیں، باطل ہے۔

(۲) ہر نص میں بہت سی قیود بوجہ ظہور ملحوظ ہوتی ہے، جن کو بسا اوقات ذکر نہیں کیا جاتا اور وہ بالاتفاق ضروری ہوتی ہیں، مثلاً اسی حدیث میں قلبی یقین اور تصدیق کا تذکرہ نہیں ہے فقط یہی کہا گیا ہے کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ تو کیا اگر کسی نے یہ کلمہ استہزا اور مذاق کی طور پر یا کسی کے کلام کی نقل کے طور پر کہا تو وہ بھی اس کا مستحق ہوگا، یا کسی نے مسلم جیش کے سامنے جان بچانے کے لئے یہ کلمہ کہا اور قلب میں تصدیق نہیں ہے تو کیا وہ اس اجر کا مستحق ہوگا یا اس کلمہ کے کہنے کے بعد انکار کر دیا یا کلمہ شرک کا بول دیا، یقیناً معلوم ہو کہ وہ توحید نجات کیلئے کافی نہیں ہے اور حسب تصریحات روایات و آیات قید تصدیق قلبی کی ضرور لگانی ہوگی، اور عدم انکار کی بھی قید ضروری ہوگی، اسی طرح اس روایت میں ایمان بالرسالۃ کی بھی قید لگانی ضرور ہوگی، جیسا کہ آیت مذکورہ نمبر ا سے ظاہر ہے۔ سورہ حجرات میں ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔

ایمان والے لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے۔

لفظ انما جو کہ صیغہ حصر ہے، یہاں استعمال کیا گیا ہے، حدیث جبرئیل علیہ السلام میں اور حدیث وفد عبد القیس میں ایمان کی تفصیل اور تعریف اسی لئے بیان فرماتے ہوئے ایمان بالرسل والملائکۃ والکتب والقیامۃ والقدر کو ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۳) توحید کا دعویٰ تو یہود، نصاریٰ، مشرکین عرب اور ہنود سب کرتے ہیں، مگر اسی توحید کے ساتھ یہود عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ اور ید اللہ مغلولۃ اور ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء اور تجسیم وغیرہ کے قائل ہیں، نصاریٰ اسی توحید کے ساتھ تثلیث اور ابن اور روح القدس اور زوجہ وغیرہ کے قائل ہیں، بت پرستان ہنود انکار صرف خدا کے قائل ہوتے ہوئے اوتاروں اور عبادت غیر اللہ کے قائل ہیں، تجسیم اور حلول وغیرہ ان کے عقائد ہیں، کیا ایسی توحید قابل اعتبار ہوگی۔ اس لئے قائل

(۲) جو شخص صرف موحد ہو معتقد بالرسالۃ نہ ہو اس کی نجات ہوگی یا نہیں، پھر من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کے کیا معنی ہیں؟

من قال لا الٰہ الا اللہ ہی سے جو تفسیر توحید منقول ہے وہ ہی موجب نجات ہوگی، اور جب اسکی تعلیم کا اعتبار کیا گیا تو تصدیق رسالت لازم آگئی، ورنہ وہ توحید حقیقی نہیں لفظی ہے، جو کہ قابل اعتبار نہیں، واللہ اعلم۔

(۴) اسی روایت من قال لا الٰہ الا اللہ لحدیث کے جملہ طرق الرجمع کئے جائیں تو معلوم ہوگا روایت مختصر واقع ہوئی ہے، اس میں کچھ اور بھی زیادتی ہے جو کہ راوی نے بوجہ ظہور یا اختصار یا نسیان یا عدم ضرورت بعض اوقات میں چھوڑ دی ہے اور بعض اوقات میں ذکر کر دیا ہے، مثلاً مخلصا من قلبہ بخاری شریف وغیرہ میں اسی روایت میں موجود ہے، دوسری روایتوں میں انی رسول اللہ بھی موجود ہے اسی لئے ائمہ فن فرماتے ہیں کہ جب تک کسی روایت کو اس کے تمام طرق سے نہ دیکھا جائے جب تک معنی متعین کرنے میں غلطی ہوتی ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تو ستر اور اسی تک کی قید لگاتے ہیں، خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ کے جملہ طرق کو جمع کئے ہوئے بغیر کسی معنی کو متعین کرنا ناواقفی اور بے اصولی ہے، کسی فن میں اس کے اصول اور قوانین کو ترک کرکے داخل ہونا اہل فن کے نزدیک انتہائی غلطی ہوتی ہے جسکو تمام اہل فن ضروری مانتے ہیں، مگر افسوس کہ طبابت، ڈاکٹری، انجنیری، نقشہ نویسی تاریخ، سائنس وغیرہ میں تو یہ قاعدہ ضروری قرار دیا جاتا ہے، مگر فن حدیث و فقہ میں ہر ناواقف بغیر اصول و قوانین رائے زنی کرنا ضروری سمجھتا ہے اور اپنی رائے کے خلاف کی تحمیق کرتا ہے واللہ اعلم۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۸۳

ایمان فرعون[1] کے بارے میں جو کچھ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے وہ جمہور کی رائے

---

[1] فرعون کے ایمان کے بارہ میں حضرت اقدس کی کیا رائے ہے، صاحب نصوص الحکم کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کا خاتمہ ایمان کیساتھ ہوا ہے، نیز حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی بھی اپنی شرح فصوص الحکم میں اسی کے قائل ہیں۔

کے خلاف ہے، استدلال کی سخافت سے شبہہ ہوتا ہے کہ غالباً یہ قول ان کا نہیں ہے بلکہ جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ ملاحدہ نے ان کی کتاب میں اپنی طرف سے زیادہ کر دیا ہے بہر حال جو کچھ بھی ہو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقالہ پر رد کے لیے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے، جس کو عرصہ ہوتا ہے میں نے مدینہ منورہ زید شرفا میں دیکھا تھا، یہ نہیں معلوم کہ وہ چھپ گیا ہے یا نہیں)

(۱) استدلال میں اولاً امرأۃ فرعون کا قول پیش کیا گیا ہے، مگر یہ استدلال نہایت کمزور ہے جس وقت یہ قول ان سے صادر ہوا اسوقت تک وہ خود بھی ایمان نہیں لائی تھیں پھر انکا عالم الغیب ہونا یا امور مستقبلہ پر مطلع ہونا کسی وقت میں بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ انکا کشف و الہام کسی زمانہ میں شرعی حجت ہو سکتا ہے، پھر کس طرح یہ قول قابل استدلال ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر محض ان کے قول کو نقل فرمایا ہے، اسکی تصحیح اور تصدیق نہیں فرمائی، یہ عادت خداوندی اقوال صحیحہ اور باطلہ دونوں میں جاری ہے، نیز قرۃ العین ہونا محبوبیت سے کنایہ ہے جو کہ أَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي (اور ڈالدی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے) کا نتیجہ تھا۔ اس لئے ہر مومن اور غیر مومن کے اس زمانہ طفولیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام محبوب اور قرۃ عین تھے، اس سے ایمان فرعون پر استدلال نہایت ہی کمزور ہے، بالخصوص جبکہ اس کے خلاف قواعد کلیہ اور آیات جزئیہ دونوں کھلے بندوں دلالت کر رہی ہوں۔

علی ہذا القیاس اس کو آیۃ قرار دینا بھی اسلام پر دال نہیں۔ ہر شی جس سے جناب باری عز اسمہ کے صفات و افعال و ذات پر کسی وجہ سے استدلال ہو سکتا ہو وہ آیۃ ہو سکتی ہے اس میں ذی روح ہونے کی شرط بھی نہیں ہے، چہ جائے کہ اسلام مشروط ہو۔

(قواعد کلیہ شرعیہ جو کہ قطعی طور پر اسکے بطلان کے شاہد ہیں)

| | |
|---|---|
| فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ | پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو بولے ہم یقین لائے |
| وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ | اللہ اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جن کو شریک بتلاتے تھے |

فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ (پ ۲۴ ع ۱۰)

پھر نہ ہوا کہ کام آئے ان کو یقین لانا انکا جس وقت دیکھ چکے ہمارا عذاب رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے اس کے بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر۔

اس آیت سے قاعدہ کلیہ اور سنت الٰہی کا پتہ چلتا ہے، کہ عذاب الٰہی کے دیکھنے کے بعد ایمان معتبر نہیں، دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَرْكُضُونَ ۝ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَمَا زَالَت تِّلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ

(انبیاء پ ۱۷ ع ۲)

پھر جب آہٹ پائی انہوں نے ہماری آفت کی تب لگے وہاں سے بھاگنے، مت بھاگو اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا، اور اپنے گھروں میں شاید تم کو کوئی پوچھے کہنے لگے ہائے خرابی ہماری ہم تھے گنہگار، پھر برابر یہی رہی انکی فریاد یہاں تک کہ ڈھیر کر دئے گئے کاٹ کر بجھے پڑے ہوئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ (پ ۱۱ ع ۱۰ - یونس)

سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر کام آتا ان کو ایمان لانا مگر یونس کی قوم، جب وہ ایمان لائی اٹھا لیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگانی میں اور فائدہ پہونچایا ہم نے ان کو ایک وقت تک۔

الغرض عذاب کے دیکھنے کے بعد ایمان لانا نفع نہیں دیتا، اس قاعدہ کلیہ سے صرف قوم یونس علیہ السلام کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، جس کی وجہ یہ تھی کہ حقیقۃً ان پر عذاب نہیں آیا تھا، بلکہ حضرت یونس علیہ السلام کی جلد بازی کی بنا پر صورت عذاب نمودار کی گئی تھی، ادہر حضرت یونس علیہ السلام پر اس جلد بازی پر عتابات متعددہ وارد کئے گئے، اسی قاعدہ کلیہ کو سورہ نساء میں مندرجہ ذیل کلمات کے ساتھ مشرح فرمایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا۔ (پ۴ ع ۳۴) | اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں برے کام یہانتک کہ جب سامنے آجاوے ان میں کسی کے موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ایسوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں حالت کفر میں، ان کے لئے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک ۔ |

جس نے صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ موت حاضر ہو جانے کے وقت میں (جب کہ علامات موت ظاہر ہو جائیں اور انسان کو عالم الغیب کی اشیاء دکھائی دینے لگے) توبہ مقبول نہیں ہے، نہ عذاب دنیوی دور ہوتا ہے اور نہ عذاب آخرت سے رستگاری ہوتی ہے، نیز ان آیات نے صاف طور پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ فرعون جس نے ادراک غرق اور عذاب الٰہی کے مشاہدہ کے بعد ایمان کے کلمات کہے وہ ایمان دار عند اللہ اور عند الشرع نہیں ہوا، اور اس کی توبہ مقبول نہیں ہوئی، ادراک غرق کا مرتبہ تو رویت عذاب الٰہی اور رویت یاس خداوندی سے بعد کا ہے جبکہ رویت ہی سے ایمان کا نفع دینا ممنوع ہو جاتا ہے، تو ادراک عذاب بدرجہ اولی ممنوع ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون اور فرعونیوں کے لئے بددعا میں ارشاد فرمانا فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ خود اس کے لئے شاہد عدل ہے، اگر ایسے وقت میں ایمان نافع ہوتا تو اس بدعا کے کوئی معنی نہیں تھے، حالانکہ یہ دعا مقبول ہوئی اور فرمایا گیا قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا ۔ اور اس بدعا کا بھی اثر تھا کہ فرعون نے مرتے وقت تک ایمان قبول نہ کیا، بہرحال ان آیات سے جو حکم اور قاعدہ خداوندی مفہوم ہوتا ہے وہ نہایت قوی ہے، اور فصوص الحکم میں جو استدلال ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کوئی بھی وقعت اور قوت نہیں رکھتا، غور فرمائیے۔

(فرعون کے متعلق آیات خصوصیہ بھی جمہور ہی کی تائید کرتی ہیں)

سورہ ہود (علیہ السلام) رکوع ۹ میں فرمایا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ۔

اور البتہ ہم بھیج چکے ہیں موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح سند دیکر فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ کام کی، آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچایگا ان کو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہاں میں لعنت اور دن قیامت کے بھی برا انعام ہے جو ان کو ملا۔

آیات مذکورہ بالا میں یَقْدُمُ قَوْمَہٗ الخ کے جملہ پر غور کریں، اگر اس کا ایمان عند اللہ معتبر ہوتا ہے تو دوزخ کے وارد کرنے میں وہ سب سے آگے آگے کیوں ہوتا اور دنیا و آخرت میں لعنت کیوں اس پر کی جاتی، بالخصوص صاحب فصوص رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی بنا پر فقبضہ طاہرا مطہرا لیس فیہ شئ من الخبث لانہ قبضہ عند ایمانہ قبل ان یکتسب شیئا من الآثام والاسلام یجب ما قبلہ (فرعون دنیا سے طاہر اور مطہر اس کے اندر کوئی گناہ نہیں رہا کیونکہ اس کی موت قبل اس کے کہ کچھ گناہ کرے ایمان کے ساتھ ہوگئی اور اسلام ماقبل گناہوں کو محو اور قطع کر دیتا ہے) تو اس آیت کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے اور بالکل ہی مناقضہ لازم آتا ہے۔

(نوٹ) یہ تاویل کرنا کہ ضمیریں صرف ملاء کی طرف راجع ہیں، فرعون اس میں داخل نہیں ہے، خلاف عربیت اور خلاف لسان عربی ہے، بالخصوص جبکہ یقدم اور قومہ کی ضمیر خصوصیت کے ساتھ فرعون ہی کی طرف راجع ہوتی ہے، اس لئے آئندہ کی ضمیریں مجموعہ کی طرف ہی عائد ہونگی۔

نیز یہ تاویل کہ وہ اپنی قوم کو داخل فی النار کرادیگا مگر خود داخل نہیں ہوگا، بالکل غلط ہے، اگر اس کا امر بالمعصیت معصیت نہیں رہا تھا اور اسلام نے حسب ارشاد یجب ما قبلہ گذشتہ کو محو کر دیا تھا تو پھر یہ جزا یقدم قومہ الخ کیوں دی گئی، اور وہ اگوا کار کیوں بنایا گیا، اور جب کہ وہ طاہر اور مطہر لیس فیہ شئ من الخبث ہے تو قیامت میں یہ معاملہ کیوں ہے ایسے لوگوں کے لئے تو

ارشاد کیا گیا ہے لا یسمعون حسیسہا، نیز دوزخ کی گرمی اور تغیظ زفیر وشہیق وغیرہ مسیرۃ سبعین سنۃ تک پہنچتی ہے، کیا اس ایراد قوم میں وہ عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا۔

سورہ قصص رکوع ۴ پارہ ۲۰ میں ہے،

| | |
|---|---|
| وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ | اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق |
| بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ | اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئیں گے، پھر پکڑا ہم نے |
| فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ | اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر پھینک دیا ہم نے ان کو |
| فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ وَجَعَلْنَا | دریا میں سو دیکھ لیا کیسا انجام ہوا گنہگاروں کا اور کیا ہم نے |
| هُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ | ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور قیامت |
| لَا يُنْصَرُونَ وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا | کے دن ان کو مدد نہ ملے گی اور پیچھے رکھدی ہم نے ان پر اس |
| لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ | دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن ان پر برائی ہے، |

ان آیات میں غور فرمایئے، استکبار کی معصیت ہیں فرعون کی نسبت خاص طور پر ذکر کی گئی ہے، اور پھر بعد کی ضمیریں مجموعہ کی طرف عائد کی جا رہی ہیں، نیز ائمۃ یدعون الی النار کا حقیقی مصداق خود فرعون ہوتا ہے، اس کے ملاء کے لوگ تو ثانیاً و بالعرض ہوں گے، اور ان سب کو قیامت میں مقبوح فرماتے ہیں، کیا ایمان اور اس کے آثار کے ہوتے ہوئے یہ جزائیں مترتب ہو سکتی ہیں: آیت

| | |
|---|---|
| فَوَقَاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ | پھر بچا لیا موسیٰ کو اللہ نے برے داؤں سے جو وہ کرتے |
| بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ النَّارُ يُعْرَضُونَ | تھے اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب |
| عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ | وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ان کو صبح اور شام اور |
| أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ | جس دن قائم ہوگی قیامت حکم ہوگا داخل کرو فرعون |
| (مومن ۴۴) | والوں کو سخت سے سخت عذاب میں۔ |

میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاویل کہ آل فرعون میں خود فرعون داخل نہیں ہے۔ قرآن کی محاورہ

کے خلاف ہے، فرمایا جاتا ہے اعملوا آل داؤد شکرا الآیۃ میں بالاتفاق حضرت داؤد علیہ السلام مخاطب ہیں، اسی طرح آیت ولقد اخذنا آل فرعون بالسنین الآیۃ (سورہ اعراف) میں فرعون بھی بالاتفاق اس مواخذہ میں داخل ہے۔

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے پایہ کے بزرگ ہیں اور بہت بڑے محقق ہیں اسلئے یہ قول یا تو درحقیقت ان کا ہے ہی نہیں، بلکہ ان کی تصانیف میں ملاحدہ نے چھپا کر کے داخل کر دیا ہے، جیسا کہ امام العارفین شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے، اور اگر ان کا قول ہی ہو تو یقیناً اس میں ان سے خطا ہوئی ہے، وہ بڑے ہیں مگر معصوم نہیں ہیں، اس لئے جمہور کا قول صحیح ہے۔

حدیث قوی میں وارد ہے کہ اس کے اس قول کے وقت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریا میں سے گارا نکال کر اس کے منہ میں بھر دیا کہ کہیں رحمت خداوندی اسکی نگران کار نہ بنجائے (مخافۃ ان تدرکہ الرحمۃ) یہ فعل ان کا یقیناً بغض فی اللہ ہی کی بناء پر ہو سکتا ہے، جو کہ اعلیٰ درجات ایمان میں سے ہے، مگر جو ہستی کہ لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون کے مصادیق کی امام اور عند ذی العرش مکین مطاع اور امین ہو، بغیر مرضی خداوندی کب ایسا فعل یا درعمل کرسکتی ہے لہذا یہ جملہ تاویلات غیر مرضی اور غیر قابل التفات ہیں، قدرۃ خداوندی میں کلام نہیں وقعات سے بحث ہے، واللہ اعلم، رحمت الٰہی کی وسعت اور نصوص سے معلوم ہوتی ہے اسی پر منحصر نہیں ہے

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۴۸

جو حالت لرزہ کی بدن میں بعض اوقات نماز وغیرہ میں پیدا ہوتی ہے بہت مبارک اور امید افزا ہے، اللہ تعالیٰ اور ترقی عنایت فرمائے، ہمیشہ ذکر کی مداومت کا خیال رکھو، مندرجہ ذیل امور کی زیادتی کر دیجئے۔

(۱) اثنائے ذکر میں ہر سو مرتبہ کے بعد دل لگا کر مندرجہ ذیل دعا پڑھا کیجئے۔

(اللھم انت مقصودی ترکت الدنیا والاخرۃ ومافیھا لاجلک فامنن علی بوصالک التام ورضاک الکامل۔

(۲) دو ہزار مرتبہ روزانہ ذکر قلبی کیا کیجئے، قلب بائیں پستان کے چار انگل نیچے واقع ہے خیال کیجئے کہ اسم ذات (اللہ) قلب سے نکل رہا ہے، زبان کو حرکت نہ ہو، اور انگلیوں سے تسبیح کے دانوں پر اس ذکر خیالی قلبی کو شمار کرتے جائیں، خواہ ایک مجلس میں یا چند مجلسوں میں، یہ مقدار دو ہزار کی روز و شب میں پوری کر لیا کیجئے، باوضو قبلہ رو ہونا چاہئے، اس مقدار میں کمی نہ ہو، اور یہ بھی دھیان رہے کہ محبوب حقیقی صرف ذات وحدہ لا شریک لہ ہے، حسب قاعدہ من احب شیئاً اکثر ذکرہ اس بے تابی کے ساتھ قلب اس کو یاد کر رہا ہے۔

(۳) جہاں تک ممکن ہو اتباع سنت کا جملہ امور میں خیال رکھئے۔

دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیے، والسلام

خواجہ صاحب اور مولوی محمد صاحب اور دیگر واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہدیجئے

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

# مکتوب نمبر ۸۵

والانامہ شیخ ولی محمد صاحب کے قاصد کے ذریعہ سے پہنچا تھا، اسی روز منگل کو عریضہ ارسال کرنے کے بعد ہی شیخ صاحب کا مراسلہ پانوں کا پہنچ گیا تھا، اس میں کیوڑہ کے عرق کی بوتل بھی تھی شیخ صاحب کو رسید مع شکریہ تحریر فرمائیں۔

مرسلہ سوالات کے جوابات مختصر ارسال ہیں، بعد کو میری سمجھ میں آیا کہ احوال قلمبند کر دیے جائیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر اسلاف نے بھی ایسا کیا ہے اور اہل زمانہ بھی ایسا کر رہے ہیں، نیز اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ احباب بہت سے غیر واقعی چیزیں محبت

ہیں لکھا کرتے ہیں، اور اعداء بہت سے مثالب عداوت میں غیر واقعی لکھدیتے ہیں، دونوں سے فی الجملہ نجات ہو جائے گی، بنا بریں میں نے تفصیلات کچھ قلمبند کرنا شروع کیا ہے، اگر کسی قابل ہو گیا تو پیش کروں گا۔

تاریخ افکار سیاسیات اسلامیہ[1] دیکھی، اس کو دیکھ کر مجھے صدمہ ہوا لعن آخر ہذہ الامۃ اولہا کی یاد تازہ ہوگئی، مصنف بلسان حال کہہ رہا ہے مسلمانان در دوزخ و مسلمانی در ہوا پہلوں کے قول مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب کی پوری اصلاح و ترمیم کر دی گئی ہے جو فوٹو اسلام اور حاملین اسلام کا اس کتاب میں کھینچا گیا ہے اس نے ملاحدہ، دہریہ، آریہ، مخالفین اسلام و مذہبیت کیلئے پورا مواد اور ہتھیار مہیا کر دیا ہے، بارہ تیرہ سو برس سے اسلام اس بھیانک صورت پر ہے پھر کس منہ اور کس زبان سے کسی کو اسلام کی طرف بلایا جا سکتا ہے، ہر طبقہ و ہر شعبہ حاملین اور حفاظ اسلام کا جاہل، محرف، کذاب، غلط رو ضال و مضل وغیرہ وغیرہ ہے، والعیاذ باللہ، راوی اور شہود کی ضلالت اور تحریف سے نفس مروی کا غلط ہونا معلوم ہی ہے، ماشاء اللہ اسلام کی جڑ خوب کھودی اور کاٹی گئی ہے۔

یہاں بحمد اللہ خیر و عافیت ہے، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، مولانا محمد صاحب اور دیگر پرسان حال حضرات سے سلام مسنون عرض کر دیں، والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔

---

[1] یہ کتاب جناب عبدالوحید خانصاحب بی، اے، ایل ایل بی کی تالیف ہے، تقریظ استاذی مولانا عبید اللہ سندھی کی ہے، دیباچہ مولانا حافظ اسلم صاحب جیراجپوری اور دوسرا دیباچہ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا ہے، تقریب پرویز صاحب خود دیباچہ مصنف نے لکھی ہے اول الذکر ہر سہ بزرگوں نے کچھ اشارات فرمائے ہیں جس سے مؤلف کی غلط روی کا سراغ ملتا ہے، حالانکہ ضرورت تھی کہ اس طرح کی کتابوں کی ستائش کے بجائے اس کی پوری اصلاح کر دیجاتی، مؤلف کے گمراہ قلم کی مثالوں سے کتاب بھری ہوئی ہے، اور کہنا پڑتا ہے تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم " ہندوستان میں ایک خاص قسم کا گروہ پیدا ہو گیا ہے (باقی ص ۲۲۲ پر)

# مکتوب نمبر ۸۶

امور مسئولہ عنہا کے جوابات ذیل میں مندرج ہیں۔

(۱) و نیز باید دانست کہ بعضے از مفسرین قدر را بمعنی تقدیر گرفتہ اند و گفتہ اند کہ دریں شب ارزاق و آجال و مصائب و اعمال و دیگر حوادث عالم کون و فساد مقدر می شود و از لوح محفوظ بملائکہ نسخہائے امور متعلقہ بانہا نقل کردہ حوالہ می گردد تا بر طبق آن در تمام سال عمل نمایند لیکن اصح آنست کہ ایں تقدیر در نصف شعبان است کہ آنرا شب برات نامند اگرچہ بعضے ائمہ تابعین چنیں گفتہ اند کہ نقل نسخہا در آن شب شروع میشود و دریں شب بمتصدیان تسلیم می نمایند پس ابتدائے تقدیر در شب برات است و انتہائے آن دریں شب است و تحقیق ہمان است کہ مذکور شد۔ (تفسیر عزیزی سورہ قدر صفحہ ۲۵۶)

اور جاننا چاہیئے کہ بعض مفسرین نے قدر کو تقدیر کے معنی میں لیا ہے اور کہا ہے کہ اس شب کے اندر روزی موت، مصیبت، اعمال اور دوسرے حوادثات جو دنیا میں ہونے والے ہیں مقدر ہوتے اور لوح محفوظ سے ملائکہ کو ان کے کاموں کی نقل کر کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں، تاکہ اسی کے مطابق تمام سال عملدرآمد کرتے رہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ تقدیر شعبان کی پندرہویں میں ہوتی ہے، جسکو شب برات کہتے ہیں، اگرچہ بعض تابعین نے تاویل یہ کی ہے کہ پرچوں کی نقل اس رات کو شروع ہوتی ہے اور اس شب میں پیشکاروں کو حوالہ کر دیتے ہیں پس شروع تقدیر شب برات میں ہے اور اسکا آخر اس رمضان کی راتیں ہیں، اور تحقیق وہی ہے جو گذری۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۱) جسکا کام یہ ہے کہ تاریخ کو مسخ کیسے اور بزرگوں کے دوش بدوش لیسوں کو کھڑا کرے جنکی زندگیاں تاریخ اور قربانیوں سے خالی ہوں اس کتاب کو بھی مثال میں رکھ لیجئے، اور اسیطرح جناب کرام صاحب کی آب کوثر جسمیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب و غیرہم ائمہ دین کے مقابل ڈاکٹر اقبال مرحوم کو کھڑا کر دیا گیا ہے، مانا کہ اقبال فلسفی سہی مگر یہ کیا ظلم ہے کہ جو اقبال خود سلف کا خوشہ چین اور حضرت نور شاہ عبد الرحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کرنے والا ہو اسکو شاہ عبد الحق و شاہ ولی اللہ بنا کر پیش کر دیا گیا، یہ افراتفری مفید نہیں، بلکہ سخت مضر ہے، تاریخ افکار سیاسیات بھی اسی طرح کی ہے، انشاء اللہ کسی دوسری صحبت میں اس کی ذواب کشائی کی تقریب منائی جائے گی۔ (اصلاحی)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۸۶) شب برات کے اعمال کیا ہیں؟

(۲) و در قرآن مجید نزول قرآن را
مورخ فرموده اند بوقت شہر رمضان، و شب قدر
و شب مبارک کہ نزد اکثر علمار عبارت است از
شب برات کہ پانزدہم شعبان است پس تطبیق
دریں امر واقعی و ایں تعبیرات متخالفہ چگونہ درست
آید، آنچہ بعد از تنقیح معلوم شد آن است کہ
نزول قرآن از لوح محفوظ در مقام بیت العزت
کہ بقعہ ایست از آسمان دنیا محفوف است
بملائکہ ذی قدر در شب قدر است کہ در ماہ رمضان
واقع است و تقدیر نزول قرآن حکم فرمودن
حافظان لوح را کہ نسخہ آں را نقل کردہ بآسمان
دنیا رسانند در شب برات ہماں سال بود پس
ہر سہ تعبیر درست افتاد و نزول حقیقی در شب قدر
از ماہ رمضان واقع شد و نزول تقدیری پیش
ازان در شب برات و نزول قرآن بزبان پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم در ماہ ربیع الاول سر سال
چہلم است و اتمام نزول آن در بقیۃ العمر
پس تعارضے نماند (تفسیر عزیزی سورہ قدر صفحہ ۲۶۰)

(۳) دریں جا ہم باید شنید کہ اتباع پیغمبر
را صلی اللہ علیہ وسلم مراتب است و دران افراط
و تفریط واقع می شود ہر چند دران افراط

(۲) مورخین نے نزول قرآن مجید کو تین وقتوں میں مانا ہے
رمضان المبارک، شب قدر اور شب مبارک جو کہ اکثر
علما کے نزدیک شب برات سے تعبیر کیجاتی ہے جو پندرہویں
شعبان ہے، پس اس امر واقعی میں توفیق کی کیا صورت ہے
اور توجیہات جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکر ٹھیک
ہوسکتی ہیں، تتبع اور تنقیح کے بعد جو چیز سامنے آتی ہے
وہ یہ ہے کہ قرآن کا نزول لوح محفوظ سے مقام بیت العزت
میں جو کہ آسمان دنیا میں ایک جگہ ہے بڑے درجہ کے فرشتوں
سے گھری ہوئی شب قدر میں ہوا جو رمضان کے مہینہ میں
واقع ہے اور نزول قرآن کی تقدیر اور محافظین کو حکم دینا
کہ اس نسخہ کو نقل کر کے آسمان دنیا پر پہنچائیں شب برات
میں ہوئی جو اسی سال تھی پس تینوں تعبیرات صحیح ہوگئیں
لہذا نزول حقیقی رمضان المبارک کے مہینہ شب قدر
میں ہوا، اور نزول تقدیری اس سے پہلے شب برات
میں اور پیغمبر صلعم کی زبان پر نزول قرآن ربیع الاول
کے مہینہ میں جو شروع نبوت کا چالیسواں سال ہے
اور پھر پورا پورا نزول قرآن آپ کی باقی ماندہ عمر میں
ہوتا رہا، لہذا کوئی تعارض نہیں رہ گیا۔

(۳) غور سے سننا چاہیے کہ آنحضرت صلعم کی پیروی کے
درجے ہیں، جسمیں کمی اور زیادتی ہوجاتی ہے، اگرچہ یہ
افراط تفریط زیادہ بری نہیں تاہم جو چیز اعتدال کیساتھ

وتفریط قبیح بود لیکن ہرچہ برجادہ اعتدال
است بلاریب افضل است ازجانبین افراط
وتفریط، پس ادعیہ کہ درحق اموات دروقت
حضور قبور یا غیبت آن بوضعی کہ ازجناب
رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم مروی وثابت شدہ
بہمان وضع اگر بوقوع آید افضل است از
اوضاع دیگر۔ مثلاً آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم
درشب برات تنہا بے اطلاع واعلام احدے
دربقیع تشریف بردند ودعا فرمودند وکسی را
ازصحابہ امر نفرمودند کہ دریں شب برمقام باید
رفت ودعا باید کرد چہ جائے کہ تاکید کردہ باشند
پس الحال اگر کسے اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
منظور داشتہ درشب برات درمقبرہ مجمع صلحا نمودہ
ادعیہ وافرہ کند اورا بمخالفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
ملام کردن نمی رسد لیکن ایں قدر باید فہمید کہ ایں
امر شدہ شدہ برسم انجامیدہ حقیقت کار دران
باقی نہ خواہد ماند، ومثال موضح ایں بیان است
مسئلہ فقہیہ کہ جماعت نفل مکروہ نیست اگر
تداعی باشد مکروہ است۔ (صراط مستقیم صفحہ ۵۴، ۵۵)

ہوگی وہ یقیناً اس فراتفری سے افضل ہوگی پس
دعائیں جو مردوں کے بارہ میں قبروں کے سامنے
یا قبروں کی عدم موجودگی میں آنحضرت صلعم سے جس
طرح مروی اور ثابت ہیں اگر اسی طرح اسکو عمل میں
لایا جائے تو یہ طریقہ دوسرے طریقوں سے افضل
بہتر ہوگا، مثال کے طور پر آنحضرت صلعم کا شبرات میں
چپکے سے اٹھکر بغیر اطلاع بقیع میں تشریف لیجانا اور دعا فرمانا
اور پھر صحابہ میں سے کسی کو حکم نہ دینا کہ اس رات کو قبرستان
میں جانا چاہیئے اور دعا کرنا چاہیئے، لہذا اگر کوئی شخص اتباع
نبوی کو مد نظر رکھکر شب برات میں قبرستان کے اندر صلحا کا
مجمع کر کے زیادہ دعائیں کرے تو مانا کہ اسکو مخالفت
آنحضرت صلعم سے تعبیر کرنا اور ملامت کرنا نہ کہا جائیگا، لیکن اتنا ضرور
سمجھنا چاہیئے کہ یہ بات آہستہ آہستہ رسم بنجائے گی
اور حقیقت اس کے اندر سے جاتی رہے گی
اس بیان کی تائید اس مسئلہ فقہیہ سے ہوتی ہے
کہ جماعت سے نفل نماز مکروہ نہیں ہے لیکن
اگر التزام کر کے ادا کی جایا کرے تو فقہاء
اسکو مکروہ کہتے ہیں۔ ......
........

مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہوگیا کہ شب برات ایک مبارک رات ہے اور راجح یہی ہے
کہ سورہ دخان کی آیت

| | |
|---|---|
| إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ | ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں ہم ہیں کہ سنانے والے، اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا حکم ہو کر ہمارے پاس سے، ہم ہیں بھیجنے والے رحمت سے تیرے رب کی، وہی سننے اور جاننے والا ہے |

سے مراد ارجح الاقوال پر یہی شب برات ہے، اس رات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بقیع میں تشریف لیجا کر اہل بقیع کیلئے دعا فرمائیں چنانچہ حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغیر خبر کئے ہوئے دبے پاؤں نکل کر بقیع میں گئے اور اہل بقیع (مقبرۂ مدینہ منورہ) کے لئے دعا فرمائی، اس دن کیلئے روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے، اسلئے اگر ہو سکے تو ۱۴- اور ۱۵ کو روزہ رکھیں، اور درمیانی شب میں جس قدر ممکن ہو نوافل اور ذکر و تسبیح سے اس شب کو معمور کریں اور بلا اجتماع مقبرہ میں جایا کریں اہل قبور کے لئے دعا کریں، ان اعمال کے علاوہ بدعات سیئہ[1] اور قبائح ہیں۔

---

لہ امت محمدیہ صلعم کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے، اس میں جہاں رخنہ ہوا مذہب کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، شرک و بدعت کی تولید اکثر مذہبی عظمت، تمول و سرمایہ داری سے ہوتی ہی جسکے مظاہر صحابہ کرام کے زمانہ میں نہایت کثرت سے موجود تھے، لیکن جب کبھی صحابہ کرام کو خطرہ ہوا کہ اس عظمت کا عملی اعتراف شرک و بدعت کی صورت اختیار کرے گا تو فوراً اس کی مخالفت کی، اس لئے کہ عقائد و اعمال کی تجدید اور مذہب و اخلاق کی اصلاح صحابہ کرام اور آپ کے جانشینوں کا سب سے اہم فریضہ تھا، اس لئے اور بھی کہ بنی آدم کی بھوکی روح کو مضر اور بدترین غذاؤں کی طرف بڑھنے دیا جائے تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ مفید اور پاکیزہ غذاؤں سے محروم ہو جائیں گی بدعات ایک بدترین غذا ہیں، جو اس کو اختیار کرے گا وہ انبیاء علیہم السلام کی ستھری اور مفید غذاؤں سے نہ صرف محروم بلکہ نفرت کرنے لگے گا، اور توبہ سے عجیب کیا محروم رہ جائے کیونکہ صادق مصدوق کا ارشاد ہے کبھی کسی قوم نے بدعت ایجاد نہیں کی کہ خدا نے ایک ویسی ہی سنت سے اسے محروم نہ کر دیا ہو، نتیجہ یہ نکلا کہ جس دل میں بدعت کا کوئی رشتہ لگا ہوا ہے، اسلامی عظمت اور (باقی ۲۳۶ صفحہ پر)

(۲ - الف) ابوداؤد کی روایت میں رد اللہ علی روحی فرمایا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں ما من مسلم یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی اسلم علیہ اوکما قال، اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا، تو

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۵) اتباع سنت کی برکات کی کمی بھی اس کے اندر لازمی ہے۔ اس لئے بانی اسلام نے اپنے مذہب کو تحریف سے محفوظ رکھنے کے لئے بدعات پر شدت سے نکیر کی، کتاب وسنت اس پر گواہ ہیں، چنانچہ صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین ومحدثین اکابر صوفیہ وجمہور مفسرین اور تمام اہل حق کا اجماعی مسئلہ ہوگیا ہے کہ بدعات ومحدثات کا ارتکاب گناہ اور ایجاد کرنا تحریف دین کے مرادف ہے اور ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم ہے، نہ اس کے فرائض قبول نہ نوافل بلکہ اللہ ملائکہ اور تمام لوگوں کی اس پر لعنت ہے، خوب سمجھ لیا جائے کہ بدعت ایک شرعی اصطلاح ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ مذہب کے عقائد یا اعمال میں کوئی ایسی بات داخل ہو جائے جس کی تلقین صاحب مذہب نے نہ فرمائی ہو اور نہ ان کے کسی حکم یا فعل سے اس کا منشا ظاہر ہو یا یوں سمجھو کہ دین میں دین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا بدعت ہے، نہ کہ مقاصد دین کے لئے تجربہ وغیرہ کی بنا پر کسی چیز کا اختیار کرنا اس تعریف کی رو سے قرآن کا جمع کرنا سورتوں کی ترتیب، نماز تراویح، ہیئت مخصوصہ کے ساتھ اعراب قرآن مجید، اہل باطل سے مناظرہ دلائل نقلیہ کیساتھ حدیث وفقہ کی کتابوں کی تصنیف قواعد نحو، رجال اور استنباط احکام فقہی، مدارس اور مدارس کا قیام، گیہوں اور میدے کی روٹی کھانا، شادی میں پلاؤ پکانا وغیرہ، ان پر لغوی اعتبار سے بدعت کا اطلاق بادی النظر میں ہوتا ہے، لیکن بقول علامہ دقیق العیدؒ ان میں سے کوئی چیز بدعت نہیں، بلکہ اکثر ملحق بالسنۃ ہیں، یا تو ایسی ہیں کہ ان کے کرنے کا حکم صاحب شریعت ہی سے سمجھا جاتا ہے، اس لئے حسنہ اور سیئہ کی تقسیم ایک فقہی تقسیم ہے، صاحب شریعت نے تو ہر بدعت کو گمراہی فرمایا ہے، پس جسکو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے فی الحقیقت وہ بدعت ہی نہیں، کیونکہ بدعت شرعیہ بجمیع افراد مذموم ہے، اس نکتے کو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب سمجھا ہے آپ کے سارے مکتوبات رد بدعت پر حجۃ بالغہ ہیں فرماتے ہیں "فقیر در ہیچ بدعتے ازیں بدعتہا حسن ونورانیت مشاہدہ نمی کند وجز ظلمت وکدورت احساس نمی نماید الخ" فقیر ان بدعتوں میں سے کسی میں خوبی اور روشنی نہیں دیکھتا ہے اور سوائے تاریکی اور تیرگی کے کوئی چیز محسوس نہیں ہوتی الخ، لہذا رسول اللہ صلعم کے ارشاد کل محدثات بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ سے تمام بدعات سے بچنا چاہیئے اور منطقی طور پر اس حدیث سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ کل محدثات ضلالۃ اور یہ بات بدیہی ہے کہ لاشئ من الضلالۃ بھدایۃ فلاشئ من المحدثات بھدایۃ، اور اس حدیث میں لفظ کل افرادی ہے نہ کہ مجموعی، اس لئے ہر بدعت گمراہی ہوگی، چنانچہ حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں ان القول لایقبل مالم یعمل بہ وکلاھما لایقبلان بدون النیۃ والقول والعمل والنیۃ لایقبل مالم توافق السنۃ (ریاض المرتاض) مفہوم یہ ہے کہ قول بلا عمل کے قبول نہ کیا جائیگا اور قول اور عمل بغیر نیت کے غیر مقبول اور اسی طرح قول، عمل اور نیت جبتک سنت نبوی صلعم کے مطابق نہ ہوں مقبول نہ ہوں گی، پس وہ اعمال جو سنت کے مطابق ادا نہ کئے جائیں (باقی ص ۲۲۷ پر)

آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے الیٰ اور علیٰ کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا، علیٰ استعلاء کے لئے ہے اور الیٰ نہایت طرف کے لئے ہے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے

---

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۶) مقبول نہ ہوں گے تو پھر ثواب کہاں سے ہو سکتا ہے، خوب سمجھ لیا جائے، بدعت ایک طاعون ہے اور بدعتی وہ چوہا ہے جو اس وبا کے جراثیم لئے پھرتا ہے اس لئے بدعت کو پرورش کرنا ساری بستی کو تباہ کرنا ہے، آنحضرت صلعم تو اپنے حکیمانہ فقرہ میں یہانتک فیصلہ سنا دیتے ہیں کہ جس شخص نے کسی صاحب بدعت کی تعظیم وتوقیر کی وہ در اصل اسلام کی عمارت ڈھانے میں مددگار رہا" (معاذ اللہ) اس نکتہ کو متقدمین صوفیہ نے سمجھا، چنانچہ ابو محمد سہل بن عبد اللہ تستریؒ جو ذو النون مصری رح کے خلیفہ ہیں فرماتے ہیں "جس کا ایمان وتوحید خالص ہے وہ کسی مبتدع (بدعتی) سے انس نہیں رکھ سکتا" یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے۔ "جو بدعتی سے دوستی رکھتا ہے اس سے سنت علیحدہ ہو جاتی ہے، اور جو بدعتی کیساتھ ہنسے گا اس سے اللہ تعالیٰ ایمان چھین لیگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ محبت اور تعظیم رسول وہی معتبر اور قبول ہوگی جس طرح اللہ کے رسول نے محبت کرنیکا سلیقہ بتایا اور تعظیم کا حکم دیا ہے۔ اصحاب رسول صلعم کی زندگیاں ہمارے لئے مزید شمع راہ ہیں، ان کے جیسی محبت اور تعظیم کسی نے کی ہو اور نہ کر سکتا ہے، صحابہ نے سمجھا تھا کہ آپ کے اندر اتنی محبوبیت ہے کہ جو شخص آپکی اتباع کرتا ہے وہ بھی محبوب بنجاتا ہے، مدارج کی ترقی، مراتب کی بلندی اور ولایت کے مقامات تک رسائی بدون پیروی سنت نبوی صلعم غیر ممکن بلکہ محال ہے ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

ایک شبہ ناشی ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں باحیات ہیں یہی ہمارا عقیدہ ہے پھر سلام کا جواب دینے کے لئے روح کا واپس آنے کے کیا معنی؟ ابن قدامہ نے احمد سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ما من احد یسلم عند قبری الحدیث کی بنا پر آنحضرت صلعم کا زائر کے سلام کا جواب دینا یقینی اور متفق علیہ ہے اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے، مگر بعض روایات کی بنا پر علماء نے جمع کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی طرف بذریعہ ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماعت بھی ہوتی ہے، لہذا قریب سے صلوٰۃ وسلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ زائر کی آواز کا آنحضرت صلعم کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑی شرف وعجب کی بات ہے، اس گرامی نامہ میں حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے جو خاص تحقیق فرمائی ہے وہ اپنی جگہ پر ایسی تحقیق ہے جو عرفا اور کاملین ہی کا حصہ ہے اور اہل نظر کیلئے اسمیں کچھ ہے جو دوسری جگہ سننے میں آئیگا۔ بقول خواجہ نقشامی۔ صحبت نیکاں زجہاں دور شد — خانہ عسل خانہ زنبور شد

خواجہ صاحب عام حالت کہہ گئے ہیں، مگر خواص بقول شیخ احمد عبد الحق اس میں نہیں ہیں بلکہ انکو آنحضرت صلعم کی صحبت گویا ایسی حاصل ہوتی ہے جسطرح صحابہ کو حاصل تھی، ہمارے حضرت بھی تو ارباب حال (درجان) الحال میں سے ہیں یہ مکتوب سامی گواہ ہے۔ (ع صلاحی)

پہلے روح کا استعلار نہ تھا، نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی، اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے۔

چونکہ آنحضرت علیہ السلام مدارج قرب و معرفت میں ہر وقت ترقی پذیر ہیں، اسلئے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کر دیتا ہے، چنانچہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہد ہوتی ہیں، مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنایا گیا ہے اس لئے بارگاہ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لئے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطا فرمائی گئی کہ خود سرور کائنات علیہ السلام کو اس استغراق سے منقطع کرکے درود والے کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے، اور آپ اس کے لئے متوجہ ہو کر دعا فرماتے ہیں۔

(ب) اگر بالفرض وہی معنی لئے جائیں جو آپ سمجھے ہیں اور علی اور الیٰ میں کوئی فرق نہ کیا جائے تب بھی یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو، اس لئے دوام حیات لازم آئے گا۔

(ج) سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ (قطب العصر) کے مجموعہ ملفوظات مسمی بہ ابریز میں درج ہے کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ سینۂ مبارکہ میں سے نہایت باریک دھاگے نورانی بیشمار نکلے ہوئے ہیں اور ہر مسلمان کے قلب کے ساتھ ایک ایک دھاگے کا تعلق ہے، اور اسی تعلق کی بنا پر وہ اسلام اور ایمان پر ثابت ہے، اگر وہ منقطع ہو جائے تو ایمان باقی نہیں رہ سکتا، اس کشف پر متعدد اہل عصر نے انکار کیا تو سیدی عبدالعزیز نے کہا کہ اچھا مجھکو اجازت دو کہ میں تم لوگوں کے دھاگے کو توڑ دوں اور تمھارے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں حائل ہو جاؤں، انہوں نے کہا کہ آپ ضرور یہ کریں، چنانچہ سیدی عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیا تو وہ لوگ اسلام پر قایم نہ رہ سکے، کوئی یہودی کوئی نصرانی کوئی دھریہ

ہوگیا، معاذ اللہ- بناءً علی ذلک حدیث مذکور کے معنی یہ ہونگے کہ وہ شعبہ جو کہ اس درود بھیجنے والے سے تعلق رکھتا تھا، اس کی طرف روح پرفتوح کی توجہ شدید ہو جاتی ہے اور آنجناب علیہ السلام اس کی طرف مزید اور خصوصی توجہ فرماکر دعا فرماتے ہیں۔

(د) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ آب حیاۃ صفحہ ۲۳۱ میں اس پر طویل بحث کی ہے جو کہ وقت مضمون اور طوال کی وجہ سے اس وقت نقل نہیں کی جاسکتی، البتہ اس کے خلاصہ کو نقل کرتا ہوں۔

اس صورت میں معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پرفتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالےٰ وتجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت ومحبیت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے، ہوش عطا فرمادیتا ہے یعنی مبدأ انکشاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مبدل بانقباض ہوجاتا ہے، اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے، اور اپنی ذات اور صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات وصفات سے اطلاع حاصل ہوجاتی ہے سو چونکہ سلام اتیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں اس لئے اس سے مطلع ہوکر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں، اس صورت میں اثبات حیاۃ اور دفع مظنہ ممات یعنی انقطاع تعلق حیات کے لئے جواب میں اور تکلفات کی حاجت نہ رہے گی، قطع نظر تصدیق وجدانی کے جو واقفان حقیقت مبدأ انکشاف کو حاصل ہے، لفظ رد جو خود حدیث میں موجود ہے اسپر شاہد ہے، ہاں ایک شبہہ باقی ہے وہ یہ کہ ایک جہاں آپ کا شیدائی ہے، کوئی دم ایسا نہ گزرتا ہوگا جو کوئی آپ پر سلام نہ عرض کرتا ہو، اس صورت میں استغراق برائے نام ہی رہا، بلکہ یوں کہو کہ درپردہ اس کا انکار کرنا پڑا۔ یہ شبہہ ایسا ہے کہ اور مجیبوں کے جواب پر تو اس کا زوال مشکل ہے، ہاں بطور احقر البتہ اس کا جواب سہل ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ روح پرفتوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جب منبع اور اصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مومنین امت ٹھہری تو جونسا امتی

آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ ہوٹے گا ارتداد جملہ شعب لازم نہیں، اور ظاہر ہے اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا، آخر شعب غیر متناہیہ اور ہیں' الخ ص ۲۳۴

(۳) ملائکہ سیاحین کی روایت فقط ابن حبان ہی کی نہیں صحاح میں بھی متعدد طرق سے موجود ہے۔[1] القول البدیع فی صلوٰۃ علی الحبیب الشفیع (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ میں روایت قوی نقل کی گئی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ میں جب بھی مواجہہ شریفہ میں مزار اقدس پر حاضر ہوا روح پر فتوح علیہ السلام کو عظیم الشان تموج میں پایا اور میں نے مشاہدہ کیا کہ زائرین صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کی طرف خصوصی طور پر توجہ فرماتے ہیں، اور سلام کا جواب دیتے ہیں، اور اسی طرح پر ان لوگوں کی طرف خصوصی طور پر توجہ ہوتی ہے جو کہ آپ کی مدح کرتے ہیں اور ان سے خوش ہوتے ہیں، میں نے دیکھا کہ روح پر فتوح کی موج نے تمام متصل مکان اور فضا کو بھر رکھا ہے۔　　(انتہی مختصراً بالمعنی)

---

[1] دوسری حدیث ابن حبان کی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت اسی کام کیلئے مقرر کر رکھی ہے جو سیاحی کرتی رہتی ہے اور میری امت میں سے جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اس سلام کو یہ فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں ابوداؤد کی حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ سلام کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دیتے ہیں۔ مستدرک کی حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کی خدمت عالی میں سلام بوساطت ملائکہ پہنچتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ مواجہہ رسول میں سلام پڑھا جائے یا قریب بعید مقام سے سلام پڑھا جائے وہ حضرت تک پہنچتا ہے ان دونوں حدیثوں میں مقام قرب و بعد و مواقع سلام کی کوئی تخصیص نہیں ہے، یعنی ہر مقام سے سلام پہنچتا ہے اور جب چاہے سلام بھیجنے والا بھیج سکتا ہے، قیام و قعود کی بھی کوئی قید نہیں ہے، پھر اگر بوقت تذکرہ یا ذکر ولادت رسول اللہ صلعم قیام کر کے سلام پڑھنے والے سلام پڑھیں تو اس میں کیا نقص ہے؟ (حیدری) نیز محمد بن عبدالباقی زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں اور سیوطی وغیرہ میں، امام بیہقی شعب میں قاضی عیاض شفا میں، اور ابن حجر اپنے فتاوی میں بھی ملائکہ سیاحین کی روایات کو درج کیا ہے، چنانچہ (باقی ص ۲۳۱ پر)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مزار مقدس کے پاس صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو روحانی سماع ہوتا ہے اور باعث جواب ودعا بنتا ہے اور اگر امکنہ بعیدہ سے صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو ملائکہ سیاحین جو کہ اس خدمت کے لئے متعین ہیں پہنچاتے ہیں، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں اور جواب سے درود پڑھنے والے کو شرف حاصل ہوتا ہے،

درود شریف پڑھنے کے لئے قیام وقعود کی کوئی تخصیص نہیں ہے، جیسے کہ اس کیلئے کسی وقت اور مکان کی تخصیص نہیں ہے، مگر جس طرح امکنہ بجنسہ جو کہ مستوجب قلت مبالاۃ اور قلت ادب ہوں اس سے مستثنیٰ ہوں گے، اسی طرح وہ اوقات جو کہ موجب اساءۃ ادب وقلت مبالات ہوں وہ بھی اس سے مستثنیٰ ہوں گے، جیسے کہ فقہا نے تصریح فرمایا ہے فتح دکان کے وقت میں یا تاجر کے متاع خریدار پر پیش کرنے کے وقت میں درود شریف پڑھنا یا قعدہ اولیٰ میں بعد التحیات پڑھنا یا خطبہ پڑھتے وقت مقتدی وغیرہ کو ممنوع ہے اسی طرح کوئی ایسی ہیئت جو کہ استخفاف اور قلت مبالاۃ یا کسی دیگر محظور کو مستلزم ہو ممنوع ہوگی، اس کی تفصیل شامی (رد المحتار حاشیہ در مختار لابن عابدین الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ) اور دیگر کتب میں موجود ہے۔

بہرحال مواجہ شریفہ میں درود شریف اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنا فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے آداب زیارت میں کھڑے ہو کر ہی بتلایا ہے، اور سلف سے بھی یہی منقول ہے، دور سے کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنے میں بشرطیکہ کوئی محظور شرعی نہ ہو کوئی ممانعت نہ ہوگی، ہاں اگر تخصیص مطلق شرعی یا اطلاق مخصوص لازم آئے تو یقیناً اس کی ممانعت ہوگی، مثال ثانی کی درود شریف فی القعدۃ الآخیرۃ ہے اور مثال اول کی قیام فی المولد ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۰) حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے بعض طرق پر جید کا حکم دیا ہے، اور بیہقی نے بھی اس کے اور شواہد کو ظاہر کیا ہے، ہاں ابن عبد الہادی نے جس روایت پر کلام کیا ہے وہ ہے جس میں محمد بن مروان واقع ہے، وہ ضعیف ہے نہ کہ جملہ طرق، خوب سمجھ لیا جائے۔ (اصلاحی)

(الف) مجالس مولد قیام برائے صلوٰۃ وسلام ہونا خلاف واقع ہے (کما سنذکر) مگر اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس وقت یعنی ذکر ولادت شریفہ کی تخصیص کرنی یہ تخصیص مطلق ہوئی جو کہ بالاتفاق فقہا درست نہیں۔

(ب) واقعہ یہ ہے کہ یہ قیام ذکر ولادت کے لئے کیا جاتا ہے جس میں عموماً پڑھنے والے اور سننے والے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال اور تعظیم بالقیام سمجھتے ہیں، اور اسی بنا پر اس کے

..........

تارک کو تارک تعظیم جناب سرور کائنات علیہ السلام سمجھتے اور کہتے ہیں، درود شریف کے پڑھنے کے لئے قیام کوئی نہیں سمجھتا، مولود برزنجی کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

اردو موالد میں پڑھا جاتا ہے۔ ع "اٹھو بہر تعظیم آتے ہیں حضرتؐ"۔ اور بعضوں میں اس کے ہم معنی اشعار اور کلمات ہوتے ہیں، بنا بریں بہت سے عامی تو یہ سمجھتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام خود مجلس مولود میں اس وقت تشریف لاتے ہیں اگرچہ ہم نہیں دیکھتے اس لئے تعظیماً کھڑا ہونا چاہئے اور بہت سے وہ لوگ جو کہ اپنے آپ کو سمجھدار اور واقف سمجھتے ہیں، کہتے ہیں، کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا استحضار بالذکر ہوا ہے تو جبکہ آپ جناب والدہ ماجدہؓ کے بطن مبارک سے اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے ہیں اس کا خیال آنے پر ہم کو آپ کی تعظیم بجا لانی چاہئے یعنی وہ معاملہ کرنا چاہئے جو کہ آنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے، بہر حال یہ کہنا کہ آپ مجلس مولود میں تشریف لاتے ہیں یا یہ کہنا کہ صورۃ ولادت کا استحضار کرتے ہوئے کھڑے ہونا چاہئے، ہر دو میں تعظیم قادم ان لوگوں کے ذہن میں ہوتی ہے، اور قیام نہ کرنے والے کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہ کرنے کا مرتکب خیال کیا جاتا ہے، یہ کہیں نہیں سمجھا جاتا کہ یہ قیام درود شریف پڑھنے کے لئے ہے، یہ توجیہ القول بما لا یرضی قائلہ ہے، ان دونوں امور کی سنی نیت ظاہر ہے، یعنی ہر مجلس میلاد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف ارزانی فرمانا کسی نص ضعیف یا قوی سے ثابت نہیں جس پر عقیدہ جمایا جائے اور معاملہ مناسبہ عمل میں لایا جائے۔

مواقع اسلام کیا گیا ہیں۔

یہ امر اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے کہ استحضار صورت ولادت کیا جائے اور مولود کی تعظیم بجالائی جائے، اس کی کوئی شریعت میں نظیر نہیں[1]۔

(ج) پھر اگر جملہ عوارض سے قطع نظر کیجائے تو غایۃ ما فی الباب اباحت یا استحسان کہا جاسکتا ہے، مگر ایسے امور پر نفس مداومت ہی شرعاً مکروہ ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہا تصریح فرمارہے ہیں کہ ان صورتوں پر عملاً مداومت کرنا جن کو کبھی کبھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نماز میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے مکروہ ہے، چہ جائیکہ اس پر اس قدر تشدد کیا جائے کہ تارک قیام کی بے عزتی، گالی گلوج، مارپیٹ وغیرہ کی نوبت آجائے، ان امور کے ہوتے ہوئے تو وہ اباحت واستحسان بھی مبدل بالکراہت بلکہ بالحرمت ہوجائے گا۔

---

[1] قیام کے متعلق حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے جو فیصلہ دیا ہے وہی حق اور صحیح ہے، بات صاف ہے کہ ممنوع میں تعظیم واحترام کہاں سے پیدا ہو سکتا ہے، بلکہ ادب وتعظیم وہی افضل اور بہتر ہے جو محبوب کو پسند آئے جس قیام وتعظیم یا اکرام کے مباح کیطرف بعض لوگ گئے ہیں اور حدیثوں کے مطلب میں دانستہ یا نادانستہ غلطی کی ہے سو وہ بھی قیام دست بستہ بشکل نماز نہیں ہے، بلکہ وہ قیام اکرام کے قائل ہوئے ہیں، اسلئے دونوں میں فرق ہے، سمجھ سے کام لینے کی بات ہے کہ ابوداؤد وترمذی کی صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ جس کو خوش لگے کہ لوگ اسکے واسطے تصویر کی طرح کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ ٹھہرالیوے۔ یہی بات تھی کہ ملا علی قاری حنفی مرقاۃ میں رقمطراز ہیں وان اصحابہ ما کانوا یقومون تعظیماً لہ الخ یعنی صحابہ آپ کی تعظیم کو نہیں کھڑے ہوتے تھے، باوجود اس کے کہ آپ سردار خلق ہیں، کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلعم ایسا کرنا پسند نہیں فرماتے ہیں، باقی رہی یہ بات کہ ولادت کے وقت ملائکہ کھڑے ہوئے تھے، یا اور اسی طرح کی بے سروپا روایات کی نہ تو کوئی سند ہے اور نہ متن ہی محدثین کے اصول پر ثابت ہے، اسی طرح کشف والہام یا شہود یہ بھی محققین صوفیہ کے نزدیک حجت نہیں ہے حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں ولا یتکلم بباطن فی علم ینقضہ علیہ ظاہر الکتاب او السنۃ یعنی اور کوئی پوشیدہ بات کسی علم کی ایسی نہ کہے کہ جس کے خلاف میں ظاہر کتاب وسنت کا نہ ہو، یہی قول جنید بغدادی سلیمان دارانی اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہم اللہ کا ہے، دوسری اصولی بات یاد رکھنی چاہیے کہ امور اعتقادیہ میں حدیث متواتر جو مفید علم یقینی ہوتی ہے، پیش کرنا چاہیے۔ خبر احاد جو صحیح بھی ہو اس میں معتبر نہیں ہے، اور اسی طرح اصول میں طے ہوچکا ہے کہ حدیث ضعیف سے کوئی حکم نہیں ثابت ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ اعتقاد۔ خوب سمجھ لیا جائے، کیونکہ غلو اور تنقیص دونوں خطرناک ہیں۔

(اصلاحی)

(د) ذکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، درود شریف میں مجالس وعظ میں، مجالس قرأۃ قرآن وغیرہ میں بار بار ہوتا رہتا ہے، مگر کہیں قیام نہیں کیا جاتا یہ محض تاویلات رکیکہ ہیں کہ بوقت تذکرہ یا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام کرکے سلام بھیجنے والے سلام بھیجتے ہیں۔ اصل بات وہی ہے جو نمبر ب میں ذکر ہوئی۔

(ک) آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام قیام تعظیمی کو اپنی زندگی میں اپنے لئے منع فرماتی ہیں ترمذی وغیرہ کی روایت ہے عن انس رضی اللہ عنہ انہ قال ماکان احد احب الیھم من رسول صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا لایقومون لہ لما یعرفون من کراھیتہ لذالک[1]۔ (او کما قال) دوسری روایت میں ہے لاتقوموا لی کما یقوم الاعاجم لرؤساھم[2]۔ ایک اور روایت میں ہے من سرہ ان یمثل لہ فلیتبوأ مقعدہ من النار[3]۔ ان روایتوں کی موجودگی میں تو ہم پر یہ بھی لازم ہو جاتا ہے کہ اگر بالفرض جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی قدوم میمنت لزوم کی نوبت آئے جب بھی قیام نہ کیا جائے، امتثال الحکم خیر من سلوک الادب مشہور مقالہ ہے حضرات صحابہ کرام جو یقیناً افضل الامت میں انہوں نے ایسا عمل کیا حالانکہ وہ سچے عاشق تھے پھر اگر ہم اس میں کوتاہی کریں گے تو یقیناً خطاوار ہوں گے۔

## آپ کے شبہات کا جواب

(۱) صلوٰۃ وسلام علی النبی علیہ السلام تمام عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے، حسب ارشاد یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیمًا۔ جب کہ کسی مجلس میں ذکر جناب سرور کائنات علیہ السلام آئے تو ایک مرتبہ واجب ہے کہ صلوٰۃ وسلام زبان سے ادا کیا جائے، بشرطیکہ نماز یا خطبہ میں نہ ہو حسب الارشاد البخیل من ذکرت عندہ فلم یصل علی ومثلہ من الروایات

[1] حضرت انسؓ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم صحابہ کو سب سے زیادہ محبوب تھے باوجود اسکے صحابہ آپکی تعظیم کیلئے نہیں اٹھتے تھے کہ آپ اسکو ناپسند فرماتے تھے [2] آنحضرت صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے لئے کھڑے نہ ہوا کرو جس طرح عجمی لوگ اپنے سرداروں کیلئے کھڑے ہوا کرتے ہیں

[3] یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی تعظیم کیلئے دوسروں کا کھڑا ہونا وغیرہ سے خوش ہو اسکا ٹھکانا دوزخ ہے۔

العالمین[1] کا۔ نماز[3] میں بعد التحیات فی القعدۃ الاخیرۃ سنت مؤکدہ ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے، دوسرے[4] اوقات میں مستحب ہے، بعض اوقات میں مکروہ اور بعض میں حرام ہے۔ تفصیل شامی میں ملاحظہ فرمایئے۔

(۲) ہر طرح جائز ہے، بشرطیکہ کوئی محذور لازم نہ آئے۔ کما ذکرناہ سابقاً۔

(۳) متعین نہیں۔ اطراء مادح جو کہ درجہ عدم جواز کو پہنچ جائے، نہ ہونا چاہیئے، لا تطروني کما اطرت الیہود والنصاری انبیاءھم[5] اردو فارسی وغیرہ میں ہو سکتا ہے۔

(۴) دوری کی مسافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالح ادب سے بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے تھے، یا کھڑے ہو کر میری نظر سے اس کے متعلق کوئی خصوصی روایت نہیں گذری اور نہ اس وقت یاد ہے، القول البدیع سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ الہ آباد اور شفاء قاضی عیاض شرح شفاء لعلی القاری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

## دیگر مسائل کے جوابات

(۱) تبلیغی سلسلہ کے جاری کرنے کا یہاں پر ارادہ کرنا نہایت محمود امر ہے، مگر مسائل مختلف فیہا کو ابتدا میں لانا مقصود بالذات قرار دینا حکمت کے خلاف ہے، اس وقت مسلمان عوام پر جہل اس قدر غالب ہو گیا ہے کہ وہ اساس اسلام و ایمان اور اصول دین سے ہی سخت غافل اور نادان ہو گئے ہیں، نماز اور جماعت کی پابندی فیصدی پندرہ یا بیس ہی بمشکل پائی جائے گی

---

[1] آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میرا نام جس کے سامنے لیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا وہ بخیل ہے۔

(استفسارات) رسول اللہ صلعم کے دربار سے دور رہ کر کیونکر سلام پڑھنا چاہئے؟ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر؟ کیا سلام کے الفاظ[2] متعین ہیں یا ہم بھی مدحیہ ٹکڑے اپنی تخیل سے عربی، فارسی اور اردو میں تیار کر کے سلام پڑھ سکتے ہیں؟ صحابہ کرام نے بھی مدینہ منورہ سے دور رہ کر سلام پڑھے ہوں گے، ان کا کیا طریقہ عمل رہا ہے؟

[5] آنحضرت کا ارشاد ہے کہ لوگو میری تعریف میں حد سے نہ بڑھ جاؤ جیسے یہود اور نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی تعریف میں غلو سے کام لیا۔

عام مسلمان نماز پڑھنا ہی نہیں جانتے، بلکہ نیچے طبقہ والے خدا اور رسول کو بھی نہیں جانتے کلمہ طیبہ نہیں جانتے، توحید اور رسالت کیا ہے، اسلام کے اصول اور عقائد و فرائض کیا ہیں تبلیغ میں اہم فالاہم پر توجہ ضروری ہے، مسائل اختلافیہ کی بنا پر مخالف پارٹی کے لوگ پروپیگنڈا شروع کرکے عوام کو بدظن بنا دیتے ہیں، پھر امور متفقہ علیہا پر بھی موثر تبلیغ نہیں ہو سکتی اس لئے نمازی بنانا اور اصول و عقائد اسلام و اہل سنت کو سمجھانا اولاً بالذات ضروری ہے، شرک سے نفرت دلاتے وقت عبادت اصنام و احجار و اشجار و حیوانات وغیرہ کو جو کہ ہنود اور دیگر کفار کرتے ہیں اور جن میں ابناء وطن غیر مسلم قومیں مبتلا ہیں، ان کو ذکر کیا جائے، اور عوام کو سمجھایا جائے، اس مقام پر قبور، تعزیہ وغیرہ کو صراحۃً نہ ذکر کیا جائے جب نفرت عبادت غیر اللہ ان کے قلوب میں خوب راسخ ہو جائے اور وہ مانوس ہو جائیں اعمال مفترضہ کے عادی ہو جائیں تب ان کو آہستہ آہستہ ان شرور حالیہ سے بھی آگاہ کیا جائے، نماز کی وہ اسکیم جس کو میں نے متعدد خطوط میں ذکر کیا ہے جاری کرنا ازبس ضروری ہے، ہر ممبر اس کا پابند ہو کہ وہ کم از کم دس آدمیوں کو خواہ مرد ہوں یا عورت نماز سکھلائیگا اور اس کا پابند بنائیگا، وعظ و نصائح میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو عام فہم ہوں، لعن طعن تشنیع وغیرہ سے احتراز کیا جائے۔

تعلیم یافتہ طبقہ بالکل دہریت اور الحاد میں مبتلا ہو جاتا ہے، بقول ڈبلو ڈبلو ہنٹر ہمارے اسکولوں اور کالجوں سے تعلیم یافتہ کوئی نوجوان خواہ ہندو یا مسلمان ایسا نہیں ہے جس نے اپنے بزرگوں کے عقیدوں کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو، ان کو فرداً فرداً اور جماعۃً سمجھانا اور درست کرنا ضروری ہے، اگرچہ ان میں وہ مادہ قبولیت نہیں ہے، جو عوام میں ہے ان کی تفہیم میں وہ زبان اور وہ طرز مناسب ہوگا، جس کے یہ عادی ہیں، ان کو اعلیٰ درجہ کی اردو میں خطاب کیا جا سکتا ہے، افسوس یہ ہے کہ علماء نے عوام کے پاس جانا اور ان میں خلط ملط پیدا کرکے ان کی اصلاح کرنا تقریباً بالکل ہی چھوڑ دیا ہے، اور اسیطرح

پر تعلیم یافتہ بالخصوص نوجوان طبقہ کو بھی بالکل چھوڑ ہی دیا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے، کسی زمانہ میں کفر و نفاق وغیرہ کے الفاظ سے دہشت پیدا کی جاتی تھی، مگر آج وہ موثر نہیں ہے، جدوجہد سمجھ بوجھکر کرنی چاہیئے، ایک مدرسں کا ریج ہونے کی حیثیت سے آپ کا دائرہ وسیع اور سود مند ہے، اس سے نفع اٹھایئے اور ضائع نہ ہونے دیجئے۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۲ر شعبان ۱۳۶۴ھ

# مکتوب نمبر ۷۸

آپ نے ۱۶ر جنوری والا آرڈی ننس نہیں بھیجا، حالانکہ جمعہ کی تحریر میں وعدہ فرمایا تھا کہ اگلی مرتبہ قاصد کے ہاتھ بھیجوں گا۔

حسب ارشاد اخبار مرسل ہیں، مدینہ اخبار تو شاید آپ کے پاس براہ راست آتا ہے اس لئے ارسال نہیں کرتا ہوں، اگر نہ آتا ہو تو اس کے پرچے بھی ارسال کردوں، لیگی حضرات مساجد کو اپنی جولانگاہ بنانے میں انشاء اللہ کامیاب نہ ہوں گے، کوئی خطرہ نہیں ہے، اور اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تو پھر مسلم قوم کی بے راہ روی کا علاج ہی کیا ہے، آپ نے مدینہ ۵ر صفر کے صفحہ ۳ کے مضمون جس کی سرخی

"مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس، ایک عینی گواہ کے قلم سے"

ہے دیکھا ہوگا، اب آپ ہی فرمایئے کہ جس صوبہ میں ۵۰ فیصدی سے زیادہ مسلمان بستے ہوں اور وہ لوگ بہ نسبت دوسرے صوبوں کے بہت زیادہ مذہبی شمار ہوتے ہوں جبکہ وہاں کے مسلمانوں کی یہ انقلابی مذہبی حالت ہوگئی ہو تو کیا امید کیجا سکتی ہے، اس الحاد اور بے دینی کی کوئی حد بھی ہے، جمعیۃ علماء اس طوفان اور شورش میں کیا کر سکتی ہے، اور خود علماء کس حال میں ہو گئے ہیں، کیا آپ کی نظر سے یہ نہیں گذرا کہ اسی پنڈال میں لیگ کے اجلاس کے کے بعد علماء کا اجلاس ہوا، اور برچنڈی شریف کے پیر صاحب نے صدارت فرمائی، مولانا

جمال صاحب صاحبزادہ مولانا عبدالباری صاحب مرحوم فرنگی محلی اور مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی اور بہت سے حضرات ان دنوں میں ان تمام اجلاسوں میں شریک رہے، جب حالت اس درجہ بدل گئی ہے کہ مسلم عوام، ارباب طریقت، ارباب شریعت سب کے سب اس سیلاب کے نذر ہوتے ہوئے دین اور احکام دین سے برگشتہ ہوتے جاتے ہیں، تو جمعیۃ کے مٹھی بھر آدمی اپنی خستہ حالی کے ساتھ کیا کر سکیں گے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

آپ کو معلوم ہے کہ جمعیۃ کے بھی اکثر سرگرم ارکان جیلوں میں بند ہیں، جو لوگ باہر ہیں وہ ڈیفنس کے آرڈی ننسوں سے خائف ہیں، یہ ایسا ہتھیار ہے کہ جس کی نہ داد ہے نہ فریاد جس کو چاہا دھر لیا، اول تو علماء میں عموماً احساس ہی نہیں اور جن کو کچھ ہے بھی وہ اپنی اپنی جگہ پر ہراساں اور مثل بید لرزاں ہیں، پھر کس طرح بنے ؎

بنے کیونکر کہ ہے ہر بات الٹی　　ہم الٹے یار الٹا بات الٹی

آپ نے خود دیہات کے عوام کی حالت بچشم خود دیکھی کیا اس کی ذمہ داری سے علماء بری ہو سکتے ہیں، روایت میں فرمایا گیا ہے کہ آج فوجاً فوجاً لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، پھر ایک زمانہ آئے گا کہ فوجاً فوجاً لوگ اسلام سے خارج ہوں گے فطوبیٰ للغرباء کیا اس کی شہادت نہیں دیتا ہے، جس طرح ابتدا میں اسلام اجنبی اور منکر تھا بدأ الاسلام غریباً اسیطرح اس زمانہ میں غریب ہوتا جا رہا ہے (وسیعود غریباً) ان لیگیوں کی اسلامیت کیا مصطفےٰ کمال کی سی صرف نام کی اسلامیت نہیں ہے فالی اللہ المشتکی - مولانا ان شکستہ حال اور گرے

---

[1] ممکن ہے امام العصر کے ان فقروں سے یورپ زدہ اشخاص کو اور ان کو تکلیف ہو جو یورپ کے اسباب عروج و اسباب تنزل اور اسلام کے عروج و زوال کی علت میں فرق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں، اگر انا ترک نے قرآن اور سیرت نبوی کا مطالعہ کیا ہوتا اور ترکی قوم پرستی کے بجائے اسلامی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ترکی جدید کی تعمیر کی ہوتی اور ان کو اگر معلوم ہوتا کہ ایک محدود قومیت کی طاقت اور ایک عالمگیر تبلیغی ربانی ص ۲۴۴ م

ہوئے مسلمان ادنیٰ طبقہ اور متوسط کو تو سنبھالا جا سکتا ہے، مگر تعلیم یافتہ (انگریزی خواں اور اربابِ دول) مسلمانوں کو تو پہلے بھی مشکل تھا اور اب تو تقریباً محال ہوگیا ہے، میں ۵ صفر والے پرچہ کو اس بنا پر کہ شاید آپ نے دیکھا نہ ہو، بھیج رہا ہوں، اس کو واپس کر دیجئے، تاکہ محفوظ رکھو ںب

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۸) مسلک کی طاقت میں کتنا عظیم فرق ہے تو وہ اپنی قوم کو پولینڈ، ہالینڈ اور بلجیم کی سی پوزیشن میں چھوڑ کر نہ جاتے، بلکہ روسی اشتراکیت سے بھی کہیں زیادہ زبردست طاقت کے ساتھ چھوڑ کر جاتے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مصطفےٰ کمال نے اسلامی قانون ترکی قلمرو سے ایک قلم منسوخ کر کے جینی کا تجارتی قانون، اٹلی کا فوجداری قانون اور سوئٹزرلینڈ کا دیوانی قانون جاری کیا، وراثت میں مردوں عورتوں کو مساوی قرار دیا، تعدادِ ازدواج کو قانوناً ممنوع ٹھہرایا، پردہ کا کلی استیصال کیا، اپنا اور اپنے ساتھیوں کا بت بنوا کر انقرہ، سمرنا اور قسطنطنیہ میں شاہراہوں پر نصب کرائے، وغیرہ کو اگر ان کے نامسلمان ہونے کی شہادت میں پیش کیا جائے تو کیا خلاف ہوگا؟ بلاشبہ اتاترک ایک اچھا جنرل تھا، قیادت کی بعض صلاحیتیں بھی اس میں پائی جاتی تھیں، سیاسی تدبر بھی ایک حد تک اس میں موجود تھا اس کی رہنمائی میں ایک شکست خوردہ قوم تباہی سے بچ گئی اور اس نے اپنے قومی وطن کو پھر سے ایک آزاد سلطنت بنا لیا، مرحوم کمال پاشا کا یہ کمال ہر آئینہ مستحق تبریک و مبارک باد ہے کہ صدیوں سے جو مرعوبیت یورپ والوں کی ترکی کے دلوں میں چھائی ہوئی تھی رخصت ہوگئی، جو اتاترک کا اہم کارنامہ ہے، اسی کے ساتھ بانیٔ پاکستان اور لیگیوں کی اسلامیت، خیالات، اصول طریقہ، سب ہی چیزیں یہ غریب یورپ سے ننگ کرلائے ہیں، کیونکہ ان کے مطمحِ دماغ کا اختراع صرف اسی قدر تھا کہ جو ملکی حقوق اور عہدے ہندوؤں نے حاصل کئے ہیں اس میں اور مسلمانوں کا حصہ معین کر دیا جائے، یہ حقیقی پالٹکس نہ تھی بلکہ حقیقی پالٹکس گورنمنٹ سے رعایا کے مطالبہ کا نام ہے، یعنی پالٹکس گورنمنٹ اور رعایا کے باہمی مطالبہ جات کا نام ہے، نہ یہ کہ رعایا کے باہمی تنازعات اور حقوق طلبی کا اس نازک فرق اور بنیادی چیز کو نظر انداز کرنے کے معنی یہی تھے کہ لیگ کا اولین سنگِ بنیاد شملہ کا ڈپوٹیشن ہوگیا سوچنے کی بات تھی کہ اگر ہماری پالٹکس در اصل صحیح پالٹکس ہوتی تو خود حب و نیاز اور خود فراموشی کے جذبات خود بخود پیدا ہو جاتے، لیکن ہمارے کالجوں سے نکلے ہوئے عام (باقی ص ۲۴۰ پر)

(الف ﷺ) حالت جنابت میں استطراق مسجد کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر ائمہ بجب کیلئے قائل ہیں ان کا استدلال آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا الاٰیۃ (اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہانتک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت تک کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہانتک کہ غسل کرلو) سے ہے، یہ حضرات جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے قائل ہیں، بطور صنعت استخدام صلوٰۃ سے اول میں حقیقۃ نماز اور ثانی میں موضع صلوٰۃ یعنی مسجد مراد لیتے ہیں اور عابری سبیل سے استطراق یعنی حقیقی معنی مراد لیتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے مانع ہیں صلوٰۃ کو ہر دو امر میں حقیقت پر حمل کرتے ہیں اور عبور سبیل کو سفر پر حمل کرتے ہیں اور حالت سفر میں بغیر غسل تیمم سے نماز کی اجازت دیتے ہیں، اس لئے کہ عدم وجدان ماء سفر میں عذر ہے حضر میں نہیں ہے، کیونکہ یہ چیز حضر میں عموماً نہیں پائی جاتی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۹) صاحب بہادروں کا عجیب الخلقت گروہ کے نظام فکر اور اس کے اساسی قانون سے بغاوت ہی، ایک دوسرے نظام فکر و قانون حیات کو علانیہ قبول کر لیا، انا للہ الخ پاکستان بننے سے پہلے جو کچھ ہوا اور اب جو پاکستان میں اسلام کے نام پر ہو رہا ہے اور مچھر کو ہاتھی ثابت کیا جا رہا ہے وہ دنیا دیکھ رہی ہے لیکن اتاترک مرحوم نے تو ترکی کے دل سے یورپ کے خوف کو دور کر دیا اور ان کا مدمقابل بنا دیا، مگر قائد اعظم نے ہندی لیگیوں پر ہندوؤں کا بھوت اور ان کا خوف مرتے دم تک کے لئے سر پر سوار کر دیا اور پاکستان انگریزوں کی خواہش پر بنا کر انکی سرپرستی قبول و منظور کر لی، اس لئے ترک قوم و ملک میں اور پاکستان میں نمایاں فرق ہے، ہماری دعا ہے کہ اسلام کے نام پر پاکستان بنانے والوں کو توفیق ہو جائے کہ وہ اسلام کے نام کو جو ان کی وجہ سے بدنام ہو رہا ہے اونچا کر دیں۔ (اصلاحی) ۱؎ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی یا علی لا یحل لاحد یجنب فی ھذا المسجد غیری وغیرک قال علی بن المنذر فقلت لضرار بن صرد ما معنی ھذا الحدیث قال لا یحل لاحد یستطرقہ جنبا غیری وغیرک (رواہ الترمذی) بحالت جنب آنحضرت صلعم و حضرت علی کرم اللہ وجہہ دخول مسجد میں کیوں مستثنیٰ ہیں حالانکہ شریعت سے خارج نہیں تھے

دوسری توجیہ حنفیہ کے یہاں عبور سبیل کی مخصوص اس حالت کیساتھ ہی کہ کسی کو مسجد ہی میں جنابت بالاحتلام عارض ہو گئی اس کو بالتیمم اور بعض ائمہ (غالباً بخاری بھی ان ہی میں سے ہیں) بغیر تیمم اسی آیت سے عبور سبیل اور خروج عن المسجد کی اجازت دیتے ہیں، بہر حال جنب کے لئے استطراق مسجد مطلقاً ممنوع ہی نہیں تاکہ اشکال کیا جائے، جو احادیث ممانعت پر دال ہیں وہ صراحۃً یا بعض مراداً دخول کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، اور سوائے عنہار وایت ستطراق پر دلالت کرتی ہے، اس لئے مخالفتِ اصل مذاہب نہ ہوگی، اس صورت میں اوروں کو منع کرنا حقیقت میں فتح ابواب الی المسجد سے کنایہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ نہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بلکہ جملہ ازواج کے حجرے سب کے دروازے مسجد ہی کیطرف تھے، اور علاوہ نماز کے جملہ امور مسلمین مسجد میں انجام پاتے تھے، مجلس قضا بھی یہیں ہوتی تھی، مجالس تعلیم و مشاورت بھی یہیں منعقد ہوتی تھی، اور دیگر امور متعلقہ بالامرت یہاں ہی انجام پاتے تھے، اس لئے ہر وقت مسجد میں آمد و رفت کی ضرورت پڑتی تھی، اس لئے بخاری نے ابواب مسجد میں ان جملہ امور کیلئے ابواب منعقد کئے ہیں، بنائً علیہ آپ کیلئے ضروری تھا کہ مسجد ہی کیطرف دروازہ رکھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بوقت مواخاۃ آپ نے اپنا حلیف اور اخ بنایا اور پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بعد از بدر نکاح کر دیا، اور ان کی آمد و رفت اور دوسری ضروریات مقتضی تھیں کہ ان کا دروازہ بھی مسجد کی طرف ہی رکھا جائے، دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے دروازے مسجد کی طرف بنائے، اس حدیث میں ان کو ان دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی علت فرمائی گئی ہے کہ دروازوں کا مسجد کی طرف رہنا مرور فی المسجد فی حالۃ الجنابت کو مستلزم ہے، اور یہ درست نہیں ہے، مگر چونکہ حسب قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیلئے ایسی ضرورتیں تھیں جنکی بنا پر اسکی اجازت دی جا سکتی ہے، اسلئے اور دوسرے دروازے بند کر دیے جائیں

صرف یہ دروازے کھلے رہیں، اس کے بعد سب لوگوں نے اپنے اپنے دروازے دوسری طرف کھول لئے، مگر چونکہ نمازوں میں اور جماعات کے اوقات میں شرکت جماعت میں مشکلات تھیں تو کھڑکیوں کی اجازت چاہی، چنانچہ ان کو اس کی اجازت دیدی گئی، کہ اس میں استطراق فی حالۃ الجنابت کی نوبت نہیں ہوسکتی تھی، پھر آخر میں ان خوخات کو بھی بند کرا دیا گیا اور صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خوخے کی اجازت دیگئی، جس سے ائمہ نے خلافت کی طرف اشارۃ استنباط کیا ہے۔

مساجد کی تعظیم اور ان کو امتہان سے بچانے کا حکم بھی تدریجاً ہوا ہے، چنانچہ یہ روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے، حالت جنابت میں بالتیمم مرور کی اجازت اور خاص خاص احوال میں اجازت ائمہ نے مجموعۂ احادیث سے جو کہ آخری استقرار حکم پر دلالت کرتی ہیں استنباط کیا ہے واللہ اعلم۔ مسئلہ خلافت یزید پر آئندہ عرض کروں گا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۸۸

اپنے سوالات کا جواب بغور پڑھئے۔

(مقدمہ اولیٰ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں، اس لئے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تاریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔

(مقدمہ ثانیہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد

---

سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کیا غیر مستحسن نہیں ہے کہ انہوں نے یزید جیسے فاسق و فاجر کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا۔

روایات موجود ہیں مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمانا اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا (اے اللہ تو معاویہ کو ہدایت یاب اور ہادی بنا دے) یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ، اس لئے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط ضروری ہوگی۔

(مقدمہ ثالثہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے ان کی روحانی اور قلبی اس قدر اصلاح ہو گئی ہے اور ان کی نسبت باطنیہ اسقدر قوی ہو گئی ہے کہ مابعد کے اولیاء اللہ سالہا سال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اجماع امت ہر ہر صحابی کی افضلیت کا بعد والوں پر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا معاویہ (رضی اللہ عنہم) تو فرمایا کہ امیر معاویہ کے اس گھوڑے کی نتھنوں کی خاک جس پر سوار ہو کر انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔

(مقدمہ رابعہ) معصوموں سے اگرچہ قصداً گناہ نہیں ہو سکتا مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہو جاتا ہے، مگر یہ گناہ صورۃً ہی گناہ ہے، حقیقۃً نہیں ہے حقیقت میں اسکو گناہ نہ کہا جائیگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا ایک پیغمبر کی اور وہ بھی بڑا بھائی سخت اہانت ہے، جو کہ دوسری جگہ میں کفر بلکہ شدید کفر ہے، مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا، محشر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے کیوجہ سے مقام شفاعت عامہ میں اقدام کرنے کی جھجک ہوگی، مگر یہ امر اس وقت باعث حوث نہ ہوگا، حالانکہ وہ کافر تھا، ملک دار الحرب تھا، دشمن خدا و رسول کا ہم قوم اور رشتہ دار تھا، ظالمانہ طریقہ پر اسرائیلی پر غلبہ کرتا ہوا ستا رہا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا، اور پھر اس کے بعد معافی مانگ لی اور معافی دیدی گئی۔ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ

هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ[۱] ۔ قَالَ رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ (سورہ قصص) مگر اس ذنب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں، حضرت موسیٰؑ نے الواح کو پٹک دیا وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ (سورہ اعراف) کتاب اللہ کو پھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی جس میں کوئی شبہ نہیں، کس قدر بڑا گناہ ہے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں ہوا، یقیناً یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی ہیں جو ان کو حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی تھی، اور اس جوش نے یہ سب کچھ کرایا تھا، جو عشق خداوندی نے شرک کی حالت کے مشاہدہ سے پیدا کیا تھا، یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا، جبکہ طور پر خبر کردی گئی تھی فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ[۲] (سورہ طٰہٰ) اور قبطی کا قتل عصبیت نسلی پر مبنی تھا، اس لئے وہ خطرناک ہوا، اگر معصوم غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بڑے بڑے امور کا مرتکب ہو سکتا ہے، تو غیر معصوم خواہ وہ کتنا ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو کیوں نہیں ہو سکتا، اور اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے نبی اور کتاب اللہ کی اہانت اور ہاتھا پائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو پھر حضرت علیؓ اور صاحبزادوںؓ سے جنگ و جدال پر کیا مواخذہ متروک نہیں ہو سکتا، اور اگر حضرت موسیٰ کا غصہ بھائی پر انکی رشتہ داری اور قرابت قریبہ کی وجہ سے تیز ہو سکتا ہے تو بنی ہاشم اور حضرت علیؓ اور صاحبزادوں پر حضرت معاویہؓ کا غصہ کیوں نہیں تیز ہو سکتا ہر دو ابناء عم ہی تو ہیں۔

(مقدمہ خامسہ) ہم فرط عقیدت اہل بیت میں آکر ہر دو کے مقامات اور اس زمانہ کے احوال سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں، مورخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھتے ہیں، مندرجہ ذیل احوال پر نظر ڈالیں۔

عبد مناف کے ۴ بیٹے ہیں، عبد شمس[۱]، نوفل[۲]، مطلب[۳]، ہاشم[۴]، عبد شمس نے قریش ہی کی لڑکی سے کثرت اولاد حاصل کی، بنی امیہ پھلے اور پھولے اور خاندان میں کثرت ہوئی، ہاشم

---

[۱] بولا اے میرے رب میں نے برا کیا اپنی جان کا سو بخش مجھکو، پھر اسکو بخش دیا بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

[۲] ہم نے تو بچلا دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے اور بہکایا ان کو سامری نے۔

کے کوئی اولاد کسی مکی عورت سے نہیں ہوئی، ایک لڑکا بخاریہ عورت سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوا، اس کی صغر سنی ہی میں ہاشم کا انتقال ہوا، لڑکا ننہال میں پرورش پاتا ہے، جب بڑا ہوتا ہے، تو چچا یعنی مطلب اس کو مکہ میں لاتا ہے، وہ اونٹنی پر ردیف ہے، لوگ اسکو مطلب کا عبد سمجھ کر عبدالمطلب کہہ کر پکارنے لگتے ہیں، اس کا نام شیبۃ الحمد ہے، مگر اس نام کو کوئی نہیں جانتا، اس لڑکے کی پرورش وغیرہ کا تکفل چچا یعنی مطلب ہی کرتا ہے، (یعنی وہ اس زمانہ میں ہر طرح دست نگر چچا ہی کا ہے) لڑکا اگرچہ ہونہار ہے، اور وہ مجد اور شرافت طبعی اور اخلاقی ایسی رکھتا ہے کہ چچا اور اس کی اولاد نہایت محبت اور شفقت کرنے لگتے ہیں اور اس کی اخلاقی عظمت اجنبیوں کو بھی گرویدہ بناتی ہے۔ (اور کیوں نہ ہو نور محمدی علیہ السلام اس کی پشت میں جلوہ ریز ہے) مگر یہ زمانہ فخر بالانساب اور فخر بالاحساب اور فخر بالمال اور فخر بالعز کا ہے) یہ لڑکا ہاشم کی نسل سے ہے، مگر ماں باہر کی، اس کے کوئی بھائی حقیقی جو کہ قوت بازو ہوتا موجود نہیں، مال جس کی وجہ سے عزت اور ناموری پیدا کرتا موجود نہیں اس لئے اس کے لئے عزت کا سامان نہیں ہے، ادھر اس کے اخلاق جمیلہ لوگوں کو کھینچتے ہیں، عوام میں اس کی عزت اور توقیر ہوتی ہے، اس صورت میں ابناء عم کو رشک پیدا ہونا طبعی امر ہے، اور ان کو یہ حسد لوگوں کے سامنے بھی اور اپنے قلب میں بھی حسب رواج زمانہ و ملک مجبور کرتا ہے کہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں اور نسب کو ظاہر کریں۔

عبدالمطلب بڑے ہوتے ہیں، تجارت کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں، خواب میں زمزم کو دیکھتے ہیں، جس کو جرہم نے بند کر کے اس طرح معدوم النشان کر دیا تھا کہ پتہ بھی نہیں چلتا تھا، حالانکہ یہ کنواں بنی اسماعیل علیہ السلام کا مایۂ فخر تھا، عبدالمطلب خواب کے اشارہ کے موافق کنواں کھودنا چاہتے ہیں، ابناء عم مانع ہوتے ہیں، جس قدر بھی دلائل عقلیہ پیش کی جاتی ہیں، سب اس رشک اور ظاہری قوت کے سامنے بیکار ہو جاتی ہیں قلت عدد اور ضعف بالرجال آخر کار ناکامی کا منہ دکھاتی ہے، (آخر تو اس دنیا میں ہمیشہ قوت ہی کا لوہا

منوایا گیا ہے، تہذیب اور تمدن عقل اور انسانیت کا مدعی یورپ آج کیا کر رہا ہے) اس زمانہ میں تو اس قوت کا بت جس قدر بھی رنگ لاتا کوئی تعجب خیز نہیں، عبد المطلب مجبور ہو کر خداوند کریم سے نذر کرتے ہیں کہ اگر میرے اس قدر اولاد ہو جائے جو کہ ان رقبار وحساد کا مقابلہ کرے تو میں ایک بیٹے کو تیرے واسطے ذبح کردوں گا اپنی اس قوت کے لئے ہر بڑی خاندان میں متعدد شادیاں کرتے ہیں، خداوند کریم اپنے فضل سے ان متعدد ازواج سے بہت سے اولاد ذکور واناث دیتا ہے، بیٹے جوان ہو جاتے ہیں، متعدد داماد ہو جاتے ہیں، خاندانوں میں مصاہرت کی وجہ سے قوی رشتہ داری قایم ہو جاتی ہے، اب بارہ نوجوان قوی ہیکل بیٹوں کو لے کر زمزم کھودنا چاہتے ہیں پھر وہی ابناء عم مانع آتے ہیں، مگر اب عبد المطلب تن تنہا نہیں ہیں، ان کے ساتھ جاں نثار دیو قوت قوی ہیکل جوان بیٹے ہیں جو شخص سامنے آئے اس کو موت کا پیالہ پلانے کے لئے تیار ہیں، ایک ایک نفر سو سو کا مقابلہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا، ہمدرد بہت سے پیدا ہو چکے ہیں عبد المطلب کی عظمت کا سکہ بیٹھ چکا ہے، بالآخر عبد المطلب اپنے بیٹوں وغیرہ کی امداد سے کنواں کھود ڈالتے ہیں اور ابناء عم کو سخت ناکامی اور عاجزی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، کنویں کے ظاہر ہو جانے اور پرانی نشانیاں کے ہویدا ہونے سے عبد المطلب کی عزت اور ناموری کو چار چاند لگ جاتے ہیں، سقایۃ الحاج ان ہی کا حصہ ہو جاتا ہے، جس سے تمام عرب اور حجاج وعمار میں ان کا بے مثل وقار قائم ہو جاتا ہے،.......... ، مگر یہ وقار اخلاقی ہر دوربین انصاف پسند عقلمند لوگ اس کی ضرور قدر کرتے ہیں، مگر ظاہر بین اشخاص جنکی ہر زمانہ اور بالخصوص اس زمانہ اور اس شہر اور ملک میں اکثریت ہے، وہ مادی ہی برتری کے پجاری ہیں، جو کہ ابناء عم یعنی بنی امیہ میں ہی ہے -

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بنی ہاشم میں ہوتا ہے اور بنی المطلب پر ہوتا ہے، اس کے بیان کی حاجت نہیں، بالآخر خیف بنی کنانہ میں ہر قبیلوں کو تین سال

تک قید اور نان کو آپریشن کی مصائب جھیلنی پڑتی ہے، ابناء عم کی مادی طاقت میں اس قدر اضافہ ہوگیا ہے کہ قبائل عرب اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے، مگر آسمانی طاقت بنی ہاشم کے ساتھ ہے بالآخر صلح اور نان کو آپریشن کو فیل کرنے کی نوبت آتی ہے، تاہم نہ انکی قلبی آتش رشک میں کمی آتی ہے اور نہ ان کی مادی طاقت میں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن تدبیر عمل میں لاتے ہیں، ان صاحبزادیوں کو جن کو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے طلاق دلوادی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یکے بعد دیگرے اور تیسری کی ابوالعاص بن الربیع سے شادی کر دیتے ہیں، جس سے بنی امیہ کی طاقت میں نیز ان کی رشک کی آگ میں کمی کی، قوی امید ہے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بیوہ ہو جانے پر حبشہ میں نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خط بھیج کر شادی کرتے ہیں، اس شادی کی خبر ابوسفیانؓ کو جب پہنچتی ہے تو ان کی حمیت اور غضب کی آگ ایک درجہ تک ضرور ٹھنڈی پڑتی ہے اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ وہ یعنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعداد ازواج کا سلسلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے جن میں سے ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے جس کو سیاسی مصلحت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج میں کوئی ہاشمیہ یا مطلبیہ یا انصاریہ عورت نہیں پائی جاتی، کیونکہ یہ قبائل تو آپ کے جاں نثار پہلے ہی سے تھے، ان سے علائق مودت ونصرت قایم کرنے اور ان کی آتش حسد کو بجھانے کی ضرورت ہی نہیں) آسمانی نصرت نے بالآخر تمام بنی اعمام کو آپ کے سامنے سر جھکانے اور بنی ہاشم کا لوہا ماننے پر مجبور کیا، مگر تاہم ان کی مادی طاقت کم نہیں ہوئی، حدیبیہ کے میدان میں صلح کا پیغام دینے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی بنا پر عمل میں لایا گیا، جس کی تصریح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور یہی ہوا بھی، کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش کے مجمع میں پہنچتے ہیں، تو بنی عبد شمس اور بنی امیہ ان کے دائیں اور بائیں آکر ان

کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور انتہائی عزت کرتے ہیں، مخالفین اسلام جو مسلمانوں کے قتل اور توہین کے انتہائی پیاسے تھے، ان کو گزند نہیں پہنچا سکتے، فتح مکہ میں حضرت عباسؓ کی مبارک سعی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تدبیر رنگ لاتی ہے، اور ابوسفیان مسلمان ہو کر وہ عزت ظاہری بھی حاصل کر لیتے ہیں، جس سے ان کا اور ان کے خاندان بنی امیہ کا سر تمام قریش میں اونچا ہو جاتا ہے، آپ اعلان میں یہ کلمات فرما دیتے ہیں من دخل دار ابی سفیان فھو امن (جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا امن پا گیا) ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ بنی امیہ اگرچہ سر جھکانے پر مجبور ہو گئے ہیں، مگر ان کا وقار برباد نہیں کیا گیا، بلکہ زندہ ہی رکھا گیا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا آنا جانا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے خلفاء کا احترام قایم و دائم ہے، اس رشتہ کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماموں اور صاحبزادوں حضرت حسین و حسن رضی اللہ عنہما کے نانا مانے جاتے ہیں، الغرض یہ خاندان نہ تو اس قدر اجنبی ہے جتنا ہم سمجھتے اور نہ اس قدر گرا ہوا ہے جتنا اہل تاریخ اور ابناء زمان ظاہر کرتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کی پالیسی صلہ رحمی کی اس قدر زور پکڑتی ہے کہ بنی امیہ تقریباً کامل عروج مادی حاصل کر لیتے ہیں، اور بنی امیہ کا جذبہ اعتلاء اور قوت اس قدر زور پکڑ لیتا ہے کہ وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ مسلمان کا اقتدار اور تحفظ اب صرف بنی امیہ ہی کر سکتے ہیں، اسی درمیان میں واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیش آ گیا۔ اہل فتنہ کے سردار حضرت علی کرم اللہ کے ربیب ہیں محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ جن کی وجہ سے یہ فتنہ پیش آیا، ان کی پرورش حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمائی تھی، اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں تھیں، باوجودیکہ حضرت علی اور ان کے صاحبزادے اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم اس فتنہ سے بالکل علیحدہ تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سراسر

حامی تھے، مگر مصالح وقتیہ وغیرہ کی وجہ سے نہ اہل فتنہ کو دفع کر سکے نہ اسکے بعد اپنے اقتدار اور بیعت کے بعد اہل فتنہ سے قصاص لے سکے، اس پر یہ عقیدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قوی ہو جانا مستبعد نہیں ہے کہ نظام خلافت جو کہ مادی قوت کا بہت زیادہ محتاج ہے، بنی ہاشم سے نہیں ہو سکتا وہ اگرچہ تقویٰ اور صلاحیت کی حیثیت سے بہت بلند ہیں، مگر مادی اور حسن تدبیری میں اعلیٰ قابلیت نہیں رکھتے، اس کے لئے غزوہ جمل اور غزوہ نہروان وغیرہ ان کے نزدیک بہت بڑے شہود عدل ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ہی لوگوں کو بھی سنبھال نہیں سکتے، خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ ہے کہ خلافت اور نظام اسلامی برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے لئے مادی طاقت اولین شرط ہے اور اس میں آج صرف بنی امیہ تمام قریش میں واحد مرکز ہیں، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بنی ہاشم اور دیگر مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ اس کے لئے یعنی خلافت اسلامیہ کے لئے اولین شرط تقویٰ اور خدا ترسی ہے، اور اس کے واحد مرکز بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت علی رضؓ ہیں، یہ دونوں اجتہادی نظریے اپنا پھل پھول لاتے ہیں، یقیناً ہمارے نزدیک حضرت علی رضؓ کا نظریہ صحیح ہے، اور جمہور اسلام بھی یہی رائے رکھتے تھے، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو بالکل غلط بھی نہیں کہا جا سکتا بہرحال صفین کا ناگوار واقعہ پیش آیا اور آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح اور شرائط کی نوبت آئی جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونگے۔

اب اس کے بعد بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا جسمیں اندرونی سازش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی، مگر اس کے لئے کوئی مستند ثبوت نہیں ہے اور نہ یہ امر ان نصوص کے موافق ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق قرآن اور احادیث صحیحہ میں وارد ہیں یا خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد ہیں، اس لئے اگر زہر کا واقعہ ثابت بھی ہو جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش یقیناً غلط اور بے بنیاد ہے۔

دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید کی خلافت کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوشش فرمائی، اور اس کو نامزد کیا اور لوگوں سے بیعت کا سامان کیا اور اسی امر کو آپ پوچھ رہے ہیں تو اس میں مندرجہ ذیل امور قابل لحاظ ہیں۔

(الف) اس کے متعلق آیا ایسی مستند تاریخی روایات موجود ہیں جن کو ان روایات صحیحہ اور نصوص قرآنیہ کے مقابل لایا جا سکے جو کہ علوشان صحابہ کرام پر دلالت کرتی ہیں، یقیناً ایسی روایات نہیں ہیں، اس لئے کیوں نہ کہا جائے کہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ خود یزید اور اس کے اعوان نے اس کے لئے کوشش کی، (یہ لوگ متقی نہ تھے اور ملوکیت پسند تھے۔)، عام مسلمان اور بالخصوص اہل حجاز اس کے خلاف تھے۔

(ب) اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یا سعی اس کے لئے ہوئی تھی تو جب کہ حسب شروط صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ان کی وفات ہو چکی تھی، تو پھر اب ان عہود و مواثیق کی رعایت باقی ہی نہیں رہی تھی جو کہ بحیثیت صلح ضروری تھیں، اب اپنے اجتہاد اور رائے پر عمل کرنا رہ گیا تھا، ان کی وہ رائے کہ مستحق خلافت وہ شخص قریشی ہو سکتا ہے جس میں مادی قوت اور حسن تدبیر ہو اور یہ امر آج بنی امیہ میں عموماً اور یزید میں خصوصاً موجود ہے، یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشاء کوچک کے فتح کرنے حتی کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا، تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے، اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان کے سامنے نہ ہوا تھا، اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی، ایک وہ شخص ہو کہ فقیہ فی الاسلام ہے حسب دعوات مستجابہ ہادی اور مہدی ہے۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا[1] کا مصداق اور وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ

[1] میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو اور میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ۔

وَالْعِصْیَان کا مظہر کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور اصحابی کالنجوم الحدیث اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوہم من بعدی غرضا وغیرہ احادیث د آیات کا مورد ہے، کیا وہ کسی مجاہر بالفسق والعصیان کو عالم اسلامی کی رقاب اور اموال وغیرہ کا ذمہ دار کر سکتا ہے۔

بخاری شریف کی بعض روایات سے کچھ اس نامزدگی کے اشارات معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں تصریح نہیں ہے صرف، رغبت اور پروپگنڈا مفہوم ہوتا ہے، پھر یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ یہ پروپگنڈا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امر اور اطلاع سے ہو رہا ہے۔

(ج) اگر بالفرض یہ امور تسلیم بھی کر لیئے جائیں تو غایۃ مافی الباب ایک خطا کا ارتکاب معلوم ہوتا ہے، جو کہ انسانی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری ہے، جس سے کوئی مقرب یا ولی خالی نہیں ہو سکتا، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان سے معصوم ہیں، اس کمزوری کا مرکز نہ صرف محبت اولاد ہے بلکہ یہ تجربہ اور ظن قوی بھی ہے کہ امت مسلمہ کے اس وسیع احاطہ کو بجز ایسی قاہر ہستی اور ایسے منتظم اور مادی قوت والے شخص کے موجودہ قریش میں سے کوئی سنبھال نہیں سکتا تھا، بنی ہاشم اور دیگر اشخاص میں اگرچہ ایسی بے مثال ہستیاں موجود ہیں جو کہ تقوی اور خشیۃ الہی کے آفتاب ہیں، مگر یہ امر اتنے بڑے اہم امر کے لیئے کافی نہیں ہے ورنہ سفک دماء اور اضافہ اموال اور فساد فی الارض پیدا ہوگا، اس لئے اہون البلیتین کو اختیار کرنا لازم ہے، ادھر تنافس خانگی بھی رنگ لاتا ہے۔

بہرحال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق حسن ظن جس کے لئے نصوص متعددہ وارد ہیں کسی حال میں چھوڑا نہیں جا سکتا، خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں ہیں، واللہ اعلم بالسرائر۔

قوم طہر اللہ سیوفنا عن دماءھم فلنطہر السنتنا عن اعراضہم[1] حضرت علی رض

---

[1] غالباً یہ حکیمانہ فقرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ہے کہ جس قوم کے خون سے ہماری تلواریں پاک ہیں تو ہم اپنی زبانوں کو ان کے بارے میں کیوں آلودہ کریں۔ (اصلاحی)

فرماتے ہیں وَنَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ الآیۃ کے مصداق میں اور معاویہ ہوں، غور فرمائیے۔

اس تحریر میں طول زیادہ ہو گیا ہے، مگر انشاء اللہ بہت سے امور میں مفید ہوگی، اسکو بغور ملاحظہ فرمانے کے بعد جو جو تنقیدات آپ کے خیال میں آئیں ان سے ضرور مطلع فرمائیں، میرے پاس اس وقت کتابیں نہیں ہیں اپنی ناقص محفوظات اور ناقص علم کی بنا پر عرض کر رہا ہوں،

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۳ جنوری سنہ ۴۴ء۔

# مکتوب نمبر ۸۹

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے ان امور میں جن کو میں نے دربارہ حضرت امیر معاویہ رضؓ اور یزید کے نامزد کرنے کے کہا تھا، بخوبی غور نہیں فرمایا، جو اشکال آپنے ظاہر فرمائے ہیں وہ اسی بنا پر ہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ قاسم العلوم نمبر ۴ صفحہ ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"تا وقتیکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید را ولیعہد خود کردند فاسق معلن نبود اگر چیزے کردہ باشد در پردہ کردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہ رضؓ را ازان خبر نبود علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ از وے مشہور است در بیت ام ملحان رضی اللہ عنہا کہ حضرت رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین یکبار دو بار خفتہ و بیدار شدند ہر بار خندیدند و در وجہ خندہ فرمودند کہ جماعتے از امتیان خود را دیدہ ام کہ در دریا جہاد می کنند و در شان اوشان فرمودہ اند ملوک علی الاسرۃ او مثل الملوک علی الاسرۃ مصداق

جس وقت حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولیعہد کیا تھا اس کا فسق ظاہر نہ تھا، اگر کچھ کیا ہوگا تو در پردہ جس کی خبر امیر معاویہؓ کو نہ تھی، اس کے علاوہ جہاد میں ان سے حسن تدبیر کا مشاہدہ ہونا، چنانچہ ام ملحان رضؓ کے گھر میں آنحضرت صلعم کا دو مرتبہ سونا اور جاگنا اور ہر مرتبہ ہنسنا مشہور بات ہے، آپ نے ہنسنے کی وجہ بیان فرمائی کہ میں نے اپنی امت کی ایک جماعت کو دیکھا ہے کہ وہ دریا میں جہاد کر رہی ہے۔ جن کے متعلق کہا گیا ہے ملوک علی الاسرۃ ومثل الملوک علی الاسرۃ اس دوسرے خواب کا مصداق یزید اور اس کے

خواب ثانی ہمیں یزید ہمراہیانش برآمدند چنانچہ بر
تاریخ داناں و حدیث خواناں پوشیدہ نیست غایۃ
مافی الباب بسبب خرابیہاے پنہانی کہ داشت ہمچو
منافقان کہ در بیعۃ الرضوان شریک بودند بوجہ
نفاق رضوان اللہ نصیب اوشان نشد یزید ہم
از فضائل ایں بشارت محروم ماند، و ایں طرف
مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دربارۂ خلافت
آن بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زیاد از دیگراں
باشد گو افضل از او باشد افضل است از دیگراں
نظر بریں او را افضل از دیگراں دانستند و اگر
افضل ندانستند پس بیش ازیں نیست کہ ترک
افضل کردند، چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شدہ کہ
استخلاف افضل است نہ واجب لیکن ایں
قدر گناہ نتواں گفت کہ بسب و شتم امیر معاویہ رض
پیش آئیم، و ایں طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
را از اجلہ صحابہ نمی شماریم کہ بہ نسبت ترک
افضل و اولی ہم دریں چنیں امور معتدۃ نمائم
ہاں پس از انتقال اوشاں یزید پائے خود از شکم
برآوردہ دل بکام و دست بجام سپرد اعلان نمود
ترک صلوٰۃ داد بحکم بعض مقدمات سابقہ قابل عزل
گردید و ایں قسم تحول احوال گفتہ آمدہ ام کہ ممکن است

ساتھی ہی نکلے، جیسا کہ تاریخ جاننے والوں
اور احادیث کے پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے
نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح بیعۃ الرضوان میں منافقین شریک
ہوئے اور نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی
سے محروم ہو گئے، یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں
کی وجہ سے اس بشارت کی فضیلت سے محروم ہو گیا
اور ادھر امیر معاویہ رض کا مذہب خلافت کے بارے
میں یہ تھا کہ جو شخص بادشاہت کرنے کا سلیقہ دوسروں
سے زیادہ رکھتا ہو، اگرچہ اس سے بہتر لوگ موجود ہوں
مگر ترجیح اسی کو ہو گی، اس بات کو نظر میں رکھتے ہوئے
یزید کو دوسروں سے بہتر جانا یا اگر بہتر نہیں سمجھا تو
اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ افضل کو ترک کر دیا
جیسا کہ مقدمات سابقہ سے واضح ہو چکا ہے کہ استخلاف
افضل و برتر افضل ہے نہ کہ واجب، جس کو گناہ بھی نہیں کہہ سکتے
کہ سب و شتم کے ساتھ امیر معاویہ رض سے پیش آیا جائے
ہاں امیر معاویہ رض کو ہم اجلہ صحابہ میں شمار نہ کریں گے
کہ اولی اور افضل کو چھوڑنے کی وجہ سے اس طرح کے امور میں
البتہ امیر معاویہ رض کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے
اور دل و جان سے برائی میں لگ گیا، برائی کا اعلان
شروع کر دیا، نماز چھوڑ دی پس بعض مقدمات گذشتہ کی
بنا پر عزل کر دینے کے لائق ہو گیا، حالات میں اس طرح کا

محال نیست مگر دریں وقت رائے اہل الرائے وتدبیر مختلف افتاد کسے را کہ اندیشہ فتنہ وفساد غالب افتاد ناچار دست بہ بیعتش بکشاد و احتراز عن المعصیۃ شرط اتباع معروف درمیان نہاد، وآن را کہ بعد یک جماعت کثیر، مثلاً امید غلبہ ورجاء شوکت بنظر آمد حسبۃً للہ برخاست و تہیہ کار زار ساخت پس ہرچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ و امثال اوشان کردند بجا کردند و آنچہ حضرت سید الشہداء نمودند عین حق وصواب نمودند بنا را این اختلاف بر اختلاف امید است نہ بر اختلاف در جواز اصل فعل و عدم جواز آں مگر انجام کار بوجہ نقض عہد کوفیان تدبیر حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ بر نشانہ نہ نشست در روز عاشورا قیامت قبل از قیامت در میدان کربلا برخاست انا للہ وانا الیہ راجعون

برہمیں کار نہ فقط حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ راپیش آمد درجہاں این چنیں اکثر پیش می آید واقعہ احد وحنین شنیدہ باشی پس چناں کہ شہیدان احد وحنین بذروہ شہادت رسیدہ اند از اں برہمی کار خللے در فضائل اوشان راہ نیافت ہمچنیں شہیدان کربلا را باید شناخت

واین وقتے است کہ بمجرد استخلاف امیر معاویہ رض یا بیعت مردم یا تسلط او خلافتش را عام وشامل شمارند

الٹ پھیر جیسا کہ میں نے کہا ہے ممکن ہے محال نہیں ہے شاید اسوقت ارباب حل وعقد کی رائیں اور تدبیریں مختلف ہو گئیں کسی پر فتنہ وفساد کا غلبہ ہو گیا مجبوراً بیعت قبول کر لی اور گناہ سے بچنے کے لئے اتباع معروف کو بطور شرط نظر رکھا اور جسکو ایک جماعت کثیرہ کے وعدوں پر کامیابی اور غلبہ کی امید دکھائی دی خدا کے بھروسہ پر تیار ہو گیا اور لڑنے کا فیصلہ کر لیا، لہذا جو کچھ حضرت عبد اللہ بن عمر رض اور آپکی طرح دوسروں نے کیا ٹھیک کیا، اور اسیطرح سید الشہداء نے جو کچھ کیا بالکل ٹھیک اور درست کیا اس اختلاف کی بنیاد امیدوں کے اختلاف پر ہے، نہ کہ اصل فعل کے جائز و ناجائز کی بنا پر اختلاف ہوا ہے، مگر اہل کوفہ کی غداری کیوجہ سے حضرت امام حسین رض کی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور عاشورا کے دن میدان کربلا کے اندر قیامت سے پہلے ایک قیامت قایم ہو گئی۔ انا للہ الخ

اس طرح کے کاموں میں ایسی باتیں فقط سید الشہداء رض ہی کو پیش نہیں آئی ہیں، بلکہ جہادوں میں اکثر آیا کیے ہیں مثلاً واقعہ احد وحنین کو سنا ہی گیا ہے، پس جسطرح شہداء احد اور حنین شہادت کے مرتبہ پر پہنچے اور ان ہر دو واقعات میں کچھ کمزوری ہو جانیکی وجہ سے انکے فضائل میں خلل نہیں پڑا، اسیطرح

اور یہ اس وقت ہے کہ صرف استخلاف امیر معاویہ رض یا لوگوں کا بیعت کر لینا یا انکا تسلط ہو جانا وغیرہ کیوجہ سے

اگر بایں قدر کہ بوقوع آمد نقط بانعقاد مطلق خلافت او قائل شویم و عموم و شمول خلافتش را تسلیم نکنیم گوئیم کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ و اتباع او شان از ربقہ طاعت او ہنوز خارج بودند حالت عزل ہیچ نیست و او شان را در نزد بر محذورے نے و ایں فرق انعقاد مطلق و عموم انعقاد ہر چند امروز کم جہان نفہمند مگر بہ تتبع معاملات سابقین واضح است کہ بیعت ہر کس را از اہل حل و عقد فقط موجب اطاعت در حق او و در حق خدم او می شمردند ورنہ حاجت بیعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ و اہتمام بداں بر دست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چہ بود و ہمچنین یزید بعد بیعت اہل شام و دیگر اہل حل و عقد خواستگار بیعت از حضرت حسین و عبد الرحمن ابن ابی بکر و دیگر رضوان اللہ علیہم نشدے، چوں ایں قدر دانستہ شد دیگر معلوم باد کہ مدار کار بر نیت است بشہادت انما الاعمال بالنیات و حسن نیت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ قابل آں نیست کہ در آں تردد کردہ آید۔

اندریں صورت در شہادت حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ چہ تردد نہ یزید در حق او شان خلیفہ بود نہ خروج بر و ممنوع و اگر خلیفہ بود تاہم خروج

انکی خلافت عام اور سب کو شامل شمار کریں اور اگر اسی کو مان لیں کہ جو ہوا تو صرف انکی خلافت کے مطلقاً منعقد ہونے کے ہم قائل ہونگے اور انکی خلافت کے عموم و شمول کے قائل نہ ہونگے تو ہم صاف کہدینگے کہ حضرت امام حسین رض اور آپکے اتباع و انصار امیر معاویہ رح کی اطاعت کی ذمہ داری سے ہنوز خارج تھے معزولی کی صورت ضرورت نہیں ہے اور انکی حالت میں ان لوگوں کے خروج عن الحق کا بھی ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اگرچہ نا سمجھ لوگ انعقاد مطلق اور عموم انعقاد کے فرق کو نہیں سمجھتے ہیں گذشتہ واقعات کے تتبع سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ارباب حل و عقد میں سے ہر ایک کا بیعت کر لینا صرف اسکے حق میں اور اسکے ماتحتوں کے حق میں طاعت کا سبب شمار کرتے ہیں ورنہ پھر حضرت ابوبکر رض کے دست مبارک پر حضرت علی رض کے بیعت کر لینے کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی اسیطرح یزید بھی اہل شام اور ارباب حل و عقد کے بیعت کر لینے کے بعد حضرت حسین رض و عبد الرحمن ابن ابی بکر اور دیگر بزرگوں کا خواستگار نہیں ہوا جب اتنی بات معلوم ہو چکی تو، جاننا چاہیے کہ ہر کام کا دار و مدار نیت ۔۔۔۔۔ پر ہے کیونکہ حدیث میں ہے۔ انما الاعمال بالنیات اور حضرت امام حسین رض کے حسن نیت اسکی مقتضی نہیں کہ اس میں تردد و تذبذب کو راہ دیجائے۔

ہو۔ درہ صورت میں حضرت امام حسین رض کی شہادت میں کیا شبہ ہے یزید تو آپکا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا ناجائز تھا، اور اگر خلیفہ تھا بھی تو بھی اس پر خروج ممنوع

ممنوع نہ بود و اگر خروج ممنوع بود عزل ممنوع نہ بود و بالجملہ وجود ممانعت مفقود و موجبات جہاد موجود در حسن نیت کلام نیست باز اگر ایشان شہید نشوند دیگر کدام خواہد بود و ازیں ہم درگذشتیم اگر موجبات جہاد نہ بودند ایشاں نیز از قصد جہاد باز آمدہ می خواستند کہ براہ خود روند لشکریان یزید پلید نگذاشتند و محاصرہ کردہ ظلماً شہید ساختند من قتل دون عرضہ و مالہ فہو شہید۔

باقی ماند ایشان مخالفت اجماع کردند جوابش اینست کہ اول اجماع مسلم نیست اگر باشد عدم مخالفت باشد بایں ہمہ اجماع بر عدم جواز خروج بر فساق است و معنی آن ہر چہ ہست عرض کردہ شد از اجماع بر عدم جواز خروج بر نفس فسق لازم نمی آید کہ خصوصیات زائدہ مراتب ایں کلی مشکک نیز موجب خروج نتوان شد بایں ہمہ اجماع غیر مسلم وقتیکہ حضرات حسنین رضوان اللہ علیہما و عبد اللہ بن الزبیر و اہل مدینہ کارے کردہ باشند مخالف آن را مجمع علیہ چگونہ تواں گفت و اگر بالفرض اجماع را تسلیم کنیم آن اجماع اگر منعقد گردیدہ بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ منعقد گردید مخالفت ایں

نہ تھا، اور اگر مان ہی لیا جائے کہ خروج کرنا امام رضی اللہ عنہ کا جائز نہ تھا تو عزل ممنوع نہ تھا، خلاصہ یہ کہ ممانعت کے اسباب مفقود اور اسباب جہاد موجود تو پھر حسن نیت میں کیا کلام کیا جا سکتا ہے، پھر اگر یہ حضرات شہید نہ ہونگے تو دوسرا کون شہید ہوگا، اور ہم اسکو بھی چھوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اسباب جہاد نہ بھی تھے تو آپ نے جہاد کے ارادہ سے باز آکر چلے جانے کا راستہ مانگا مگر یزید پلید کے لشکریوں نے جانے نہ دیا اور گھیر کر مظلوم شہید کر دیا، حدیث میں ہے جو شخص نے اپنے مال اور آبرو کی حفاظت میں قتل کر دیا گیا وہ بھی شہید ہے۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے اجماع کی مخالفت کی سو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اجماع ہی تسلیم نہیں ہے، اگر ہو بھی تو اس بنا پر کہ مخالفت نہیں کی گئی بایں ہمہ فاسق پر نہ خروج کرنے کے عدم جواز پر اجماع ہوا اور اسکا مطلب جو کچھ کہ ہے پہلے عرض کیا گیا، عدم جواز پر اجماع کی وجہ سے نفس فسق پر خروج کرنا لازم نہیں آتا ہے، کیونکہ اس کلی مشکک کے مراتب کے خصوصیات زائدہ بھی موجب خروج نہیں ہو سکتیں پس اجماع غیر مسلم ہے جبکہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما و عبد اللہ بن زبیر اور اہل مدینہ نے فیصلہ کر لیا تھا مخالف اسکو متفق علیہ کیسے کہہ سکتا ہے اور اگر بالفرض اجماع کو مان ہی لیا جائے تو وہ اجماع حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد منعقد ہوا ہے لہذا اس اجماع کی مخالفت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کچھ

اجماع حضرت امام رضی اللہ عنہ را چہ مضر۔ نہایۃ ما فی الباب امام ہمام رضی اللہ عنہ در زمان خود در یک مسئلہ مختلف فیہ خطا کردند و لا محذور فیہ چنانچہ عرض کردہ باشد اکنون وقت آن ست کہ عبارت نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ درین بارہ نقل کردہ شود تا تفصیل اجمال و تصدیق این مقال بدست آید

"اجمع اھل السنۃ ان لا ینعزل السلطان بالفسق واما الوجہ المذکور فی کتب الفقہ لبعض اصحابنا انہ ینعزل و حکی المعتزلۃ ایضاً فغلط من قائلہ مخالف للاجماع قال العلماء وسبب عدم انعزالہ و تحریم الخروج علیہ ما یترتب علی ذلک من الفتن و اراقۃ الدماء و فساد ذات البین فتکون المفسدۃ فی عزلہ اکثر منہا فی بقائہ قال القاضی عیاض رحمہ اللہ اجمع العلماء علی ان الامامۃ لا تنعقد لکافر و علی انہ لو طرأ علیہ الکفر انعزل قال وکذا لو ترک اقامۃ الصلوۃ والدعاء الیہا قال وکذالک عند جمہورہم البدعۃ قال بعض البصریین تنعقد لہ وتستدام لہ لانہ متاول قال القاضی

مضر نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام موصوف نے اپنے زمانہ میں ایک اختلافی مسئلہ میں غلطی کر گئے جس میں کوئی شرعی بازپرس نہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اب ہم امام نوویؒ کی عبارت درج کر دینا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ اس اجمال کی تفصیل اور گذشتہ باتوں کی تصدیق ہو جائے

اہل سنت کا اجماع ہو چکا ہے کہ بوجہ فسق کے خلیفہ معزول نہیں ہوگا، لیکن ہمارے بعض اصحاب شوافع کی فقہی کتابوں میں ہے کہ معزول ہوگا، اور معتزلہ سے بھی یہی حکایت کی گئی ہے سو یہ غلط ہے اور مخالف ہے اجماع کے علما نے فرمایا ہے کہ سلطان کے معزول نہ کرنے اور اس پر خروج نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے خونریزی، فتنہ و فساد باہمی بڑھ جائیگا، اور معزولی کا مفسدہ اس کے باقی رہنے سے زیادہ ہو جائیگا، قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ علما کا اجماع اس بات پر ہو چکا ہے کہ کافر کی امامت منعقد نہیں ہوتی ہے، اور اگر امام پر کفر طاری ہو جائے تو معزول کر دیا جائے گا، اور کہا ایسا ہی اگر نماز قائم کرنا اور اسکی طرف بلانا چھوڑ دے تو بھی معزول ہوگا، فرمایا اسی طرح جمہور کے نزدیک بدعت کا ایسا ہی بھی فرماتے ہیں کہ بعض بصریین قائل ہیں کہ بدعتی کی امامت منعقد ہوگی اور باقی رہیگی، کیونکہ وہ تاویل کرتا ہے

فلو طرأ عليه كفر وتغيير للشرع او بدعة
خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته
ووجب على المسلمين القيام عليه و
خلعه ونصب امام عادل ان امكنهم
ذلك فان لم يقع ذلك الا لطائفة
وجبت عليهم القيام بخلع الكافر ولا يجب
في المبتدع الا اذا ظنوا القدرة عليه
فان تحققوا العجز لم يجب القيام وليهاجر
المسلم من ارضه الى غيرها ويفر بدينه
قال ولا ينعقد لفاسق ابتداء فلو طرأ
على الخليفة فسق قال بعضهم يجب خلعه
الا ان يترتب عليه فتنة وحرب قال
جماهير اهل السنة من الفقهاء والمحدثين
والمتكلمين لا ينعزل بالفسق والظلم
وتعطيل الحقوق ولا يخلع ولا يجوز
الخروج عليه بذلك بل يجب وعظه
وتخويفه للاحاديث الواردة في ذلك
قال القاضي وقد ادعى ابوبكر بن مجاهد
في هذا الاجماع وقد رد عليه بعضهم
هذا بقيام الحسين وابن زبير واهل
المدينة على بني امية وبقيام جماعة

قاضی صاحب فرماتے ہیں اگر کفر اس پر طاری ہوا اور شریعت کے
اندر تغیر یا بدعت شروع کر دیا تو خلافت وولایت کے حکم سے
نکل گیا اور اسکی اطاعت جاتی رہی لہذا مسلمانوں پر اسکے خلاف
اٹھنا، اسکو علیحدہ کرنا اور دوسرے عادل امام کو مقرر کرنا واجب
ہو جاتا ہے بشرطیکہ اسکی قدرت ہو پس اگر ایسا کچھ ہی لوگ
کر سکیں تو کافر کو علیحدہ کرنے کیلئے تو اٹھنا واجب ہو جاتا ہے
اور بدعتی پر واجب نہیں ہوتا ہے مگر اس صورت میں کہ بدعتی
کے علیحدہ کرنے پر لوگوں کو امکانی طاقت ہو اور مجبوری متحقق
ہو جائے تو ایسے وقت میں اٹھنا نہیں چاہئے بلکہ مسلمانوں
کو چاہئے کہ اپنے ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کر جائیں
اور اپنے دین کی طرف بھاگیں۔ فرمایا اور فاسق کی امامت
شروع شروع میں منعقد نہ ہوگی ہاں اگر خلیفہ فاسق ہو گیا
تو بعض اس کے عزل کو واجب کہتے ہیں بشرطیکہ فتنہ فساد
اور جنگ وجدال نہ ہو جمہور اہل سنت سے فقہا محدثین
اور متکلمین نے کہا ہے کہ خلیفہ کی معزولی بوجہ فسق، ظلم اور
لوگوں کے حقوق کو چھوڑ دینے کی بنا پر نہ ہوگی اور نہ اسکو
علیحدہ کیا جائیگا اور نہ اس پر اٹھنا جائز ہوگا بلکہ اسکو سمجھانا
اور ڈرانا ضروری ہوگا، ان حدیثوں کی بنا پر جو اس بارے
میں موجود ہیں، قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ابوبکر
ابن مجاہد نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور لوگوں نے امام
حسین، ابن زبیر اور اہل مدینہ کا بنی امیہ پر خروج کرنا اور

عظیمة من التابعین والصدر الاول
علی الحجاج مع ابن الاشعث وتأول
هذا القائل قوله ان لا ننازع الامر
اهله فی ائمة العدل وحجة الجمهور
ان قیامهم علی الحجاج لیس بمجرد
الفسق بل لما غیر من الشرع وظاهر من
الکفر قال القاضی وقیل ان هذا الخلاف
کان اولا ثم حصل الاجماع علی منع
الخروج علیهم واللہ اعلم انتهی بلفظه

پس از مطالعہ این عبارت تصدیق اکثر مقدمات
مذکورہ حاصل می شود بالجملہ بر اصول اہل سنت
حال یزید بہ نسبت سابق متبدل شد نزد بعض
کافر شد و نزد بعض کفر او متحقق نہ گشت اسلام
سابق مخلوط بفسق لاحق شد اگر حضرت امام
کافرش پنداشتند در خروج بروچہ خطا کردند
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ را ہمیں خاطر پسند
خاطر افتاد مگر چنانکہ ممکن است کہ کفر کسے
نزدیکے متحقق شود و نزد دیگراں نشود
ہمچنیں خروج بر ودر حق ایں و آں مختلف
خواہد بود اتفاق در تکفیر و تفسیق و تعدیل و
تجریح کسے از ضروریات دینی یا از بدیہیات

اور تابعین کی ایک بڑی جماعت اور صدر اول کا حجاج
پر مع ابن الاشعث کے اٹھنے کو پیش کر کے ان کا رد
کیا ہے اور قائلین نے انکے قول "لاننازع الامر اہلہ"
کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد امام عادل ہے اور
حجاج پر خروج کی دلیل جمہور کی یہ ہے کہ محض اس کے
فاسق ہونے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس نے شریعت میں تغیر
اور اظہار کفر کیا، قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ
یہ اختلاف پہلے تھا، بعد کو ایسے لوگوں پر اٹھنا
منع ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

علامہ نووی کی اس عبارت کے مطالعہ کے بعد مقدمات
گزشتہ کی تصدیق ہو جاتی ہے پس اہل سنت کے اصول
پر یزید کی سابق حالت بدل گئی، بعض کے نزدیک
کافر ہو گیا اور بعض لوگوں کے نزدیک اسکا کفر ثابت نہیں
ہوا بلکہ سابق اسلام فسق کے ساتھ مخلوط ہو گیا، اگر امام
موصوف نے یزید کو کافر سمجھا تو اسپر خروج کرنے میں کیا
غلطی فرمائی، امام احمدؒ کو یہی بات پسند آئی جیسا کہ
یہ بات ممکن ہے کہ کسی کا کافر ہونا ایک شخص کے نزدیک
ثابت ہو اور دوسروں کے نزدیک ثابت نہ ہو ایسا ہی
اس پر خروج کرنے میں اختلاف ہو جائیگا، اور تکفیر
تفسیق، تعدیل اور جرح وغیرہ وغیرہ پر کسی کا اتفاق
کرنا ضروریات دینی یا بدیہیات عقلی میں سے نہیں

عقلی نیست کہ حاجت معذرت افتد
و در صورت فسق انچہ پیش کردہ ام یاد
خواہد بود تاہم ہیچ صعوبتے بر اصول اہل سنت نیست
چہ یزید اندرین صورت یا فاسق معلن بود تارک
صلوٰۃ وغیرہ یا مبتدع بود چہ از دستگاہ ناصب
است باایں ہمہ خلافتش غیر مسلم، نظر بریں وجوہ
بیاد ملفوظات سابقہ در خروج بر وے ہیچ قباحتے نے
باایں ہمہ خروج براین چنیں کساں تا حال نزد ہمہ
جائز واگر نزد ہمہ جائز نیست نزد بعض جائز چنانچہ
از مشاہدہ عبارت نووی رحمۃ اللہ علیہ واضح است
و در مسائل مختلفہ خلاف یکے مر دیگراں را موجب
تفسیق او شان آید و بطلان اعمال او عند اللہ
نمی تواں شد چنانچہ دانستہ شد۔

واگر فرض کنیم بر عدم جواز خروج بر چنیں
کساں اجماع است اجماع حادث است
اجماع قدیم نیست تا بر اصول اہل سنت در شہادت
امام ہمام رضی اللہ عنہ تردد راہ یابد زیادہ از
زیادہ اگر کسے گوید ایں بگوید کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ
خطا کردند لیکن چہ حرج المجتہد یخطی و یصیب
بنای ثواب بر نیت خطائے اجتہادی در یں
بارہ حرج حال نمی شود چنانچہ از اصول اہل سنت

ہے عذر و معذرت کی ضرورت پیش آئے۔
اور فسق کی صورت میں جو کچھ کہ میں نے پیش کیا ہے وہ تو
یاد ہی ہوگا، پھر بھی اہل سنت کے اصول پر کوئی دشواری
نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یزید یا تو کھلم کھلا فاسق تھا
یعنی تارک نماز وغیرہ یا پھر بدعتی تھا یعنی بہت بڑا ناصبی تھا
ان تمام باتوں کے باوجود اسکی خلافت عام طور پر غیر مسلم تھی
ان وجوہ مذکورہ کی بنا پر اسکے خلاف خروج کرنے میں کوئی
قباحت نہیں رہ جاتی ہے پس ایسے لوگوں کے خلاف اٹھنا
اسوقت تمام لوگوں کیلئے جائز ہے اور اگر تمام کے نزدیک جائز
نہیں ہے تو بعض کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ علامہ نووی کی عبارت
سے سمجھا جاتا ہے اور مسائل مختلف فیہ میں ایک کا خلاف دوسرے
کے حق میں فسق و فجور کا سبب یا انکے اعمال کا خدا کے نزدیک رائیگاں
ہو جانا نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ سمجھا جاتا ہے۔

اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ایسے لوگوں پر خروج کرنے کے
عدم جواز پر اجماع ہو چکا ہے تو اسکا جواب ہے کہ یہ اجماع حادث
ہے قدیم نہیں ہے کہ اہل سنت کے اصول پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی
شہادت میں شبہ و تردد کو دخل ہو، زیادہ سے زیادہ
اگر کوئی کچھ کہہ سکتا ہے تو یہ کہ امام موصوف نے غلطی کی
لیکن کوئی مضائقہ نہیں جبکہ مشہور ہے کہ مجتہد کبھی چوک جاتا ہے
اور کبھی نہیں لہذا اجتہادی غلطی کی وجہ سے
ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی جیسا کہ اہل سنت کے اصول

مصرح است وہم واضح است چہ اگر بظن غروب روزہ افطار کرد تا نماز مغرب بخواند ہنوز آفتاب غروب نشدہ بود ایں کس را تا آخر عمر بر خطائے خود اطلاع نشد ہرگز عاقلے تجویز نمی تواں کرد کہ از ثواب محروم ماند ورنہ تکلیف ما لا یطاق لازم خواہد آمد ہو محال لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

آرے بر طبق اصول شیعہ شہادت حضرت امام الشہداء در کنار دین و ایمان بشان ہم از دست می رود نعوذ باللہ منہا، اگر باور نباشد بنگر کہ در کافی کلینی روایات دریں باب کہ ہر کرا تقیہ نیست دین و ایمان ندارد وارد شدہ اند مع سند نقل می کنم۔

(۱) عن ابن عمیر ھشام بن سالم عن ابن ابی عمیر الاعجمی قال قال ابو عبد اللہ یا ابا عمیر ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ والتقیۃ فی کل شی وفی المسح علی الخفین۔

(۲) عن محمد بن یحیی عن احمد بن محمد بن عمر بن خلاد قال سالت ابا الحسنؑ عن القیام للولاۃ فقال ابو جعفر التقیۃ

میں طے ہو چکا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی آفتاب کے غروب کو سمجھ کر روزہ افطار کرلے تاکہ نماز مغرب ادا کرے اور ابھی آفتاب ڈوبا نہیں تھا اور اس آدمی کو زندگی بھر اپنی غلطی کا علم نہیں ہوا کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ غریب ثواب سے محروم ہوگیا۔ ورنہ پھر تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی جو محال ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔

البتہ امامیہ کے اصول پر حضرت امام حسین کی شہادت دین وایمان سے بھی خارج ہو جاتی ہے معاذ اللہ منہا۔ اگر کسی کو یقین نہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ کافی کلینی کے اندر اس باب میں جو روایات ہیں انکو دیکھے لکھا ہے کہ جس نے تقیہ نہیں کیا اسمیں نہ تو دین ہے اور نہ ایمان جنکو مع سند کے ہم نقل کرتے ہیں

(۱) ابن عمیر روایت کرتے ہیں ہشام بن سالم سے وہ روایت کرتے ہیں ابن ابو عمیر اعجمی سے کہ کہا فرمایا ابو عبد اللہ نے اے ابو عمیر دین کا نو حصہ تقیہ میں ہے اسکا دین نہیں ہے جو تقیہ نہیں کرتا، اور تقیہ تو ہر چیز میں ہے اور مسح الخفین میں بھی۔

(۲) محمد بن یحیی روایت کرتے ہیں احمد بن محمد بن عمر بن خلاد سے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بادشاہ و حاکم کیلئے اٹھنے کے متعلق سوال کیا ابو جعفر نے جواباً فرمایا

دینی و دین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ
از یں دو روایت مثل آفتاب روشن می بر آید
کہ ہر کہ تقیہ نکند بے دین بے ایمان است اکنوں از
حضرات شیعہ التماس است کہ اگر ہمیں تقیہ است
حسن خاتمہ حضرت امام الشہداء معدوم چہ جائیکہ شہادت
و ظاہر است کہ دریں روایت ہیچ گونہ گنجائش تاویل
یا تخصیص نیست اگر تاویل فرمانید یا تخصیص بعدد ے
و شخصے نمائید مسموع نخواہد بود اکنون ازیں چارہ
نیست کہ مذہب اہل سنت اختیار کنند و اگر از
اتباع حق عار و انکار است لاجرم از ائمہ دوازدہ گانہ
کل یازدہ باقی خواہند ماند دریں صورت انکار از
حق و اصرار بر مذہب باطل لاجرم خواہد آمد۔

. . . . . . . . . . . . . .

چہ حضرت امام را دریں ضیق و ناچاری کہ مقابل سی ہزار
فوج جرار چند معدود بودند و آں ہم یکے بعد
دیگرے شربت شہادت چشیدند تقیہ لازم بود
اگر در اول امر امید بود در آخر وقت کہ ہیچکس
نماند تقیہ لازم افتادہ بود ؎

کہ تقیہ میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے اسکا ایمان نہیں جو تقیہ نہیں کرتا،
ان دونوں روایتوں سے آفتاب کیطرح واضح ہو جاتا
ہے کہ جو شخص تقیہ نہیں کرتا وہ صرف بے دین بلکہ بے ایمان
بھی ہے ایسی صورت میں حضرات شیعہ سے گزارش ہے کہ
اگر یہی تقیہ ہے تو پھر حضرت امام الشہداءؓ کے حسن خاتمہ
ہی یقینی نہیں پھر شہادت تو دوسری بات ہے صاف
ظاہر ہے کہ ان روایات میں نہ تو تاویل کی اور نہ تخصیص
کی کوئی گنجائش ہے، اگر تاویل تخصیص کریں بھی تو کون
قبول کریگا ہے سوائے اس کے چارہ کار نہیں کہ اہل سنت
کا مذہب اختیار کریں، اور اگر حق مذہب و طریقہ کے اتباع
میں شرم محسوس ہوتی ہے اور انکار ہی کرتے ہیں تو ناچار پھر
دوازدہ امام یازدہ باقی رہجاتے ہیں، اس صورت میں
حق کا انکار اور باطل مذہب پر ضد کرنا لازم آتا ہے،
کیونکہ حضرت امامؓ اس مجبوری و لاچاری میں کہ تیس ہزار فوج
کے مقابلہ میں صرف چند گنتی کے لوگ نکا ہوتا اور پھر یکے بعد
دیگرے شربت شہادت کو نوش فرمانا اس حالت میں تقیہ کرنا
ضروری تھا، مانا کہ ابتداءً امید تھی لیکن جبکہ آخر میں کوئی
نہیں رہ گیا تھا تقیہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

و جواب دیگر انشاء اللہ تعالیٰ بشرط فرصت عنقریب بنظر سامی خواہد گذشت لا تقنطوا ایں روایت دوست
کہ نقل کردہ شد اگر احتمال دروغ باشد مطابق نمائید اگر نزد شما کافی کلینی موجود باشد نسخہ مطبوعہ طہران

نزدما موجود است ملاحظہ نمایند۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہٗ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔" (صفحہ ۱۷ قاسم العلوم ص۱۱)

میں نے یہ عبارت بتمامہا آپ کے سامنے پیش کر دی ہے، یہ رسالہ اسی شبہہ کے متعلق لکھا گیا ہے جس کو آپ نے پیش فرمایا ہے صفحہ ۱۳ تک تمہیدات ہیں جن میں بہت سی مفید باتیں آگئی ہیں، مگر تطویل کے خوف سے اصل مقصد عرض کر دیا گیا۔

مورخین کا یہ قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے فسق وفجور کا علم تھا اور وہ معلن بالفسق تھا، اور باوجود اس کے انھوں نے استخلاف کی کوششیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات سے ہی شروع کر دی تھیں، یقیناً شان صحابیت ہی نہیں بلکہ شان عدالت کے بھی خلاف ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں ہے

| | |
|---|---|
| كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الآیہ (عمران) | اور تم ہو بہتر امتوں سے جو بھیجی گئی ہے عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔ |
| وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ الآیہ (بقرہ) | اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر۔ |
| مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (فتح) | محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں، ڈھونڈھتے ہیں اللہ کا فضل اور اسکی خوشی، پہچان ان کی ان کے منہ پر ہے سجدہ کے اثر سے |
| وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ | اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے پر اللہ |

اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (حجرات)

نے محبت ڈالدی تمہارے دلوں میں ایمان کی اور اچھا دکھایا اسکو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈالدی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی، وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جانتا

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (تحریم)

جس دن کہ اللہ ذلیل کریگا نبی کو اور ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اس کے ساتھ، انکی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور انکے داہنے کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے پوری کردے ہمکو ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو بیشک تو سب کچھ کرسکتا ہے۔

ان آیات کو اور ان کے مثل دیگر آیات کو جو کہ قطعی طور پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اعلیٰ درجہ کی صفات کمالیہ پر شہادت دیتی ہیں، اور جنکے مصداق اول یہی حضرات ہیں انہی کے ساتھ ساتھ ان اخبار احادیث صحیحہ کو بھی لیجیے جو کہ عامہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی شان میں وارد ہیں مثلاً

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ (الحدیث)

میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں ان میں جن کی تم اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم۔ (الحدیث)

سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو اس سے متصل پھر جو اس سے متصل ہے۔

فلوان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد اصحابی ولا نصیفہ الحدیث (او کما قال)

اگر کوئی تم میں پہاڑ احد کے برابر سونا خرچ کرے تو میرے صحابی کے مد کے ثواب اور نہ اسکے آدھے ثواب کے برابر پہنچے۔

اللہ اللہ فی اصحابی من احبھم و من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم

ڈرو اللہ سے ڈرو اللہ سے میرے اصحاب کے بارے میں پس جو دوست رکھتا ہے انکو میری دوستی کی وجہ سے

فبغضی ابغضہم ... الحدیث ... دوست رکھتا ہے انکو اور جو شخص کہ دشمن رکھتا ہے پس بسبب دشمنی میری کے دشمن رکھتا ہے۔

ان روایات کے ہم معنی بہت احادیث صحیحہ ہیں جو کہ عامۃً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اعلیٰ مناقب پر دلالت کرتی ہیں، پھر اس کے ساتھ اجماعِ امت کو لیجئے جو کہ تبلاتا ہے کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ایک لحظہ کے لئے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرلی اور ایمان پر اس کی وفات ہوئی وہ بعد کے تمام اولیاء اور اتقیاء اور ائمہ وغیرہ سے افضل ہے، ان امور مذکورہ بالا کو دیکھتے ہوئے اگر مورخین کی یہ بات کہ فاسق یزید اور معلن بالفسق کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نامزد بالخلافۃ کیا مانی جائے گی تو ان تمام نصوص کی تذلیل و توہین ہی نہیں بلکہ انکار لازم آئے گا ایسی صورت میں تو معاذ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتہائی فسق اور معصیت میں مبتلا ہوئے اور اسی پر ان کی وفات ہوئی بلکہ درجہ کفر تک العیاذ باللہ نوبت آتی ہے، (کیونکہ استحلال بالمعصیۃ صاف ٹپکتا ہے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مامن عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ فلم یحطہا بنصیحۃ لم یجد رائحۃ الجنۃ (بخاری) کوئی بندہ ایسا نہیں کہ اگر اسکو اللہ تعالیٰ نے کسی رعیت کا والی و حاکم بنایا اور اس نے انکی نگہبانی اور حفاظت انکی خیر خواہی کیساتھ نہ کی تو اسکو جنت کی خوشبو بھی نہ ملیگی

مامن وال یلی رعیۃ المسلمین فیموت وھو غاش لھم الاحرم اللہ علیہ الجنۃ (بخاری) کوئی شخص اگر مسلمان رعایا کا والی اور حاکم بنایا گیا اور اس حالت میں مرا کہ وہ ان کے حقوق میں خیانت کرنے والا ظالم تھا تو جنت اس پر حرام ہوگی۔ (متفق علیہ)

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامام راع وھو مسئول عن رعیتہ الحدیث (بخاری) خبردار ہو جاؤ تم سب کے سب راعی اور والی ہو اور تم سب مسئول ہو اپنی رعیت سے، امام جو کہ لوگوں پر مقرر کیا گیا ہے راعی ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے۔

من غشنا فلیس منا الحدیث (ق) جس نے ہم کو دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

یہ مورخین کی روایتیں تو عموماً بے سر و پا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے، اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں مر عنت و ثمین سے اور ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد۔

ان اخبار کو مستفاض و متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا ماول قرار دیجاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ، اب آپ اصول تنقید کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجیے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مورخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حیات میں یزید معلن بالفسق تھا اور ان کو اس کی خبر بھی اور پھر انہوں نے اسکو نامزد کیا بالکل غلط ہے، ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہو مگر ان کو اس کے فسق و فجور کی اطلاع نہ ہو، ان کی وفات کے بعد وہ کھیل کھیلا اور جو کچھ نہ ہونا چاہیئے تھا کر بیٹھا۔

اب اس کی نامزدگی کی خبر ممکن ہے کہ صحیح ہو، انہوں نے رومیوں اور عیسائی ممالک پر جہاد میں اس کی متعدد دفعہ جد و جہد اور کامیابیاں اور حسن تدبیر و انتظام کو مشاہدہ کر کے اپنی رائے کی بنا پر کہ خلافت کے لیئے قرشیت اور حریت عقل و بلوغ کے ساتھ لازم ترین شرط لیاقت انتظام مملکت اور حسن تدبیر ہے اور یہ اس میں پائی جاتی ہے یا بدرجہ کمال موجود ہے جو کہ اوروں میں نہیں ہے، اور اگر ہے تو اس درجہ پر نہیں ہے اسکی نامزدگی کر دی ہو جیسا کہ بعض مورخین

---

لہ اس حدیث میں جو حاکم کو راعی کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر حاکم پر اپنے محکوم اور رعایا کی خبر گیری اور خیر خواہی اسیطرح لازم کی گئی ہے جس طرح جانور چرانے والوں پر جانوروں کے مالک کیطرف سے لازم کیجاتی ہے، اگر چرواہا جانوروں کی خیر خواہی اور خدمات مفیدہ کے انجام دینے میں کوتاہی کرتا ہے تو مالک کے سامنے جوابدہ قرار دیا جاتا ہے۔ اسلئے لفظ راعی سے بلیغ کوئی اور لفظ ممکن نہ تھا جس سے تعبیر فرمایا گیا۔ (اصلاحی)

کا قول ہے) یا یہ جد وجہد دوسرے اراکین خاندان بنی امیہ کی طرف سے کی گئی ہو اور یزید بھی اس میں کوشاں رہا ہو، مگر عام لوگوں نے اس کو حضرت معاویہؓ کی طرف نسبت کر دیا ہو، کیونکہ انہوں نے روکا نہیں (جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے) یا یہ کہ نامزدگی ان کی طرف سے حقیقۃً یا حکماً کسی طرح نہیں ہوئی، ان کی وفات کے بعد اہل شام میں سے اہل حل و عقد نے اسکو جانشین اور خلیفہ بنا دیا اور بیعت کر لی (جیسا کہ بعض دوسرے مورخوں کا قول ہے) یا یہ کہ وہ خود بالتغلب خلیفہ بن بیٹھا (بعض مورخ اس کے بھی قائل ہیں) بہرحال ان وجوہ کی بنا پر اس کی خلافت منعقد ہوگئی، آپ اس کو تسلیم فرماتے ہیں کہ نامزدگی یا اہل حل و عقد کا بیعت کرنا یا تغلب یہ تینوں امور انعقاد خلافت کے طرق میں سے ہیں، اگرچہ تیسرا امر بالضرورۃ والمجبوریۃ ہے، آپ کا یہ ارشاد کہ خلیفہ عادل جس میں کل شروط امامت پائے جائیں کسی دوسرے جامع شروط خلافت کو اپنا جانشین کر جائے اور وصیت کر دے کہ فلاں شخص میرے بعد خلیفہ ہو، اس میں شروط سے اگر شروط صحت خلافت مطلقہ مراد ہیں، جو کہ عقل، بلوغ اسلام، قرشیۃ سے عبارت ہیں، تو یہ تو موجود ہی ہیں، اور یہی امور کتب کلام و فقہ میں مذکور ہیں، اور اگر شروط سے مراد شروط خلافت کاملہ مراد ہیں جن میں صلاح تقوی و علم وغیرہ بھی معتبر ہیں تو اس کی سند کیا ہے، کتب مذہب میں اس کو انعقاد خلافت کے لئے ضروری قرار نہیں دیا گیا ہے، اور اگر ایسا ضروری ہوگا تو چاہیئے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت بھی صحیح نہ ہو حالانکہ بالاجماع ان کو نہ صرف خلیفہ بلکہ خلیفۂ راشد بھی تسلیم کیا گیا ہے، انکو نامزد کرنے والا سلیمان بن عبدالملک کا حال معلوم ہے۔

بہرحال وجوہ مذکورہ بالا سے انعقاد مطلق ہو گیا مگر عموم انعقاد جس سے ہر ایک پر اتباع لازم آجائے اور مخالفت کرنا ممنوع ہو جائے وہ نہیں ہوا تھا، انعقاد مطلق اور عموم انعقاد میں فرق ہے، عموم انعقاد جب متحقق ہوگا جبکہ تمام اہل حل و عقد متفق ہو جائیں بعض کی بیعت کافی نہ ہوگی اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت بہت سے حضرات نے اگرچہ کرلی تھی تاہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کی کوشش کی گئی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

کی وفات کے بعد انہوں نے اس کو انجام دیا اور یہی وجہ تھی کہ یزید کو شاں تھا کہ حضرت امام حسین رضہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ حضرات بیعت کر لیں، حالانکہ یہ حضرات ملتجی بالحرم ہو گئے تھے، کسی نے جنگ کا ارادہ نہیں کیا تھا، اور نہ بیعت کی تھی، ان حضرات کا اس زمانہ میں اہل حل و عقد میں سے ہونا بدیہی امر ہے۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ وجوہ وجوہ عدم انعقاد ہی ہیں، اور انعقاد مطلق اور عدم انعقاد میں کوئی فرق نہیں ہے، تو پھر یزید کا بعد از ظہور فسق و فجور وہ حال ہی نہیں رہتا جو ابتدا میں تھا، یعنی اس کے اعمال شنیعہ درجہ کفر کو اگر پہنچ گئے تھے، جیسا کہ امام احمدؒ اور ایک جماعت کی رائے ہے تب تو وہ یقیناً معزول عن الخلافت ہو ہی گیا تھا، اب امام حسین رضی اللہ عنہ کا ارادہ جنگ خروج ہی نہیں شمار ہو سکتا، اور اگر اس کی حرکات ناشائستہ درجہ کفر کو پہنچی تھیں (جیسا کہ جمہور کا قول ہے) تو اول تو یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ممکن ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی رائے یہی ہو جو کہ حضرت امام احمدؒ اور ان کے موافقین کی ہے۔

علاوہ ازیں فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا نہیں، یہ مسئلہ اس وقت تک مجمع علیہ نہیں ہوا تھا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور انکے متبعین کی رائے یہ تھی کہ وہ معزول ہو گیا، اور اس بنا پر اصلاح امت کی غرض سے انہوں نے جہاد کا ارادہ فرمایا۔

پھر باوجود اس کے خلع کا مسئلہ تو آج بھی متفق علیہ ہے، یعنی اگر خلیفہ نے ارتکاب فسق کیا تو اصحاب قدرۃ پر اس کو عزل کر دینا اور کسی عادل متقی کو خلیفہ کرنا لازم ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس کے عزل اور خلع سے مفاسد مصالح سے زائد نہ ہوں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع کی رائے میں مفاسد زیادہ نظر آئے وہ اپنی بیعت پر قائم رہے اور اہل مدینہ نے عموماً بعد از بیعت اور واپسی وفد از شام ایسا محسوس نہیں کیا اور سبھوں نے خلع کیا جس کی بنا پر وہ قیامت خیز واقعہ حرہ نمودار ہوا، جس سے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی اور حرم محترم کی انتہائی بے حرمتی اور تذلیل ہوئی، کیا مقتولین حرہ کو شہید نہیں کہا جائے گا۔

پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے مواعید پر مطمئن ہوئے بالخصوص حضرت مسلم و عقیل رحمۃ اللہ علیہما کے خطوط کے بعد جن میں پورا اطمینان اہل کوفہ کی طرف سے دلایا گیا تھا، اس لئے ان کا ارادہ جہاد یقیناً صحیح تھا، اور وہ خلع کرنے اور خروج کرنے میں کسی طرح باغی نہیں قرار دیے جا سکتے ان کو صاف نظر آ رہا تھا کہ اس حالت میں مفاسد کا قلع قمع ہو جائے گا۔ اور خلل بہت کم ہوگا، اپنی ظفر مندی کے لئے متیقن تھے۔

پھر آپ اس کو بھی نظر انداز نہ فرمائیں کہ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ میدان کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ اہل کوفہ نے غدر کیا ہے اور مسلم و عقیل رحمہما اللہ تعالے شہید کر دیئے گئے، اور یزید کی فوج یہاں آ پہنچی ہے تو یہ کہا کہ میں کوفہ نہیں جاتا اور تم سے لڑنا چاہتا ہوں مجھکو مکہ معظمہ واپس جانے دو۔ دشمن اس پر راضی نہ ہوا اور اصرار کیا کہ ہمارے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کریں، آپ نے فرمایا کہ اگر مکہ معظمہ واپس نہیں جانے دیتے تو مجھکو چھوڑ دو کہیں دوسری طرف چلا جاؤں گا، وہ اس پر راضی نہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھکو یزید کے پاس لے چلو میں خود اس سے گفتگو کر لوں گا، وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا اور جنگ یا بیعت پر مصر رہا، یہ تاریخی واقعہ بتلاتا ہے کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ہر طرح مجبور و مظلوم قتل کئے گئے ہیں، اگر اس کے بعد بھی شہادت میں کلام کیا جائے تو تعجب خیز نہیں تو کیا ہے۔ چنانچہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۸۹) امام العصر کا یہ والا نامہ بھی اپنی جگہ پر اہم تحقیق اور ایک زبردست تاریخی انکشاف ہے اور اتنا صاف اور واضح ہے کہ تلخیص کی چنداں ضرورت نہیں ہے، البتہ مذہب امامیہ کے بعض اصولی.. مسائل کا نام آ گیا ہے اس لئے اس کو صاف کرنا ضروری ہے، ان میں سے

(۱) تقیہ ہے، جس پر آیت سورہ آل عمران اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً سے استدلال کیا جاتا ہے حالانکہ بقول صاحب بیان القرآن آیت ہذا میں خوف ضرر کے وقت دوستی کے اظہار اور عداوت کے اخفا کا ذکر ہے اور تقیہ متعارفہ میں کفر کا اظہار اور ایمان کا اخفا ہوتا ہے۔

آیت اکراہ پر شبہہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ (باقی بر صفحہ ۲۷۰)

یہ بھی تصریح آپ کتب تاریخ میں پائیں گے کہ یزید کو جب کہ اس کی اطلاع ہوئی کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ان تینوں امور کو پیش فرما رہے تھے، مگر اس کے عامل نے کسی کو قبول نہیں کیا تو بہت برہم ہوا اور سرزنش کی۔ واللہ اعلم،

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں غور فرمائیں، مجھکو توی امید ہے کہ آپ کے جملہ شبہات کا ازالہ ہو جائے گا، اور مزید تفصیل کے لئے اگر خواہش ہو تو قاسم العلوم کا یہ نمبر منگا کر دیکھ لیں۔ والسلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق بھی جناب نے غور فرمایا، غرض یہ تھی کہ غلط فہمی اور خطا اجتہادی سے انبیاء علیہم السلام بھی باوجود معصومیت از ذنوب معصوم نہیں ہیں اور ان سے بھی اس غلط فہمی سے بڑے سے بڑا امر سرزد ہو سکتا ہے اور اور اس پر مواخذہ نہیں ہوتا، حالانکہ حسب قاعدہ حسنات الابرار سیئات المقربین ان سے چھوٹے چھوٹے اعمال پر بھی مواخذہ ہوتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام پر مواخذہ بیٹے کے متعلق دعا کرنے پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر خوف ثلثہ کذبات کے متعلق طاری ہونا وغیرہ اسی قسم سے ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۹) اول اکراہ صرف دفع ضرر کے خوف سے ہے اور تقیہ مذکورہ جلب منفعت کیلئے ہے۔ دوسرے اکراہ میں اس ضرر کا شدید اور خوف کا قوی ہونا ضروری ہو اور تقیہ میں ضرر کا خفیف اور خوف کا درجہ وہم میں ہونا کافی ہے۔

علی بن عیسیٰ اردبیلی امامی کشف الغمہ عن معرفۃ الائمہ میں امام رضا سے روایت کرتے ہیں لا ایمان لمن لاتقیۃ لہٗ اسی طرح ابو جعفر طوسی جامع الاخبار میں روایت لایا ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تارک التقیۃ کتارک الصلوٰۃ، کنز العرفان مقداد اور کلینی میں تو تقیہ کو حرام تک لکھا ہے، بہرکیف کتب امامیہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص میں ایمان نہیں جو تقیہ نہیں کرتا ہے بلکہ تقیہ کا چھوڑنے والا نماز کے چھوڑنے والے کی طرح ہے۔ معاذ اللہ۔

(۲) اصول امامیہ میں ایک چیز بداء ہے تعریف علامہ ابن حزمؒ کے الفاظ میں یہ ہے باقی ص ۲۷۱ پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل قبطی پر تو خائف ہیں مگر حضرت ہارون علیہ السلام رمی الواح کے متعلق خوف کا تذکرہ تک بھی نہیں فرماتے، جبکہ ان حضرات کی خطا اجتہادی کا یہ حال ہے کہ سرزد بھی ہوتی ہے اور مواخذہ بھی نہیں ہوتا تو غیر معصوم سے سرزد ہونا کیوں ممنوع ہوگا۔ اور اس پر گرفت کیوں ہوگی، بلکہ حسب ارشاد "المجتہد اذا اخطأ فلہ اجر و اذا اصاب فلہ اجران" ممکن ہے کہ اس کو اجر ملے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غیر معصوم ہیں اگر ان سے دربارہ استحقاق خلافت اور شروط خلافت غلطی اجتہادی ہو جائے اور وہ یزید کو مستحق خلافت سمجھکر نامزد فرما دیں یا یہ کہ خلافت میں قرشیت، اسلام، حریت، بلوغ اور حسن تدابیر انتظام ہی کو شرط سمجھیں تقویٰ اور دیانت ضروری قرار نہ دیں تو کیا اس پر گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

رہا حسن نیت کا سوال تو جبکہ ہم کو عام مومنین کیساتھ حسن ظن کا حکم ہے تو ایک صحابی جس کیلئے دعوات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ بھی موجود ہیں، کیوں نہ عمل میں لایا جائے۔ اگر آپ "من لم یرحم صغیرنا" پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں تو دوسرا کہہ سکتا ہے کہ لم یوقر کبیرنا کا خطاب بھی تو موجود ہے، بہرحال فکر و غور سے امور معروضہ میں کام لیجئے۔ جلدی مت فرمائیے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۰) والبداء ھو الانتقال عن المامور بہ بامر حادث لا بعلم سابق الخ یعنی جس چیز کا حکم دیا اس سے کسی حادث کی وجہ سے نہ کہ اپنے علم سابق کی بنا پر پلٹ جانا بداء ہے، علامہ ابو جعفر نحاس نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں نسخ اور بداء کے فرق پر بحث فرمائی ہے، طول کے خیال سے ہم بداء کی تعریف پر اکتفا کررہے ہیں، ارشاد ہوتا ہے واما البداء فھو ترک ما عزم علیہ۔ مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کا ارادہ کیا اسکو چھوڑ دینا۔ گویا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھی وہم اور غلطی میں پڑ گیا یا پڑ جاتا ہے۔

(۳) امامیہ کا تیسرا بنیادی مسئلہ ایمان بالرجعۃ کا ہے، یعنی حضرت علی بادلوں کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں چنانچہ وہ آسمان سے پکاریں گے تو ہم انکی اولاد کے ساتھ خروج کریں گے (شرح مسلم)

(اصلاحی)

# مکتوب نمبر ۹۰

جواب[1] لطف نامہ ارسال ہے، ملاحظہ فرمائیں اور اعتماد اللہ تعالیٰ پر رکھیں، بندہ کا فریضہ صرف جد و جہد اور عمل ہے، متصرف فی الاکوان جناب باری عز اسمہ ہے القلوب خلائق بین الاصبعین ہیں وہ ہمارے ساتھ رؤف رحیم ہے، نہ گھبرانا چاہیئے نہ مایوس ہونا چاہیئے اور نہ مطمئن علی غیر اللہ ہونا چاہیئے، اور اس کی رضا جوئی ہمیشہ مطمح نظر رہنا چاہیئے۔

| | |
|---|---|
| هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ | وہی ہے جو اتارتا ہے مینہ بعد اس کے کہ آس |
| مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ | توڑ چکے اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت، اور وہی ہے |
| الْحَمِيدُ (الشوریٰ) | کام بنانیوالا سب تعریفوں کے لائق۔ |

آپ دونوں کے ساتھ سی، آئی، ڈی اور سرخ پگڑی کا ہونا پریشانی اور اضطراب کا موجب نہ ہونا چاہیئے، اور ان آیات میں غور کرنا چاہیئے:-

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا | اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں |
| مَعَ الصَّادِقِينَ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ | کے، نہ چاہیئے مدینہ والوں کو اور انکے گرد کے گنواروں |
| وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا | کو کہ پیچھے رہ جائیں رسول اللہ کیساتھ سے اور یہ کہ اپنی |
| عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ | جان کو چاہیں زیادہ رسول کی جان سے، یہ اس واسطے کہ جہاد |
| عَنْ نَفْسِهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ | کرنے والے نہیں پہنچتی ان کو پیاس اور نہ محنت اور نہ |
| ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ | بھوک اللہ کی راہ میں اور نہیں قدم رکھتے کہیں جس سے کہ |
| اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ | خفا ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز |
| وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ | مگر لکھا جاتا ہے ان کے واسطے ان کے بدلے نیک |
| لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ | عمل، بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا حق نیکی کرنیوالوں کا |

[1] یہ والا نامہ مولانا حیدری اور شیخ ولی محمد صاحب جونپوری کے نام ہے۔

| | |
|---|---|
| اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً | اور نہ خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا |
| وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ | اور نہ طے کرتے ہیں کوئی میدان مگر لکھا جاتا ہے انکے |
| لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ | واسطے تاکہ بدلہ دے انکو اللہ بہتر اس کام کا جو کرتے تھے |

آیات مذکورہ بالا میں ظمأ۔ نصب۔ مخمصہ۔ موطئا۔ نیلاً۔ نفقۃً۔ وادیا یہ تمام الفاظ نکرہ فی سیاق النفی ذکر کئے گئے ہیں، جن کا مفاد عموم استغراق ہے، ان امور میں سے کوئی بھی درجہ چھوٹے سے چھوٹا، بڑے سے بڑا یا متوسط پایا جائے تو انعامہائے مذکورہ کا استحقاق ہونا یقینی ہے، آپ حضرات کی یہ کوشش اغاظۃ اعداء اللہ معمولی درجہ پر نہیں کر رہی ہیں، بلکہ انکے دلوں میں گھاؤ اور گہری گھاؤ ڈال رہی ہیں، پھر کیوں پریشانی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

| | |
|---|---|
| من اعان غازیا فقد غزی | جس نے مدد دی جہاد کرنے والے کی تو اس نے |
| من خلف غازیا فی اهله بخیر فقد | بھی جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب پایا اور جس جانبازی |
| غزا　الحدیث | کے پیچھے اسکے اہل وعیال کی خدمت کی اس نے جہاد کا ثواب پایا |

اس صحیح حدیث کی بموجب آپ حضرات مفت میں غازی فی سبیل اللہ بن رہے ہیں۔ افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جایر　الحدیث۔ کیا آپ کے ذہن سے اتر گیا ہے، بہرحال خوش رہیے، شکر کیجئے، اطمینان اور تدبیر سے کام کیجئے، دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی ترست، ہرگز ہراساں نہ ہو جئے و من یتوکل علی اللہ فهو حسبه

شیخ سراج الدین صاحب کی تشریف آوری اور صحت سے خوشی ہوئی ان کی خدمت میں بہت بہت سلام عرض کر دیجئے، ہمارے بہت قدیم اور ممتاز محسن ہیں، کراچی میں موصوف نے بہت بڑے بڑے احسانات کئے ہیں، وہ کیس بھی ان ہی کا رہین منت ہے، جزاهم اللہ وایاکم احسن الجزاء۔　　والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۹۱

(۱) ایصال ثواب[1] کا جو طریقہ عوام میں رائج ہے غلط ہے، عوام سمجھتے ہیں کہ یہی طریقہ متعین ہے اور رفتہ رفتہ اس میں بہت سی غیر مفید اور ناجائز باتیں داخل کر لی گئی ہیں جو کہ ایصال ثواب کے لئے ضروری سمجھی جانے لگی ہیں، مثلاً اسکو تبرک سمجھنا اور خود کھانا بچوں کو کھلانا، احباب میں تقسیم کرنا، اغنیار کو کھلانا اور یہ اعتقاد کرنا کہ کھانا اس بزرگ کا پس خوردہ ہے جس کے نام پر ایصال کیا گیا ہے، قرأت قرآن اور فاتحہ کو ضروری سمجھنا اور اسی طرح دیگر امور مثلاً جگہ کا لیپنا، خوشبو کا سلگانا، پڑھنے والے امام یا موذن یا مولوی کا حاضر ہونا اور پڑھنا، عوام کے اعتقاد میں یہ امور اگر نہ ہوں تو ایصال ثواب ہی نہیں سمجھا جاتا، اور عموماً یہ چیزیں محض نام و نمود اور شہرت کی غرض سے ریاءً و سمعۃً کی جاتی ہیں یا لوگوں کے لعن طعن سے بچنے کی غرض ہوتی ہے، اخلاص ہوتا ہی نہیں، علیٰ ہذا القیاس بسا اوقات حلال مال ہی نہیں ہوتا، بالخصوص میت کے وصال کے بعد اسکے ترکہ میں سے جو کچھ کیا جاتا ہے عموماً ورثہ سے اجازت نہیں لی جاتی، بالخصوص جبکہ وارث بعض یا کل غائب یا نابالغ ہوں مسکینوں یا فقیروں کو یہ مال دیا ہی نہیں جاتا اور اگر دیا جاتا ہے تو بہت کم اور ادنی قسم عمدہ کھانا اور اکثر حصہ اغنیار اور اہل خانہ ہی کھاتے ہیں، حالانکہ ان کے کھانے میں کسی ثواب کی امید ہی نہیں ہے۔

[1] ارواح بزرگان کو طریقہ ایصال ثواب کا کیا ہے، کھانا وغیرہ یا شیرینی یا کوئی چیز سامنے رکھ کر اور اگر کی بتی جلا کر عود وغیرہ سلگا کر چند سورہ قرآن پڑھنا یہ مسنون طریقہ ہے؟ اور اس کھانے میں سے اور اس شیرینی میں سے خود بطور تبرک استعمال کرنا اور احباب کو کھلانا اور کچھ غربا و مساکین کو دینا کیا یہ صحیح طریقہ شرعی ہے؟ کیا اس طریقہ کو مولانا شاہ فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے؟

حضرت قطب عالم مجدد زماں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات میں فرماتے ہیں

و آدابیکہ بحضور طعام فاتحہ در بار بجا می آرند پس این ہم اتباع خیالات فاسدۂ خود است چہ فاتحہ بسبب آن طعام بجائے صاحب فاتحہ نشدہ، پس چرا آدابیکہ در استحسان آن بہ نسبت صاحب فاتحہ ہم گفتگو بود بعمل باید آورد۔ و ملک وے نگر دیدہ چہ اگر ملک اوست پس چرا فاتحہ کنندگان دخل در آن میکنند بموجب خواہش خود می خورند می خورانند بلکہ آن را بوارثان صاحب فاتحہ رسانند نیاز حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا بسادات دہند و نیاز حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ باولاد امجاد ایشاں حوالہ نمایند و علی ہذا القیاس و اگر این آداب بگمان حلول روح صاحب فاتحہ دراں طعام یا مس وے است آن طعام را یا بسبب آنکہ تناول کردہ پس خوردہ او شد این ظنون فاسدہ ایشان است کہ ہرگز معلوم ایشان نیست و اگر بالفرض والتقدیر چیزے ازاں معلوم شود پس حدیکہ در آداب طعام ازاں تجاوز نکردہ پس حاصل از آداب آں طعام نیست مگر حصول مشابہت بکفرۃ

جو طریقہ کہ فاتحہ کے کھانے پر مجلسوں میں برتا جاتا ہے یہ بھی اپنے خیالات فاسدہ کی پیروی ہے، کیونکہ فاتحہ اس کھانے کے سبب سے جس کا فاتحہ کیا جاتا ہے اس کیلئے نہیں ہوتا، پس وہ آداب کیوں بجالائے جاتے ہیں جبکہ فاتحہ کے مستحق ہونے میں کلام ہے اور وہ کھانا اسکی ملکیت نہیں ہے کیونکہ اگر اسکی ملکیت ہے تو پھر فاتحہ کرنے والے اسکے اندر کیوں دخل دیتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق خود کھاتے اور کھلاتے ہیں، بلکہ صاحب فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے ہیں اور حضرت فاطمہ رض کی نیاز کے کھانے کو سادات کو دیتے ہیں اور اسی طرح نیاز شیخ عبد القادر جیلانی رح کو انکی اولاد کے حوالہ کرتے ہیں، اسی پر اور قیاس کرنا چاہیئے اور اگر یہ آداب صاحب فاتحہ کی روح کے سرایت کرنے یا اس کے چھونے کے خیال سے ہوتے ہیں کہ یہ کھانا انکا کھایا ہوا اور انکا جوٹھا ہے، تو یہ خیالات باطل اور لغو ہیں، جو ان لوگوں کو قطعاً معلوم نہیں ہیں اگر مان لیا جائے کہ کچھ معلوم ہے، پس جو تعریف کہ آداب طعام کے لئے ضروری ہے وہ کھانا اس کھانے کے آداب کا ماحصل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہندوؤں کے طریقہ کی مشابہت ہوتی

ہنود کہ احیانا حبوب وغلات و اجناس اطعمہ را پرستش می کنند الخ (صراط مستقیم ص ۵۷ تا ۵۸) ہے جو کبھی دانہ اور غلہ اور کھانے کی چیزوں کو سامنے رکھکر پرستش کرتے ہیں۔

چونکہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کے دادا پیر ہیں، اسلئے ان کی تحریر پیش کررہا ہوں۔ خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں صفحہ ۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں (فاتحہ) یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے، مگر کرنے والوں پر انکار نہیں کرتا"۔

اور صفحہ ۶ میں فرماتے ہیں۔

"خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں، اس میں بھی تخصیص و تعین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقیید ہیئت کذائیہ ہے تو کوئی حرج نہیں، سلف میں یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلادیا اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کرلی، متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے، مگر موافقت قلب ولسان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے، اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے۔ الخ"

خلاصہ یہ کہ جب تک یہ قیود اور تخصیصات لازم نہ تھیں بلکہ کلی تحقق کے تشخصیات تھیں جب تک کسی کو کلام نہ تھا، مگر جبکہ عوام کے اعمال واقوال سے حکمار امت نے اندازہ کرلیا کہ یہ قیود ضروری سمجھی جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ محظورات کو مشتمل ہوگئی ہیں، ان کو منع فرمانے لگے، کیونکہ تخصیص مطلق اور تقیید ناجائز ہوگئی ہے، جس کو حضرت رحمۃ اللہ خود فرمارہے ہیں کہ ناجائز ہے، اسی کو صراط مستقیم میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

صفحہ ۵۶ کے آخر میں ہے۔

مصرف طعام ہر گرسنہ و محتاج است اری پرہیزگار بہتر از غیر پرہیزگار است پس صحنک و توشہا کہ ساختہ پرداختہ پسینان است مبتلا حق افکار ردیہ حقیقتے نہایت دور از حق پیدا شدہ و اکابر بزرگان حال آنرا در اوقات تربیت و ارشاد در ضمن کلیات بیان فرمایند و تخصیص مجاہرات انکار در عین وقت مقابلہ این رسوم غیر مفید انگاشتہ خاموش می شوند از خاموشی آنہا فریب نخوردہ در محو آں سعی باید کرد چہ این قیود شدہ شدہ بقبائح انجامید و آن قیود ضروری تر از قیود شرعیہ در اذہان جہلا قرار یافتہ کہ التزام آنرا جزو اسلام و ایمان می پندارند و تارک سائی را در ہدم اساس آں خارج از ایمان می شمارند۔

چوں التزام رسوم بایں حد رسید بالکل قلب مطلوب و عکس مقصود گردیدہ، واجب الترک می گردد و بنا بر تمیز سنن از فرائض تاکیدیکہ در حدیث می شود یاد کردہ دریں محل بکار باید برد و رواج نذر و نیاز بایں حد رسید کہ از نذر طعام وغیرہ گذشتہ جانہاے جانوراں کہ نیاز می کنند و در ذبح آن خوشنودی غیر خدا جل شانہ قصد کردہ

کھانے کے مستحق ہر بھوکے اور محتاج ہیں، ہاں پرہیزگار آدمی غیر پرہیزگار سے بہتر ہے پس صحنک اور توشے جو بعد کے لوگوں نے ایجاد کر رکھے ہیں وہ خیالات فاسدہ کے آمیزش سے حق بات سے کوسوں دور ایک حقیقت پیدا ہوگئی ہے جسکا حال بڑے لوگ تربیت وارشاد کے اوقات میں کلیات کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں اور تخصیص اور کھلم کھلا بیان کرنے کو اس رسوم کے مقابلہ کے وقت غیر مفید سمجھکر خاموش رہجاتے ہیں انکی خاموشی کے فریب میں نہیں آنا چاہیئے بلکہ اسکے مٹانے کی ہر ممکن سعی کرنی چاہیئے کیونکہ یہ قیود آہستہ آہستہ برائی بنجاتے اور جاہلوں کے نزدیک قیود شرعیہ سے زیادہ ضروری ہوجاتے ہیں جسکو بجالانا ایمان واسلام کا ایک جز سمجھتے ہیں اور جو اسکا تدارک کرتا اور مٹاتا ہے اسکو اسلام کا ڈھانے والا اور ایمان سے خارج سمجھتے ہیں، جب ان رسومات کا التزام اتنا ضروری ہوگیا تو گویا مقصد کے برعکس ہوا اور مطلب جاتا رہا اسلئے اسکا چھوڑ دینا واجب ہوگیا، لہذا احادیث میں سنتوں کو فرائض سے ممتاز کرنے میں جو تاکید آئی ہے اسجگہ اس کام میں لانا چاہئے اور جو نذر ونیاز کی رسمیں اس حد کو پہنچ گئی ہیں کہ کھانے وغیرہ کی نذر سے گذر کر جانوروں کو نیاز کرتے اور اسکو ذبح کرنے میں اللہ تعالی کی خوشنودی کے سوا ارادہ کرتے مصداق حدیث

مطابق حدیث شریف لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ ملعون شوند و بقول اکثر علما این لعنت بجہت کفر است پس امرے کہ کفر شد آن را عبادت پنداشتن بکدام مرتبہ زشتی و زبونی خواہد بود۔

در حقیقت آن است کہ کسانیکہ در نذر و نیاز ارتکاب معاصی و کفر می کنند ایشان را ایصال ثواب منظور نیست بلکہ شرک می کنند و می دانند کہ این کار برائے بزرگان می کنیم بمعنی عبادت خدا ہرگز در ذہن شان نمی باشد دلیلش آن کہ ہر کہ در توشہ ہا و نیاز ہائے بزرگان مبلغہائے کثیرہ صرف کردہ باشد اگر از وے پرسند کہ گاہے برائے خدا ہم چیزے دادہ خواہد گفت کہ بالجملہ خدا را و انہا را بعضے در مرتبہ مساوی تقرب و رضا جوئی می نہند بیان حال ہمیں بعض است وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔

(بقرہ)

و بعضے ترجیح می دہند و بعضے آن ہا را کافی حاجات خود بالاستقبال دانستہ از التجا و دعا بجناب حضرت حق جل شانہ بے نیاز می شوند پس چارۂ کار طالب حق و صواب تتبع مرضیات

کہ "لعنت ہے اللہ کی اس پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے" ملعون ہو جاتا ہے، چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک لعنت بوجہ کفر کے ہے، پس جو چیز کہ کفر ہو گئی اس کو عبادت سمجھنا کس درجہ برا اور خراب ہو گا۔

اسکی حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ نذر و نیاز میں گناہ اور کفر کے مرتکب ہوتے ہیں ان لوگوں کو ثواب پہنچانا منظور نہیں ہے بلکہ یہ حضرات شرک کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کام بزرگوں کے واسطے ہم کر رہے ہیں اللہ کی عبادت کے معنی ہرگز ان کے ذہنوں میں نہیں ہوتا ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ جو شخص توشوں اور بزرگوں کی نیازوں میں بہت سا روپیہ خرچ کرتا اگر اس سے پوچھا جائے کہ کبھی خدا کیلئے بھی کچھ دیا ہے کہے گا نہیں، اس صورت میں خدا کو اور ان بزرگوں کو قربت اور رضا جوئی میں برابر مرتبہ پر رکھتے ہیں جنکے مناسب حال یہ آیت ہے "اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو، انکی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی۔

اور بعض لوگ تو ان ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض تو اپنی حاجتوں کا مستقلاً پورا کرنیوالا سمجھکر خدا سے دعا اور التجا کرنے میں بے نیاز ہو جاتے ہیں لہذا حق اور صواب کے طلبگار اور خدا اور رسول کی رضا جوئی کی خیر کیلئے اسکے سوا چارہ کار

خدا و رسول دریں جز و زبان آن ست کہ
بروح ہر شخصے کہ ایصال ثواب منظور باشد
بلا قید وضع وجنس طعام وتناولان آں ہر
چیزیکہ انفع وبہتر در حق فقراء ومحتاجین آن
وقت باشد وبصفائی نیت مقرون تر بود صرف
نماید واز طرف آن شخص نیت کردہ بعمل آرد واگر دعا
ہم کنند بہتر است وتمام قیود ورسوم یک قلم دور کنند
ونہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات
باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں
معنے بہتر وافضل، غرض آن ست کہ مقید
برسم نباید شد بے تعین تاریخ وروز وجنس
وقسم طعام ہر وقت وہر قدر کہ موجب اجر
جزیل بود بعمل آرد وہرگاہ ایصال نفع
بمیت منظور دارد موقوف بر اطعام
نگزارد۔ اگر میسر باشد بہتر است والا صرف
ثواب سورہ فاتحہ واخلاص بہترین ثوابہا ست
در تعین تاریخ وروز وقسم ووضع طعام ضیق
پیش می آید واعتنا واہتمام آن موجب
اضاعت اوقات می گردد ودیگر کارہائے
اہم معطل می ماند۔ یگانہ وبیگانہ آشنا و
ناآشنا بروز وتاریخ منتظر ومترقب می ماند

نہیں کہ جس شخص کی روح کو ثواب پہنچانا منظور ہو بلا قید
دن اور خاص ہیئت، اقسام کھانا اور کھانے والوں کی
جو چیز فقیر اور محتاجوں کے حق میں بہتر اور زیادہ نفع پہنچانے
والی ہو خلوص نیت سے صرف کرے اور اس شخص
کی طرف سے نیت کرکے کرے اگر دعا بھی کرے بہتر ہے
اور تمام قیود ورسوم کو یک لخت
دور کردے

اور یہ گمان نہ کرے کہ مردوں کو نفع پہنچانا کھانا اور
فاتحہ خوانی کے ساتھ اچھا نہیں ہے، بلکہ غرض یہ ہے کہ
رسم کا پابند نہ بنے اور بے تعین تاریخ و دن و جنس
و اقسام کھانا ہر وقت اور جس قدر بھی ثواب
کا باعث ہو عمل کرتا رہے، اور جب کسی
مردہ کو نفع رسانی منظور ہو صرف کھانا ہی پر
موقوف نہ رکھے، اگر باسانی ہو جائے بہتر ہے
نہیں تو سورہ فاتحہ اور قل ہو اللہ احد بہترین
ایصال ثواب ہے، نیز تاریخ اور دن وغیرہ
کے تعین میں دشواری پیش آیا کرتی ہے اور
اسکا اہتمام وغیرہ کرنا تضیع اوقات کا باعث
ہوتا ہے اور بہت سے اہم کام چھوٹ جاتے ہیں
اسی طرح اپنے اور بیگانے آشنا اور پرائے تاریخ
وغیرہ پر منتظر رہتے اور اقربا بھی اکٹھا ہو جاتے ہیں،

واقربا فراہم می آیند وانسان را خواہ نخواہ بجہ | انسان کو خواہ مخواہ جس کا کرنا دشوار ہوتا ہے
کردن دشوار می بود سرانجام آن ضروری افتد | پورا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ العزیز گنج مرادآبادی سے اس طریقہ کی پسندگی کو نقل کرنا غلط ہے، والد صاحب مرحوم مدتہائے دراز ان کی خدمت میں رہے تھے، جو تقریباً سات آٹھ برس بازاید ہوتی ہے، ان سے بارہا میں نے سنا ہے کہ وہاں اس طریقہ سے فاتحہ خوانی ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے میرے سامنے حضرت رحمۃ اللہ سے فاتحہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ میاں ہم تو جب کھانا روزانہ ہمارے یہاں تیار ہوجاتا ہے تو اس کو کسی بزرگ کے لئے فاتحہ دے لیتے ہیں، (او کما قال) بہرحال کوئی تقیید وہاں نہ تھا اور ہوتا کیوں کر، حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی رح کے خاص شاگرد تھے، اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ اربعین میں ان قیود و رسوم پر انکار فرمایا ہے، والد صاحب مرحوم اپنے پیر و مرشد میں فنا تھے، اگر وہاں کا طریقہ پسندیدہ ہوتا تو ضرور عمل میں لاتے، میں نے مولانا محمد علی صاحب مرحوم ناظم ندوہ سابق اور خلیفہ حضرت گنج مرادآبادی کو دیکھا ہے، مدینہ منورہ میں بھی اور مونگیر میں بھی بہت آمد و رفت ان کی خدمت میں رہی اور بہت زیادہ خلط و ملط کے ساتھ رہا، موصوف بہت عنایت فرماتے تھے، مگر میں نے کبھی ان کے ہاں یہ طریقے فاتحہ وغیرہ کے نہیں دیکھے، ہاں ختم خواجگان وغیرہ اعمال تصوف ہوتے ہیں، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام      ننگ اسلام حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۹۲

(۱) ابابیل کے متعلق بعض کتابوں میں تصریح نکل آئی کہ وہ حلال طیور میں سے ہے، اور قاعدہ کلیہ غیر ذی مخلب من الطیور کا بھی اس کا مقتضی ہے، اس لئے اسکی بیٹ طاہر ہوگی،

(۲) جو کتاب اقوال بزرگان کی بھیجی ہے نہایت بہترین کتاب ہے، مگر افسوس کہ اسکی تصحیح نہیں کی گئی، کاتب کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں کہیں کہیں تصحیح ہے، مگر شاذ ہی ابھی دیکھ رہا ہوں پھر واپس کر دوں گا۔

(۳)[۱] شیعوں کے متعلق پوری معلومات تو مولانا عبدالشکور صاحب کو ہیں، ان سے دریافت کرنا چاہیئے، مگر میرے خیال میں ان کے وضو کا بقیہ پانی پاک ہے۔

(۴) علیٰ ہذا القیاس اگر وہ سنی کی جانماز پر نماز پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

(۵)[۳] نہایت شہرت کو پہنچ چکا ہے کہ شیعہ اگر کسی سنی کو کھانا پانی دیتے ہیں تو اس میں نجاست ضرور ملا دیتے ہیں، اگر کوئی موقعہ نہیں ملتا تو تھوک ضرور دیتے ہیں، اس لئے حتی الوسع اس سے احتراز چاہیئے۔

(۶) شب برات کے حلوے کے کھانے میں فی نفسہٖ تو کوئی قباحت نہیں ہے۔ مگر چونکہ جہال اس کو مذہبی جز شمار کرتے ہیں اور وہ بالکل غلط ہے تو اگر کوئی مقتدیٰ ایسا ہو کہ اس کے رد کرنے سے عوام کی اصلاح ہوگی تو اس کو رد کرنا چاہیئے، واللہ اعلم۔

(۷)[۴] گیارھویں شریف کے کھانے میں اگر کھانے میں سب میں نیت ایصال ثواب کی کیگئی تو غیر محتاج کو نہ لینا چاہیئے، اور اگر یہ نیت ہے کہ اس میں سے ایک حصہ ایصال ثواب کے لئے ہے باقیماندہ اہل خانہ اور احباب کے لئے ہے تو کھانا غیر فقیر کو بھی جائز ہوگا، وہ حصہ جو آپ کو دیا گیا ہے وہ ایصال ثواب ہی کا ہے تو آپ کو لینا اور کھانا درست نہیں اور اگر

---

[۱] کسی شیعی مذہب رکھنے والے نے وضو کیا اور لوٹے میں اسکے وضو کرنیکے بعد پانی بچ رہا تو وہ پانی طاہر ہے یا نہیں؟

[۲] کسی سنی کی جانماز پر کسی شیعہ نے نماز پڑھی اس سے کوئی حرج تو نہ ہوگا؟۔

[۳] شیعہ کے یہاں کھانا کھانا چاہیئے یا نہیں؟۔

[۴] گیارھویں شریف کے نذر و نیاز کا کھانا کھانا چاہیئے یا نہیں، میرے یہاں اکثر میرے اسکول کے شاگرد جن کے یہاں نذر و نیاز ہوتا ہے اور میرے پاس کھانا وغیرہ بھیجدیتے ہیں، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے، (حیدری)

اہل خانہ اور احباب کا ہے تو جائز ہے۔

(۸) صاحبزادہ پر عمل نظر کیا گیا یا نہیں؟ کوئی نتیجہ ظاہر ہوا یا نہیں؟ امید تھی کہ آپ بھی دونوں صاحبوں کیساتھ ہوں گے تو زیارت ہو جائے گی، مگر محرومی ہی رہی الخیر فیما وقع، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں اور ذکر میں غفلت نہ کیجئے، والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۹۳

الحمد للہ دیہاتی اور عام مسلمانوں کی جہالت اور مذہبی ناواقفیت کا آپکو علم ہو گیا، افسوس ہے کہ مسلمان عموماً اور علماء خصوصاً اس سے بے خبر ہیں اور دشمنان اسلام اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور عوام کو گمراہ اور مرتد بناتے ہیں اپنی صرف سیٹوں اور عہدوں کے لئے طوفان خیز کارروائیاں عمل میں لاتے ہیں، مگر مسلم عوام کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ انکی دیانت اور اسلام تو کیا دیکھتے انکی غربت اور افلاس، ان کی جہالت، ان کی بیکاری اور پسماندگی وغیرہ کیطرف بھی بالکل توجہ نہیں کرتے علماء دین اول تو نہایت کم ہیں جو ہیں وہ اپنی بڑی بڑی ملازمتوں اور وجاہت، آمدنی وغیرہ کی فکر میں سرگرداں ہیں، پیشہ ور پیران عظام کا کام صرف ٹیکس وصول کر لینا ہے، مردہ جنت میں جائے یا دوزخ میں، ہم کو اپنے حلوے مانڈے سے غرض ہے، یہ انکی حسب حال ہے، آپ حضرات علم دین پڑھ کر ہیڈ مولوی، سکنڈ مولوی وغیرہ کا عہدہ حاصل کر کے پیٹ کے چکر میں ایسے مبتلا ہوئے ہیں کہ ان غرباء اسلام کی ادنیٰ درجہ کی بھی اصلاح نہیں کرتے، اگر تعطیلات اور اتوار وغیرہ کو باقاعدہ نظام کے ماتحت دیہات کا دورہ اور غرباء اسلام کی خبر گیری کا ذمہ اپنے اوپر لے لیتے تو کیا اس سے عمدہ نتائج نہیں نکل سکتے تھے، بہر حال مجھکو بیحد خوشی ہوئی کہ اس مرتبہ آپ کو اس زبوں حالی کا احساس ہوا، اگر اور بھی آپ کو تجربے ہوئے تو اس سے بھی حالت گری ہوئی معلوم ہوگی، میرے محترم! بہت زیادہ بلند آہنگی اور جد و جہد کی ضرورت ہے، علماء کا فریضہ

بہت زیادہ ہے جس سے ہم میں سے اکثر افراد سخت غافل ہیں، ایکم بنایئے۔ اس پر غور کروں گا مگر اس سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ مجنونانہ وار اس وادی میں قدم رکھئے اور جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ خار کے ساتھ گل بھی ہیں، خار ہی خار نہیں ہیں، لوگوں میں تاثر اور استفادہ اور اصلاح بھی ہوتی ہے، اور صبر ہی پر زمانہ بھی مل جاتا ہے، بہر حال مجھکو اس سے بہت خوشی ہوئی اور مجھے امید ہے کہ آپ اپنے ہم خیال اہل علم کی جماعت بنا کر ان کو بیدار کر کے اس عملی میدان میں کچھ کاروبار انجام دینگے، شیخ ولی محمد صاحب کے آرڈروں سے خوشی ہوئی، جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔

## مکتوب نمبر ۹۴

### جوابات مسائل شرعیہ

(۱) عقد نکاح کے لئے مذہب حنفی میں گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں البتہ ثبوت عند القاضی کے لئے عدالت شرط ہے، تحقق نکاح فاسق معلن بالفسق گواہ سے بھی ہو جاتا ہے۔

(ب) شیعی مسلمان ہے یا کافر یہ مسئلہ قابل غور اور مختلف فیہ ہے، خود شیعہ بھی سنیوں کو کافر کہتے ہیں اور مسلمان نہیں مانتے، چنانچہ ان کے مجتہد نے کلکتہ میں حسینیہ فنڈ کمیٹی متعلق ہائیکورٹ میں بحث کرتے ہوئے اس کا اعلان کیا تھا، جس کی صورت میرے پاس ہے، مولانا عبدالشکور صاحب اور بہت سے علماء ان کے کافر ہونے کے قائل ہیں، بعض متوقف ہیں، بعض نے کہا قول فیصل ہے کہ ان کے علماء کافر ہیں اور جہلا فاسق ہیں، یقیناً قرآن میں تحریف کے ماننے والے اللہ تعالیٰ کے علم بالجزئیات کا انکار کرنے والے، بدوء کے قائل ہونے والے کافر ہیں، علی ہذا القیاس حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھنے والے وغیرہ وغیرہ

---

(۱) عقد نکاح کے لئے گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے یا نہیں؟

(۲) شیعی مذہب رکھنے والا مسلمان ہے یا کافر؟

پھر آپ ہی فرمائیے کہ ایسی صورت میں ان کی شہادت سے نکاح کسی قول پر کیسے منعقد ہو سکتا ہے، ہاں یہ عقائد مکفرہ عوام میں غالباً نہ ہوں مگر ان کے علماء میں ضرور پائے جاتے ہیں،

(۲) [۵۱] اگر علاوہ شیعی کے اور دوسرے گواہ سنی موجود ہیں تو عقد درست ہو گیا، گواہوں کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کہا جائے کہ تم گواہ رہو، مجلس عقد میں حاضری اور الفاظ عقد کا سننا کافی ہے عورت کے سامنے اجازت لینے کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں عقد نکاح ہو جائے گا۔ ایجاب قبول کے وقت جس میں عورت کا وکیل یا ولی موجود ہو گواہوں کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ فضولی کا عقد بھی صحیح ہوتا ہے۔

(۳) [۵۲] کابین نامہ میں تفویض طلاق اگر شوہر کیطرف سے کردیجائے گی تو یقیناً صحیح ہو گی۔ اور عورت کو اختیار ہو گا کہ حسب شرط وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرلے۔ البتہ تفویض [۵۳] طلاق کی صورتیں کتب فقہ میں دیکھ لی جائیں۔

(۴) [۵۴] اصل خطبوں میں کھڑے ہو کر ہی پڑھنا ہے، مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے ہندوستان میں عام طور پر اب بھی رواج ہے، عرب میں بھی اب یہی رواج ہو گیا ہے۔

امتحان کے اختتام پر اسکول میں تعطیل ہو جائیگی، غالباً آپ وطن مالوف تشریف لیجائینگے اس کے متعلق تفصیلات سے مطلع فرمائیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مضمون پر

---

[۵۱] عقد نکاح میں علاوہ سنی گواہوں کے ایک شیعہ بھی گواہ ہو تو ایسی صورت میں عقد نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

[۵۲] کابین نامہ میں اگر تفویض طلاق شوہر کیجانب سے ہو تو صحیح ہے یا نہیں؟ (حیدری)

[۵۳] تفویض طلاق یعنی عورت کو طلاق سپرد کردینا مثلاً کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اپنے تئیں طلاق دیا نیت طلاق سے کہا امرک بیدک یا اختاری (اپنے کو اختیار کرلے) زوجہ کو اختیار ہے کہ جس مجلس میں اسکو علم ہوا طلاق دے لیوے، اگرچہ مجلس طویل ہوئے اور اگر بعد علم زوجہ اٹھی یا جو کام کر رہی تھی اسکو چھوڑ کے دوسرا کام شروع کیا مجلس مختلف ہو جائیگی اور اختیار باطل ہوگا، کیونکہ یہ مسئلہ اتفاقی اور اجماعی ہے باقی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ (اصلاحی)

[۵۴] عقد نکاح کے وقت خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے یا بیٹھ کر؟

کیا رائے قائم کی، قائد اعظم کے متعلق کئی پرچوں میں مدینہ کا ایڈیٹوریل اور دوسرے اخبار جو کچھ لکھ رہے ہیں اس کا کیا اثر آپ نے اور اہل شہر نے لیا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۹۵

(۱) گھر کے خط میں لکھا تھا کہ برخوردار ارشد[ف۱] طاعون میں مبتلا ہو گیا ہے، علاج کیا جا رہا ہے، اب معلوم نہیں کہ اس کا کیا حال ہے، اگر کوئی خط گھر کا ہو تو خیر ورنہ آپ ایک جوابی تار بنام محمد شبیر صاحب الہداد پور ٹانڈہ دیدیں کہ ارشد کی صحت سے مطلع فرمائیں، یہ تار بروز شنبہ دیا جائیگا اور بس انشاء اللہ چہار شنبہ یا پنجشنبہ کو قاصد بھیجوں گا یا جب آپ مناسب سمجھیں۔

(۲) خلیل اللہ جنگ[ف۲] کے مقدمہ کے متعلق کیا ہوا، کارروائی سے مطلع فرمائیں۔

(۳) دیوبند کا خط بند ہی روانہ فرمائیں۔

(۴) مراد آباد کا خط اگرچہ کھلا ہوا ہے، مگر بند کر کے روانہ فرما دیجئے۔

---

ف۱ حضرت مولانا مدظلہٗ العالی کے چھوٹے صاحبزادہ ہیں۔

ف۲ خلیل اللہ جنگ، جناب نواب محمد اللہ ایس جنگ سابق ریڈر (قانون) الہ آباد یونیورسٹی و سشن جج اورنگ آباد کے بڑے صاحبزادے ہیں اور میرے تلمیذ رشید ہیں، یہ برطانوی فوج میں کیپٹن کے عہدہ پر مامور تھے، کسی لغزش کے باعث جرم کے مرتکب ہو گئے، اور عزیز موصوف کو کلکتہ میں کورٹ مارشل سپرد کر دیا گیا، استخلاص اور رہائی کی کوئی صورت نہیں تھی، دہلی اور الہ آباد سے بیرسٹروں نے جا کر مقدمہ میں بحث کی اور کافی پیروی کی، کوئی صورت استخلاص کی نظر نہیں آئی، سب ناامید ہو کر واپس آ گئے اور سارا خاندان پریشان تھا، حضرت مولانا مدظلہٗ العالی کی خدمت بابرکت میں یہ تجا جب دعا کیلئے درخواست کی گئی، کہ حضرت اقدس استخلاص کے لئے دعا فرمائیں، حضرت اقدس نے خود دعا کی اور مجھے بھی ایک عمل پڑھنے کے لئے لکھا، میں متواتر تا فیصلہ مقدمہ حضرت اقدس کے فرمانے کے (باقی ص ۳۸۶ پر)

(۵) آرڈی ننس کی کاپی اب تو شاید آگئی ہوگی، کاٹجو صاحب اسکی دفعات کو زیر بحث لائے ہیں

(۶) خواجہ صاحب اگر موجود ہوں سلام مسنون کہدیجئے، نیز دیگر واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہدیں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۵) مطابق ورد کرتا رہا، فیصلہ سے تین چار روز پیشتر میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا وسیع چٹیل میدان ہے، اس میں میں سویا ہوا ہوں اور بہت سے کثیر تعداد میں بھورے بھورے سرخ رنگ کے کتے مجھ پر حملہ کرنے چاروں طرف سے آرہے ہیں، ان کتوں میں ایک کالے رنگ کا بھی کتا تھا، جو ان سب کتوں کو ہنکا کر لا رہا تھا اور مجھ پر حملہ کروانا چاہتا تھا، میں ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہو رہا تھا اور کہیں پناہ لینے کی جگہ نہیں تھی ان کے حملے سے بچنے کے لئے میرے ذہن میں فوراً یہ بات منجانب اللہ آئی کہ مردہ بن کر سانس روک کر تھوڑی دیر سو رہوں، میں نے یہی تدبیر کی سب کے سب کتے آئے اور مجھے سونگھ کر ادھر ادھر بھاگنے لگے تو وہ کالا کتا پھر ان کتوں کو گھیر کر مجھ پر حملہ کرنے کے لئے لایا اور مجھ پر آگے بڑھ کر اس کالے کتے نے پہلے حملہ کیا، میں نے اب دیکھا کہ بچنا مشکل ہے اٹھ کر ہمت کر کے اس کالے کتے کے جبڑے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چیرنا شروع کیا، جیسے جیسے اس کے جبڑے کو چیرتا جا رہا ہوں وہ انسانی شکل اور فوجی لباس میں ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی ہیئت وشکل اور صورت انسان کی ہوگئی، اور وہ بجائے کالے کتے کے گورا فوجی لباس میں ہے میں نے اسکو جان سے مار ڈالا، اب دیکھتا ہوں کہ بجائے میدان کے ایک بلند کھلے چھت پر ہوں اور میں گھبرا رہا ہوں کہ یا اللہ اس لاش کو کیا کروں، دیکھتا ہوں کہ چھت کے نیچے ایک صاف ستھری چوڑی پختہ سڑک ہے اور اس سڑک پر لیڈیاں فوجی لباس میں کھڑی ہیں میں نے اس لاش کو چھت پر سے نیچے سڑک پر پھینک دیا، اور وہ لیڈیاں اس لاش کو اٹھا کر لے گئیں، اسکے بعد میری آنکھ کھل گئی، صبح اٹھ کر میں نے اس خواب کو قلمبند کیا اور حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں بھیجا حضرت اقدس نے ان الفاظ میں جواب مرحمت فرمایا تھا، "آپکے خواب (باقی ص ۳۸۷ پر)

# مکتوبات نمبر ۹۶

## امور مستفسرہ[۱] کا جواب

عید کی نماز کے بعد ملنا اور معانقہ یا مصافحہ کرنا کوئی امر مسنون نہیں ہے، لوگوں کی اختراعات اور بدعات میں سے ہے، احادیث میں جہانتک معلوم ہے اس کا پتہ نہیں چلتا، غیبوبت کے بعد مصافحہ اور طویل غیبوبت پر معانقہ ثابت ہے، مگر عید کی نماز کے بعد ان کا ثبوت نہیں ہے یہاں یہ حالت ہے کہ وہ رفقا، جو نماز میں شریک بلکہ برابر کھڑے تھے، سلام اور خطبہ کے بعد معانق ہوتے ہیں، اور اس کو امر دینی سمجھتے ہیں، اسلئے یہ غلط چیز ہے۔

عید کے روز کوشش کرنے پر اجازت دیدی گئی کہ تمام مسلمان قیدی ایک جگہ عید کی نماز ادا کر سکتے ہیں، اگرچہ حسب قاعدہ شرعیہ جیل میں اجازت عامہ نہ ہونے کی وجہ سے عید کی نماز کا وجوب نہیں ہے، مگر اس لئے کہ اس ذریعہ سے قیدیوں کو ایک دن کی تعطیل اور ملنے کا موقعہ نصیب ہو جاتا ہے، ہم لوگ راضی ہو گئے، اور پڑھ لیتے ہیں، اس میں خطبہ میں کچھ وعظ و نصیحت کا موقعہ بھی مل جاتا ہے؛ چنانچہ تقریباً ڈھائی سو آدمی نماز کے لئے

---

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۶) مبارک ہے، آپ کو اپنے دشمن پر فتحیابی حاصل ہوئی، ممکن ہے کہ اس میں خلیل اللہ جنگ کی کامیابی اور نجات کی بشارت ہو" الخ اس کے بعد حضرت اقدس کے لکھنے کے مطابق تا فیصلہ دوسرا عمل جو اس مکتوب میں درج ہے کرتا رہا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پانچویں روز خواجہ صاحب مدظلہ العالی کے پاس خبر آئی کہ خلیل اللہ جنگ صاحب چھوٹ گئے ہیں، اسوقت اپنے کمرہ میں تھا، جو جناب خواجہ صاحب کے کمرے کے ملحق تھا خواجہ صاحب نے مجھے آواز دیکر بلایا اور یہ بشارت آمیز خوش کن خبر دی کہ خلیل میاں صاحب چھوٹ گئے، اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوا اور دو رکعت نفل پڑھی، اس کے بعد خلیل اللہ سلمہ ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور دہلی میں آکر اپنے چچا نواب حلیم جنگ کیساتھ ویدی، کو زرسٹو رمانٹ میں کام کرنے لگے، دہلی کے عہد عاضرہ کے ہنگامہ میں لاہور منتقل ہو گئے اور اسوقت وہیں قیام پذیر ہیں۔

[۱] عید کی نماز کے بعد معانقہ و مصافحہ مسنون اور جائز ہے یا نہیں؟ (حیدری)

جمع کر دیے گئے، اگرچہ مسلمان قیدیوں کی تعداد تقریباً چار سو ہے، مگر بے نمازی جاہل لوگ نہیں آئے، سبھوں نے نماز اکٹھا پڑھی اور تقریباً ایک گھنٹہ تک انکو نصیحت کی گئی، اس کے بعد آپ کی فرستادہ سویاں سب کو کھلائی گئیں، آپ کی حسن نیت سے بڑی برکت ہوئی تقریباً دس بارہ سیر دودھ حاصل ہو گیا، تمام میوہ جات سے شیر اور سویاں دو بڑی بڑی دیگچیوں میں تیار کی گئی اور سب لوگوں کو کھلائی گئی، تقریباً تین سو یا زیادہ آدمیوں نے کھائی اور بعض بعض نے دو دو اور تین تین دفعہ کھائی، اس لئے کہ ایسی چیزیں شاذ و نادر عام غریبوں کو ملتی ہیں بہرحال چیزیں گراں آئیں، مگر اس حیثیت سے سوارت ہوئیں اور وہ منظر اور مظہر ہوا جس کی اس جیل میں ابتدا سے کبھی نوبت نہیں آئی تھی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین، آپ کا فرستادہ عید میں کام آیا۔ جناب شیخ ولی محمد صاحب اس بارہ میں فیل ہو گئے، غرضکہ آپ کی فرستادہ تمام اشیا حسب تحریر پہنچیں اور کام آئیں، اور اچھے کام آئیں، وللہ الحمد والمنۃ۔

(۱) ایصال ثواب کے متعلق نہایت عمدہ اور جامع تحریر حضرت امام دوراں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات (صراط مستقیم) میں صفحہ ۶۳ و ۶۴ میں موجود ہے، اگر فرمائیں اور کتاب مذکور موجود نہ ہو تو میں نقل کر کے بھیج دوں، حضرت شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ (الحق الصریح فی احکام المیت والضریح[1]) میں پوری تفصیل فرمائی ہے، اسکو دیکھ لیں۔

(۲) آج کل جو طریقہ جاری ہے وہ غلط ہے، بلکہ وہی طریقہ صحیح ہے جو کتاب مذکور میں ذکر کیا گیا ہے، میرے خیال میں کسی مفصل اور مستقل تحریر کی ضرورت نہیں ہے، اگر آپ ضرورت سمجھیں تو مستقل رسالہ لکھا جا سکتا ہے، مگر افسوس کہ کتابیں موجود نہیں ہیں، تاہم اگر آپ اس حالت میں بھی ضروری سمجھیں تو لکھ دیا جائے۔

چونکہ موسم بدل رہا ہے، امراض زکام و نزلہ و بخار کا دور دورہ ہے، اسلئے اگر مناسب ہو تو گل بنفشہ کے ساتھ ۲ تولہ گاؤزبان، ۲ تولہ ملٹھی، ۱ تولہ رب السوس، ۲ تولہ سپستان ۲ تولہ لعوق سپستان، ۴ تولہ خمیرہ بنفشہ بھیجدیں، یا ۲۲ تاریخ کا انتظار کریں، اگر رہائی نہ ہوئی

[1] اس کتاب کے متعلق جلد سوم میں تفصیل موجود ہے ضرور ملاحظہ کیا جائے۔ (مصلحی!)

تو یہ چیزیں ارسال کریں۔

شیخ ولی محمد صاحب کو سلام مسنون اور عید کی مبارک بادی ان کو اور ان کے جملہ متعلقین کو میری طرف سے لکھدیں اور ان کی سابقہ امراض سے شفایابی کی کیفیت بھی دریافت فرمائیں۔

مولوی محمد صاحب اور صاحبزادوں اور دیگر واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہدیں، لاری صاحب، خواجہ صاحب سے بھی سلام مسنون کہدیں، والسلام۔

والدہ صاحبہ اور متعلقین کی خیرو عافیت سے بھی مطلع فرمائیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۹ رشوال ۶۳ھ

# مکتوب نمبر ۹۷

ضیافتین (ضیافت اللہ اور آپ کی ضیافت) موجب شکر گزاری ہے، آپ نے اسقدر تکلیف اور اتنی وسعت کی جس کا بیان اور شکریہ دونوں قبضہ قدرت بھوران سے باہر ہے اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے، اس قدر انواع و اقسام اور اتنی بڑی مقدار ہرگز نہ چاہیے تھی، حالانکہ بہت سے لوگوں میں تقسیم ہوا، پھر بھی کئی روز تک ہم خدام کو اس سے فیضیاب ہونے کا شرف حاصل ہوتا رہا، فجزاکم اللہ خیر الجزاء فی الدارین۔

کل فیصلہ ہائی کورٹ آگیا، مولوی وحید قاسمی کو نقل بھیج رہا ہوں اور حلفنامہ[1] بھیج رہا ہوں، جس پتہ پر وہ منگا رہے ہیں وہ مخدوش نہیں ہے، ملاحظہ فرمالیں۔

---

[1] حلفنامہ اور فیصلہ فیڈرل کورٹ درج ذیل ہے جو مولانا وحید الدین صاحب قاسمی نے دہلی سے بھیج کر خاص عنایت فرمائی ہے جسکو پڑھکر میاں خفتہ زبن پر یہ شعر آگیا ؏ من اثر بیگانگان ہرگز ندنالم ٭ کر با من آنچہ کرد آن آشنا کرد

حلفنامہ مسٹر محمود افسر انچارج پولیس اسٹیشن رڑکی (سابق افسر انچارج دیوبند)

(۱) میں رڑکی پولیس اسٹیشن کا افسر انچارج ہوں جو واقعات اس حلفنامہ میں درج ہیں (باقی بر صفحہ آیندہ)

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ان سے پوری طرح واقف ہوں۔

(۲) یہ کہ مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ کے مرید خاص میں سے ایک ہیں۔ وہ مولانا محمود حسن جو کہ مشہور سازش ریشمی خط کے بانی مبانی تھے۔

(۳) یہ کہ مولانا حسین احمد مدنی سازش مذکور کے سلسلہ میں عرب بھیج دیئے گئے تھے، اور وہاں سے ہندوستان لوٹتے ہوئے گرفتار کئے گئے، اور مالٹا میں نظر بند کئے گئے تھے۔

(۴) یہ کہ بعد میں مولانا حسین احمد مدنی سنہ ۲۰ء میں ہندوستان واپس آئے اور انہوں نے تحریک خلافت کے پھیلانے میں بہت خاص حصہ لیا، اور وہ ایک امیدوار تھے، عہدہ امیر الہند کے تاکہ اس کے ذریعہ سے جہاد کا فتویٰ دے سکیں، اور ۲۷ء میں خلافت کمیٹی کی مجلس منتظمہ میں بھی منتخب ہوئے تھے۔

(۵) یہ کہ وہ علی برادران کے ساتھ مقدمہ فتویٰ کراچی میں سزایاب بھی ہوئے تھے۔

(۶) یہ کہ مولانا مدنی نے ۲۴ و ۲۵ کو سہارنپور میں ایک آگ لگانے والی تقریر کی تھی اور خاص تعلق تھا جمعیۃ علماء ہند سے، اس کے ذریعہ تبلیغ کرتے تھے ولایتی مال کے بائیکاٹ کی جس میں انگریزی مال بھی شامل ہو، اور کھدر کے استعمال کی اشاعت کرتے تھے۔

(۷) یہ کہ مولانا مدنی نے مراد آباد میں ۳۰ء میں صوبہ جمعیۃ علماء کی صدارت کی ۰۰۰۰۰ اور صوبہ خلافت کمیٹی کے بھی صدر منتخب ہوئے۔

(۸) یہ کہ مولانا مدنی نے مئی ۳۰ء میں نوجوان بھارت سبھا سہارنپور کے جلسہ میں شرکت کی اور گورنمنٹ کے خلاف بہت سخت تقریر کی۔

(۹) یہ کہ مولانا مدنی نے ۳۲ء میں مجلس احرار کے لئے چندہ جمع کیا، اور وہ جمعیۃ علماء ہند کے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے، جو کہ اس وقت دہلی میں غیر قانونی جماعت تھی، ان کے اوپر ایک نوٹس اس امر کی تعمیل کی گئی کہ وہ دہلی میں داخل نہ ہوں، لیکن انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی جیل بھیجے گئے اور بعد کو اگست ۳۲ء میں رہا ہوئے۔

(۱۰) یہ کہ مولانا مدنی نے ۳۶-۳۷ء کے عام انتخابات میں کانگریس کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی پوری اور انتہائی کوشش کی۔

(۱۱) یہ کہ مولانا مدنی نے ۳۶-۳۷ء میں ولایتی مال کے بائیکاٹ کی کوشش کی اور انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ آنے والی لڑائی اور بادشاہ کے جشن تاجپوشی میں شریک نہ ہوں۔

(۱۲) یہ کہ ۳۶-۳۷ء میں مولانا مدنی کا داخلہ دہلی بذریعہ تحریری حکم چھ ماہ کے لئے روک دیا گیا۔

(۱۳) مولانا مدنی نے ۳۸-۳۹ء میں ہری پور کانگریس کے اجلاس میں شرکت کی اور آل صوبہ کانگریس کمیٹی کے نائب صدر رہے۔

(۱۴) یہ کہ مولانا مدنی نے آزاد مسلم کانفرنس ۴۰ء جونپور کی صدارت کی اور اس میں (باقی برصفحہ آئندہ)

# مکتوب نمبر ۹۸

عید مبارک ہو۔ اعادکم اللّٰہ وایانا لامثالہ وامثال امثالہ دائما وابدا مقترنا برضوانہ تعالیٰ ونعمہ الظاھرۃ والباطنہ۔ آمین۔

بمبئی میں بھی رویت ۲۹ ذیقعدہ ہوئی ہے وہاں بھی عید الہ آباد کی طرح بدھ کو ہوئی ہوگی، مرسلہ سبز چائے بہت کام آئی اور خواہش بھی تھی، اس لئے باضابطہ خط میں میں نے جلد بھیجنے کو لکھا تھا، تقریباً دو سو سے زاید آدمیوں کو پلائی گئی، جو کہ نماز عید میں شریک تھے، یہ آپ کی برکت تھی، اگر چائے اور شکر نہ ہوتی تو کسطرح یہ کام ہو سکتا، فللّٰہ المنۃ ثم لکم۔

آپ نے سبز چائے رکھ لی بہت بڑا احسان کیا، لکھنے کی ضرورت نہ تھی، میں خوش ہوں مگر یہ تو فرمایئے کہ اس کا بنانا بھی آپ کے خادموں میں سے کسی کو آتا ہے، بہتر تو یہ ہوتا کہ مجھکو آپ بلا لیتے میں بنا لیتا، اگر پسند خاطر ہوتی تو ملازمین والا کو سکھلا دیتا یا ملازم بھیجا تا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) انگریزوں کے خلاف بہت زبردست تقریر کی۔

(۱۵) یہ کہ مولانا مدنی نے اگرچہ گاندھی جی کے خاص حکم کے ماتحت ۱۹۴۱ء میں انفرادی ستیہ گرہ میں حصہ نہیں لیا، لیکن اس سال کانگریس مجلس منتظمہ کے ایک ممبر تھے۔

(۱۶) اپریل ۱۹۴۲ء میں دو تقریریں بجبراؤں اور سہارنپور میں بہت سخت کیں، اور بجبراؤں کی تقریر کے سلسلہ میں ۲۴ ۶/۴۲ کو گرفتار ہوئے اور مقدمہ چلایا گیا، اور دفعہ ۳۶ قانون تحفظ ہند کے ماتحت چھ ماہ کی سزا ہوئی

(۱۷) مولانا مدنی کا نام سنٹرل گورنمنٹ کی فہرست الف پر اور صوبہ کی گورنمنٹ کی فہرست الف پر درج ہے، جو کسی وقت تیار کی گئی تھی۔ اگست ۱۹۴۲ء کی عام گرفتاری کے قبل، اس فہرست میں ان لوگوں کا نام تھا جو خاص طور سے خطرناک سمجھے گئے تھے، اور بعد میں پوری تحقیقات کے بعد دفعہ نمبر ۲۶ کے ماتحت گرفتاری کا حکم جاری کیا گیا۔

**حلفنامہ ہوم سکریٹری**:۔ میں ڈی، ایس بیرن سکریٹری صوبہ یوپی ہوم ڈیپارٹمنٹ باحلف بیان کرتا ہوں، اور قسم کھاتا ہوں۔

(۱) یہ کہ میں سکریٹری صوبہ متحدہ گورنمنٹ کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ہوں اور حکم مورخہ ۵ راگست ۱۹۴۲ء نمبر ۵۳۔۶۲ سی این میں نے جاری کیا ہے۔ ........

(باقی برصفحہ آئندہ)

یہ چاء چین اور جاپان سے آتی ہے، ہندوستان میں کالکا دہرہ دون وغیرہ میں اس کے باغات ہیں، مگر وہ اس قدر لطیف اور عمدہ نہیں ہوتی، دودھ کی چاء میں تو وہ کام آجاتی ہے مگر سادہ کے لئے وہ مناسب نہیں ہے، اس کی سادہ چائے فرنٹیر اور افغانستان میں اور حجاز اور نارتھ افریقہ الجیریا، ٹونیشیا، مراکش فاس وغیرہ میں بکثرت استعمال کی جاتی ہے۔ عمدہ سبز چائے کی قیمت گراں زیادہ ہے، چین کے صندوق بمبئی میں بھی نہیں کھلتے، پشاور چلے آتے ہیں، یہاں کھلتے ہیں، جنگ سے پہلے پشاور میں یہ چاء چھ یا سات روپیہ سیر بکتی تھی، اب قیمت معلوم نہیں، پشاور کے ہی عنایت فرمانے پہلے بھی بھیجی تھی اور یہ بھی بھیجی ہے۔

---

(بقیہ صفحہ گذشتہ) (۲) یہ کہ اس آرڈر کے جاری ہونے کے قبل مولانا حسین احمد مدنی کا معاملہ اور معاملوں کے ساتھ گورنر کے سامنے رکھا گیا تھا اور ان کی نظر بندی کا مذکورہ بالا حکم ہز ایکسیلینسی کے حکم کے مطابق ان کے معاملہ پر غور کرنے کے بعد جاری کیا گیا

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لکھنؤ کے سامنے اس بیان حلفی کی تصدیق ۱۸ ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو ہوئی ہے۔

فیصلہ :- ہائی کورٹ الہ آباد۔ محکمہ فوجداری، نگرانی الہ آباد ۱۶ ر نومبر ۱۹۴۳ء۔

باجلاس آنریبل سر اقبال احمد چیف جسٹس اور آنریبل آلسپ صاحب مقدمہ نمبر ۸۵، ۷ ۱۹۴۳ء

بادشاہ سلامت ! بذریعہ سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل نینی۔

بنام مولانا حسین احمد مدنی کی طرف سے شیخ ولی محمد !

حکم :- یہ درخواست ضابطہ فوجداری کی دفعہ نمبر ۴۹۱ کے مطابق دیگئی ہے، اس میں استدعا کی گئی ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی جو کہ نینی سنٹرل جیل میں نظر بند ہیں رہا کئے جائیں۔

مولانا مدنی کو ۲۵ ر جولائی ۱۹۴۲ء کو قید کی سزا ہوئی تھی اور اپیل کے فیصلہ کے مطابق جنوری ۱۹۴۳ء کے آخر میں ان کی سزا پوری ہوجاتی، اسی درمیان میں ان پر دفعہ نمبر ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے مطابق یہ حکم جاری ہوا، جنوری ۱۹۴۳ء سے مولانا اس حکم کے مطابق نظر بند ہیں، دلیل یہ دی گئی ہے کہ حکم ٹھیک طریقہ سے جاری نہیں ہوا۔ اور اس حکم کا کوئی قانونی اثر نہیں ہے، جہاں تک طریقہ کا سوال ہے یہ ہے کہ حکم صوبہ متحدہ کی گورنمنٹ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے جبکہ وہ گورنر کی طرف سے ہونا چاہیئے تھا۔ ہماری سمجھ میں یہ اعتراض کوئی مضبوط نہیں ہے، خاص کر اس وقت جبکہ گورنر ہی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ نمبر ۹۳ کے مطابق گورنمنٹ کے پورے اختیارات خود کام میں لارہا ہے، دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ مولانا کی نظر بندی کے مسئلہ پر خود گورنر نے غور نہیں کیا، سرکار کے ہوم سکریٹری نے ایک بیان حلفی داخل کیا ہے کہ مولانا کی نظر بندی کا حکم خود گورنر کی ہدایت سے جاری کیا گیا

میں دیوبند میں ظہر کے بعد اسی کو سادہ پیا کرتا تھا، اور احباب موجودہ بھی اس کو نوش فرماتے تھے، پانی کھولنے کے بعد براد (چائے دانی) میں اس کے پتے ڈالدیئے جائیں اور اوپر سے کھولا ہوا پانی ڈال کر بند کر کے کپڑے سے براد کو ڈھک دیا جائے تاکہ دم آجائے۔ اہل تکلف تو اس میں عنبر کی خوشبو دیتے ہیں، اس طرح کہ چمچی میں سوراخ کرا کے اس میں عنبر بھر دیا جاتا ہے یعنی ان سوراخوں میں، پھر چمچی کو چائے دانی میں ڈال کر حرکت دیدی جاتی ہے، اور متوسط الحال طبقہ اس میں سپید الائچی کوٹ کر تاکہ دانے ٹوٹ جائیں دو تین دانہ ڈال دیتے ہیں اور بعض اہل تکلف سبز پودینہ ڈالتے ہیں۔

دودھ کی چائے بنانے کے لئے اس کو خوب اوٹانا چاہیئے، اس کے بعد اس کو ٹھنڈا کر لینا چاہیئے، ٹھنڈا پانی ملا کر یا رکھ کر، پھر اس کو اچھالنا چاہیئے، اس کا رنگ سرخ مثل کتھے کے پانی کے ہو جائے گا، پھر اس میں دودھ زیادہ مقدار میں ڈالکر اور شکر حسب ضرورت ڈال کر آگ پر رکھنا چاہیئے اور پکانا چاہیئے، اور چند دانہ الائچی ڈالدینا چاہیئے، جوش آنے کے بعد استعمال فرمائیے۔ صراط مستقیم ہی ملفوظات حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ان ہی ملفوظات

(بقیہ صفحہ گذشتہ) وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ معاملہ گورنر کے سامنے رکھا گیا تھا، اور انہوں نے اس پر خود غور کر کے حکم جاری کیا ہے، اس بیان حلفی کے رہتے ہوئے ہمارے لئے یہ کہنا ناممکن ہے کہ گورنر نے حکم جاری نہیں کیا، یہ کہا گیا ہے کہ مولانا کی نظربندی کا حکم گورنر نے جاری کیا ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن جب بیان حلفی میں یہ کہا گیا ہے کہ گورنر کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا اور انہوں نے حکم جاری کیا ہے تو ہمیں یہ مان لینا چاہیئے کہ گورنر نے ہی حکم جاری کیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس درخواست میں کوئی زور نہیں ہے، اور ہم اس کو خارج کرتے ہیں۔

درخواست دہندہ کے وکیل نے فیڈرل کورٹ میں اپیل کرنے کی اجازت طلب کی ہے لیکن چونکہ اس میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی تشریح کا کوئی معاملہ نہیں ہے، اس لئے ہم ایسی اجازت دینے سے انکار کرتے ہیں۔

کو ترتیب دے کر حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف کر کے پھر حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا ہے، بعد میں شائع کیا ہو ممکن ہے کہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند میں موجود ہو، ورنہ دہلی کے مشہور کتب خانوں مثل مجتبائی وغیرہ میں ملیگی۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب جواہر قسر میں مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ کی تقطیع اور طرز پر چھپے ہیں۔ وہ نہایت صحیح اور مکمل ہیں، اس کی تصحیح اور کتابت میں پوری جدوجہد کی گئی ہے۔ امداد السلوک اگرچہ رسالہ مکیہ کا ترجمہ ہے، مگر یہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز کا کیا ہوا ہے، جس پر ان کو ایک مقبول دعا کی بشارت ان کے مرشد مرحوم کے پیر بھائی اور مربی حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ نے دی تھی، اور اس ترجمہ کو بہت پسند فرمایا تھا، مولانا شیخ احمد تھانوی رحمۃ اللہ کا ترجمہ پسند نہیں کیا تھا۔ اس میں کہیں کہیں کچھ زیادتی بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، یہ رسالہ کتب خانہ یحیویہ مظاہر العلوم سہارنپور سے مع حضرت رحمۃ اللہ کی دیگر کتابوں کے مل سکتا ہے۔ ممکن ہے صراط مستقیم بھی وہاں ہی مل جائے۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۱۱/ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

---

مولانا ابو الحسن حیدری کے مجموعہ کا تقاضہ تھا کہ ہم شروع انہیں مکتوبات سے کرتے لیکن خود مکتوب کے اندر کلام تھے کہ مجبوراً ان کو وسط میں جگہ دینی پڑی جس سے اس کی افادیت میں کوئی فرق نہیں آتا، اس مجموعہ کو ہر اعتبار سے امتیازی جگہ دینا ہمارا فرض تھا۔ سو بحمد اللہ ہم اس میں کامیاب رہے۔ (اصلاحی)

# مکتوب نمبر ۹۹

## مولانا محمد اویس صاحب جبانڈوی نگرام ضلع لکھنؤ کے نام

امور مسئولہ عنہا کا جواب حسب ذیل ہے۔

(۱) قضا صرف فرائض اور وتر کی ہوگی، سنن مؤکدہ بعد از خروج وقت نوافل ہو جاتی ہیں جن کی قضا نہیں۔ الا ان یشاء الانسان بنفسہ۔

(۲) یہ حالت کہ زلزلہ زمین میں بوقت ذکر معلوم ہوتا ہے کچھ تعجب خیز نہیں ہے، ذکر کے آثار محمودہ میں سے ہے، اس سے نہ گھبرایئے اور نہ اس سے دل لگایئے صرف محبوب حقیقی ہی کو دل لگایئے اور اسی کی طرف دھیان رکھئے اس میں شیطانی مداخلت نہیں اللھم زد فزد۔

(۳) اللہ اللہ میں لفظ جلالہ اول میں ضرب ہوگی اور ثانی میں ضرب نہ ہوگی تصور یہ ہوگا کہ میرے قلب میں صرف اللہ ہی اللہ ہے، کوئی دوسرا محبوب اس گھر میں جلوہ افروز نہیں۔

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۹ ربیع الثانی ۷۵ھ

# مکتوب نمبر ۱۰۰

پہلی حالت پر خوشی اور دوسری پر صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے، آمین، میرے محترم! قلب کے متعلق ذکر کا احساس نعمت عظمیٰ ہے، اللہ تعالیٰ اس کو روز افزوں ترقی فرمائے انشاء اللہ تھوڑی سی محنت سے یہ جاری اور دائمی ہو جائے گا، یہ حالت خواہ بیداری میں ہو یا سونے میں بہرحال غنیمت ہے، طبیعت کا بدل جانا یا تو کسی گناہ کی شومی سے یا کسی حالت کے اظہار سے یا طبعی قبض سے جو کچھ بھی ہوا ہے، استغفار کی کثرت لازم ہے، افسوس تو اس امر کا ہے کہ چار وقت کی نماز کیوں چھوٹی، ہمیشہ خیال رکھئے کبھی ایسے وقت میں فرائض ترک نہ ہوں، دل لگے یا نہ لگے، کتنا ہی انقباض ہو، مگر نماز ہرگز ہرگز ترک نہ ہونی چاہیے، توبہ نصوح

یہ کیجئے اور کثرت استغفار عمل میں لائیے، انشاء اللہ حالت خوب ہو جائے گی، بارگاہ الٰہی میں جس قدر بھی رونا اور سوز و گداز ہو بہتر ہے، مایوسی نہ ہونا چاہیئے، تضرع و زاری مطلوب ہے "اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے) نسبت چشتیہ کا ابتدائی ظہور ہے اللہ تعالیٰ مبارک کرے، اس کا خیال رکھئے کہ بجز محبوب حقیقی کے کسی چیز کو مقصود نہ سمجھنا چاہیئے، احوال و کیفیات ذرائع ہیں، مقاصد نہیں۔

والسلام، ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۴ر جمادی الاولیٰ ۵۴ھ

# مکتوب نمبر ۱۰۱

یہ واقعہ ہے کہ سالک کے لئے بالخصوص ابتدائی ایام میں تنہائی بہت زیادہ ضروری ہے صحبت شیخ تو بیشک مفید ہے مگر بقول شاعر

از خلائق دور ہمچوں غول باش

دور ہی رہنا تمام لوگوں سے مفید تر بلکہ ضروری سا ہے، کسی کمرہ کا قرب و جوار میں انتظام کیجئے حالت بحمداللہ امید افزا ہے، مگر ذکر کی مداومت شرط ہے آپ پاس انفاس پر عامل رہیں انشاء اللہ خود بخود جاری ہوگا، سینہ کا ثقل انشاء اللہ جلد زائل ہو جائے گا، نعماء الٰہیہ میں مزید شکر کیجئے، سوائے محبوب حقیقی کسی کی طلب نہ ہونی چاہیئے۔

کعبہ چہ میروی چہ کشی رنج بادیہ ۔۔۔ کعبہ است کوئے دلبر و قبلہ است روئے دوست
دنیا و آخرت را بگذار حق طلب کن ۔۔۔ کایں ہر دو بولیاں را من خوب می شناسم

محبوب حقیقی کی یاد جس قدر بھی ہو، مفید اور ضروری ہے۔ ما اشغلك عن الحق فهو طاغوتك[1] اسی طرف اپنی توجہ رکھیئے، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، ۲ر جمادی الاول ۵۴ھ

[1] جو چیز خدا سے غافل کرے وہی طاغوت ہے، غفلت سم قاتل اور یاد تریاق ہے، طاغوت کا باقی ص ۲۹۷ پر)

# مکتوب نمبر ۱۰۲

جو جسمانی یا قلبی کیفیات آپ نے لکھی ہیں، مبارک ہیں، ذکر کی کیفیات جب جسم میں سرایت کرتی ہیں تو یہ حالتیں پیدا ہوتی ہیں بعینہٖ وہی مثال ہے کہ فلاسفہ لکھتے ہیں کہ اجزاء ناریہ دخانیہ اجزاء ارضیہ کو اڑا لیجانا چاہتے ہیں راستہ میں سحاب سے اصطکاک ہوتا ہے تو گرج برق، صاعقہ، رعد، شہاب وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، ان سے گھبرانا نہ چاہیئے، اور استقلال کے ساتھ کاربند ہونا چاہیئے۔ یہ کیفیات قلب سے تجاوز کرکے تمام جسم میں ساری ہوں گی، اور سلطان الاذکار کا غلبہ ہوگا، جو کہ نفوس میں علی اختلاف الاستعداد مختلف اطوار پر ظاہر ہوتا ہے، بعض اشخاص کو محسوس ہوتا ہے کہ جسم کا ہر ہر حصہ اور ہر ہر بال و ذرہ ذکر کر رہا ہے بعض کو دوسری کیفیات پیش آتی ہیں، جو کہ کیفیت تارہ کی طرح معلوم ہوئی وہ بھی بہتر ہے مگر کسی سے تلذذ نہ کیجئے، صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا میں سرگرداں ہو جئے، اسی سے لو لگایئے اور غیر اللہ کو تحت لا لایئے اور استقلال اور عالی ہمتی کے ساتھ محبوب حقیقی کی طلب قلب اور روح میں قائم کیجئے، اس کے سوا جو کچھ ہے غیر مقصود اور غیر محبوب ہے اوقات فارغہ کو اسی کے ذکر و فکر میں صرف کیجئے، دو ہر بابا سے رشتہ توڑ : بابا رب سے رشتہ جوڑ احوال کو کسی سے بیان نہ کیجئے

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۵ رجب ۵۵ھ

(بقیہ ص ۲۹۶) لفظ ایسا جامع ہے کہ اس میں نفس، سوسائٹی خاندان شیطان اور حکومت بھی آجاتی ہیں اور یہ تمام چیزیں خدا کی یاد سے مانع ہوتی ہیں اس لئے طاغوت کو ختم کئے بغیر آدمی اسلام کے حقیقی دائرہ میں نہیں آتا ہے قرآن میں ہے فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی (بقرہ) اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لاوے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط (اصلاحی)

# مکتوب نمبر ۱۰۳

والا نامہ در بارۂ آیات منسوخ الحکم و منسوخ التلاوت آیا تھا، بہت مرتبہ ارادہ کیا کہ کچھ عرض کروں مگر اس قدر عدیم الفرصت ہوں کہ اب تک موقع نہ مل سکا، اس وقت سفر میں وارد ھا آیا ہوا ہوں تھوڑی سی فرصت پا کر کچھ عرض کرتا ہوں مگر تمہیداً چند باتیں پہلے ذہن نشین فرما لیجئے۔

(۱) ہمیشہ کلام کی نسبت تالیف کرنے والے کی طرف ہوتی ہے، اس نسبت کیلئے تکلم کا ہونا ضروری نہیں البتہ کبھی مولف متکلم بھی ہوتا ہے تو کلام بھی اسی کا کہلاتا ہے اور تلفظ بھی اور کبھی مولف دوسرا ہوتا ہے اور متکلم دوسرا اس وقت میں کہا جاتا ہے کہ یہ دوسرے شخص کے کلام کو بول یا پڑھ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ سعدی کی گلستان اور خواجہ حافظ شیرازی کا دیوان کہا جاتا ہے، حالانکہ تکلم اور تلفظ ہمارا ہے، حروف ہجائیہ ہمارے ہی اصوات سے پیدا ہوتے ہیں ہم تلفظ آج ۱۳۵۹ھ میں کر رہے ہیں اور گلستان ۶۵۶ھ میں معرض وجود میں آئی تھی، اسی طرح کبھی اپنے کلمات مؤلفہ کو اپنی زبان پر اور اپنی طرف سے تالیف کرتا ہے اور کبھی دوسرے کی زبان پر اور دوسرے کی طرف سے تالیف کرتا ہے، معانی اور مقاصد دوسرے کے ہوتے ہیں۔ نیز اسلوب خطابت وغیرہ بھی اسی دوسرے کے ہوتے ہیں، مگر تالیف کلمات کسی دوسرے کے ہوتے ہیں، ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ فلاں منشی اور محرر نے یہ کلام تصنیف کیا ہے اور فلاں شخص کی زبان پر تحریر کیا ہے، آپ کے پاس ایک بڑھیا آتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے بیٹے کے پاس خط لکھ دو اور فلاں فلاں مضمون اس میں لکھ دو، وہ بیچاری جاہل اور گنوار ہے اپنی زبان میں مطلب بیان کر دیتی ہے آپ اپنی انشاء پردازی سے نہایت فصیح اور بلیغ الفاظ اور عمدہ اسلوب میں اس کی طرف سے لکھے ہوئے مکتوب الیہ کو برخوردار نور چشم، قرۃ العین وغیرہ الفاظ تحریر کرتے ہوئے منشیانہ انداز میں مضمون ادا کرتے ہیں، اگر بڑھیا پر یہ عبارت پڑھی جائے تو غالباً سمجھنے سے بھی قاصر ہو گی، مگر یہ تمام خط بڑھیا ہی کا سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کی زبان پر لکھا گیا ہے، اسکی

طرف سے تخاطب کیا گیا ہے اس کے مضمون کو درج کیا گیا ہے ہاں کلام آپ کا شمار کیا جائیگا اسی وجہ سے اس میں جو کچھ بھی فصاحت اور بلاغت آئے گی وہ آپ کی مہارت کا ثمرہ ہوگی تو یہ کہا جائے گا کہ یہ کلام تو فلاں منشی صاحب کا ہے مگر زبان پر فلاں بڑھیا کے لکھا گیا ہے "یہاں پر اس کی زبان پر کہنا بطور مجاز ہوگا" ہاں کبھی حقیقتاً بھی دوسری زبان پر کسی شخص کا تالیف کردہ کلام جاری ہو جاتا ہے اگر کسی پر جن یا بھوت چڑھ جاتا ہے تو وہ اپنا کلام اس شخص کے زبان سے بولنے لگتا ہے اور ایسی ایسی باتیں کرتا ہے جس کی اس صاحب زبان کو اطلاع تو درکنار ریاقت بھی نہیں ہوتی، صاحب زبان بے ہوش ہوتا ہے، اور وہ جنی اس کی حقیقی زبان سے اپنے تالیف کردہ کلام کو ادا کرتا ہے الخلاصہ یہ کہ کلام ہمیشہ تالیف کرنے والے کا ہی ہوتا ہے، تلفظ کسی کا ہو منجانب کسی کے ہو زبان پر کسی کے ہو۔

(۲) کلام کا تالیف کرنا حقیقتہً "قلب کا کام ہے" زبان تو صرف اس کی ترجمانی کرنے والی ہے یہی وجہ ہے کہ شاعر کہتا ہے۔

ان الکلام لفی الفواد وانما جعل اللسان علی الفواد دلیلا

اس لئے اصل کلام کلام نفسی ہوا جو کہ قلب اور فواد کا کلام ہے زبانی الفاظ اور کاغذی نقوش اور تخیلی کلمات جو کہ خزانہ حافظہ میں محفوظ ہو گئے ہیں سب کے سب اسی کلام نفسی کے دوال اور ظلال اور آثار ہیں ان پر اطلاق کلام ثانیاً" وبالعرض اور مجازاً ہے، یہ کلام مولف فی القلب کلام نفسی کو نہ صرف معنی کی صورت میں حاوی ہوتا ہے، بلکہ کلام لفظی (جو کہ مرکب از الفاظ و حرف ہجا ہے) کی کسوت میں بھی ساتھ پایا جاتا ہے، اگر تلفظ نہ پایا جائے یا عرصہ کے بعد پایا جائے ہاں وجود کلام لفظی مختلف اطوار کہتا ہے، پس اگر مولف اعلیٰ درجہ کا حکیم اور اعلیٰ درجہ کا فصیح ہے تو معانی بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہوں گے اور الفاظ بھی اور اگر معاملہ برعکس ہے تو سب کے سب گرے ہوئے ہوں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم اور صفت کلام سے جو کہ مثل دیگر صفات حقیقیہ ازلی ہیں

قرآن شریف کو تالیف فرمایا، اس لئے معانی اور الفاظ قدیم ہوں گے، اور تلفظ مثل تحریر و نزول وغیرہ حادث ہوگا، ان الفاظ میں ازل میں تقدم او رتاخر صرف ذاتی ہوگا، اور زمانی نہ ہوگا، او ر ہمارے تلفظ میں قصور آلہ کی وجہ سے زمانی بھی ہو جائے گا، اس لئے کلام لفظی کو حادث کہنا خلاف تحقیق ہوگا، صرف تلفظ حادث ہے، کلام نفسی حادث نہیں ہے، اور کلام لفظی بھی حادث نہیں ہے۔ کما فصلہ بحر العلوم فی فواتح الرحموت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس کو قدیم کہنا اسی بنا پر ہے، اگر حنابلہ نہ سمجھ سکے، اور بالآخر غلاف اور کاغذ وغیرہ کو بھی قدیم کہنے لگے، اور یہی معنی قول امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں کہ "ناظرت ابا حنیفۃ ستۃ اشھر ما جتمع رائی ورأیہ علی ان من قال بخلق القرآن فھو کافر اور یہی وجہ ہے کہ قرآن اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ بھی ہوا جس طرح وہ اعلیٰ درجہ کی حکمتوں اور حقائق کا جامع بھی ہے کلام الملوک ملوک الکلام اس کا شاہد عدل ہے اور اسی بنا پر تحدی اور اعجاز بھی اس میں پایا گیا۔

(۴) قرآن شریف میں صرف احکام کا ہی بیان نہیں ہے اس میں تحدی اور اعجاز بھی ہے، اس میں قوت تاثیر بھی اعلیٰ پیمانہ کی ہے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ[۱] الآیہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت نزول پسینہ پسینہ ہو جانا، جسم کو قابو میں نہ رکھ سکنا، متغیر اللون والکیف ہو جانا، شدت اور برحا میں مبتلا ہو جانا، آپ کے جسم مبارک میں ایسے ثقل کا ہو جانا کہ دوسروں کو خفت ان ترض فخذی[۲] کی کیفیت عارض ہو جائے وغیرہ اس کے شاہد عدل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جنات اور آسیب وغیرہ اس سے سخت پریشان ہو جاتے ہیں دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآن خوانند، اس کے ہر جملہ اور ہر ہر لفظ میں نورانیت بہت بڑے پیمانہ پر ہے جس کو اہل اللہ مشاہدہ کرتے ہیں، دیکھو ابریز وغیرہ ؛

---

[۱] اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا اور پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے (حشر)

[۲] میں ڈری کہ میری ران ٹوٹ نہ جائے۔

(۵) اس میں شفاء امراض ظاہرہ و باطنہ بھی ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے، وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ[۱] قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ[۲]

(۶) اس میں ازالہ ذنوب و آثام بھی ہے. وَشِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ[۳] نص قرآنی ہے جلاء للقلوب نص نبوی ہے

(۷) اس میں ہر ہر حرف پر اجر و ثواب بھی ہے جس پر فرمایا گیا کہ جس نے ایک حرف بھی پڑھا اس کو دس نیکیاں ملیں گی لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف او کما قال علیہ السلام[۴] اس کے احکام ہی سے تعبد نہیں کیا گیا ہے بلکہ اسکی تلاوت سے بھی تعبد مقصود ہے خواہ معنی جانے جائیں یا نہ یتلون ایات اللہ اناء اللیل[۵] الایۃ. یتلونہ حق تلاوتہ[۶] الایۃ۔ الماهر بالقران مع السفرة الکرام البررة[۷] (الحدیث) وغیرہ اسکے شاہد عادل ہیں اسکی ہر ہر آیت میں ذکر خداوندی بھی ہے تقریباً کوئی آیت اسماء الٰہی یا صفات و افعال خداوندی سے خالی نہیں ہے اسی وجہ سے اس کا نام بھی ذکر رکھا گیا غفلتوں کو دور کرنے والا قلوب اور ارواح کو مانجھنے والا، ان کو رنگ دینے والا اس میں رقت اور خشیت پیدا کر دینے والا ان سے قساوت اور تاریکی اور سیاہی آثام دور کرنے والا ملائکۃ اللہ اور سکینت کو کھینچ کر لانے والا رضاء باری سبحانہ و تعالیٰ کا موجب یہ قرآن ہے ما عبد اللہ بشئ ما عبد بما خرج منہ الحدیث (او کما قال) وغیرہ چونکہ

---

[۱] اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے واسطے،

[۲] کہہ دیجئے کہ وہ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔

[۳] اور شفا دلوں کے روگ کی،

[۴] میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے الف ایک حرف اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے (الحدیث)

[۵] وہ راتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں

[۶] وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے کا،

[۷] آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ماہر قرآن بزرگ اور نیکوکار لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا (الحدیث)

یہ تالیف از جناب باری عزاسمہ نہیں اور اس کا ہی کلام ہے اس لئے ان امور مذکورہ کا ہونا اسمیں ضروری ہے، ان کے علاوہ خدا جانے کتنے کتنے فوائد اسمیں رکھے ہوئے ہیں، ہم نے اختصاراً کچھ عرض کئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نظم قرآنی میں بہت زیادہ فوائد اور مقاصد رکھے گئے ہیں بنابریں اگر کسی آیت کا حکم منسوخ ہوگیا تو اسکے الفاظ میں دیگر مقاصد عظیمہ باقی ہیں اسلئے منسوخ حکم کو برائے تلاوت باقی رکھا جانا قرین قیاس تھا اور ہے آیات احکام چونکہ اصلاح عباد بالخصوص اہل عرب کے لئے جن کو اساتذہ عالم بنانا ہے، اتاری گئی ہیں اور چونکہ اصلاح تدریجی ہی مفید ہوتی ہے بالخصوص ان اقوام کے لئے جو کہ بالکل ہی نابلد ہوں اس لئے ان کو شیئاً فشیئاً مؤدب کیا گیا، کبھی نرمی سے سختی کی طرف کبھی سختی سے نرمی کی طرف جب وہ کسی حکم کے عادی بن گئے، ان کو آگے بڑھایا گیا اور پہلا حکم اٹھایا گیا تا آنکہ حد کمال تربیت پر پہنچ گئے تو اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الایۃ مطمئن کردیا گیا جس لڑکے کو لکھنا سکھایا جاتا ہے تو ایک زمانہ تک موٹے قلم سے تختی پر لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے جب وہ اسمیں ماہر ہوگیا تو تختی لے لی جاتی ہے اور کاغذ دیدیا جاتا ہے، جب اس کا ماہر ہو جاتا ہے تو موٹا قلم لے لیا جاتا ہے اور ایک باریک قلم دیدیا جاتا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس اور یہ سب مدارج تعلیم پہلے ہی سے متعین ہوتے ہیں، اسی بنا پر فرمایا جاتا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِہَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْہَا او مثلھا پس بہت سی آیتیں منسوخ الحکم والتلاوۃ کردی گئیں اور اس سے بہتر یا ان کی مثل آیات اتار دی گئیں، جن میں ہر قسم کے فوائد اور مقاصد تھے لہذا آیات منسوخہ کی حاجت باقی نہیں رہی اسی طرح جو آیات فوائد اخروی کی مماثل فوائد یا بہتر کو جامع تھیں انہوں نے بعض ایسی آیات سے مستغنی کردیا جن کا حکم تو باقی رہا مگر تلاوت کی حیثیت سے وہ منسوخ کردی گئیں کہ اعلیٰ کے یا مماثل کے موجود ہونے میں انکی ضرورت نہیں اگر اس کے بعد بھی ان سب کو باقی رکھا جاتا تو لوگوں کو قرآن کا حفظ کرنا بھی مشکل ہوجاتا اور تلاوت سے بھی گھبراتے، یہ موجودہ قرآن بھی جس طرح یاد کیا جا رہا ہے اور جس طرح اس کی تلاوت کی جارہی ہے وہ سب کو معلوم ہے بعض بعض

سورتیں حسب تصریحات صحابہ کرامؓ سورہ بقرہ کے برابر یا زیادہ تھیں، مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر بالقرآن آسان کر دیا گیا۔ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ الآیتہ اس کا شاہد عادل ہے۔

محترما! اول تو آیات منسوخۃ الحکم کتنی ہیں اس میں بحث ہے عام طور سے صحابہ رضوان اللہ علیہم کا نسخ کو بیان مغیر اور تخصیص کے معنی میں ہوتا تھا، فسخ اصطلاحی یعنی رفع حکم شرع با خوشہ کے معنی میں بہت کم ہے چنانچہ اتقان اور اس کے بعد فوز الکبیر میں مقدار بہت ہی گھٹا دی گئی ہے آیات کے معنی اس طرز پر بیان کئے گئے کہ ان کو منسوخ الحکم کہا ہی نہیں جا سکتا، نواب صدیق حسن خانصاحب نے کتاب النسخ میں ان باقیماندہ کو بھی اٹھا دیا ہے مگر علی تقدیر التسلیم اجیبا کہ عام مفسرین کی رائے ہے اور مفہوم ظاہری آیت ما ننسخ الآیۃ کا بھی ہے) ہمارے معروضات سابقہ پر غور سے نظر فرمائیے۔ انشاء اللہ مشکلات حل ہو جائیں گے، قلت فرصت میں یہ تحریر لکھی گئی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ عبارت میں الجھاؤ ہو یا اختصار مخل فہم ہو، مگر غور کرنے پر انشاء اللہ مطلب حل ہو جائے گا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۵ رجب ۱۳۵۹ھ (از دارودھا)

## مکتوب نمبر ۱۰۴

ابھی آپ کو بہت محنت کرنی ہے استقامت اور مداومت ذکر کی ضرورت ہے، والدصاحب کا آپ کو حکم کرنا بے محل تھا، انہوں نے خود کیوں نہ ان لوگوں کو بیعت کر لیا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جبکہ وہ موجود تھے تو آپ کو مجبوری کیوں لاحق ہوئی آپ نے لوگوں کو انہیں کی طرف کیوں نہ مائل کیا اور اگر وہ موجود نہ تھے تو آپ مجبور کس طرح اور کیونکر ہوئے، میرے عزیز! یہ راہ دشوار گذار ہے انانیت جاہ پرستی، نفس پرستی خود غرضی کو راہ دینا بہت بڑی غلطی اور اس راہ میں سد عظیم ہے، قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

---

سلہ ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو۔

اخلاص اور للہیت ہر قول وفعل اور ہر حرکت اور سکون میں اشد ضروری ہے اور یہی امر سخت مشکل ہے اعانت خداوندی اور سالہا سال کی ریاضت کیے بغیر اس کا حصول نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے بعد لفظ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن لایا گیا ہے۔ اعنی لا نقدر علی اخلاص عبادتك الا باعانتك

محترم! عزیز! نفس اور شیطان کے مکر ہزار ہا ہزار ہیں اور دونوں انسان کو اگر وہ کھلی ہوئی انانیت اور جاہ پرستی اور خودغرضی سے بچتا بھی ہے تو ایسی ایسی خفیہ تدبیروں میں مبتلا کرتے ہیں کہ ان سے بچنا سخت مشکل ہوتا ہے، عموماً لوگوں میں پیری مریدی حب جاہ ومال اور خواہشات نفسانی کی بناء پر جاری ہو رہی ہے، بہر حال ان دونوں کے مکر سے بچیے، ممکن ہے کہ نسبت طریقت[1] سے مالا مال ہو جائیں، اور آپ کو باقاعدہ بیعت ارشاد وسلوک کی اجازت دیجائے مگر ابھی بہت سی خامیاں ہیں البتہ میں آپ کو بیعت توبہ کی

---

[1] حضرات صوفیاء کرام کی ایک اصطلاح نسبت ہے، جس پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ اور القول الجمیل میں مفصل کلام فرمایا ہے امام العصر نے اپنے اس والا نامہ میں نسبت طریقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے، مناسب معلوم ہوا کہ اس کی کچھ تشریح کر دیجائے، صوفی ہیئت نفسانی کی تحصیل کا نام نسبت رکھتا ہے، کیونکہ نسبت نام ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور ربط رکھنے کا جس کا دوسرا نام سکینت ہے اور نور بھی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بندہ جب اذکار عبادت اور طہارت پر مداومت کرتا ہے تو اس کے اندر ایک خاص صفت پیدا ہو جاتی ہے اور ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے، پس ان دونوں جنسوں کے تحت میں بہت سی انواع داخل ہو جاتی ہیں مثلاً نفس کشی اور بیزاری، لذات مشاہدہ یعنی ملکۂ توجہ وغیرہ، لہٰذا یہ گمان نہ کیا جائے کہ نسبت مذکورہ بدون اشتغال صوفیہ کے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ حق یہ ہے کہ یہ اشتغال بھی اس کی تحصیل کا ایک طریقہ اور ذریعہ ہیں چنانچہ صحابہ اور تابعین سکینہ یعنی نسبت کو اور ہی طریقہ سے حاصل کرتے تھے مثلاً مواظبت صلوٰۃ اور خشوع اور حضور قلب کے ساتھ خلوت میں تسبیحات کی محافظت، موت کی یاد، تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اور خیر خواہی کی (باقی ص ۳۰۵ پر)

اجازت دیتا ہوں، لوگوں کو کلمات ایمانیہ تلقین فرما کر گناہوں سے توبہ کرا دیا کریں۔ اور آیندہ کے لئے عہد کرائیں کہ وہ گناہوں اور شرک و کفر وغیرہ سے بچتے رہیں گے، مگر اس کو خود غرضی اور جاہ پرستی، حصول حطام دنیا کے لئے عمل میں نہ لائیں، اور نہ ابھی عام کریں اتباع شریعت اور احیاء سنت ہیں نہ صرف قولاً بلکہ عملاً نمونہ سلف صالحین بنیں، ذکر کی مداومت میں کوتاہی کو روا نہ رکھیں۔ دعوت صالحہ سے اس ناکارہ کو فراموش نہ فرمائیں،

والسلام :۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۹ر ذی قعدہ ۵۹ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۴) کی باتوں پر دھیان وغیرہ سے تقرب الی اللہ کا ملکۂ راسخہ پیدا ہو جاتا تھا، اور یہ طریقہ آنحضرت صلعم سے متوارث ہے، باقی مرشدوں کے طرق الوان مختلف اور تحصیل نسبت کے طریقے جداگانہ ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کے سوال پر فرما دیا تھا، قال ھی ھی بلا فرق، یعنی یہ وہی نسبت ہے جو ہم کو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بلا اختلاف حاصل تھی، جبتک یہ نسبت حاصل نہیں ہوتی، شیخ اپنے مرید کو بیعت ارشاد و سلوک کی اجازت نہیں دے سکتا، البتہ بیعت توبہ اس سے مستثنیٰ ہے، جیسا کہ عام طور پر لوگ پائے جاتے ہیں، ایک غلطی کا صاف کر دینا ضروری ہے وہ یہ کہ جو مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں کی نسبت سلب کر لی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا کہ... نسبت قرب الٰہی کا نام ہے، اس کو کوئی سلب نہیں کر سکتا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو چیز حق تعالیٰ بندہ کو عطا فرمائیں، دوسرا کون ہے جو اس کو سلب کر لے، ملاحظہ ہو الافاضات ۲۹ر شعبان ۱۳۵۰ھ آج کل کے نام نہاد خلفاء و مجازین کو اپنی جہالت پر ماتم کرنا چاہیئے کہ وہ بلا سوچے سمجھے جو ہذیان بک جایا کرتے ہیں کہ فلاں کی نسبت سلب کر لیگئی تو ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ ایسے لوگ مواخذہ عند اللہ سے چھوٹ جائیں گے دوسری بات جو اس مکتوب میں صاف کرنی ہے وہ بیعت ارشاد ہے، راقم الحروف کے نام حضرت امام العصر دامت برکاتہم کا والا نامہ اسی جلد میں درج ہے ملاحظہ فرما لیا جائے، البتہ نیابت و جانشینی مجاز اور خلیفہ ہونا یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، کیونکہ عجب و جاہ ایسی خبیث بیماری ہے کہ صدیقین کے قلوب سے آخر میں نکلا کرتی ہے، اس لئے بسا اوقات مشائخ اجازت خود مجاز کی اصلاح کی مصلحت وغیرہ کی (باقی ص ۳۰۶ پر)

# مکتوب نمبر ۱۰۵

والا نامہ پُراز معذرت باعث سرفرازی ہوا، واقعی بات ہے کہ انسان کو اولوالعزم مستقل مزاج، حطام دنیا سے معرض، نعمائے آخرت پر مقبل ہونا چاہئے، حُبّ جاہ نہایت برباد کرنے والی چیز ہے ماذئبان ضاریان جایعان ارسلا فی ذریبۃ غنم بافسد لھا من حب الجاہ لدین المرءِ[1] (اوکما قال علیہ السلام) حدیث صحیح ہے، اور یہ حب جاہ اسقدر لیچڑ مرض ہے کہ صوفیہ فرماتے ہیں کہ اخر داء یذھب من قلوب الصدیقین۔ میرے بھائی نفس اعدیٰ عدو انسانی ہے (اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک[2]) اسکے مکر و فریب سے بہت احتیاط کی ضرورت ہے، عالم السر

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۵) بنا پر دیدیا کرتے ہیں، باقی اہلیت و صلاحیت کے ساتھ جن کو اجازت ہوتی ہے وہی معتبر ہے۔ بقول میر سید اشرف سمنانیؒ کہ جب تک پیر مسند ارشاد پر اپنی خوشی سے نہ بٹھلائے، بغیر اجازت کے اس منصب کی ہرگز ہمت نہ کرے، خوب غور کرلیا جائے۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] یہ حدیث تھوڑے تغیر کے ساتھ جامع صغیر سیوطی میں بحوالہ احمد و ترمذی موجود ہے، مفہوم یہ ہے کہ آدمی کے دین کو حب جاہ جتنا تباہ کرتا ہے اتنا وہ بھیڑیا نہیں کرتا جس کو شکار کی چاٹ پڑگئی ہے اور وہ بکری کے بچوں میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

[2] فتوحات مکیہ وغیرہ کتب تصوف میں ہم نے (اعدا عدوک الخ) کو دیکھا ہے، صوفیہ اس کو لفظ حدیث سے تعبیر فرماتے ہیں، لیکن جہاں تک اپنی نظر صحاح ستہ پر ہے یہ غالباً ان میں موجود نہیں ہے البتہ اس قول کی صداقت میں کلام نہیں، کتاب اور سنت میں نفس کا ذکر اور اس کے اقسام کا پتہ چلتا ہے، محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک ایسی چیز ہے جو محل نطق والہام بھی بنگیا اور روح انسانی علوی نے روح حیوانی سے سکون حاصل کیا تو اس کو نفس بنادیا، جب روح نے نفس کے ساتھ دلبستگی پیدا کی تو قلب پیدا ہوگیا اور اس قلب سے مراد وہ لطیفہ ہے جس کا محل پارہ گوشت ہے اور یہ پارہ گوشت عالم خلق سے ہے اور لطیفہ عالم امر سے ہے اور قلب کا روح اور نفس (باقی ص ۳۰۷ پر)

والخفایا مطلع علی القلوب ہے ہم لوگوں سے اپنی قلبی اور نفسانی شرارتوں کو چھپا سکتے ہیں مگر جس

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۶) سے عالم امر میں پیدا ہونا ایسا ہے جیسے اولاد کا آدم اور حوا سے عالم خلق میں جلوہ افروز ہونا، عوارف میں بعض صوفیہ کا یہ قول بھی موجود ہے کہ نفس لطیفہ ہے جو قالب میں رکھا گیا ہے اسی سے اخلاق رذیلہ وصفات مذمومہ ہیں اور روح بھی ایک لطیفہ ہے جو قلب میں رکھا گیا ہے اسی سے اخلاق حمیدہ وصفات محمودہ کا ظہور ہوتا ہے، بہرکیف نفس کی تین حالتوں کے لحاظ سے نام بھی تین ہو گئے ہیں، پس اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا، اس نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں (سورۃ الفجر) اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات وخواہشات میں پھنسکر بدی کیطرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اس کو نفس امارہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے (سورہ یوسف) اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت وغضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا اور ان سے دور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جائے شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں (سورہ قیامہ) شیخ محی الدین ابن عربی اور دیگر صوفیہ جہاد نفس کو جہاد اکبر فرماتے ہیں یعنی جب نفس کے ساتھ لڑائی میں کامیابی ہو گئی تو جہاد سے جہاد حتی کہ راہ خدا میں جان کا دینا معمولی چیز ہو جاتی ہے، باقی قرآنی آیت قَاتِلُوا الَّذِینَ یَلُونَکُم مِّنَ الْکُفَّارِ کا اسی معنی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ شیخ اکبر رح کی بہت سی قرآنی آیت کی غلط تاویل کا نتیجہ ہے، یہاں پر ایک اور بات کا صاف کر دینا ہے وہ یہ کہ صوفیہ کی کتابوں میں رجعنا من الجهاد الاصغر الی جهاد الاکبر - کو صحیح حدیث کہا گیا ہے، عسقلانی نے تسدید القوس میں فرمایا ہے کہ امام نسائی نے اس کو ابراہیم بن عبلہ کا کلام بتایا ہے، اسیطرح عراقی نے بروایت جابر بیہقی سے منسوب کیا ہے، سیوطی فرماتے ہیں کہ خطیب نے اپنی تاریخ میں جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلعم کسی غزوہ سے واپس آئے تو فرمایا رجعنا من الجهاد الاصغر الخ - الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت صلعم کا قول نہیں ہو سکتا اور حدیث کی مشہور ومتداول کتابوں میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب جیسے متبحر محدث نے (باقی ص ۳۰۸ پر)

سابقہ پڑتا ہے اس سے نہیں چھپا سکتے۔ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ[1] الآیۃ نجات صرف صاحب قلب سلیم کو ہی۔ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ[2] (الآیۃ) یہ راز ہائے سربستہ اس دن ظاہر ہو کر رہیں گے۔ یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ فَمَا لَہٗ مِنْ قُوَّۃٍ وَّلَا نَاصِرٍ[3] اگر واسطہ دنیاوی اشخاص سے ہوتا تو ہم بہت کچھ کامیابیاں حاصل کر لیتے۔

ما بروں را ننگریم وقال را ۔۔۔ ما دروں را بنگریم وحال را

اس علام الغیوب کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیئے، دنیا میں ہم کتنی بھی کامیابی و شہرت و شوکت حاصل کر لیں، صرف چند روزہ ہے، اس مقدس ذات کا قرب اور رضا نامہ حاصل کرنا چاہیئے جس کے یہاں دوام وابدیت اور ہر حالت کی معلومیت ہے۔ فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا[4]۔

میرے محترم! اخلاص کے ساتھ مردانہ وار اس میدان میں قدم رکھیئے، اور ہر غیر اللہ سے دل کو پاک وصاف کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی اور میری دستگیری فرمائے اور نفس وشیطان کے مکروفریب سے مجھکو اور آپ کو اور سب دوستوں کو بچائے، آمین۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۱۱ ذی الحجہ ۵۹ھ

---

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۷) دیکھا ہے بس محدثین کے قواعد کی رو سے احادیث وغیرہ کی صحت کا فیصلہ کیا جائیگا کیونکہ ہر فن میں فن والے کی رائے اگر تسلیم کر لیجائے تو پھر امان اٹھ جائیگا اور شریعت کا بھرم جاتا رہیگا، بیچارے صوفیہ جن پر حسن ظن کا غلبہ ہوتا ہے بھلا ان حضرات کو تنقید و تفتیش کی کہاں فرصت اور نہ اسکی عادت، جو سن لیا یا دیکھ لیا باور کر لیا، یا کشف والہام سے ان کو کچھ پتہ چل گیا، محدثین کی احادیث منامیہ کی طرح اسپر بھی حدیث کا اطلاق کر دیا، انکے اس حسن ظن سے حدیث رسول اللہ صلعم ہونا ثابت نہیں ہو جائیگا۔ خوب غور کر لیا جائے۔ مطلب اس فقرہ کا یہ ہے تمہارا سب سے بڑا دشمن نفس ہے جو تمہارے اندر ہے۔ (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] اگر ظاہر کروگے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا اسکا تم سے اللہ (بقرہ) [2] جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لیکر دل بے روگ (الشعراء) [3] جس دن جانچے جائیں بھید تو کچھ نہ ہوگا نہ زور اور نہ کوئی مدد کرنے والا (الطارق) [4] اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے (الطور)

## مکتوب نمبر ۱۰۶

جو کیفیات حاصل ہو رہی ہیں موجب شکر ہیں، اللہ تعالیٰ زیادہ فرمائے آمین، قلب کے متعلق آپ کا خیال واقعیت سے دور ہے، حدیث میں ہے لا یسعنی ارضی ولا سمائی انما یسعنی قلب عبدی المومن[۱] (او کما قال) یسعنی کے معنی یہاں احاطہ کے نہیں ہیں، بلکہ تحمل کے ہیں، اہل تحقیق کہتے ہیں کہ قلب عالم امر ہی، یعنی قلب حقیقی جسم انسانی میں روح جس کا مرکز قلب ہے یہی عالم امر کی چیز ہے، باقی جملہ اشیاء عالم خلق کی ہیں، عالم خلق تجلیات ذاتیہ کا متحمل نہیں، اس لئے فرمایا گیا وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ[۲] (الآیۃ) قلب حقیقی میں تجلیات ذاتیہ متحمل نہیں ہے، باقی جسم میں تجلیات ظلیہ ہی کا مظاہرہ ہوگا، ہم کو مراقبہ میں تجلیات ذاتیہ کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور جذب کرنا ہی۔

ع دل گذرگاہ جلیل اکبر است

تو اگرچہ قلب کے مراقبہ میں دقت یا استبعاد واقع ہو، مگر اس پر مداومت کرنا چاہئے، تمرین مشکلات کے ازالہ کا ذریعہ ہے، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۷ رمضان المبارک ۶۱ھ

## مکتوب نمبر ۱۰۷

مراقبہ کی یہ حالت امید افزا ہے، اس پر پوری توجہ چاہیئے، تا آنکہ خود بخود دوام حضور حاصل ہو جائے اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ کا سماں ہو جائے۔ میں آپ کو اجازت بیعت ارشاد دیتا ہوں، اگر کوئی آپ سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کرے تو آپ اس کو بیعت

---

[۱] زمین و آسمان میرا تحمل نہیں کر سکتے بلکہ میرا تحمل مومن کا دل کر سکتا ہے، بقول جامیؒ ؎

پر تو حسنت نہ گنجد در زمین و آسماں — در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

[۲] لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو مجھکو دیکھ لے گا۔

کر لیا کریں چاروں خاندانوں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، اور سہروردیہ میں اجتماعاً وانفراداً اجازت ہے جو نصائح سلاسل طیبہ کے آخر میں درج ہیں، ان کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں، اور مراقبہ مسمی میں جسقدر ممکن ہو کوشش جاری رکھیں، ضیاء القلوب، القول الجمیل، صراط مستقیم، امداد السلوک سے استفادہ فرماتے رہیں، ہر قول و عمل میں اخلاص اور للّٰہیت منظور نظر ہونی چاہیئے، والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، یکم جمادی الاول ۱۳۶۲ھ۔

## مکتوب نمبر ۱۰۸

توجہ الی الذات المتصفۃ بجمیع صفات الکمال المنزہۃ من جمیع سمات النقص والزوال ہی اہم افراد اور ضروری الدوام ہے، جس قدر ممکن ہو اس میں انہماک کیجئے: قلب انسانی اسکا محل تجلی اور مرکز ہے۔ "لایسعنی ارضی ولا سمائی الا قلب عبدی المومن ای لا یتحملنی فان اللّٰہ سبحانہ اذا تجلی بالتجلی الذاتی فلا یتحملہ عوالم الظلال الا قلب لعبد المومن فانہ من عالم الامر کیف لا ولما تجلی الرب سبحانہ للجبل الطور حین سوال موسیٰ علیہ السلام یتحملہ فقد قال اللّٰہ سبحانہ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقاً ۔

ہست رب الناس را با جان ناس اتصالے بے تکیف بے قیاس

ہنیئاً لارباب النعیم نعیمھم وللعاجز المسکین ما یتجرع[1] اللھم زد فزد

اخلاص[2] اور تواضع و فروتنی کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں اور اتباع سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ

---

[1] (ترجمہ) ارباب نعیم کے لئے ان کی نعمتیں مبارک ہوں، عاجز مسکین کے لئے تو وہ چیز ہے جسے گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۔ [2] اخلاص پر آیات قرآنی اور احادیث نبی کریم کافی سے زیادہ موجود ہیں اور اس کی اہمیت پر مخصوص طور پر زور دیا ہے، اخلاص نام ہے تمام دل اور عقل اور روح کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں نذر کردینے اور اس کی عبادت میں تقرب و رضا کے سوا کسی اور چیز کو مدنظر نہ رکھنے لگا غرض طاعت و عبادت میں ریا کا کلیۃً ترک کردینا اخلاص ہے، اور خلوص نیت اس وقت ہوتے ہیں جبمیں (باقی ص ۳۱۱ پر)

والتحیہ میں ادنیٰ کوتاہی کو بھی روا نہ رکھیں رزقنا اللہ وایاکم رضاہ فی الدنیا والاٰخرہ ووفقنا وایاکم لما یحبہ ویرضاہ ۔ آمین ۔ لوگوں کی اصلاح و تربیت میں کوشاں ہیں، خواب بھی امید افزا ہیں ۔ اس روسیاہ ننگ اسلاف کو دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں ، کتاب صراط مستقیم اور امداد السلوک کو زیر مطالعہ رکھیں ۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۔

# مکتوب نمبر ۱۰۹

زیارت حرمین شریفین کی صورت پیدا ہوئی مبارک امر ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور برکات معنویہ سے مالا مال کرے آمین ۔

(۱) بارگاہ نبوت سے استفادہ کرنا سوءِ ادب کیوں ہوگا ، بارگاہ میں حاضر ہو کر بعد ادائے صیغ صلوٰۃ وسلام مذکورہ درود شریف کی کثرت بصیغہ خطاب زیادہ مفید ہے ، اس کے علاوہ استفادہ کی عمدہ صورت یہ ہے کہ مراقبہ ذات الٰہیہ میں مشغول رہیں ، جو کچھ فیوض پہونچنے والے ہیں وہ پہونچیں گے ، اس کے قصد یا سوال کی ضرورت نہیں ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۰) ذرا بھی خون اور گندگی کی آمیزش نہ ہو، قرآن میں ہے من بین فرث ودم لبنا خالصاً لیکن اصطلاح تصوف میں اخلاص یہ ہے کہ اپنے عمل پر سوائے خدا کے کسی کو شاہد نہ بنایا جائے ۔ فضیل بن عیاضؒ کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے لئے عمل کا ترک کر دینا ریا ہے ، اور لوگوں کو دکھانے کیلئے عمل کرنا شرک اور اخلاص یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں سے اپنے کو دور رکھے ، یوسف بن حسین فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے اعلیٰ اور اشرف چیز اخلاص ہے میں نے بارہا کوشش کی کہ میرے قلب سے ریا نکلے مگر دوسری شکل و صورت اور رنگ و بو اختیار کر ہی لیا کرتا ہے ، اخلاص اور صدق میں فرق یہ ہے کہ صدق اصل ہے ، اس لئے پہلا قدم یہی رکھتا ہے ، اور اخلاص فرع ہے اور یہ تابع ہوتا ہے یا یوں تعبیر کیجائے کہ عمل میں داخل ہو جانے کے بعد اخلاص کا سوال پیدا ہوتا ہے نہ کہ پہلے ، اسی ڈ (باقی ص ۳۱۲ پر)

حاضری روضہ مبارک کے وقت میں آنحضرت علیہ السلام کی روح پرفتوح کو وہاں جلوہ افروز سننے والی جاننے والی، غایت جمال و جلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کیجاوے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے، جو لوگ مقصر آداب وسنن ہوں ان کی تحقیر و توہین کی طرف خیال نہ کیا جائے اور نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بلاضرورت شدیدہ توجہ کیجائے، فضول باتوں اور لوگوں کی مجالس میں بلاضرورت حاضری سے گریز کیا جائے، اوقات کو درود شریف، ذکر، مراقبہ، قراۃ قرآن، نوافل سے معمور رکھا جائے۔

(۲) مکہ معظمہ میں بھی توجہ الی الذات بلاکیف و بلاکم ہر حال میں خواہ طواف یا سعی وغیرہ ہو رکھا جائے، ادعیہ مسنونہ اگر پڑھی جائیں جیسا کہ افضل قرار دیا گیا ہے تو وہ بھی مخاطب بالذات الموجودۃ فی الروح والقلب المنزہۃ من سائر الصفات النقص الزوال کے ساتھ جاری رکھا جائے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، ۲۰ رمضان ۶۶ھ

# مکتوب نمبر ۱۱۰

اذکار سریہ یا جہریہ اولاً بالذات اسماء سے متعلق ہیں اور مراقبہ مسمیٰ سے تعلق رکھتا ہے ظاہر ہے کہ مسمیٰ متبوع اور مقصود ہے اور اسماء توابع ہیں اس لئے اگر ذکر اسماء ہو یا توجہ الی الذات ہوں فبہا و نعمت عمل میں لائے والا مراقبہ ہی مقدم ہے، توجہ الی الذات مع الصفات

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۱) سے کہا گیا ہے کہ مخلص کے اندر ریا نہیں ہوتا اور نہ صدق کے اندر عجب و تکبر بس اخلاص کی غایت یہ ہے کہ جہاں یہ آیا ریا، وساوس سب ختم ہو کر حکمت ربانی کے چشمے دل سے زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، خلاصہ یہ کہ ساری طاعت و عبادت اور دین و مذہب سارے اعمال میں خلوص للہیت کے سوا ذرہ برابر کسی اور کی ملاوٹ نہ ہو یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ سے موسوم کرتا ہے۔

کا خیال اجمالی لیا جائے گا، ہاں سیر تفصیلی میں خاص خاص صفات قصد کی جاتی ہیں، ہم کو بالفعل سیر اجمالی ضروری ہے، اس لئے ذات مقدسہ مقصود بالذات ہونی چاہیئے، صراط مستقیم کا باب ثانی جو کہ صفحہ ۱۳۲ سے بعنوان تکملہ در بیان سلوک ثانی راہ ولایت شروع ہوتا ہے، اس کو مطالعہ فرمائیں، اور اخیر تک یعنی سلوک ثانی راہ نبوت کا بھی مطالعہ کریں، بہرحال توجہ الی الذات میں جس قدر بھی کامیابی حاصل کریں وہی کامیابی کی چوٹی ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ

## مکتوب نمبر ۱۱۱

## حاجی محمد اسمٰعیل صاحب جیون بخش حویلی حسام الدین حیدر بلیماران دہلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب[1] رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ مزمل کی تفسیر میں روایت نقل فرمائی ہے کہ صدقہ کا ثواب ایک کا دس اور قرض حسنہ کا ایک کا اٹھارہ ہے اور پھر اسکی وجہ ذکر فرمائی ہے، ملاحظہ فرمالیں۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

---

[1] حضرت شاہ عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ میں نے شب معراج میں بہشت کے دروازہ پر لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص ایک درم اللہ کی راہ میں خیرات کرتا ہے، دس درم کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو شخص خدا کے لئے کسی کو قرض دیتا ہے اسکا ثواب اٹھارہ لکھتے ہیں، میں نے حضرت جبرئیلؑ سے قرض کی مزیت وفضیلت ثواب کو دریافت کیا، فرمایا جو شخص خدا کی راہ میں دیتا ہے تو وہ کبھی محتاج کو پہنچتا ہے اور کبھی غیر محتاج کو، اور انسان اسی وقت قرض لیتا ہے جب کہ ضرورت ہو، اسوجہ سے قرض دینے کا ثواب صدقہ دینے کے ثواب سے زیادہ ہوتا ہے، جاننا چاہیئے کہ اس قسم کے قرض دینے میں طبیعت پر بہت شاق گذرتا ہے، اور سخت قسم کے مجاہدہ کی ضرورت ہے، کیونکہ آدمی کی فطرت یہ ہے کہ بغیر امید نفع خرچ نہیں کرتا چاہے وہ نفع دینی ہو یا دنیوی، لہٰذا اس طرح کے قرض حسنہ دینے میں (باقی ص ۳۱۴ پر)

# مکتوب نمبر ۱۱۲

کوئی عمل تسخیر کا ایسا ہوتا تو میں یہاں جیل ہی میں کیوں پڑا ہوتا، سب سے بڑا عمل تسخیر کا تقویٰ ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کیجئے اخلاص اور للہیت و تقویٰ ہر چیز میں نصب العین قرار دیجئے۔

سیاں انکھیاں پھیریاں بیری ملک جہاں ٹک جھانکی اک مہر کی لاکھوں کریں سلام

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۱۱۳

## مولانا سعید علی صاحب امام مسجد درگاہ سلہٹ (مشرقی پاکستان) کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف، اسمار الٰہیہ کو ذات مقدسہ سے حسب قول معتمد علیہ لاعین و لاغیر کی نسبت ہے، اور یہی اسمار عالم میں متصرف ہیں، اشخاص کی تربیت ان کے ذریعہ سے ہوتی ہے، ہر شخص کا عروج اس اسم تک ہوتا ہے جو کہ اس کا مربی ہے، اس سے زیادہ تفصیل اس عریضہ مختصرہ میں نہیں ہو سکتی، زندگی ہے تو بوقت ملاقات کچھ عرض کروں گا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۴ ذی الحجہ ۶۱ھ

---

(بقیہ حاشیہ ۳۱۳) کسی فائدہ کا وہم بھی اس شخص کو نہیں گزرتا صدقہ بھی نہیں ہے کہ ثواب پائے، معاوضہ بھی نہیں ہے ............ ہو کہ اس کے عوض میں کوئی چیز اس کے مثل یا زاید ہاتھ آئے، بلکہ اپنے مال کو بلا وجہ قید میں ڈال دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرض حسنہ کا ثواب صدقہ سے زیادہ کہا گیا ہے اور کئی گنا ثواب کی توجیہ یہ ہے کہ جب ایک درم صدقہ دس درم کے برابر ہوتا ہے اور اس جگہ ایک درم بوجہ اس کے کہ قرض ہے اس شخص کو دیا ہوگا کہ اس کا مطالبہ باقی ہے پس گویا کہ ایک درم قرض میں دینا نو درم صدقہ دینے کے برابر ہے اور نو کو جب دونا کرتے ہیں اٹھارہ ہو جاتے ہیں (ص ۲۰۵) واللہ اعلم یہی توجیہ قریب قریب ابن ہبیرہ نے الایضاح فی معانی الصحاح میں کی ہے۔

# مکتوب نمبر ۱۱۴

## مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور کے نام

سیدنا المحترم، زادت معالیکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اس عنایت اور مہربانی کا شکریہ کس دل اور کس زبان سے ادا کروں کہ ایام واوقات اجابت میں اس دور افتادہ نالائق کو دعوات صالحہ سے یاد فرماتے رہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے اور مقاصد نعمت دارین میں کامیاب فرمائے، ان دعوات سے بڑھ کر اسلامی نقطہ نظر سے بھی اور دوا۔ کے لحاظ سے بھی اور کوئی احسان کیا ہو سکتا ہے، فللہ الحمد والمنۃ، بفضل خداوندی سے امید ہے کہ یہ دعوات صالحہ رائگاں نہ جائے گی، میں بفضلہ تعالیٰ نہایت صحت اور عافیت سے ہوں، بہت زیادہ مطمئن الخاطر ہوں، رمضان شریف بھی نہایت اچھی حالت اور اطمینان سے گذرا، کاش اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز کو خواب میں دو مرتبہ خلاف معمول نہایت شفقت اور محبت سے دیکھ چکا ہوں، میری نالائقی ہرگز ایسی عنایت کو مقتضی نہ تھی۔ حضرت شیخ الہند رح کو بھی کئی مرتبہ دیکھا، کیا عجب کہ ان اکابر کی توجہ روحانی سے میری کچھ اصلاح ہو جائے، دار العلوم کے واقعات یقیناً بہت زیادہ دلخراش ہیں اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

# مکتوب نمبر ۱۱۵

## مولانا فخر الحسن صاحب مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کے لئے یہ اسباق مبارک ہیں۔ ہمت مت ہارئے، خواب اچھے ہیں، اتباع سنت کا خیال رکھیئے۔ موجودہ مسموم فضا میں والحاد و

زندقہ اور نصرانیت) آپ کے قدم کو اتباع نبوی سے ڈگمگا نہ سکیں، حضرت شیخ الہند رح کے تراجم الابواب اور سندھی کا حاشیہ علی البخاری اور فتح الباری مشعل راہ بنائے، میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے، خود بخاری پر حواشی بہت کارآمد ہیں۔

روزانہ تو میں پوری سند نہیں پڑھتا تھا، روزانہ کے الفاظ تو حسب ذیل ہیں:۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین - اما بعد فان اصدق الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار - وبالسند المتصل الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المومنین فی الحدیث ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرۃ بن بردزبۃ الجعفی البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ ونفعنا بعلومہ امین قال۔

مجھکو اجازت وقرأت وسماعت حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب عثمانی رح سے ہے اور ان کو قرأت وسماعت واجازت حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی دہلوی ثم المدنی قدس اللہ سرہ العزیز سے ہے، اور ان کو قرأت وسماعت واجازت حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی ثم المکی قدس اللہ سرہٗ العزیز سے ہے۔

ان سے اوپر کی سند بخاری شریف کے ابتدا میں تمام لکھی ہوئی ہے، نیز اور دوسرے طرق میں میری خصوصی سندیں چھپی ہوئی ہیں۔ میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ اس مقدس کتاب کی نیز دوسری کتب حدیث اور دیگر فنون کی کتابوں کو پڑھائیں جیسے کہ مجھکو اسلاف کرام مشائخ اہل ہند اور اہل حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً نے اجازتیں عطا فرمائی ہیں۔ اتباع سنت اور اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریقوں کو مضبوطی سے معمول بہ رکھیں اور تعلیمی اور علمی جدوجہد میں حتی الوسع کسل کو پاس نہ آنے دیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ

# مکتوب نمبر ۱۱۶

## مولانا احمد علی صاحب[1] مفسر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور کے نام

سیدنا المحترم زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والانامہ باعث سرفرازی ہوا، مندرجہ مضامین سے سخت تاثر ہوا، محترما! کیا آپ سے علاقہ کسی انجمن کے وجود و عدم اور اس کی ممبری پر موقوف ہے، جس پر آپ متاثر ہوتے ہیں، کلا واللہ۔ ہم اور آپ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز کے دربار کے دریوزہ گر اور اس بنا پر خواجہ تاش ہیں، یہ روحانی تعلق کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا، اگر مادی اسباب حائل بھی ہو جائیں تو کیا ہے۔ ہماری ارواح ایک ہی دربار گھربار کی حاضر باش ہیں، حفظنا اللہ وایاکم من کل سوء، ورزقنا جمیعاً رضاہ فی الدنیا والآخرہ۔ آمین گھر کے لوگوں اور صاحبزادوں اور دیگر احباب پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دیوبند ۳ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

---

[1] مولانا احمد علی صاحب مفسر مدظلہٗ کے فرستادہ دو والا نامے بنام مولانا احمد حسین لاہرپوری، راقم الحروف کو ملے جنمیں سے ۱۳۶۱ھ کے والانامہ میں مولانا احمد علی صاحب کو جمعیۃ کا صدر مولانا داؤد صاحب غزنوی کو جنرل سکریٹری اور مولانا محمد نعیم صاحب لدھیانوی کو نائب صدر تجویز فرمایا گیا تھا۔ اور ان دونوں والاناموں کی عکسی نقل نہایت اہتمام و احترام سے ہم تک پہنچی ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء، جس والانامہ کو ہم نے یہاں درج کیا ہے، اسکے متعلق مولانا احمد علی صاحب تحریر فرماتے ہیں "حسب الحکم اعلیٰ حضرت مدنی دامت برکاتہم کے دو والا نامے ارسال خدمت ہیں ایک تو جو صوبہ پنجاب کی جمعیۃ علماء کے متعلق ہے، اور دوسرا وہ ہے جبکہ تقسیم ملک کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ان مرکزی اراکین کو علیحدہ کر دیا تھا جو حدود پاکستان میں آ گئے تھے اور ہماری مرکزی جمعیۃ علماء ہند نے اپنی صوابدید کے مطابق ہمیں پاکستان میں کام کرنے کیلئے آزاد کر دیا تھا، اس فیصلہ کی اطلاع کے بعد میری طبیعت بہت ہی پریشان ہوئی میں نے اعلیٰ حضرت مدنی دامت برکاتہم کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس میں عرض کیا گیا کہ اپنے بزرگوں کی دستگیری سے مجھے امید تھی کہ دین نجات کا بھروسہ تھا آج ناامید ہونے لگ گیا، اس عریضہ کے جواب میں اعلیٰ حضرت مدظلہم نے یہ فرمان ارسال فرمایا تھا جو ارسال خدمت ہے۔ فقط احمد علی ۲۹ شعبان ۱۳۶۹ھ ۳ جون ۱۹۵۰ء

## مکتوب نمبر ۱۱۷

## مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ذکر کا یہ اثر نہایت امید افزا ہے کہ بلا اختیار جاری ہونے لگا، غیر مناسب مواقع پر خود بخود جاری ہونا اطمینان بخش ہے، امام مالک کے نزدیک تو ذکر پاخانہ اور پیشاب وغیرہ کرتے ہوئے بھی جائز اور مستحسن ہے، ائمہ ثلاثہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں، مگر ذکر غیر لسانی خواہ سانس سے ہو یا قلب سے روح سے ہو یا سر سے یا خفی واخفی ہو اس میں کسی کے نزدیک کوئی کراہت نہیں، نماز میں خودبخود ہونے لگے تو مت روکئے، بہرحال اس کو جاری ہونا چاہیئے، یہانتک کہ سوتے وقت بھی جاری ہو جائے، اگرچہ سونے والے کو اس کا علم نہ ہو، مگر پاس کے جاگنے والے کو سانس کی کیفیت سے ذکر محسوس ہونے لگے، گریہ کا غلبہ ہونا نسبت چشتیہ کا ظہور ہے، اللہ تعالیٰ روز افزوں ترقی فرمائے، آمین۔

جو لمحہ اور سانس ذکر کے ساتھ گذرتا ہے، وہی حقیقت میں زندگی کا لمحہ ہے، باقی تو محل گفتگو ہے، الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ (اوکما قال)، اگر اسباق اور مجالس میں ہو تو اس سے بڑھ کر کیا بات ہوگی۔ دوہرہ

جب پیت بھئی تب لاج کہاں سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے — دکھ درد پڑے تو کیا چنتا اور سکھ نہ ہے تو کیا ڈر ہے

عشق چوں خام است باشد بستۂ ناموس و ننگ — پختہ مغز این جنوں را کے حیا زنجیر پاست

اگر لوگ رنگ آمیزی کریں اور مذاق اڑائیں تو کیا پرواہ، اسکا خیال بھی نہ ہونا چاہئے اللہ مبارک کرے جو واقعات خلاف طبع پیش آرہے ہیں انکی پروا بھی نہ کیجئے، اپنے کام سے کام رکھئے، میں نے سنا ہے کہ دورہ میں دو سو پچاس سے زاید طلبا ہیں، پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ۴ یا ۵ سو سے زیادہ طلبہ نہیں آئے اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۴، ذیقعدہ سنہ ۶۱ھ

# مکتوب نمبر ۱۱۸

کل میں نے سرسری طور پر کہدیا تھا کہ بہار جانے میں کیا حرج ہے، بعد میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یاد آیا کہ رمضان شریف کی خاطر جمعی اور توجہ الی اللہ کو تمام سال کی خاطر جمعی میں بہت بڑا دخل ہے، ادہر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخیر عشرہ کے متعلق شدت اہتمام بہ نسبت عبادات خود فرمانا اور ترغیب شدید دینا اور فقہا وصوفیہ کرام کا عشرہ اخیرہ کی راتوں کو تمام سال کی راتوں سے افضل تر قرار دینا وغیرہ کا تقاضہ ہرگز نہیں ہے کہ ان دنوں اور راتوں کو ضائع کیا جائے، جس قدر بھی ان میں قرأۃ، قرآن ذکر وغیرہ ہو سکیں بہتر از بہتر ہوگا، ادہر یہ کہ آپ کا ان ایام میں اپنے بچوں میں رہنا ان کے لئے موجب طمانیت ہے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ عید سے پہلے سفر نہ فرمائیں۔ رمضان میں ریلوں کی کھچا کھچ میں سفر کرنا اور اس کی وجہ سے تمام معمولات حتی کہ فرائض تک میں خلل پڑنا تشویش خاطر وغیرہ کا ظاہر ہونا کچھ بہتر نہیں معلوم ہوتا، ہاں عید کے دن یا اس کے اگلے دن اگر آپ سفر کریں تو زیادہ مناسب ہوگا، ممکن ہے اکبر پور تک میں بھی آپ کی اردلی میں حاضر باشی کا شرف حاصل کر سکوں آیندہ جناب کو اختیار ہے، میرے عید کرنے کے بارے میں کچھ ترددات پیش آرہے ہیں، یہاں کے حضرات سخت متقاضی ہیں کہ منصور پور میں عید کی جائے اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ دیوبند۔ بہر حال رسہ کشی ہو رہی ہے، دیکھیے کون غالب آتا ہے، جو مقصد یہاں کے رہنے کا قرار دیا گیا تھا اسکو بالکل انجام نہیں دلسکا افسوس، دعاؤں کا سخت محتاج ہوں، آپکے تیسرے قرآن کی خبر سے خوشی ہوئی ھنیئاً لارباب النعیم نعیمھم ہم تو ابھی تک ایک قرآن بھی ختم نہ کرسکے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۳ رمضان المبارک ۶۶ھ از حسین آباد

# مکتوب نمبر ۱۱۹

بسبحان من اقام العباد فیما اراد

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ — اگر تیرا رب چاہتا تو وہ لوگ کام نہ کرتے سو تو چھوڑ دے وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔

۱۱ رمضان کا والا نامہ ملا مجھے سخت تعجب ہے، آپ کے اوہام اور لایعنی خیالات و افکار دور نہیں ہوئے، اسی پیچ و تاب میں آپ پڑے رہتے ہیں، اگر ایسا ہی ہے تو خدا سے لڑائی کیجئے اور اس کے لئے کمر باندھیے، تکوینیات اسی کے ارادہ اور قدرت کے کرشمے ہیں، اس میں سرگرانی اور اپنی بیش بہا اطمینانی حالت کو ضائع کرنا قلب اور اسکے سکون کو ان لایعنی باتوں میں کافور کردینا کس قدر کھلی فاش غلطی ہے، تکوینیات صرف اسی کے قبضہ میں ہیں۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ۔ الآیۃ — کوئی آفت نہیں پڑتی ملک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اس کو دنیا میں بیشک یہ اللہ پر آسان ہے تاکہ تم غم نہ کھایا کرو، اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ شیخی کیا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا۔ (سورہ حدید)

ما اصابك لم يكن ليخطئك وما اخطاك لم يكن ليصيبك۔ الحدیث[۱] ہشام کس روز کیلئے پڑھا تھا۔ العجب فالعجب، میں کہہ چکا ہوں کہ ذکر کی کثرت کیجئے اور صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگایئے۔ مخلوق

---

[۱] آیت مذکورہ کی تفسیر میں جس حدیث کو حضرت امام العصر نے نقل فرمایا ہے اسکا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ تمکو پہنچا اور پہنچ رہا ہے غیر ممکن تھا کہ اسمیں چوک ہو جاتی اور جو تیر چوک گیا ممکن نہ تھا کہ اسکی زد پڑتی، یہ قضاء مبرم ہے جسمیں تخلف کی گنجائش نہیں ہے، تقدیر پر ایمان لانا ہے نہ کہ اسکی کھود کرید کرنا بلکہ اس سے اجتناب سلف کا مسلک رہا ہے ع

کہ کس نہ کشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمارا

کو خالق کے لئے چھوڑ دیجئے، اگر کوئی مصیبت آپ پر آئے کشادہ پیشانی سے برداشت کیجئے۔ "ضرب الحبیب زبیب" سمجھئے اور قلب کو ان تمام دنیاوی اور تکوینی کدورتوں سے پاک اور صاف کیجئے، حضرت لقمان علیہ السلام کی وصیت وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ ہی نہیں بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کو دیکھئے کہ کن شدائد میں گذری اور پھر ان کو اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا فرمایا جاتا ہے، آپ اپنا جائزہ لیجئے ۲۴ گھنٹہ میں کس قدر شکر کرتے ہیں اور کس قدر نعماء الٰہیہ کا استعمال کرتے ہیں، اس کے آپ مسئول ہیں، اپنے فرائض کو انجام دیجئے، ان دنیاوی پریشانیوں پر لات ماریئے، "من حفر بئرا لاخیہ وقع فیہ" کے کرشمے دیکھئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۱۳۰

## مولانا قاری اصغر علی صاحب مدرس دار العلوم دیوبند، بہانپور کے نام

محترم المقام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گورنمنٹ کا ہمیشہ سے اور کارکنان مدرسہ کا عرصہ سے اور جو لوگ ماحول اہتمام و صدارت میں کام کر رہے ہیں ان کا بھی ہمیشہ سے یہی ارادہ اور جد و جہد رہی کہ حسین احمد کو یہاں سے نکلوایا جائے اور اب ان کو موقع ہاتھ آرہا ہے، اس میں انتقامی جذبات کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کو آرا سے چروا دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرا دیا، سیکڑوں نہیں ہزاروں انبیاء موت کے گھاٹ اتروائے گئے، قرآن کی نص يَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اس پر دلالت کرتی ہے، حسین احمد کتنا بھی مخلص اور بے قصور ہو مگر ان انبیاء کے سامنے وہ مقدار بھی نہیں رکھتا جو ذرہ کو پہاڑ کے سامنے ہے۔

ادارۂ اہتمام و مدرسین کی یہ کشمکش اور خود غرضیاں اور لایعنی باتیں مجھکو مجبور کرتی ہیں کہ اپنے دوسرے اصلی فریضہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اب آخری حصہ کے فریضہ کو اللہ تعالےٰ

کی یاد اور عبادت میں خرچ کرنے کا قصد کروں، میرے آقا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی یہی سنت ہے اور اسی پر حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری مرحوم و مغفور اور حضرت نانوتوی مرحوم و مغفور آخری ایام میں گذران کرتے تھے، اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ آخری ایام میں اسی کے عامل رہے۔

حقیقت میں ان حضرات کو آپ سے یا منشی محمد شفیع صاحب یا مولانا جلیل صاحب مولانا نافع گل صاحب وغیرہ حضرات سے کاوش نہیں ہے، سب کی آنکھوں میں کانٹا حسین احمد ہے، اور اسی سے سب کے جذبات منتقمانہ ہیں، کیونکہ وہ اپنے لئے صورتیں سوچے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید قوی ہے کہ قریبی ایام میں انقلاب حکومت کی بھی ضرورت پیش آئے گی، اس صورت میں ہماری سیاسیات کا شغلہ بھی ختم ہو جائیگا۔ اب اللہ تعالیٰ کی یاد میں بقیہ عمر گذارنا ضروری معلوم ہوتا ہے، بے شک ملازمت کے ترک میں آمدنی کی طرف سے خطرات پیش ہوتے ہیں، مگر اس راستہ میں سلف صالحین کا طرز عمل اور روکھی سوکھی روٹی، فاقہ اور نیم گرسنگی کو اختیار کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ اپنی رحمت و امداد سے اعانت فرمائیگا۔

ہمارا خاندان امراء اور نوابوں کا خاندان نہیں ہے، فقراء کا خاندان ہے۔ اگرچہ زمینداری بڑے پیمانہ پر تھی، مگر صرف آخری کی دو پشتیں دنیادار گذری ہیں، ورنہ باوجود زمینداری کے فقیرانہ طرز رہتا تھا، اور ذکر و فکر مراقبہ وغیرہ میں مشغول رہتے تھے، یہی بات میں نے والد صاحب مرحوم سے بارہا سنی ہے، خلاصہ یہ کہ مجھکو ہر وقت اس کے لئے تیار رہنا ضروری ہے۔ اور اب طبیعت اس ملازمت سے متنفر ہوتی چلی جاتی ہے، خصوصاً ایسے ایسے مقدسین کے یہ احوال دیکھ کر۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۱۴۱

## مولانا ابو جعفر صاحب مرادآبادی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف، ذکر کی طرف اس قدر توجہ اور اس سے بشاشت اور ناغہ ہو جانے سے طبیعت کا تاثر "این ہم غنیمت است" مگر میرے محترم! آپ کو اس راہ میں مرد بننا چاہیئے، اور بہادرانہ تگ ودو کرنی چاہیئے، کسی شب میں قضا کیوں ہو؟ اور مقدار ذکر میں وہی تعداد کیوں باقی رہے، جو دو تین ماہ پہلے تھی: "اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ لمجنون"

جہاں اے برادر نہ ماند بکس　　　دل اندر جہاں آفریں بند و بس

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ

# مکتوب نمبر ۱۴۲

والانامہ مع والانامہ صوبیدار صاحب پہنچا، یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں، ان کے والدین ماجدین کے تفکرات سے صدمہ ہوا۔ ان کی خدمات عالیہ میں سلام مسنون عرض کردیں اور توجہ دلائیں کہ جو وقت بھی اس اسارت اعداء اللہ میں گذرتا ہے، اجر وثواب سے خالی نہیں ہے، نیز صوبیدار صاحب اس فرصت میں جب کہ اپنی جد وجہد سے خالی نہیں ہیں تو خوش ہونے کا مقام ہے، ضرورت شدید ہے کہ صوبیدار صاحب اپنے اسلاف کرام کے مقامات روحانیہ کو حاصل کریں، جس کے لئے بجز فراغ کوئی صورت نہیں۔ یہ فراغ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۲) یہ حقیقت ہے کہ مقامات تصوف وسلوک کے حصول میں فراغ خاطر اور خلوت وعزلت کو دباقی صفحہ ۳۴۴ پر)

ان کو باہر نہیں مل سکتا، ماشاء اللہ آپ روحانی جد وجہد سے غافل نہیں ہیں، ان کو والدین ماجدین اور اعزہ کی طرف سے تاکید ہونی چاہیئے، کہ وہ مطمئن الخاطر ہو کر اپنی روحانی اور قلبی اصلاحات میں بیش از بیش منہمک رہیں، اور اعزہ و اولاد کی فکر نہ کریں، اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ وَّاللّٰہُ عِنْدَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْہِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ الآیۃ ان کو مشوش نہ کیا جائے، بلکہ تنبیہ کیجائے کہ اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر اپنی زندگی کے ضروری فرائض کو انجام دینے میں مصروف رہیں یہ ان کی خدمت نہ صرف اپنی ہوگی بلکہ والدین ماجدین اور اعزہ کی نہایت بیش قیمت خدمت ہوگی۔

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعان غم مخور کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

اللہ سے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ کریم کارساز اپنے فضل و کرم سے مصائب کے بادلوں کو چھانٹ دے اور ہمارے ساتھ ایسے معاملات نہ فرمائے جس کے ہم مستحق ہیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۹؍ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۲) بہت بڑا دخل ہے، خلافت راشدہ کے بعد جب نظام اسلامی میں بہت کچھ برہمی پیدا ہوگئی تو صوفیاء کرام نے جگہ جگہ خانقاہیں قائم کیں، چنانچہ پہلی خانقاہ رملہ شام میں سلجوقیوں کے دور میں تعمیر ہوئی صوفیاء کرام جن لوگوں میں استعداد اور مناسبت پاتے تھے ان کو بیرونی دنیا کے گندے ماحول سے نکال کر اور اعلیٰ درجہ کی تربیت دیکر اسی کام کیلئے تیار کرتے تھے، جس کیلئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو تیار کیا تھا لیکن آج خانقاہوں کا مفہوم اس درجہ گر گیا ہے کہ یہ لفظ سنتے ہی انسان کے ذہن میں ایک ایسی جگہ کا تصور آجاتا ہے، جہاں ہوا اور روشنی کا گذر نہ ہو، اور جہاں صدیوں تک جنتری کا ورق نہ پلٹے، حضرت امام العصر سلف کی جیتی جاگتی تصویر اور ایک غیر معمولی شخصیت کے حامل ہیں جیل خانہ آپ کی خانقاہ اور اس کی تنگ و تاریک کوٹھریاں ارشاد و اصلاح کی تربیت گاہیں ہیں، جو کہ تی کا صحیح حقیقی مفہوم آپ جیسے زندانیان یوسف نے سمجھا ہے، چنانچہ قید خانہ عبادت کا گہوارہ، معرفت و بصیرت اور درس علم کا مرکز بن گیا (باقی ص ۴۴۵ پر)

# مکتوب نمبر ۱۲۳

## مولانا غلام پیر صاحب قصبہ یوسف پور محمد آباد ضلع غازیپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف، غلام ربانی صاحب عباسی کی گرفتاری اگرچہ بظاہر باعث تکلیف ہے، مگر ان کے متعلقین اور احباب کو مبارکباد دیجئے، اور ان کو بھی مبارکباد پہنچا دیجئے، زمرۂ مجاہدین میں داخل ہونا اور اللہ کے راستہ میں تکالیف جھیلنا عظیم الشان عبادت ہے، قرآن مجید میں سورہ توبہ کے آخر میں ہے، ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَاءٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ الآیۃ (یعنی مسلمانوں کو اللہ کے راستہ میں اگر تھوڑی بھی پیاس یا بھوک یا تھکن لگ جائے یا کوئی ادنیٰ درجہ کی بھی ایسی چال چلے جس سے کافروں کو غصہ آئے یا کوئی نقصان پہنچائے، ان کو تو نیک

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۴) ریاضت و مجاہدہ اور قید محن تزکیہ و تطہیر کا فیضان ہو گیا، جن کو کل تک جیل کے نام سے لرزہ آتا تھا، ان کے اندر سے جبن و بزدلی دور کر کے لَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ کے اسرار سے آگاہ کر دیا اور اسلاف کرام کی صحیح جانشینی کا حق ادا کر کے نہ جانے کتنے متوسلین کو دار و رسن کا مانوس بنا دیا، آپ کی ریاضت و مجاہدہ کی شاہد حرمین کی ارض مقدسہ اور مدینۃ الرسول کے محراب و ممبر اس کی جھاڑیاں اور وادیاں، برطانیہ کے قصر استبداد کی کوٹھریاں اور مالٹا کی سرزمین ہیں جن کے ذرہ ذرہ کو قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں سفارشی بنکر آنا ہو گا کہ "یہ بندہ دو عالم سے خفا تیرے لئے ہے" یہ ہے وراثت انبیاء کا حقیقی مقام اور یہ ہے خانقاہ کا صحیح بنیادی مفہوم اور یہ ہے سلوک و تصوف نبوت اور یہ ہے "وفی سبیل اللہ ما لقیت" کا عملی مظہر اور یہ ہے۔ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَاءٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فی سبیل اللہ الخ کی اور عملی تفسیر ہے

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

آج تن آسانی اور عیش پسندی کا نام تصوف اور رخصتوں ہی پر عمل کا نام تصوف رکھا گیا ہے۔ (باقی ص ۳۲۶ پر)

عمل لکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کے کام کو ضائع نہیں کرتا، اور اگر کچھ خرچ کرے اللہ کے راستہ میں خواہ تھوڑا ہی ہو یا کچھ راستہ چلے تو وہ بھی لکھا جاتا ہے) میرے بھائی یہ بہت بڑی بشارت قرآنی ہے، جو کچھ تحریک ہے اس حکومت کی شوکت اور قوت کو مٹانے کے لئے ہے جس نے اسلام کی دشمنی میں کوئی فروگذاشت کبھی نہیں کی ہے، یہ توفیق خداوندی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو اسکی توفیق عطا فرمائی پہلوں نے اپنی جانیں، مال، اولاد کیا کیا نہیں خرچ کیا، ہرگز مت گھبرایئے اور کمزور ہوجیے، قرآن اور حدیث بشارتوں سے بھرے ہوئے ہیں، ان کو اور ان کے گھر والوں کو اطمینان دلایئے اور مستقل ارادہ پر قایم کیجیے، اور ان کے گھر والوں کی خبر گیری کیجیے، اور کرایئے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کسی غازی کے گھر والوں اور

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۵) کیا یہ رہبانیت کے قبیل سے نہیں ہے، حالانکہ جو وقت اسارت اعداء اللہ میں گذرتا ہے، اسکا ایک گھنٹہ موجودہ خانقاہی عبادتوں سے بہتر اور اجر و ثواب میں افضل ہوا اور ہے۔ مولوی محمد یحییٰ صاحب اعظمی نے "نوائے حیات" میں "ایک عالم ربانی کی اسارت" کے عنوان سے امام العصر کی جو صحیح تصویر کھینچی ہے اسکے چند شعر یہ ہیں:-

وہ جس کی زندگانی کا شرف ہو اسوۂ یوسف
اسے ہوگی بھلا کیا سجن وزنداں سے پریشانی

پرستاران حق گھبرائیں کیوں اس یوسفستان سے
یہ زنداں تو رہا ہے جلوہ گاہ ماہ کنعانی

مبارک ہو تن آسان عیش کو کاشانۂ راحت
مجاہد کے لئے زیبا نہیں ذوق تن آسانی

صحابہ کی حیات پاک کو اس نے نہیں جانا
حقیقت میں یہ شان زندگی جس نے نہ پہچانی

شعار اس کا بزرگان سلف کا زہد و تقویٰ ہے
جہاد اس کا نہیں پابند قید سبحہ گردانی

جدا ہے رسم و راہ خانقاہی سے طریق اس کا
زمانہ سے الگ ہے اس کا آئین حق ادانی

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۳) یہ ایک علمی مسئلہ ہے کہ فریضۂ جہاد قیامت تک کے لئے برابر جاری رہتا ہے، جہاد فرض کفایہ ہے، البتہ اگر کسی وقت امام کی طرف سے نفیر عام یعنی جنگی خدمات کے لئے عام بلاوا ہو جائے تو فرض عین ہو جاتا ہے، اور کسی حقیقی معذوری کے بغیر نہ نکلنے والوں کا ایمان تک معتبر نہیں (باقی ص ۳۲۷ پر)

بال بچوں کی خبرگیری اور خدمت کرتا ہے تو اس کو بھی غزوہ اور جہاد کا ثواب ملتا ہے، اگر لیگی دشمنی کرتے ہیں تو پرواہ مت کیجئے، وہ اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں، اور آپکے درجے بلند اور گناہ معاف ہوتے ہیں، یہ تو پیغمبروں کی سنت ہے کہ شیاطین اور جن انکے دشمن ہوتے تھے، خوشی کا مقام ہے، شریعت پر مضبوطی سے قایم رہیئے، پنجگانہ نماز باجماعت پڑھیئے اور لوگوں کو اس کا پابند بنایئے، مجھکو بھی کبھی کبھی دعا سے یاد کرلیا کیجئے آپ سب بھائیوں کے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۶) حضرت امام العصر نے ۱۹۴۲ء کے مجاہدین کی فضیلت کے سلسلہ میں سورہ توبہ کی جس آیۃ کریمہ کا مفہوم تحریر فرمایا ہے وہ پوری آیت اپنے مدعا پر نص قطعی ہے اور برطانیہ کے خلاف جنگ آزادی میں جن حضرات نے حصہ لیا ہے وہ یقینی طور پر ان آیات اور احادیث کے مصداق ہیں جو اس راہ میں وارد ہیں سورہ توبہ کی ابتدائی آیات اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کو مدنظر رکھیئے تو صاف مفہوم متعین ہوجاتا ہے کہ "کسی زیارت گاہ کی سجادہ نشینی و مجاوری اور چند نمایشی مذہبی اعمال کی ... بجاآوری جس پر دنیا کے سطح بین لوگ، بالعموم شرف و مجد اور تقدس کا مدار رکھتے ہیں خدا کے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتی۔ اصلی قدر و قیمت ایمان اور راہ خدا میں قربانی کی ہے، ان صفات کا جو شخص بھی حامل ہو وہ بڑا قیمتی آدمی ہے۔ اور جو ایسا نہ ہو تو ہرگز ہرگز دینی معابد ان لوگوں کے ہاتھوں میں رہنے نہ دیا جائے، اور نہ ایسے لوگوں کو خلیفہ و مجاز ان کا سمجھنا چاہیئے جنکا طریق زندگی اپنے پیر سے جدا رہا ہو، جانشینی و خلافت بغیر پیروی شیخ کہیں بھی قابل اعتبار نہیں، بار بار غور کرنے کی جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ بھوک پیاس لگنا یا تکالیف کا پہنچنا اختیاری کام نہیں ہیں، تاہم نیت جہاد اور اعلاء کلمۃ الحق کی برکت سے ان غیر اختیاری چیزوں کے مقابلہ میں اعمال صالحہ اسارت اعداء اللہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے فرد حساب میں کر دیئے جاتے ہیں سبحان اللہ و بحمدہ

# مکتوب نمبر ۱۲۴

## حافظ محمد یعقوب صاحب محلہ قاضیان قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ بخار جاڑے کی شکایت کرتے ہیں، حکیم تو ایسے دن نہایت مبارک خیال کرتے ہیں، مدتوں کی تمناؤں کے بعد اطباء اور دوافروشوں کو کہیں ایسا موسم نصیب ہوتا ہے، آمدنی ہوتی ہے۔

ادھر بھی اس کی شکایت ہے، بحمد اللہ ہم اور رفقاء سب کے سب بخیر و عافیت ہیں، علاوہ حافظ صاحب نگینوی اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کے، قاری عبداللہ صاحب مدرس شاہی مسجد و صدر کانگریس کمیٹی مرادآباد، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ایم۔ ایل۔ اے مدرس شاہی مسجد، منشی معین الدین صاحب خلف منشی حمید الدین صاحب مرحوم سنبھلی مولوی مہدی حسن آف سلیم پور اور مولوی عبدالقیوم صاحب اور بیر خورد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب موصوف حضرات ہیں، رات کو ہم ایک بارک میں یکجے جاتے ہیں، جس میں ہم اور تین خادم گیارہ بارہ آدمی ہوتے ہیں، اور کوئی دوسرا نہیں ہوتا، سوا دس بجے (جدید ٹائم) پر تراویح کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، دو پارے میں سناتا ہوں، اب دوسرا قرآن ہو رہا ہے، ساڑھے بارہ بجے فارغ ہو جاتے ہیں، پھر سو جاتے ہیں، ڈیڑھ اور کبھی دو بجے اٹھتے ہیں، نوافل میں قاری صاحب موصوف دو پارے اور مولوی مہدی حسن صاحب دو پارے سناتے ہیں ان صاحبوں کا بھی دوسرا قرآن ہو رہا ہے، اگر وقت کچھ باقی ہوتا ہے تو میں بھی حسب وقت ایک یا دو پارہ پڑھ لیتا ہوں، ورنہ سحری کھانے بیٹھ جاتے ہیں، پھر نماز صبح پڑھ کر اس بارک سے نکل کر قیام گاہ کے حجروں پر آجاتے ہیں، اور کچھ کمروں میں سو جاتے ہیں، دس

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۴) کرپس مشن کی ناکامی کے بعد حکومت برافروختہ تھی کہ کانگرس نے اس کے کورے چک کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، پر چرچل وغیرہ نے فیصلہ کر لیا کہ ہندوستان کے جذبات کو قوت سے دبا دیا جائے چنانچہ (باقی حاشیہ ص ۳۲۹ پر)

گیارہ بجے تک سوتے رہتے ہیں، اس کے بعد کتابوں کا مطالعہ، سیاسی مذاکرہ، تصنیف کھانے پکانے، اشیاء کے منگانے وغیرہ کا مشغلہ، نمازوں، اور دور قرآن کا سلسلہ، روزانہ غسل کرنا وغیرہ جاری رہتا ہے، ۹ بجے شام بارک مذکورہ میں چلے جاتے ہیں، یہ ہے معمول روزانہ۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۸) ۲۴ رجنوری ۴۲ء کی شب میں حضرت اقدس مدظلہٗ کو وارنٹ گرفتاری پیش کر دیا گیا، اب ۲۵ رجون ۴۳ء سے ۸ راگست ۴۲ء تک مرادآباد جیل میں تنہا رہے، ایک احاطہ میں چار کوٹھریاں ہیں، انکے سامنے برآمدہ ہے، پہلے پھانسی کے ملزمین کو ان کوٹھریوں میں رکھا جاتا تھا، حضرت کو اسی احاطہ کی کوٹھری میں رکھا گیا، مشہور یہ تھا کہ اس احاطہ میں بھوت رہتے ہیں اس لئے وارڈر بھی آنے میں ڈرتے تھے، مگر جنکا طغرائے امتیاز فلا تخافوھم وخافون ہو انکا عالم ہی اور ہوتا ہے ۹ راگست ۴۲ء کی صبح کو سب سے پہلے حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر صوبہ یوپی خدمت میں باریاب ہوئے، پھر دیگر رفقاء جیل میں داخل ہو گئے، اور حضرت کی مربیانہ شفقت میں اہل وعیال کو بھلا دیا، ہندو مسلمانوں کے علاوہ جیل کے ملازم اور افسران احترام سے پیش آتے تھے، حتیٰ کہ دعاؤں تک کے طالب تھے، حضرت مدظلہٗ کی چھ ماہ کی سزا ۴ رجنوری ۴۳ء کو ختم ہونے والی تھی کہ آپ پر دفعہ ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولس کا نوٹس تعمیل کرا کر غیر محدود مدت تک کے لئے نظر بند کر دیا گیا، اس کے بعد جنوری ۴۳ء میں تحریک اپنی عمر طبعی ختم کر رہی تھی، لہذا سیاسی قیدیوں کو منتقل کرنا شروع کر دیا گیا، حضرت امام العصر دامت برکاتہم ۲۴ رجنوری ۴۳ء کو نینی جیل الہ آباد میں داخل کیا گیا، اب رفقاء اور خدام کو معلوم ہوا کہ وہ جیل میں ہیں اور غالباً یہی احساس پیدا کرتا تھا، مگر صیاد ستمگر کی اس سے زیادہ ناکامی کیا ہو سکتی ہے کہ یہاں یہ کوہ استقامت گرفتاری میں آزادی کو برأی العین مشاہدہ فرما رہا ہے اور زبانِ حال سے زمزمہ سنج ہے ؎

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر — خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

## مکتوب نمبر ۱۲۵

## مولانا حکیم انتظار احمد صاحب انصاری دواخانہ متصل فیلخانہ مرادآباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک بکرا غالباً تک میں خرید لیا جائے، میرے حساب میں، اور اس کو حضرت حاجی صاحبؒ کے لئے قربانی کر دیا جائے اور اس میں سے ایک تہائی یا آدھا آپ حضرات رکھ لیں اور باقیماندہ ہمارے پاس بھیجدیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۱۲۶

ذکر پر ہمیشہ مداومت رکھو، اثنار ذکر میں تھوڑی دیر کے بعد (خواہ ایک تسبیح کے بعد یا کم وبیش کے بعد) یہ دعا دل لگا کر مانگا کرو یارب انت مقصودی ترکت الدنیا والآخرۃ لک اتمم علی نعمتک وارزقنی وصولک التام ورضاک لاتسخط بعدہ ابداً[1]۔ اس کا التزام کرو فرصت کو غنیمت سمجھو، اور عمر عزیز کو ضائع ہونے سے بچاؤ، اور یہ لکھو کہ کیا اور کتنا ذکر کرتے ہو اور حالت کیا ہے، مخلوق کو خالق کے لئے چھوڑو، اور اپنی کو صرف خالق سے لگاؤ، ہر کا چکر خو چکر ہو گا۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

---

[1] کتاب وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے اور یہی مقصود ہونا چاہیئے۔ جنت بھی اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مقام ہے اور تمام نعمائے اخروی اور دنیوی میں اللہ تعالیٰ کی دائمی رضا کا سب سے اونچا درجہ ہے حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالیٰ اہل جنت کو پکاریگا جنتی لبیک کہینگے ندا فرمائیگا ہل رضیتم اب تم خوش ہوگئے؟ جواب دینگے پروردگار خوش نہ ہونیکی کیا وجہ؟ جبکہ آپنے ہم پر انتہائی انعام فرمایا ہے، ارشاد ہوگا ہل اعطیکم افضل من ذلک یعنی جو کچھ دیا گیا ہے کیا اس سے بڑھ کر ایک چیز لینا چاہتے ہو؟ جنتی سوال کرینگے کہ اے پروردگار اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اس وقت ارشاد ہوگا احل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ ابداً، اپنی دائمی رضا اور (باقی حاشیہ ص ۳۳۱ پر)

# مکتوب نمبر ۱۲۷

مجھکو یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض ممبران شوری کو ان مدرسین کی تنخواہوں کے جاری رکھنے کے متعلق اعتراضات اور شبہات ہیں جو کہ ان دنوں قید و بند کے مصائب میں مبتلا ہیں، اسلئے میں مندرجہ ذیل امور کو پیش کرنا چاہتا ہوں، آپ ممبران کے سامنے میرے خیالات کو پیش کریں ممکن ہے اس سے کوئی روشنی حاصل ہو سکے۔

(۱) اس وقت جو حضرات گرفتار کئے گئے ہیں کسی اختیاری فعل قانون شکنی وغیرہ کی وجہ سے نہیں پکڑے گئے ہیں بلکہ حکومت نے محض اپنے خطرات کی بنا پر فقط مستقبل کی وجہ سے دفعہ ۱۲۹ اور دفعہ ۲۶ کے ماتحت نظر بند کر دیا ہے، کسی جرم کو ان کے ذمہ نہیں لگایا گیا اور نہ باقاعدہ مقدمہ چلایا، نہ کوئی مدت نظر بندی کی مقرر کی گئی، اگرچہ یہ حضرات جمعیۃ یا کانگرس کے باقاعدہ ممبر تھے، مگر فقط یہ چیز سبب نہیں ہوئی، مولانا فخر الدین صاحب صرف جمعیۃ کے عام ممبر ہیں بلکہ وہ ورکنگ کمیٹی کے بھی ممبر ہیں، اور ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس میں بھی شریک ہوئے ہیں جس میں سول نافرمانی ہوئی تھی، اور مولانا موصوف پاس کرنے والے بھی تھے، مگر نہ فقط گرفتار ہوئے اور نہ وہ ممبران جمعیۃ گرفتار کئے گئے، جو کہ اس اجلاس کی صدارت یا نظامت یا رکنیت کر رہے تھے، مولانا عبد الحق صاحب جمعیۃ کے اجلاس کی صدارت کر چکے ہیں، مگر وہ بھی نہیں گرفتار کئے گئے، خلاصہ یہ کہ گرفتاری ایک آسمانی اور ناگہانی مصیبت ہے جو ان اصحاب ثلاثہ پر نازل ہوئی ہے، کانگرس کی ممبری اس کی علت تامہ نہیں ہے، بہت سے ممبران کانگرس آج بھی آزاد ہیں، اسی طرح بہت آزاد خیال اشخاص موجود ہیں جو کہ آزادی کیساتھ

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۰) خوشنودی اتارتا ہوں جس کے بعد کبھی خفگی اور ناخوشی نہ ہوگی (سبحان اللہ)۔

ہذا المکتوب گرامی میں، ترکت للاخرہ " سے جو سرسری شبہہ ہو سکتا تھا ہم نے اس کو صاف کر دیا ہے، یعنی سب کو چھوڑ کر خدا کی رضا کی فکر مقدم ہونی چاہیئے۔ (اصلاحی)

پھر رہے ہیں، حکومت کو کیوں ان کی نسبت یہ خیال پیدا ہوا، اسکی ذمہ داری حکومت اور اسکے کارکنوں پر ہے۔ ان کے کسی فعل جدید پر نہیں ہے، یہ حضرات اپنے خیالات اور ارادات کے آج بھی ویسے ہی مالک ہیں جیسے کہ اس سے پہلے سالہا سال سے تھے،

(۲) مصائب سماویہ اور اتفاقیہ میں مثل امراض وغیرہ درس اور اسباق وغیرہ کا تعطل ہونا بدیہی امر ہے، ذمہ داران ادارت تعلیمیہ حسب قانون اور حسب صوابدید ایسے اوقات میں مجاز ہی نہیں ہوتے کہ اپنے مدرسین اور کارکنوں کی ہمت افزائی کریں اور ان کے اہل وعیال کی خبرگیری کریں، بلکہ مثلی حیثیت اختیار کرنا بھی روایات ادارات میں چلا آتا ہے، ایام حج میں ادا، فریضۂ حج کے ایام تعطل کی تنخواہ کا دینا، ایام امراض میں تنخواہ کا جاری رہنا، تعطیلات عادیہ میں تنخواہوں کا دینا، بڑھاپے اور ضعف کے ایام میں پنشن کا جاری ہونا وغیرہ مشہور ومعروف امر ہے (۳) ان حضرات کی گرفتاری کی مدت اور وقت کے ساتھ محدود نہیں ہے، آج اگر حکومت کی پالیسی بدل جائے تو ممکن ہے کہ فوراً یہ حضرات رہا ہو جائیں اور اسباق کو انجام دینے کے لئے نہ صرف مستعد نظر آئیں بلکہ عملی طور پر جد وجہد کرتے ہوئے بھی پائے جائیں گے یا اگر حکومت کو یہ اطمینان ہو جائے کہ مستقبل میں ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے تو آج وہ ان کی قید وبند سے کنارہ کش نظر آئے گی۔

(۴) ارباب ادارت تعلیمیہ کا جس طرح فریضہ ہے کہ وہ تعلیمات کو جاری کریں اسی طرح ان کا فریضہ ہے کہ وہ قابل ترین مدرسین وملازمین کو مہیا بھی کریں اور ان کو علیحدہ نہ ہونے دیں خصوصاً جن سے کسی ادارہ کو سالہا سال سے تجربہ ہوا ہے، اور جنہوں نے سالہا سال خدمات انجام دی ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے مخلص ماہر اور قابل اہل تدریس بروقت اور ہر جگہ میں دستیاب نہیں ہو سکتے، اور نہ ہر عالم اور ہر مدرس ادارہ کی قابل قدر خدمات انجام دے سکتا ہے، اور جب تک ایسے مدرسین کی ہمت افزائی اور ان کے ایام مصائب میں اہل وعیال کی خبرگیری نہ کی جائے گی، یہ متاع ہاتھ نہ آئے گی۔

(۵) مسلمانوں کے ادارات تعلیمیہ صرف تعلیمی خدمات انجام دینے کے لئے نہیں بنائے گئے ہیں، بلکہ مسلمانوں کی مذہبی اور دینی اور دوسری ضروری خدمات بھی ان کے فرائض میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ جنگ روم وروس کے زمانہ میں حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز اور مدرسین نے دورے کئے اور ایک عظیم الشان مقدار چندہ کی جمع کر کے ٹرکی کو بھیجی، اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں تعطل رہا اور تنخواہیں دی گئیں۔ جنگ بلقان میں حضرت شیخ الہند رح اور دیگر اراکین دارالعلوم سے تقریباً ایک ماہ یا زاید درسی خدمات بند کیں اور دورے کرائے اور چندہ جمع کر کے ہلال احمر کی شاندار اعانت کی ایام تحریک خلافت میں حضرت مولانا حافظ احمد صاحب اور مولانا حبیب الرحمن صاحب نے نمایاں حصہ لیا، اجلاس گیا، اجلاس لاہور، اجلاس سیوہارہ، اجلاس جمعیت، اجلاس خلافت میں خود اور مدرسین اور ملازمین شریک ہوئے اور سکئے گئے اور تنخواہیں وغیرہ جاری رکھی گئیں، مانٹی گو کی آمد پر جب کہ مسئلہ قفقاز وغیرہ کے لئے جدوجہد ضروری سمجھی گئی، یا شاردا ایکٹ کے پاس کرنے، حج بل، وقف بل وغیرہ کے لئے اسی قسم کی جدوجہد کی گئی، مدرسین وغیرہ کی شرکت اور اسباق کے تعطل کی نوبتیں آئیں، شدھی اور سنگٹھن وغیرہ کی نحوستوں کے زمانہ میں ملکانہ راجپوتوں وغیرہ کے علاقوں میں مدرسین اور علماء کے وفود بھیجے گئے اور ان کی تنخواہیں جاری رکھی گئیں، ایسے اوقات میں کام کرنے والے، حصہ لینے والے یہی مدرسین اور علماء ہوئے اور ہو سکتے ہیں، اگر ان کے اہل وعیال کی خبرگیری بند ہو جائے تو یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت نقصان اور مصائب کا سامنا ہو جائے گا، مذہبی جلسوں اور مناظرات مذہبیہ کے اجلاسوں وغیرہ میں علماء اور مدرسین کا شریک ہونا اور تدریسی خدمات کو معطل کرنا نہ صرف آج بلکہ اسلاف کرام کے عہود ماضیہ سے چلا آتا ہے۔ پادری فنڈر کے مناظرہ اکبرآباد یا مناظرہ شاہجہاں پور (میلا خدا شناسی) مناظرہ رڑکی وغیرہ کے احوال کو ملاحظہ کیجئے، جمعیۃ علماء کا قایم کرنا اور آزادی ہند کی جدوجہد کرنا انہیں دینی اور مذہبی خدمات کی وجہ سے

اشد ضروری سمجھا گیا ہے، اختلاف آراء دوسری چیز ہے، پس جو لوگ بھی اس میں حصہ لے رہے ہیں وہ کسی ادارہ علمیہ کے مقاصد کے علاوہ کسی دوسرے مقصد میں حصہ نہیں لے رہے ہیں، سیاسیات خواہ قدیمہ ہوں یا حاضرہ، مذہب اسلام سے خارج نہیں بالخصوص آج جب کہ موجودہ سیاسی مصائب ہر قسم کے مذہبی مصائب کے سرچشمہ بنے ہوئے ہیں، اور مسلمانان ہند ہر چہار طرف سے مذہبی بربادیوں میں مبتلا ہیں، نیز بیرون ہند کے مسلمانوں کی مصائب یکسر ہندوستان کی غلامی کے مرہون ہیں بنا بر علیہ آزادی کی جدوجہد اور اس کی ذمہ داری سے ادارات علمیہ کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

(۶) مدرسہ شاہی مسجد بالخصوص ابتداء سے مسلمانان مراد آباد کی مختلف ضروریات کا متحمل رہا ہے، اس کے مدرسین کے فرائض صرف تعلیمی نہیں رہے ہیں، بلکہ جب بھی مسلمانوں کے لئے کوئی مذہبی ضرورت پیش آئی ہے، یہاں کے مدرسین اور علماء نے انجام دی ہیں اور نہ صرف مراد آباد شہر میں انجام دی ہیں بلکہ اطراف و جوانب اور بیرون ضلع میں بھی انجام دی ہیں اور نہ صرف اپنی خواہش سے انجام دی ہیں بلکہ مسلمانوں نے ان کو مجبور بھی کیا ہے جس سے آپ لوگ بخوبی واقف ہیں۔

(۷) سنہ ۳۰ء اور سنہ ۳۲ء وغیرہ میں بھی مدرسین کو ایسے واقعات قید و بند وغیرہ سے دوچار ہونا پڑا ہے، اور مدرسین کو مدرسہ سے تنخواہیں دی گئی ہیں، ہاں اس زمانہ میں جبکہ حسب ہدایت جمعیۃ بعض مدرسین نے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے سول نافرمانی کی: جمعیۃ نے مدرسین کے اہل و عیال کا تکفل کیا ہے۔

(۸) ان گرفتار مدرسوں کے اسباق کا تکفل جبکہ مہتمم صاحب اور دوسرے مدرسین اس بنا پر کر رہے ہیں کہ تعلیمات کا حرج نہ ہو اور گرفتار ہونے والوں کے اہل و عیال کی خبر گیری کی جائے تو بہ ظاہر کوئی وجہ پس و پیش کی اجراء تنخواہوں میں معلوم نہیں ہوتی؛ مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنخواہیں آپ حضرات جاری رکھیں اور اس کا

اختیار تمیزی مہتمم صاحب کے سپرد کر دیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۱۴۹

## مولانا عزیز گل صاحب و مولانا محمد متین صاحب کے نام

مخدومی و محترمی جناب فیض مآب مولانا عزیز گل و مولانا محمد متین صاحبان، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ والمنۃ کہ یہ دعاگو تادم تحریر بعافیت مع الخیر والصحۃ اور صحت روی آپ حضرات اور دیگر اکابر کی مطلوب ہے، آپ حضرات آئے اور تشریف لے گئے، دوسری ملاقات کے شوق میں اپنی پہلی ملاقات کو ناقص چھوڑا، میں پہلے ہی بوجہ خلاف قانون دوسری ملاقات سے مایوس تھا، مگر آپ نے اعتبار نہ کیا، خیر کوئی مزدورت بھی ایسی تھی، محترم حضرات! میں نے آکر آوردہ شدہ رسالوں کو دیکھا اور بہت زیادہ متاثر و محزون ہوا، حالانکہ مجھکو خوش ہونا چاہیے تھا، ان رسالوں کے ٹائیٹل پر لفظ خلیفہ جانشین خاص کا میرے نام کے ساتھ لکھا گیا ہے، یہ کس قدر ظلم اور کذب و افترا ہے جس کو آپ حضرات خود ہی سمجھ سکتے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ خلیفہ ہونا بغیر تخلیف ممکن نہیں پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کب اور کس وقت مجھکو خلیفہ بنایا، میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی نہیں اس کو میں انکار بھی نہیں کر سکتا کہ انہوں نے اپنے کرم و عنایت سے میری ظاہری و باطنی تربیت فرمائی، ان کی صحبت سے مجھکو ظاہری ہی فوائد حاصل نہیں ہوئے بلکہ میری باطنی حالت پر اس سے بہت بڑا اثر پڑا، بلکہ انہوں نے ایام مالٹا میں میری باطنی اصلاح پر مخفی طریقہ پر توجہ مبذول رکھی، اور کیونکر کہتے ہیں ان کا ہی تھا اور ہوں، اگر میری قابلیت فاسد اور استعداد کاسد نہ ہوتی تو میں آج بیشک آدمی ہوتا، اور روحانی کمالات کا ایک گلدستہ نظر آتا، مگر بدقسمتی کا کیا علاج ہے

نہ شگوفہ، نہ برگے نہ ثمر نہ سایہ دارم　　در حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

جیسے..... کالے توے پر کتنی ہی روشنی ڈالی جاوے اس کا روشن ہونا اور روشن کرنا ممتنع، اسی طرح مجھ جیسے نالائق و ناکارے کی حالت واقع ہوئی ہے ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ چھٹا عشق بتوں کا　　زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

بقول شاعر ؎ خر عیسیٰ اگر بمکہ رود الخ..... نہ علم نصیب ہوا نہ عمل، نہ فہم نہ فراست ہاتھ آئی، نہ حفظ و ذکاوت، نہ تحریر آئی نہ تقریر، نہ معرفت ہاتھ لگی نہ طریقت غرضیکہ ہر طرح ہاتھ خالی ہے ؎

ھنیئاً لارباب النعیم نعیمھم　　وللعاجز المسکین ما یتجرع

یہ افترا اور جھوٹ مجھ پر نہیں بلکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ہے، پھر آپ لوگوں نے کیوں اس کو جائز رکھا..... ذرا خدا سے ڈریئے وہاں پر جانا ہے، وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ اگر خلافت یا جانشینی اور خصوصیت ایسے مقامات میں بغیر اعطاء شیخ ملتی ہوتی تو کسی شخص کو محل گفتگو ہو بھی سکتی تھی، ہاں اگر کوئی جاہل کہے کہ یہ امور بوجہ استحقاق حاصل ہوئے ہیں، تو اول نفس استحقاق بغیر عمل شیخ کہیں قابل اعتبار نہیں ہوا۔ اگر بالفرض ہو بھی تو آپ خود انصاف کرکے کہدیں کہ وجوہ استحقاق مجھ میں کہاں ہیں، میں قسمیہ کہتا ہوں کہ وجوہ خلافت اور جانشینی کسی طرح مجھ میں متحقق نہیں، یہ میرے لئے بس ہے کہ میرا حشر زمرۂ خدام میں ہو، کاش وہ بھی بالاخلاص ہو، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور مریدین ایک سے ایک اعلیٰ موجود ہیں، دنیا کو ان کی ذات سے فیض پہنچ رہا ہے ان میں سے اصحاب قرابت حضرات بھی ہیں، اگر بوجہ استحقاق کسی کو جانشینی اور خلافت ملتی تو ان کو ملنی چاہیئے، افسوس صد افسوس حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے لئے لفظ خلیفہ خاص و جانشین خاص نہ لکھا گیا، حضرت رائے پوری اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہما کے لئے نہ لکھا گیا۔ مولانا

اشرف علی صاحب، مولانا خلیل احمد صاحب زید مجدہما کے لئے استعمال نہ کیا گیا، تمام عمر یہ اسلاف کرام ایسے عمل سے بھی پرہیز کرتے رہے جو کہ موہم اس کا ہوتا، مگر بدبخت و بد نصیب حسین احمد ایسا نکلا کہ اس نے ہر طرح اپنے لیے ایسے الفاظ استعمال کرائے اور استعمال کرنے والے بھی وہ حضرات جن سے اس کو خاص تعلق ہے خوا اسفاہ مہربانی فرما کر اس کے انسداد کی فکر کیجئے جتنے ٹائیٹل ہیں انکو جلوا دیجئے، اور دوسرا ٹائیٹل چھپوا کر جس میں فقط خادم کا لفظ ہو لکھوا دیجئے۔ میں نے جو کچھ تحریک میں حصہ لیا تھا ضرورت زمانہ و اسلام کی بنا پر اگرچہ ممکن ہے، اور میری بداعمالیاں اسی کی متقاضی ہیں کہ میری حرکات بھی شہرت وجاہ طلبی وغیرہ کے لئے ہوں وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ میں حقیقت میں کسی طرح ان امور کو بوجہ استخلاف و نیابت نہیں کرتا تھا، اعاذنا اللہ من اعمال تکون لغیر وجھہ

اے میرے مقدس بزرگو! کیا آپ کو ان ہی الفاظ سے جو کہ واقع میں غلط اور کذب ہیں مقاصد میں کامیابی ہو سکتی ہے، کیا اگر آپ الفاظ مثل خادم حضرت شیخ الہند یا شاگرد حضرت شیخ الہند تحریر فرمائیں تو وہ مقصد حاصل نہ ہوگا، میں عند اللہ اپنی برأت کر چکا آئندہ آپ جانیں، اگر یہی عملدرآمد آپ حضرات کا رہا تو میں جانتا ہوں کہ بہت جلد مجھ کو ہندوستان چھوڑنا پڑیگا، اگر آپ حضرات مجھ کو اپنے میں سے ایک شمار کرتے ہیں اور ایسا ہی ظاہری معاملہ رکھتے ہیں تو خیر ورنہ میں یہاں سے نکلتے ہی حجاز کی فکر کروں گا، میں خود اپنے نفسی افکار میں سخت مبتلا ہوں، مجھ کو اپنی ہی خلاصی کی عند اللہ کوئی صورت نظر نہیں آتی، میں خود سخت حیرت میں ہوں کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز نے کس بنا پر یہ معاملہ فرمایا اور مجھ کو افسوس ہے کہ لوگوں میں یہ امر کیوں ظاہر ہوا، کاش مولوی عاشق الہی صاحب وغیرہ اس کا تذکرہ نہ فرماتے: ایسی باتوں کی وجہ سے بڑوں پر سخت دھبہ ہوتا ہے، ان کی وقعت نظروں سے گر جاتی ہے ۔

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم　　چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

خدا نے تین ایسے برگزیدہ بندے جو کہ حقیقی نائب ختم الرسل علیہ السلام تھے، مجھ کو دکھلائے اور کم وبیش ان کی صحبت عطا ہوئی، مگر محرومی کے سوا کوئی چیز ہاتھ نہ لگی، خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے اور اس قسم کی تشہیروں سے مجھکو اور عالم کو گمراہ نہ کیجئے، قرآن کے ترجمہ کے طبع کی صورت کیجئے، مولوی احمد صاحب رامپوری کو دیجئے، یا جس طرح مناسب ہو عمل میں لائیے مگر جلد فکر ہونی چاہیئے، میرے چھوٹنے کا خیال اور اس پر توقف نہ ہونا چاہیئے نہ معلوم ہیں کب چھوٹوں اور پھر کتنے دنوں آزادرہ سکوں ہندوستان کا معاملہ نازک تر ہوتا جارہا ہے اگرچہ آپ کو کہنا حکمت بلقمان آموختن ہے، مگر پھر بھی اتنا ضرور عرض کرتا ہوں کہ مولوی شبیر احمد صاحب اور مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو اپنے سے جدا نہ ہونے دیجئے، اسلام کی خیر اسی میں ہے۔ میں نے ہر چند استخارہ حسب ارشاد کیا مگر مجھکو کچھ نہ معلوم ہوا، اور نہ کسی طرف میری رائے کا رجحان ہوا، آپ خود بھی عمل کریں اور اسباب وذرائع کی طرف توجہ کریں، جو خیر ہوگا واقع ہوگا اس امر میں مولوی محسن صاحب حکیم منشی مظہر حسن صاحب، مفتی صاحب، مولوی حنیف صاحب مولوی یحییٰ صاحب سب کا اتفاق اور مشورہ ہونا ضروری ہے، ورنہ آئندہ تکالیف اور مشقتوں کا سامنا ہوگا، ہم لوگ پردیسی ہیں سوچ لیجئے، قدم الخروج قبل الولوج قول بزرگان ہے ہمارے نازبردار ہماری قدر کرنے والے، ہمارا سرتاج ہمارے سروں سے اُٹھ گیا، ہم بے باپ یتیم رہ گئے ہیں یتیم کی قوت اس کی ہمت اس کی پشت پناہی کی حالت آپ کو معلوم ہے دیوبند میں خصوصاً شیخ زادہ حضرات لا ماشاء اللہ پردیسیوں کو اہمیت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور نہ ان کو وقعت دیتے ہیں اس لئے ذرا سوچ سمجھکر قدم رکھنا چاہیئے پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہم لوگوں سے ایک جماعت جیسے خوش اور بہی خواہ ہے، تو دوسری اس کے خلاف بھی ہے اس لئے جلدی

کرنے سے پہلے متعدد دفعہ استخارہ مسنونہ کیجئے، اور پھر ان حضرات مذکورین کو متفق الرائے بنا کر کام کیجئے واللہ یتولی الاعانتہ ویقدر مافیہ الخیر۔ مجھ کو وحید کی نسبت کی فکر ابتدا سے ہے، میں نے مالٹا سے واپسی کے بعد چاہا تھا کہ اوّل اس کے عقد کی فکر کروں، اس کے بعد اپنا سامان کروں گا۔ مدینہ منورہ کے خطوط سنہ ہو کر جب آجاویں گے تو شاید ان میں کوئی اور بات معلوم ہو جاوے، یہ خط میں خفیہ روانہ کر رہا ہوں، آپ اگر جواب روانہ کریں تو اردو کا پتہ جیل ہی کا لکھیں، غالب یہ ہے کہ مجھکو مل جاوے زیادہ بجز سلام مسنون اور کیا عرض کروں، والسلام ختام

حسین احمد غفرلہٗ از صابرمتی جیل احمد آباد گجرات

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۸) جس کتاب یا رسالہ پر خلیفہ خاص وغیرہ لکھا گیا تھا، غالباً وہ رسالہ اسیر مالٹا کا پیغام کے نام سے حضرت امام العصر کی وہ ۲ معرکتہ الآرا تقریریں ہیں جو دہلی اور سیوہارہ میں فرمائی تھیں، انصاف کا تقاضا یہی تھا اور ہے کہ حضرت امام العصر کو جانشین شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ نہ لکھنا اور نہ سمجھنا کفران نعمت ہے اور دوسرے امیدواروں کو جانشین کہنا اور لکھنا جانشین کے صحیح استعمال سے ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ، اصلاح باطنی صحبت و تربیت وغیرہ کا بین ثبوت خود یہ والا نامہ ہے یہ فقرے تو خاص طور پر خلافت و جانشینی کی غمازی کر رہے ہیں ان کی صحبت سے مجھ کو ظاہری ہی فوائد حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ ایام مالٹا میں میری باطنی اصلاح مخفی طور پر توجہ مبذول رکھی گئی اور کیوں نہ رکھتے میں ان کا ہی تھا اور ہوں" امام العصر کو بجا طور پر فخر ہے کہ تین ایسے بزرگوں کی کم و بیش صحبت حاصل ہوئی جو اپنے وقت کے شبلی و جنید اور امام ابوحنیفہ تھے، جس کو دنیا حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت قطب گنگوہی رح اور حضرت شیخ الہند کے ناموں اور زریں کارناموں سے قیامت تک یاد کرتی رہے گی حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" اگر اس شجر طوبیٰ کے پھل کو دیکھنا ہے تو حضرت امام العصر کو دیکھیئے اور پھر ان ہر سہ بزرگوں کی زندگی سامنے رکھیئے (باقی ص ۳۳۰ پر)

# مکتوب نمبر ۱۲۹

آپ کا یہ فرمانا بالکل بجا اور صحیح ہے کہ اس قسم کی فراغت کہاں نصیب ہو سکتی، واقع میں اب بہت اچھا موقع ترقی اور کام کا ہے، مگر اس کو کیا کیا جائے کہ طبعی تکاسل وذاتی ناقابلیت قسمت کی کوتاہی نفس کی شرارتیں، مالٹا اور کراچی میں جس طرح سدراہ تھیں یہاں بھی ہمراہ ہیں ؎

تہیدستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل  کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

؎ سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم  چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۹) تو صاف نظر آئے گا کہ اس آسمان دنیا کے نیچے تینوں بزرگوں کی جیتی جاگتی تصویر آپ ہی کی ذات گرامی ہے، جن بزرگوں نے جانشین و خلیفہ لکھا صحیح لکھا، اس لئے کہ حضرت امام العصر اس منصب کے اہل نہیں تھے تو اور کون تھا؟ ان ہی بزرگوں کی نظر فیض اثر اور مخصوص تربیت ہی کا پورا پورا پر تو حضرت امام العصر پر پڑا ہے کہ تواضع و خاکساری، فروتنی و عاجزی، خلوص و للہیت کا جو بلند سے بلند مقام ہو سکتا ہے، قدرت نے مخصوص طور پر ارزانی فرمایا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست  تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

باقی حضرت امام العصر کے مقام کو تو وہی جان سکتا ہے جو خود کچھ ہو اگر اسلاف کرام میں سید جمال الدین افغانی حضرت مولانا اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا فضل حق وغیرہم زندہ ہوتے تو آپ ہی کے حق میں فیصلہ دیتے، خلافت و جانشینی بدون قربانی و جہاد کے گویا غیر شیر کو شیر کی کھال پہنا دینی ہے، کیونکہ کسی کا خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جس کو ظاہراً و باطناً مستخلف سے زیادہ مناسبت و مشابہت ہو، ترجمہ قرآن سے مراد حضرت شیخ الہند کا وہ ترجمہ ہے جو اسارت مالٹا میں جیل کے اندر حضرت امام العصر وغیرہم کی رفاقت میں مکمل ہوا ہے اگر حضرت جیل کے اندر نہ ہوتے تو فوائد اور حواشی کا کام آپ ہی سے لیا جاتا۔ آپ کے بعد اگر کوئی کام اس کام کو باحسن وجوہ کر سکتا تھا تو وہ حضرت مولانا دباقی ص ۳۴۱ پر

مع ذٰلک اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جو کچھ ٹوٹا پھوٹا ہو سکتا ہے، کر رہا ہوں الطاف ربانیہ کا شکر کرتا ہوں ؎

من آں خاکم کہ ابر نو بہاری | کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از ہر موز بانم | ادائے شکر لطفش کے توانم

حسب ارشاد دعا کرتا ہوں، آپ بھی دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۱۲۳

مولانا محمد عثمان صاحب بر آستانہ حضرت شیخ الہند محلہ ابو المعالی دیوبند سہارنپور کے نام

عزیزم سلّمکم اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، یہ امور غیر متوقع نہیں ہیں اور نہ تھے آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ میں ایک پردیسی ہوں، میری ذاتی کوئی طاقت نہیں ہے شاہ صاحب والی تحریک کے خلاف مجھ کو لایا گیا، مدرسہ کو اللہ تعالیٰ نے دن دونی رات چوگنی ترقی دی لوگوں کی امیدوں پر بارہا خاک پڑی، لوگوں نے اپنی اغراض بڑی طاقت سے پوری کرنی چاہیں۔ مگر ناکام رہے، مدرسہ کی ہر قسم کی ترقی اس قدر ہوئی کہ زمانہ سابق میں

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۳) شبیر احمد عثمانی مرحوم کی ذات گرامی تھی۔ چنانچہ مولانا عثمانی نے حواشی تحریر فرما کر دنیا پر بڑا احسان فرمایا جزاہ اللہ خیر الجزاء وجعل الجنۃ مثواہ۔ باقی اس والا نامہ میں یہ فقرہ کہ "مولوی شبیر احمد صاحب، و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو اپنے سے جدا نہ ہونے دیجئے اسلام کی خیر اسی میں ہے" اسی کے ساتھ حضرت شیخ الہند جب مالٹا سے رہا ہو کر ساحل بمبئی پر اترے تو آپ کا مولوی مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم کو یہ کہکر مخاطب فرمانا کہ "کہیئے اب کہاں بھیجنے کا ارادہ ہے" اس جملہ کی خود سب سے بڑی اور تلخ شرح ہے، کیا عرض کروں بڑی دردناک داستان ہے اللہم لوگوں پر اپنا رحم فرمائے آمین میری اس گذارش کے بعد نقش حیات جلد دوم صفحہ ۲۰۶ سطر ۳ ادہم الکو بھی اب ھردر ملاحظہ فرمایا جائے۔ انشاء اللہ تشفی ہو جائے گی۔

اس کی نظیر نہیں ملتی، پیر پرستی کے جھگڑوں میں ناکامیاں ہوئیں، حکومت کی چالیں بے اثر ہیں یہ سب امور ایسے ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ بہت کم ہے، میں دوستوں سے بارہا کہتا رہا کہ مجھ سے تعلقات بہت کم رکھیں، جناب صدر صاحب اور جناب مہتمم صاحب سے بھی تعلقات رکھیں، میں سب کا مخلص ہوں، میرا تعلق ہر حال میں قائم ہے اور رہیگا، مگر دوستوں نے نہ مانا، واقعہ یہ ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں، جو کچھ فوائد ہوئے۔ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیاں کر رہی ہیں اسلاف کرام رحمۃ اللہ علیہم کی توجہات ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے جو کہ قلوب اور نیات سے واقف ہے یقیناً سمجھ کی بات وہی ہے جو آپ نے استاد ظہیر کی لکھی ہے آپ سب حضرات کو وہی اختیار کرنی چاہیئے، میرے ساتھ تو منتقمانہ جذبات چاروں طرف سے کھیلیں گے اور کھیل رہے ہیں، مگر آپ حضرات کیوں چنے کے ساتھ پیسیں، مجھ ردیئی کمزور اور نالائق کو تو نہایت آسانی سے دودھ کی مکھی کی طرح نکالا اور ناک کی مکھی کی طرح اڑایا جا سکتا ہے خصوصاً جب کہ بہت سے قلوب میں زخم اور آنکھوں میں میرا وجود خار ہو اور زہریلا خار ہو، اس لئے اب بھی دوستوں کو سمجھنا چاہیئے، اور "کن فی حزب من علیا" پر عمل کرنا چاہیئے، ہر دو مرکز اہتمام کی اس طرح مخلصانہ تابعداری کرنی چاہیئے کہ "ایک ماہ پر دیں" کا سماں ہو ہماری فکر نہ کیجئے، ہم تو ساون کی چڑیاں ہیں، ہم کو اللہ تعالےٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیاں سیدھی کرنے کی نعمت سالہا سال تک نصیب فرمائی ہے، ہم اس طریقہ کو نہ چھوڑیں گے (انشاء اللہ)، ہم کو اللہ تعالیٰ نے دربار رشیدی اور امدادی قدس اللہ اسرارہما تک پہنچایا، ہم ان کے طریقہ پر انشاء اللہ مرمٹیں گے، خواہ ذلت ہو یا عزت اور تکلیف ہو یا راحت، کوئی دوست رہے یا دشمن بنے، ہماری یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن بزرگوں کی جوتیاں عطا فرمائی ہیں ان ہی کے نقش قدم پر چلائے اور مارے آمین، ہم کو دارالعلوم سے نکالا جائے ہم خوش ہیں، دکھا جائے ہم خوش ہیں، رزق کا کفیل

دار العلوم نہیں اللہ تعالیٰ ہے، سوکھی روٹی کہیں نہ کہیں سے دیگا، گورنمنٹ مجھ کو مسلمانانِ ہند میں اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتی ہے، میں اس کو اپنے لئے فخر سمجھتا ہوں میں ہر مصیبت جھیلنے کے لئے رضاء باری تعالیٰ کی وجہ سے تیار ہونا چاہتا ہوں۔

عزیزم! ان احوال کی وجہ سے پریشان نہ ہو، واقعات حقیقیہ کو تاریخ وار قلم بند رکھو، اور صبر جمیل اختیار کرو، زبان بند رکھو اور آنکھوں سے دیکھو کچھ نہ بولو، قدرت کو دیکھو کیا کرتی ہے، وہ بے نیاز اور بے پروا بھی ہے، اور سب سے زیادہ رافت اور رحمت والا بھی، اس کا ظاہری ہاتھ بھی ہے اور خفیہ ہاتھ بھی، کچھ فکر مت کرو، کسی کو مت ستاؤ وَاللہُ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ اگر واقعات اور افواہات ستایا کریں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی یاد کرو۔[1] اور اگر اس پر بھی قلبی سکون نہ حاصل ہو تو مزار پر جاکر تھوڑی دیر بیٹھ کر ایک دو پارے پڑھ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگوں کو بخش دیا کرو، یہی بات مولانا محمد جلیل اور مولانا اعزاز علی صاحب سے کہدو، اور اگر مولانا نافع گل صاحب آجائیں تو ان سے بھی یہی کہدو، یہی میری استدعا مولانا سلطان الحق صاحب اور منشی محمد شفیع صاحب سے ہے، سب کو زبان تھامنی، صبر جمیل کرنا ادب کا لحاظ رکھنا اپنے فرائض میں مشغول رہنا، اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنا، اپنے اسلاف کرام کے طریقہ پر چلنا اور ان سے توسل رکھنا چاہیئے۔ انشاء اللہ خیبث اور خسران پاس نہ آئے گا چند روزہ دنیا کے لئے زیادہ فکر مند نہ ہونا چاہیئے، اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی اور ہماری امداد فرمائے اور اپنی رحمت خاص سے نوازے، آمین، اس کی آنکھیں بند نہیں ہیں والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ

---

[1] یہ عبارت کہ "اگر واقعات اور افواہات ستایا کریں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ (مراد حضرت شیخ الہند) کی زندگی یاد کرو" ان سے ممکن ہے کہ کسی کو شبہات لاحق ہوں اسلئے ہم اس پر گفتگو کرنا اور غلط فہمی کا رفع کرنا ضروری سمجھتے ہیں بات اجماعی طور پر طے ہے کہ عبادت سوائے خدا کسی کی جائز نہیں۔ ایاک نعبد وایاک نستعین نص قطعی ہے

# مکتوب نمبر ۱۲۱

جو کچھ احوال ان مبارک مہینوں میں وہاں پیش آرہے ہیں ان کے متعلق اطلاعات ہوئیں آپ حضرات اپنے فرائض پر مستقل رہیں، افواہوں سے متاثر نہ ہوں، بڑوں کے ادب واحترام کو بجالائیں، تقادیر کی نیرنگیاں اگر خلاف طبع ظاہر ہوں تو صبر وشکر کریں، رزاق صرف اللہ ہے وہ کہیں نہ کہیں سے سامان پیدا کردیگا۔ دشمن اگر قوی تراست نگہبان قوی تراست۔ اخلاق وللہیت کو ہر معاملہ میں ملحوظ رکھئے اور جہانتک ممکن ہو علوم دینیہ اور دارالعلوم کی بہتری کی کوشش کیجیے، مظلوم ہونا ظالم ہونے سے بہتر ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۳) حدیث میں ہے الدعا هو العبادة۔ ہٰذا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یا خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی چیزے از برائے خدا دہید کہنا اور مانگنا ہرگز جائز نہیں ہے، البتہ بزرگوں کے مزار پر حاضری کے وقت اگر یہ کہا جائے اور وسیلہ قرار دیا جائے کہ اے خدا بحرمت فلاں بزرگ یا بوسیلہ فلان بزرگ میری فلان حاجت پوری فرما تو یہ جائز ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انا نتوسل الیک بعم نبینا کے ساتھ پانی طلب فرمایا تھا چنانچہ ادعیہ ماثورہ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے، یعنی بحق السائلین علیک ہمارے محاورہ میں طفیل بھی حرمت کے ہم معنی ہے اسیطرح نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کا ثواب خلوص کیساتھ ارواح کو بخشنا اور اللہ تعالیٰ سے انکی محبت اور اتباع سنت طلب کرنا جائز ہے، چنانچہ امام ابوبکر بن خطیب علی بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں ابو حنیفہؒ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہوں اور اس کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دعا کرتا ہوں۔ اس کے بعد جلد میری مراد پوری ہوجاتی ہے تاریخ الخطیب (ج ا ص ۱۲۳) سلف کی اس زبردست شہادت کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہوجاتا ہے البتہ قبر کے پاس بیٹھکر قرآن پڑھنا اسمیں اختلاف ہے قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے ہاں اگر کوئی شخص کچھ بھی نہ کرے اور سنت کی پیروی کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہنے پر بس کرے السلام علیکم اہل الدیار من المومنین والمسلمین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ۔ تو سب سے بہتر ہے

جو حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ حضرت مولانا اپنی قید کی مدت پوری کر کے بھی آزاد نہیں ہوں گے، تو آپ حضرات کو اس پر خوش ہونا چاہیئے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایسا ہوا تھا، میں تو انہی کا ناکارہ و نالائق غلام ہوں، اگر ایسے معاملات رونما ہوئے ہیں تو شکر کی بات ہے، کیا تعجب ہے کہ کہیں وہی انقلاب پیش آئے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت اور ایذا رسانی کرنے والوں پر آیا تھا، بہر حال آج تو تمام ہندوستان میں قید و بند کی آندھی چل رہی ہے، اگر میں آزاد بھی ہوتا تو آزاد نہیں رہ سکتا تھا، کانگریس غیر قانونی جماعت ہے میں اس کا ممبر ہی نہیں بلکہ یو پی کا نائب صدر بھی ہوں میرے خیالات اور کلمات شارع عام پر ظاہر ہیں، جب تک گورنمنٹ برطانیہ یہاں موجود ہے اور اس کی پالیسی موجودہ پالیسی ہے، اس وقت تک میں کیا سارے قومی اور سرگرم کارکنوں کے لئے آزادی تقریباً مستحیل ہے، اس پر جس کا جی چاہے کبیدہ خاطر ہو الحب فی اللہ والبغض فی اللہ، ہمارا فریضہ ہے، ہماری عین تمنا اور خواہش ہے کہ ہم کو اللہ تعالےٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سچا تابعدار بنائے اور اسلاف کرام اور انبیاء علیہم السلام اور حق تعالیٰ کی رضا نصیب ہو، برطانیہ اور اس کے ہوا خواہ ناراض ہوں، ان سے تکالیف پہنچیں وہ ہم کو برباد کریں کسی کی پروا نہیں ہے، بحمد اللہ بعافیت مطمئن الخاطر ہوں، خوش و خرم ہوں، دنیاوی مستقبل کی طرف سے مجھے پورا اطمینان ہے، آخرت کے مستقبل کی طرف سے امیدیں بہت قوی ہیں کہ اپنے اسلاف کرام کی برکات سے محروم نہ ہوں گا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کی زیارتیں خواب میں خلاف توقع بار بار ہو چکی ہیں، جو کہ نہایت امید افزا ہیں، جو لوگ میری گرفتاری اور مزید گرفتاری کی کوشش کرتے ہیں، اس پر خوش ہوتے ہیں، ان کو اپنی عاقبت کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ[1] ہم کو کسی سے بھی دشمنی نہیں ہے صرف

---

[1] کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤں سے سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔

برطانیہ، اس کے اعوان دشمنان اسلام سے دشمنی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جلد سے جلد برباد کردے، اور مثل عاد و ثمود ان کا نام صفحہ ہستی سے مٹادے، آمین۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، ۲۷ رمضان المبارک ۶۱ھ

## مکتوب نمبر ۱۳۲

## حافظ محمد یوسف صاحب انصاری ندیم گنگوہی بازار شہید گنج ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف، والانامہ مفصل باعث سرفرازی ہوا، جو کچھ کارروائی ظہور پذیر ہوئی بسا غنیمت ہے، بلکہ کامیابی ہی کامیابی ہے جو کہ آپکی اور مفتی صاحب اور دوسرے اصحاب کی معاملہ فہمی اور جدوجہد کا نتیجہ ہے، فجزاکم اللہ المحسن الجزاء یقیناً اس معاملہ میں آپ کو علاوہ جدوجہد کے اپنے نفس امارہ کو بھی بہت سزا دینی پڑی ہے کیونکہ وہ شرکت اجلاس کے لئے راضی نہیں ہوتا تھا، خدا کرے یہ امارہ لوامہ ہی نہیں بلکہ مطمئنہ بھی ہو جائے۔ آمین۔

جو کچھ آپ نے پہلے بھی اور اب بھی طلبہ کے لئے سعی بلیغ فرمائی ہے اجر جزیل سے خالی نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ بڑا معاملہ پرسٹیج کا ہے، مگر آپ نے معاملہ ادھورا چھوڑا وہ تیسرا شخص معین نہیں فرمایا، جب کہ مولانا ابراہیم صاحب پر آپ کی رائے نہ تھی اور مولانا اعزاز علی صاحب پر صدر صاحب کی رائے نہ تھی، تو کوئی شخص تو مقرر ہونا چاہیئے تھا، مولانا عبدالسمیع صاحب ہوتے یا خان بہادر ہوتے یا مولانا نافع گل صاحب ہوتے، کس قدر غضب کی بات ہے کہ ساٹھ طالب علموں کو اس طرح خارج کردیا گیا بہرحال اب مہربانی فرماکر ذرا مولوی طیب صاحب کو بلاکر دو باتوں کے متعلق سمجھایئے، اول یہ کہ اس زمانہ میں جبکہ الحاد اور بیدینی کا اس قدر شور ہے، دین اور اہل دین سے لوگوں کو جس قدر دوری اور تنفر پیش آرہا ہے، نہ صرف اغیار کو بلکہ اپنوں کو بھی، لیگ

ایک طرف زور شور سے علماء کے اقتدار کو مٹانے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے علی الاعلان مجامع میں آوازے کس رہی ہے، مشرقی اور اس کی جماعت مولوی کے ایمان کے نام سے اہل دین سے انتہائی نفرت پھیلا رہی ہے، مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا کس زور سے حملے کر رہے ہیں، قادیانی ایک طرف زہریلی گیس پھیلا رہے ہیں شیعوں کا مدرسۃ الواعظین اور اس کے متعلقین پنجاب کے اضلاع کو گمراہ کرتے جا رہے ہیں، نئی نئی چالیں شیعیت کی پھیلانے کی چلی جا رہی ہیں، کہیں مجلس حسینی کا جال پھیلایا جا رہا ہے، کہیں تبرا ایجی ٹیشن علانیہ کیا جا رہا ہے، کہیں اہل بیت کے جلوس نکلوائے جا رہے ہیں، اہل بدعت کے دجل و فریب کا جال پہلے ہی اطراف ہند میں پھیلا ہوا ہے انگریزی یوروپین تعلیم نونہالان اسلام کو برابر اسلام سے نکال رہی ہے بقول ڈبلو ڈبلو ہنٹر، "ہمارے کالجوں اور اسکولوں سے پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں ہے جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو" فوج در فوج لوگ اسلام سے برگشتہ کئے جا رہے ہیں، آریہ علیحدہ کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو مرتد کریں، ایک کروڑ کا چندہ کیا جا رہا ہے، دس لاکھ دہلی میں جمع ہو گئے۔ عیسائی مشنریاں اپنی چالوں سے گذشتہ سال تقریباً ایک لاکھ یا اس سے زیادہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنا رہی ہیں، سکھ اپنی جد و جہد سے اپنا حلقہ وسیع کرتے جا رہے ہیں مسلمانوں اور ہندوؤں کو سکھ بناتے اور اپنے اپنے دیہاتوں وغیرہ میں مسلمانوں کے اقتدار کو مٹاتے جاتے ہیں، کیا ان حالات کے ہوتے ہوئے یہ چاہیئے تھا کہ آپ کے حلقۂ اثر میں آئے ہوئے لوگ خارج کئے جائیں، یا یہ چاہیئے تھا کہ آپ کھینچ کھینچ کر لائیں، اور ان کو صحیح العقیدہ مسلمان بنائیں؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "تمہارے پاس لوگ مشارق ارض اور مغارب ارض سے علم سیکھنے کے لئے آئیں گے، ان کے متعلق میری وصیت ہے کہ ان کے ساتھ خیر اور

بھلائی عمل میں لاؤ" اور صحابہ کرام جب کسی طالب علم دین کو دیکھتے تھے تو فرماتے تھے کہ مرحبا بوصیتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا اس پر یہی عمل ہو رہا ہے کہ آپ معمولی سی بات پر کہ انہوں نے باامن رہ کر مظاہرات کیے اور وہ بھی آپ کے حکم کیمطابق آپ کا مقرر کردہ شخص ان کے ساتھ رہتا تھا، کوئی بدامنی انہوں نے نہیں کی، آپ نے بالکل مظاہرہ سے ان کو منع نہیں کیا تھا، انہوں نے کافر، ایک دشمن اسلام گورنمنٹ کے خلاف نعرے لگائے، اس پر انتہائی سزا دیدی گئی، اگر سزا دینا ہی تھا تو بہت سے بہت یہ سزا دیتے کہ ایک مہینہ یا دو مہینہ کا کھانا بند کر دیتے، یا اس قسم کی کوئی اور تہدید کرتے، حالانکہ یہ کرنا ان کا نہ اہتمام کی دشمنی میں تھا، اور نہ مدرسہ کی قانون شکنی میں، اگر تھانہ دار کا خوف تھا تو اس کی دوسری صورتیں تھیں، خلاصہ یہ کہ طلبہ کے داخل کرنے میں وسعت حوصلہ اور وسعت قلب سے کام لیں۔

دوم یہ کہ جن پانچ اشخاص سے منشی محمد شفیع صاحب، مولوی عبد الوحید صاحب، مولوی محمود گل صاحب، مولوی سلطان الحق صاحب، مولوی محمد عثمان صاحب کی برطرفی کا فیصلہ کرنا چاہیئے تھا، (حالانکہ یہ پہلی قسط تھی، مشہور تو یہ ہے کہ ۲۶ آدمیوں کو برطرف کرنا چاہیئے تھا، اور ڈابھیل کے مدرسین بلائے گئے تھے اور دوسرے ملازمین کو بھی رو کا گیا تھا کہ مجلس شوری کے بعد تمہارا یہاں تقرر کیا جائے گا۔) واللہ اعلم ان سے مولانا طیب صاحب کی صفائی کرا دیجئے انہوں نے صدر صاحب سے طلبہ کے اخراج کے وقت فرمایا تھا کہ جو لوگ اصل اصول فساد ہیں ان کو نکالیئے صدر صاحب نے فرمایا کہ ان کی رپورٹ اور مسلیں پیش کرو، میں ابھی نکالوں گا، بہر حال ان لوگوں کی صفائی مولانا طیب صاحب سے کرا دیجئے، تعجب ہے کہ آج منشی شفیع صاحب کے لئے یہ کیا جا رہا ہے، حالانکہ اس سے پہلے بارہا انہوں نے فرمایا کہ جدید ملازمین میں دو شخص نہایت اچھے اور کام کرنیوالے ملے ہیں ایک منشی محمد سعید صاحب اور دوسرے منشی محمد شفیع صاحب، منشی محمد شفیع صاحب

جہانتک مجھے علم ہے کبھی بھی کوئی خلاف ورزی یا ایذا رسانی نہیں کی، بجز اس کے کہ ترک موالات میں ان کا عقیدہ سخت ہے، مگر بیچارے ہمیشہ عمل میں دوسروں کیطرح دبے رہے، اور علی ہذا القیاس باقی ماندہ حضرات بھی عقیدہ ترک موالات میں متفق ہیں اس کے علاوہ جو قصور بھی بتائیں اس کو ثابت کریں، اور نہ کرسکیں گے، اور ان حضرات سے اس کی پرسش کرادیجئے۔

عقیدہ ترک موالات میں اور شرکت تحریک میں خود مولانا طیب صاحب غور کریں کہ اگر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے تو کیا کرتے، اور ان کا عمل کیا ہوتا؟ علی ہذا القیاس اگر حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہٗ العزیز زندہ ہوتے تو کیا کرتے جن کی نسبت حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے الفاظ کہ "جبتک مولوی قاسم صاحب موجود تھے مجھکو یقین تھا کہ پہلے یہ ہمارا سر کٹوائیں گے پھر اپنا" اب تو جہاد کی امید بھی جاتی رہی (او مافی معناہ)

۵۷ء کے مجاہدین کی اسپرٹ گیا تھی جو آج دائرہ اہتمام دکھا رہا ہے، یا حلقہ بگوشان خانقاہ تھانہ بھون عمل میں لا رہے ہیں، میں متقدمین اسلام اور قرون اولیٰ کی اسپرٹ کی طرف توجہ نہیں دلاتا میں نصوص قرآنیہ اور آیات متعلقہ بالجہاد کو پیش نہیں کرتا میں حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما کے واقعات کو نہیں دہراتا میں ابھی قریبی زمانہ اور مخصوص بزرگوں کی جذبات اور اعمال کو پیش کرتا ہوں، کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ گورنمنٹی کالجوں اور اسکولوں کے طلبہ ہندو یونیورسٹی بنارس اور گروکل کانگڑی کے طلبہ تو یہ جذبات رکھیں اور وہ کھلی کھلی تشدد آمیز خلاف قانون کارروائیاں کریں، اور مسلمان طلبہ نوجوان اگر غیر تشدد آمیز کارروائیاں اور احاطہ قانون میں پابند رہکر موجودہ حکومت متسلطہ کے متعلق جذبات رکھیں تو اس پر طرح طرح کے تشددات اہل حل وعقد کے کئے جائیں اور کہا جائے کہ اور مدارس کے طلبہ اس قسم کے جذبات نہیں

رکھتے ہیں، کیا یہ انقلاب، حقائق اور تعلیمات نبویہ کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے ع
"پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز"، اسی طرح کے یہ ملازمین و مدرسین فقط جذبات
ہی تو رکھتے ہیں، اہل حل و عقد کی تشدد آمیز کارروائیوں سے ڈر کر علانیہ حصہ تحریکات
میں نہیں لیتے تاہم ان کو اصل اصول فساد کہتے ہیں، اصل اصول فساد حسین احمد
ہے، جو کہ علانیہ تحریکات میں حصہ لیتا ہے اس کو نکالنا چاہیئے، اصل اصول فساد
حضرت شیخ الہندؒ تھے جنہوں نے وہ کر دکھایا جس کو دیکھ کر بڑے بڑے قومی لوگ
دنگ رہ گئے۔ اصل اصول فساد حضرت نانوتوی اور ان کے رفقاء تھے جنہوں نے
حقیقی تابعداری آیات جہاد کی کی اور اسی جذبہ پر وفات پائی۔ حضرت شیخ الہندؒ
کے قلب میں چنگاری پیدا کردی۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۷ شوال ۶۱ھ

## مکتوب نمبر ۱۳۳

## یکے از ممبران مجلس شوریٰ، دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف، قوی امید ہے
کہ آپ بھی مع متعلقین منصوری سے واپس تشریف لے آئے ہوں گے، اور صوفی جی
بھی آگئے ہوں گے، اور یہ بھی قوی امید ہے کہ سب حضرات بخیر و عافیت ہوں گے
صوفی جی کی بیماری بھی جاتی رہی ہوگی، قاری اصغر علی صاحب مجھ سے جب ملنے آئے
تھے تو انہوں نے جناب کی ہمدردی بھرے ہوئے الفاظ اور عنایات بے غایات کا
تذکرہ کیا تھا، میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا، اگر ضرورت پیش آئی تو آپ جیسے
مربیوں کا دروازہ کھٹکھٹانا ہم ناکاروں کے لئے باعث شرف ہی ہوگا، پروردگار کا
ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے خزانہ غیب سے بلا وہم و گمان تمام مصارف کا انتظام

کردیا ہے، جو نظام میں نے قرض کا بنایا تھا، اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی، اور بغیر کسی استدعا کے تمام ضرورتیں پوری ہوگئیں، اور ہوتی جارہی ہیں، فللہ الحمد والمنۃ۔

یہ خبر تو جناب کو پہنچ بھی گئی ہوگی کہ اپیل میں صرف چھ ماہ کی قید محض باقی رہ گئی تھی جرمانہ اور ایک سال کی قید جاتی رہی تھی، پھر ہم نے جلد آپ کی خدمت میں حاضری کی غرض سے اختیاری طور پر مشقت لے لی کیونکہ اس کی وجہ سے نیک چلنی کے ریمشن کے ساتھ ڈیڑھ مہینہ کے لئے چھوٹنے کی امید ہوتی ہے، بعض حضرات کا اس کے بعد ہی ارادہ تھا کہ ہائی کورٹ میں نگرانی کردیجائے، مگر اہل الرائے اور حافظ محمد ابراہیم صاحب کی رائے ہوئی کہ اگرچہ فیصلہ میں جان نہیں ہے اور ہائی کورٹ کی نظیروں کا تقاضا ہے کہ بالکل برأت ہوجائے، مگر اس وقت کی فضا اور گورنمنٹ کی پالیسی کا تقاضا یہ ہے کہ اگر برأت بھی ہوگئی تب بھی امتداد رکھا جائے گا، اور دفعہ ۱۲۹ کے ماتحت گرفتار کرلیا جائیگا نیز اس کے دوران بحث میں ورکنگ کمیٹی جمعیۃ کا فیصلہ بھی یہی ہوا ہے کہ نگرانی نہ کی جائے، فضا مناسب نہیں ہے، اور حسب تجویز ورکنگ کمیٹی رہائی کے بعد سول ڈسکاوبی ڈیفنس کرنا ہوگا، پھر گرفتاری ہوگی، اس لئے ہائی کورٹ کی نگرانی کے لئے مصارف اور جدوجہد بیکار ہوجائے گی، مفت میں زیر باری ہوگی، چنانچہ معلوم ہوا یہ کہ اپیل کے فیصلہ سے پہلے ہی دفتر جیل میں دفعہ ۱۲۹ اور دفعہ ۲۶ کے ماتحت وارنٹ بھی آگئے تھے، اس لئے نگرانی چھوڑ دی گئی، اب اگر عارض پیش نہ آئے تو ممکن ہے کہ بقرعید کی نماز میں آپ کے سایہ میں ادا کروں، واالعلم عند اللہ، خدا کے فضل وکرم سے نہایت آرام سے ہوں، ۹ ر اگست کو حافظ محمد ابراہیم صاحب زیر دفعہ ۲۶ آگئے ہیں اور اسی طرح مولانا حفظ الرحمن صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی ایم۔ ایل۔ اے اور دوسرے اشخاص نے آکر جیل میں جشن کی صورت پیدا کردی ہے، دفعہ ۱۲۹ والے تو عنقریب چلے جائیں گے متعلقین سب ٹانڈہ میں ہیں، اور وہیں رہنا ان کا مناسب

معلوم ہوتا ہے، البتہ اسعد اور فرید انشاء اللہ تعالیٰ دس بارہ شوال تک دیوبند پہنچ جائیں گے، تاکہ تعلیمی مشاغل انجام دے سکیں۔

جو فیصلہ جناب نے ابتدائی شعبان میں امتحان کے بند کرنے اور مطبخ کو یکبارگی یکقلم موقوف کرنے اور تقریباً چالیس طلبہ کو بالکل نکال دینے اور اکثر کو بالکل سند سے محروم کر دینے وغیرہ کا کیا ہے نہایت ہی تعجب خیز ہے، اور سب سے زیادہ تعجب مجھکو آنجناب پر ہے، آپ تجربہ کار سرد و گرم کو دیکھے ہوئے، زمانہ اور اس کی رفتار سے واقف مستقل مزاج، قوی القلب، بھاری بھرکم، معاملات کو بخوبی سمجھنے اور جانچنے والے تھے، مگر آپ نے ایسا فیصلہ کیسے کر دیا، اور اس رَو میں کس طرح بہہ گئے نہ نتائج و عواقب پہ غور فرمایا، نہ زمانہ کی روش اور ماحول پر توجہ فرمائی نہ اسلاف کے طرز عمل اور دار العلوم کی سابقہ تاریخ کو دیکھا مہتمم صاحب کا بیان اخباروں میں شائع ہوا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ نہایت سکون کے ساتھ علمی مشاغل میں منہمک تھے، پھر ایسا فیصلہ کیوں کیا گیا، اور اگر بالفرض کوئی شورش بھی ہوتی تب بھی ایسا نہ کرنا تھا، اسٹرائک کے زمانہ میں تو بندش نہیں ہوئی آج کیوں ہوئی ہے، جن طلبہ نے خواہ وہ سب کے سب ہی ہوتے خواہش ترک امتحان کی تھی، ان کو سخت جواب دینا چاہیئے تھا کہ ہم اپنے نظام کو نہیں بدل سکتے، ہم امتحان ضرور لیں گے، جو شریک امتحان نہیں ہوگا وہ حسب قواعد دار العلوم اس سزا کا مستحق ہوگا، جو پہلے سے مقرر چلی آتی ہے، مطبخ کی بندش کا یکبارگی اعلان اس سے جو سراسیمگی پھیل گئی، اگر یہ معاملہ انتقاماً تھا اور ظاہر یہی ہے تو جبکہ طلبہ نے تشدد آمیز کارروائی نہیں کی تھی، جو بھی ان سے اعمال ظہور پذیر ہوئے تھے، وہ امن و امان کے حدود میں رہ کر ہوئے تھے، اور جبکہ وہ ان جلسوں اور جلوسوں کی بھی بندش چھوڑ کر بالکل سکون کی حالت میں آچکے تھے تو پھر کیوں یہ انتقام لیا گیا، اور کیوں ایسی بھیانک صورت اختیار کی گئی، اور اگر بالفرض

ان سے کوئی صورت تشدد اور خلاف قانون کارروائی ہوتی بھی تو دارالعلوم کو اس سے کیا واسطہ گورنمنٹ کی پاور کام کرتی ہے۔

اور اگر بالفرض انتقاماً تھی، تو معاملہ نہایت عجیب و غریب ہے، تمام ہندوستان کی یونیورسٹیوں اور کالجوں، اسکولوں اور مدرسوں میں باوجود انتہائی شورشوں اور سخت سے سخت تشددات کے نہ ان کے کارکنوں نے ایسی کارروائی کی اور نہ گورنمنٹ نے وہاں اتنی مداخلت کی جتنی کہ آپ نے کی؛ حالانکہ دارالعلوم آزاد تھا، گورنمنٹ کا دست نگر نہ تھا، اور نہ ہے، پھر اس قدر ٹوڈیت، اور اظہار وفاداری کے کیا معنی جو کہ حدود عقل سے تجاوز کر گئی، کیوں اس قدر گھبراہٹ آپ کو پیدا ہوگئی کیا یہ طلبہ اس سے زیادہ کر سکتے تھے جو بمبئی، پونہ، مدراس، ناگ پور وغیرہ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ نے کیا، اور کیا یہ ویسا ہی کرتے یا کر سکتے ہرگز نہیں مہتمم صاحب خود فرماتے ہیں کہ نہایت امن و سکون تھا، اور اگر بالفرض احتمال ہی کی بنا پر یہ سب کچھ ہوا تو پھر ایسا احتمال ہمیشہ ہے مدرسہ کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیجئے۔ آج اور کل کا کیا اطمینان ہے، منتظمین مدرسہ کا فریضہ تھا کہ اگر ایسے واقعات پیش آتے تو روک ٹوک کرتے اور اتنی قوت نہ پاتے تو دوسری قوت متسلطہ سے مدد لیتے نہ یہ کہ محض احتمال یا ظن پر تمام ادارہ کو بند کر دیا جائے، اور کارکنوں کو مفت کی تنخواہ شعبان و رمضان کی بانٹی جائے، طلبہ تو بھیک مانگتے پھریں اور ملازمین غراتے پھریں۔ طلبہ نے جلسے اور جلوس بے شک کیے ادارۂ اہتمام نے روکا تو نہیں رکے اس سے زیادہ اور کیا جرم ان کا تھا، یا یہ کہ اس کی وجہ سے یہ دور دراز کے طلبہ دینی تعلیم سے ہمیشہ کے لئے محروم کیے جا رہے ہیں، پھر جب کہ ملک کی عام فضا اس قدر مسموم ہو رہی ہے کہ وہ ملک کے نوجوان طلبہ جن کی تمام امیدیں گورنمنٹ کی غلامی پر بندھی ہوئی ہیں وہ ملک کے لیڈران کی گرفتاری پر اپنے آپے سے باہر ہو گئے (حالانکہ ان لیڈروں سے ان کو کوئی

خصوصی تعلق نہ تھا اور اگر تھا تو بہت دور کا تھا، اور انہوں نے جان اور دھڑ کی بازی لگا دی اور تقریباً ایک ہزار یا اس سے زیادہ پروانہ وار جان بحق ہو گئے اور کئی ہزار زخمی ہوئے اور اب بھی ہو رہے ہیں، اگر ایسی صورت میں گورنمنٹ کے اس شرمناک معاملہ پر جو کہ اس نے استبدادی طریقہ پر ان کے ایک نالائق خادم پر جاری کئے تھے اگر کچھ مظاہرہ کر بیٹھیں (جو کہ ہر کالج اور یونیورسٹی میں آئے دن پیش آتا رہتا ہے، جب بھی وہاں کے اساتذہ مدرسین، پرنسپل کے ساتھ کوئی ایسا سلوک پیش آتا ہے)، تو وہ موجب غیظ و غضب اور سزا اور انتقام کیوں قرار دیا جائے، بیشک حکم ادارہ اہتمام نہ ماننا جرم ہے اور غلطی ہے، مگر وہ بھی مجبور رہیں، طبعی جذبات ہیں، ان پر حسن تدبیر سے قابو حاصل کیجئے، اور پھر جب کہ وہ حضرت مفتی صاحب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور دوسرے حضرات کے سمجھانے کی وجہ سے پرامن، مطیع و فرمانبردار ہو چکے ہیں اور باہمہ جد و جہد کو بھی چھوڑ چکے ہیں، پھر آپ کو یہ منتقمانہ کارروائی اور اس قدر تشدد کہاں روا تھا، یا ہے، اور اگر بالفرض آپ کا انصاف اسی کو مقتضی ہے تو آپ میں سے مرحمت اور رغبا پروری علوم نبویہ کے حاصل کرنے والوں کی خصوصی مراعات جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استوصوا بھم خیراً فرما کر مہر لگا رہے ہیں، کہاں چلی گئی، آپ اس کو کیوں بالکل بالائے طاق رکھ رہے ہیں یہ مسلمانوں کے نوجوان بچے ہیں، ناتجربہ کار ہیں، کم عقل ہیں کیا انکی مذہبی پرورش (جو کہ اس دور الحاد و زندقہ میں ازبس ضروری اور قابل توجہ ہے) کا یہی طریقہ رہ گیا تھا، اپنے گھرانوں اور خاندانوں کے نوجوان بچوں کو دیکھئے، ان سے کس قدر ناز بیاں نالائقیاں آئے دن صادر ہوتی رہتی ہیں اور آپ طرح بہ طرح دیتے رہتے ہیں، یہ بھی تو آپ ہی کے بچے ہیں۔ ان پر ایسا نادر شاہی حکم کیوں صادر فرماتے ہیں، اور ہمیشہ کے لئے علوم دینیہ اور معارف الٰہیہ سے محروم کر رہے ہیں، بیشک ان کی تربیت کیجئے، سرد اور گرم معاملہ برتیئے

مگر نہ اس طرح جیسا کہ کر چکے ہیں، اور غالباً آگے بھی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، کیا وہ طلبہ جن کو ہمیشہ مہمانان رسول علیہ السلام کہا جاتا تھا، اور لوگوں کو چندہ اور کھانے کی ترغیب ایسے ایسے الفاظ سے دیجاتی تھی، ان کی یہی گت ہونی چاہیئے جو آپ نے مطبخ بند کر کے دو تین دن کی مہلت سے جرنیلی حکم دے کر ان کی تمام اشیا نیلام کرا کے ظاہر فرمائی ہے، ایسا انوکھا حکم نہ ہم نے کسی عربی مدرسہ میں دیکھا اور نہ سنا انگریزی مدارس میں نہ مسلمانوں کی درسگاہوں میں نہ ہندوؤں کی درسگاہوں میں، آج ذرا آنکھیں اٹھا کر اہل بنارس کی ہندو یونیورسٹی کو دیکھ لیجئے، انہوں نے کیا کیا، طلبہ نے کیا کیا، گورنمنٹ نے کیا کیا، پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ درسگاہ جو کہ تین لاکھ روپیہ سالانہ گورنمنٹ سے لیتی ہے وہ تو اس قدر بے حواس نہ ہو اور آپ اس قدر مضطرب، فاقد الحواس ہو جائیں، یہ کیا معاملہ ہے؟

کیا یہی طریقہ حضرت شیخ الہند کا تھا، کیا یہی طریقہ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ کا تھا، کیا یہی طریقہ عام مسلم پبلک اور آپ حضرات اپنی اولادوں اور چھوٹوں سے برت رہے ہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو دارالعلوم کے نادار غریب الوطن نوجوان طلبہ کیساتھ یہ سلوک کیوں روا رکھ رہے ہیں، معاف فرمائیں یہ کلمات مخلصانہ شکایات ہیں، معاذاللہ آپ کے وقار اور پریسٹیج پر حملہ نہیں ہے، اگر میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں تو آئندہ کے لئے جلد سے جلد اصلاح فرما لیجئے اور اگر آپکے نزدیک میری عرائض گوش زد ہونے کے لائق ہیں تو "کالائے بد بریش خاوند" انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی ذمہ داری ہے آپ بھی عنداللہ وعندالرسول جوابدہ ہونگے خلقت بھی آپ سے سوال کرے گی اب آپکا سالانہ اجلاس ۲۱-۲۲-۲۳- اکتوبر کو ہو رہا ہے سوچ سمجھکر گردو پیش کو دیکھ کر، فرائض انتظامیہ کو غور کر کے علوم دینیہ اور ان کی اہمیت اور ضرورت پر نظر ڈال کر عمل درآمد کیجئے، اغراض اور اپنی بیچ کو چھوڑیئے، محض افواہوں اور بے تحقیق باتوں پر خاک ڈالئے، نہ صرف عدل وانصاف کو بلکہ شفقت اور رحم کو بھی ہاتھوں میں مضبوط پکڑیئے

کسی شخص کی ذاتی رعایت کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہی کیوں نہ ہو، قومی اور مذہبی، علمی اور دینی ضرورت اور مفاد پر مقدم نہ کیجئے، اور وہ کام کیجئے جو کہ آپ کو کل یوم قیامت میں کام آسکے، حکومت کا خطرہ، لوگوں کی بدگوئی کا خیال آپ کو حق و انصاف مرحمت اور الطاف سے مانع نہ آئے،

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۱۳۴

## بابو فضل الرحمن خانصاحب سیدھاری اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج شریف والا نامہ مورخہ ۲۰ ذیقعدہ باعث سرفرازی ہوا تھا، مگر اس مدت میں اسقدر مصروفیت تھی کہ جواب لکھ سکا خیال تھا کہ کسی فرصت کے وقت میں لکھوں گا ۲۰ نومبر کی شام کو بعد از مغرب جب میں اعظم گڈھ پہنچا تو اس ارشاد کی بنا پر جو کہ پہلے آپ نے فرمایا تھا کہ ان اطراف میں جب کبھی آنا ہو تو سیدھاری ضرور آنا، چاہے تھوڑی مدت کے لئے ہو، اور میں نے قبول کر لیا تھا، ارادہ تھا کہ اگر ممکن ہو تو رات کو آپ کے یہاں قیام کروں، اور اگر اس میں

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۷ تا ۱۳۲) یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کفر نے کبھی اسلام کے ساتھ رواداری نہیں برتی، بلکہ اسلام نے ہمیشہ اپنی ہمہ گیر وسعت سے کام لینا اپنا فریضہ سمجھا اگرچہ ہر زمانہ میں طاغوتی قوتیں اور شیطانی فوجیں اہلِ حق کی راہ میں آڑے آئیں، مگر ان نفوس قدسیہ نے اپنی ہمتیں بلند رکھیں، اس آخر زمانہ میں جبکہ حسب ہدایت گلیڈسٹون اسلامی اقدار تہذیب تمدن اور علوم و فنون کو دنیا سے مٹا دینے کی بڑی حد تک جد و جہد کی گئی تو علماء حق اور مسلمانان ہند نے اجتماعی ادارے ۵۷ء کے جان گداز واقعات کے بعد قایم کئے یہ ان علماء کی خداداد فراست ہی تھی کہ جس نے سارے کام چھوڑ کر علم دین کو قائم رکھا اور وقت کا اہم ترین مقصد سمجھا۔ چنانچہ مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد، سہارنپور اور دار العلوم دیوبند آزادی ہند کی دباقی ص ۲۵۷ پر)

کامیابی نہ ہو تو چند منٹ کے لئے حاضر ہی ہو جاؤں مگر افسوس کہ ایسے واقعات پیش آئے کہ ہر دو میں کامیابی نہ ہو سکی، آپ نے جن امور کو دریافت فرمایا ہے ان کے متعلق تفصیل تو زبانی ہی ہو سکتی ہے مگر اس وقت اجمالی طور پر اتنا عرض کرتا ہوں کہ تحریکات آزادی میں ۱۹۱۴ء سے شریک ہوں اور اس کو مسلمانوں کا مذہبی اور انسانی فریضہ سمجھتا ہوں پہلے میں تشدد والی انقلابی پارٹی میں شریک تھا، اور حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز ہمارے امام تھے اور اسی سلسلہ میں ہمارا مالٹا کی اسیری کا واقعہ پیش آیا، وہاں سے واپسی پر خلافت کمیٹی، جمعیۃ، کانگریس میں شرکت اور عدم تشدد کی پالیسی میں دخول ہوا، اسی زمانہ میں آزاد خیال ترقی پسند مسلمان لیگ سے علیحدہ ہو کر خلافت میں شریک ہوئے اور کانگریس میں بھی رہے کیونکہ ۱۹۱۶ء سے لیگ اور کانگرس متحد ہو چکے تھے۔ لیگ میں ان کے نکل جانے کی وجہ سے جان باقی نہیں رہی تھی، موجودہ عناصر کا بڑا حصہ تقریباً امن سبھا کا ممبر اور گورنمنٹ کا کلمہ پڑھنے والا تھا، ہم نے اسی بنا پر کبھی لیگ کی طرف رُخ

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۶) چھاؤنی بن گئے، اور دارالعلوم کا یہ مقصد قرار پایا کہ یہاں سے مسلمانان ہند کے نونہال روح اسلام سے سرشار ہو کر نمونۂ اسلام بن کر نکلیں اور مردانہ وار اعداء اللہ کا مقابلہ کریں، یہی مقصد بانیان دارالعلوم کا ہمیشہ رہا اور اسی وجہ سے گورنمنٹ کی استعمار آگیں نگاہیں برابر اس کی طرف رہیں تاکہ دارالعلوم کے اندرونی نظام میں بظاہر گورنمنٹ کو دخل نہ تھا مگر اسی کے ساتھ اس چیز سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ برطانوی ذہنیت اپنا کام کر رہی تھی، اور علماء حق کے ردعمل میں موقع کی متلاشی تھی۔ چنانچہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ ادھر مالٹا ہی کے اندر تھے کہ ادھر برطانیہ نے میدان خالی پا کر مولانا حافظ احمد صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند کو شمس العلماء کے خطاب بلکہ خلعت فاخرہ سے سرفراز کر کے دارالعلوم کی ساٹھ سالہ روایات پر تیشہ چلا دیا، راقم الحروف کو یہ روایت بطریق ثقات پہنچی ہے کہ جب شیخ الہندؒ مالٹا سے رہا ہو کر دیوبند تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھکو دارالعلوم میں برطانوی سامراج کی بدبو محسوس ہو رہی ہے، یعنی شمس العلماء کی خطاب جس کو واپس کرنا پڑا۔ مہتمم صاحب مرحوم کے آخری دور تدبر تقریباً ۲۵،۲۶ء میں (باقی ص ۳۵۸ پر)

نہیں کیا، انقلاب پیش آئے خلافت کمزور پڑگئی، بہت سے سرگرم اور آزاد خیال ترقی پسند مسلمان رفتہ رفتہ وفات پاگئے، ۱۹۳۶ء کے قریبی زمانہ میں مسٹر جناح نے لیگ کو زندہ کرنیکی کوشش کی، رجعت پسند عناصر سے تنگ آگئے تھے اور انہوں نے جمعیۃ اور احرار اور دوسری ترقی پسند جماعتوں سے اتحاد و اشتراک کیا، خود مسٹر جناح نے ممبئی کرانیکل میں جون ۳۶ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا، اور اس کا خلاصہ مدینہ بجنور میں حسب ذیل شائع ہوا تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۷) فتنۂ لجنہ ی پیدا ہوگیا۔ اہتمام کی بحث نے طول کھینچا۔ پارٹیاں قائم ہوگئیں حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ وغیرہم نے دار العلوم کو خیر باد کہا، شعبہ صدارت نے جو دار العلوم کا قلب رہا ہے خیریت ہوئی اسکو حضرت امام العصر دامت برکاتہم کی غیر معمولی شخصیت نے آکر سنبھال لیا اور اپنے زمانہ تک کے لئے محفوظ کر دیا۔ مگر سرپرستی وغیرہ کے جھگڑوں نے جماعت میں تفریق اور بدمزگی پیدا کردی پہلے سے دار العلوم دیوبند کی موافق و مخالف دو جماعتیں باوجود اتحاد عقائد قصبہ کے اندر تھی ہی نتیجہ یہ نکلتا رہا کہ ان تمام باتوں کا اثر دار العلوم پر مختلف شکلوں میں پڑتا رہا، حضرت امام العصر کا وجود گورنمنٹ کی نظروں میں سب سے بڑا روگ تھا، اور اسی کے ساتھ کتنے مقدسین کی نگاہوں میں حسب بیان امام العصر کانٹوں کی طرح کھٹکتا رہا، حتی کہ دیوبند کے بعض نادان دوستوں نے اس کانٹا کو نکالنا چاہا اور گورنمنٹ کی پشت پناہی بھی ساتھ تھی، لگر جو وجود گرامی انقلاب سلطنت کرنے اور برطانیہ کے ڈیڑھ سو سالہ قصر استبداد کو ڈھانے کا بیڑا اٹھا چکا تھا۔ بھلا آزادی ہند کا خاتم ولی اللہی پرچم کو سرنگوں ہونے دیتا؟ اور کس مائی کے لال کو ہمت تھی کہ اس شیر بیشۂ استقامت کو برطانیہ کے نکلنے سے پہلے دار العلوم سے نکال سکتا تھا، زمانہ شاہد ہے کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مشن کامیاب رہا ساتھ ہی تاریخ اس کو بھی فراموش نہیں کرسکتی کہ جو پارٹ آخری دور غالباً ۴۲ء میں دار العلوم کے اندر ادا کیا گیا کہ چالیس سے زاید مہمانان رسول کو خارج کیا گیا کھانے بند ہوئے، گھر سے خرچ منگانے کی مہلت نہیں دی گئی، سندوں سے محرومی کی دھمکی، خالد میاں کی گورنمنٹ میں (باقی ص ۳۵۹ پر)

(۱) مسلم لیگ کی پالیسی کا مقصد ایسے نظام کا بروئے کار لانا ہے جس کے ماتحت ترقی پسند اور آزاد خیال مسلمانوں کے ادارے متحد ہو جائیں۔

(۲) مسلم لیگ موجودہ دستور سے بہتر ایسا دستور حاصل کرنے کے لئے جو سب کو پسند ہوگا کانگریس کا ساتھ دیگی اور حکومت پر دباؤ ڈالے گی۔

(۳) مسلم لیگ اس اصول کو برقرار رکھتی ہے کہ بطور اقلیت مسلمانوں کو کافی تحفظ حاصل ہو۔

(۴) اسمبلی میں لیگ تمام قومی معاملات میں کانگریس سے تعاون کرے گی اور اس کے ساتھ رہے گی۔

(۵) لیگ کے صدر کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ ایسے چالاک لوگوں کو جن کا مقصد حکومت کے ماتحت عہدے حاصل کرنا ہے اور جنہیں عوام کے حقوق ضروریات اور مفاد کی مطلق پرواہ نہیں، سیاسی میدان سے نکال دیا جائے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۸) شکایت کر کے دفعہ ۱۲۹ کے ماتحت گرفتاری طلبہ کو صفائی کا موقع نہ دینا۔ مطبخ کی بندش کا اعلان، امتحانات کے داخلہ میں پابندی اور حسب بیان اخبارات منجانب اہتمام کہ "طلبہ نہایت سکون کیساتھ علمی مشاغل میں منہمک تھے" پھر یہ نادر شاہی حکم تو درپردہ کسی اور چیز کی غمازی کر رہا تھا ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں مکتوبات مذکور کو بغور پڑھنے پر حضرت امام العصر کی یہ عبارت بھی واقعہ بن کر سامنے آجاتی ہے کہ جو حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ حضرت مولانا اپنی قید کی مدت پوری کر کے بھی آزاد نہیں ہونگے" سب سے بڑا ثبوت ہے کہ دارالعلوم کے اندر و باہر کیا کھیل کھیلا جارہا تھا اور یہ حضرات دارالعلوم خود امام العصر کے مقام سے کس درجہ نابلد تھے حالانکہ حافظؒ بہت پہلے ان ہی بزرگوں کے بارے میں فرما گئے تھے۔

ببین حقیر گدایانِ خلق راکیں قوم  شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلاہ اند

مزید تفصیل جلد دوم میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے والا نامہ اور اس کے حاشیہ میں ضرور ملاحظہ فرمائی جائے۔

مندرجہ بالا مضمون کی لیگ کے مینو فسٹو کی عبارت ذیل مندرجہ صفحہ ۸ پوری تائید کرتی ہے۔

"مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم کے قیام اور عملدرآمد سے کچھ ایسی مختلف قوتیں پیدا ہو گئی ہیں جنہوں نے اپنا اثر صوبوں میں قائم کر لیا ہے، اور ان ہی جماعتوں کے ساتھ ایسے اشخاص و افراد کی ٹولیاں بھی بن گئی ہیں جن کا مقصد غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ صوبوں میں جہاں کہیں اور جب کبھی ممکن ہو بڑی بڑی سرکاری ملازمتوں اور جگہوں پر دست درازی کریں، اور ان پر اپنا قبضہ جمائیں، یہ تجویز چونکہ گورنمنٹ کے مقاصد کے معین ہے لہٰذا ایسی جماعتوں کو ہر طرح کی مدد و حمایت گورنمنٹ سے ملی جس سے لوگ نہ صرف ملک کی اصلی ترقی و بہبود کے مزاحم ثابت ہو رہے ہیں بلکہ سمجھدار اہل ملک کو انکی خودغرضانہ حرکتوں سے نقصان پہنچ رہا ہے، مختصر یہ کہ یہ جماعتیں اور یہ اشخاص گویا ملک میں اپنی ایک شخصی جابرانہ حکومت قائم کئے ہوئے ہیں، اور لیگ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اس جبر و استبداد کا پوری طرح انسداد بلکہ قلع قمع کیا جائے"

عبارتہائے مذکورہ سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ مسٹر جناح اور لیگ کی پالیسی اسوقت کیا تھی، اور وہ کس قدر آزادی خواہ اور ترقی پسند مسلمانوں کے قریب تر تھی، اسوقت اگرچہ وہ مکمل آزادی اور اس کے لئے ڈائرکٹ ایکشن کے مدعی نہ تھی، مگر رجعت پسندوں اور خوشامدی لوگوں سے بالاتر تھی، مسٹر جناح نے ۱۹۳۶ء کے الیکشن کے لئے جمعیۃ علماء ہند سے اتحاد و تعاون چاہا، وہ زمانہ ولنگڈن کی حکومت کا تھا۔ اور آزادی خواہ جماعتوں کی ہر قسم کی غیر قانونی جدوجہد پر سخت قانونی پابندیاں عاید تھیں، مسٹر جناح نے ہم سے چند گھنٹے گفتگو کی اور درخواست پر زور دیا اور کہا کہ میں ان رجعت پسندوں سے عاجز آگیا ہوں، اور ان کو رفتہ رفتہ لیگ سے خارج کر کے آزاد خیال ترقی پسند لوگوں کی جماعت بنانا چاہتا ہوں، تم لوگ اس میں داخل ہو جاؤ ہم نے عرض کیا کہ اگر آپ ان لوگوں کو خارج نہ کر سکے تو کیا ہوگا تو فرمایا کہ اگر میں ایسا نہ کر سکا تو میں تم لوگوں میں آجاؤں گا اور لیگ کو چھوڑ دوں گا، اس پر مولانا شوکت علی مرحوم اور دیگر

حضرات نے اطمینان کیا اور تعاون کرنے پر تیار ہو گئے، چنانچہ ہم نے پورا تعاون کیا اور تقریباً پونے دو مہینہ کی رخصت بوضع تنخواہ دار العلوم سے لی اور اتنی جدوجہد کی کہ انگریز پرست یونینسٹ پارٹی اور دوسرے رجعت پسند امیدواروں کو شکست ہوئی اور تقریباً تیس یا اس سے زائد ممبر لیگ کامیاب ہو گئے جس پر چودہری خلیق الزماں نے مجھکو خط میں لکھا کہ تیس برس کی مردہ لیگ کو تونے زندہ کیا، ہم نے لیگ کا تعارف عام مسلمانوں سے کرایا اور لیگ کی آواز کو ہر ہر جگہ پہنچا دیا۔ اس وقت مسٹر جناح نے جمعیۃ کا تیار کیا ہوا مینوفسٹو قبول کیا اور اسی کو تیج میں شائع کیا، جس کی پہلی دفعہ یہ تھی کہ اسمبلیوں اور کونسلوں میں اگر کوئی خالص مذہبی مسئلہ پیش ہوگا تو جمعیۃ علماء ہند کی رائے کو خاص وقعت اور اہمیت دیجائیگی۔

مگر افسوس ہے کہ لیگ نے کامیاب ہونے کے بعد پہلے ہی اجلاس لکھنؤ میں اپنے عہود اور اعلانات کو توڑ دیا، اور ان رجعت پسند خوشامدی، انگریز پرست لوگوں کو لیگ پارٹی میں داخل کرنے کے خواستگار پر زور طریقہ پر ہوئے، جنکو خارج کرنیکا اعلان کیا تھا، اور ان کی پرزور مذمت کر رہے تھے، اور جن کے متعلق ہر شخص کو معلوم تھا کہ ہمیشہ ان کی زندگی قومی تحریکات کی مخالفت اور انگریز پرستی میں گذری ہے، ان سے وہیں کہا گیا کہ آپنے تو وعدہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو نکالدیا جائے گا، آج ان کو لیگ میں لانے اور پارٹی میں جگہ دینے کی آپ کوشش کر رہے ہیں، تو بگڑ کر کہا کہ وہ پولیٹیکل وعدے تھے، علاوہ اس کے اور متعدد اعمال خلاف اعلان وعہود کئے جس کی بنا پر سخت مایوسی ہوئی، اور بجز علیحدگی اور کوئی صورت سمجھ میں نہ آسکی، انہوں نے مرکزی اسمبلی میں شریعت بل پاس نہ ہونے دیا، قاضی بل کی سخت مخالفت کی، انفساخ نکاح کے متعلق غیر مسلم حاکم کی شرط کو قبول کر لیا، آرمی بل پاس کیا، وغیرہ وغیرہ۔

الحاصل ایسے معاملات اس دس سالہ مدت میں کئے جن سے ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ حضرات مسلمان اور ملک کی مصالح کے لئے نہیں، بلکہ سرمایہ داروں، رجعت پسندوں، جاہ۔

پرستوں کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کرنے والے ہیں، اور اسی کے ساتھ ساتھ برطانیہ کے بھی حامی اور مددگار ہیں، اور حسب تصریحات فسٹو گورنمنٹ بھی انکی حامی ہو۔ اب آپ ہی غور فرمائیں کہ ان کے ساتھ رہنا اور ان کی مدد کرنا کس طرح پر جائز ہے؟

ہندوؤں کے ساتھ اتحاد اور دوستی بڑھانا خود ان کے دستور اساسی کا مستقل دستور ہے چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کے دستور اساسی کے صفحہ ۳ میں نمبر ۲ ضمن ۳ میں حسب ذیل الفاظ ہیں" دیگر اقوام ہند کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات اور اتحاد کو بڑھانا"

مذکورہ بالا احوال پر غور فرمایئے، پھر دیکھئے کہ آپ حضرات کا لیگ اور اس کے امیدواروں کی امداد اور جمعیتہ اور مسلم پارلیمنٹری بورڈ کو ناکامیاب بنانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے، نیز آپ کا کانگریس سے تنفر جیسا آپ تحریر فرمارہے ہیں کہاں تک صحیح ہے، اگر یہ تنفر کسی خاص شخص سے اس کی غلط کاریوں کی بنا پر ہے تو وہ دوسری چیز ہے، اور اگر نفس کانگریس اور اس کے اصولوں سے ہے تو میری سمجھ میں نہیں آیا میں امیدوار ہوں کہ جب کبھی ملاقات کی نوبت آئے تو آپ مجھکو واضح طور پر سمجھا دیں تاکہ میں اپنے خیالات اور اعمال کی اصلاح کرلوں،

صاحبزادہ کے متعلق جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اس میں بھی میری ہمیشہ سے رائے یہی رہی ہے اور اس پر عامل ہوں کہ نوجوان طلبہ کو اپنی تعلیمات کو پورا کرنا چاہئے، ایام طالبعلمی میں کسی عملی سیاست میں حصہ نہ لینا چاہیئے، ہاں اوقات فارغہ میں علمی سیاست میں حصہ لینا صحیح اور درست ہے، صاحبزادہ صاحب نے جو وتیرہ اختیار فرمایا ہے بالکل غلط ہے، ان کو اپنی استعداد علمی کی بالفعل جدوجہد کرنی چاہیئے۔ تعلیمی پروگرام پورا ہو جانے کے بعد جو چاہیں کریں ان کو اختیار ہے، علیٰ ہذا القیاس یہ بھی آپ کا خیال بالکل صحیح ہے کہ اس میں ان ناعاقبت اندیش مصاحبوں کی وجہ سے زبان درازی کی عادت ہوتی جاتی ہے، جس سے آیندہ اخلاق اور اعمال سخت خطرے میں ہیں۔

محترما! اس کو جہاں تک ممکن ہو"بالتی ہی احسن" ایسی صحبتوں سے بچایئے اور صرف تعلیم اور

اعمال صالحہ ضروریہ کا متعود بنائیے، یہی زمانہ اس کے سنبھالنے کا ہے، اگر اس وقت میں سنبھل گیا اقوال و اعمال، اخلاق درست ہوئے اور رہے تو مستقبل درخشاں ہوگا۔

مولانا اصلاحی صاحب واقع میں اصلاحی، نہایت نیک طینت اور مخلص ہیں، جہانتک میں نے ان کا تجربہ کیا ایسے للہیت والے، مخلص سچے دیندار، ذی علم و عمل اس زمانہ میں کم ملتے ہیں اور ان کو آپ کے ساتھ اور آپ کے تمام خاندان کے ساتھ جو تعلق ہے، مخلصانہ ہے، وہ تو اپنے خاص اعزہ اور خاندانوں کے مربیوں میں بھی فی زمانا بہت کم پایا جاتا ہے، میں تو ان کی آپ کے یہاں موجودگی آپ کے اور آپ کے خاندان کے لئے نعمت عظیمہ اور قابل رشک خوش قسمتی سمجھتا ہوں، ناسمجھ اور ناتجربہ کار بچوں کا مولانا موصوف کے منہ آنا اور گستاخی کرنا انتہائی ذلیل حرکت ہے، ایسی حرکات سے روکنا اشد ضروری ہے، مبادا کہیں مولانا برداشتہ خاطر ہو کر علیحدہ ہو جائیں گے تو نہ صرف ان بچوں کا بلکہ آپ کے تمام خاندان اور تمام گانوں کا نقصان عظیم ہوگا، ایسے ماحول میں بچوں کو سرزنش کیجئے اور اس قسم کی نازیبا حرکات سے سختی سے روکئے، اور مولانا پر زور ڈالئے کہ وہ متاثر نہ ہوں، مولانا کا ادب احترام ہر چھوٹے بڑے کو ملحوظ رکھنا چاہیئے، اور ان کے دل و دماغ پر ذرہ برابر کدورت نہ آنے دیجئے، نیز اپنے ملازمین وغیرہ پر بھی تاکید کر دیجئے کہ مولانا کی پاسداری اور خدمتگذاری میں کسی کوتاہی کو روا نہ رکھیں، گھر میں بھی اسکی تاکید کر دیجئے

آپ نے سید پور، کٹھیار، بھاگلپور کے واقعات کے متعلق دریافت فرمایا ہے، تو میں اڈیٹر زمزم کی پرسش پر لکھ چکا ہوں کہ وہ واقعات صحیح ہیں، مولانا ریاض الدین صاحب جنہوں نے اخباروں میں اس کو شائع کیا تھا، وہ خود سید پور کے باشندہ ہیں، وہ اور انکا لڑکا مولوی محمد صالح اس سفر میں ساتھ تھے، سونارائی سے ساتھ واپس ہوئے تھے ان سے تعارف مجھکو تقریباً پندرہ بیس برس سے حاصل ہے، میں سونارائی اپنے ایک مخلص دوست آفندی، احسان الحق مرحوم کی تعزیت کے لئے گیا تھا، جن کا ماہ شعبان میں ہی

سال انتقال ہوگیا تھا، وہاں سے واپس ہوتا ہوا چند گھنٹوں کے لئے سید پور میں بعض احباب کے اصرار پر اترا تھا، وہ سفر میرا کسی سیاسی غرض یا پروپیگنڈہ کی بنا پر نہ تھا، بغیر میری اطلاع کے احباب نے جلسہ اور تقریر کا اعلان کردیا تھا۔ ایسا پہلے کئی مرتبہ سید پور میں ہوچکا تھا۔ وہ تقریریں میری عموماً وعظ و نصیحت ہی ہوتی تھیں، مگر لیگیوں کو یہ خیال ہوا کہ اس کا یہ دورہ سیاسی پروپیگنڈہ کی بنا پر ہے، انہوں نے جو معاملہ کیا وہ نہ صرف خلاف اسلامیت تھا بلکہ خلاف انسانیت بھی تھا، مجھے افسوس ہے کہ قدرت نے اس کی پاداش سختی سے کی، میں نے کوئی بددعا نہیں کی تھی، بلکہ اس کا خیال بھی نہیں آیا تھا، ہاں ان کی ناشائستہ اور خلاف انسانیت حرکات پر طبعی طور پر صدمہ ضرور ہوا تھا، اللہ تعالے ان کو اور ہم کو ہدایت عطا فرمائے آمین۔ آپ اس کا خیال نہ فرمائیں اور نہ کبیدہ خاطر ہوں، انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص ہمارے آقا حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کی قوم نے کیا کیا نہیں کیا، ہم کیا چیز ہیں، ہم کو بھی صبر و استقلال اور دعا ان ہی کی طرح میں لانا چاہیئے۔

---

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۴) مولانا محترم۔ السلام علیکم، قبل اس کے کہ حضرت کی مزاج پرسی کروں یا اپنے کرمفرما مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی پیر بھائی کے حالات تحریر کروں، یہ عرض کرتا ہوں کہ خصوصاً سید پور بنگال اور بھاگلپور کے چھرے چلانے کا کیا واقعہ ہے، تاکہ ہم لوگوں کو حضرت سے معلوم کرکے یکسوئی اور تشفی ہو، دوسری گزارش ہے کہ آجکل الیکشن کا ہمہ وقت ہر جگہ چرچا ہے، اور تقریباً ہر جگہ کم و بیش دو پارٹیاں ہیں، بحث و مباحثہ اکثر اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسری پارٹی کے لیڈر و پیشوا کی شان میں چند لوگ برا بھلا کہنا شروع کردیتے ہیں، اکثر ناقابل برداشت ہوتا ہے، باوجودیکہ مجھے خود کانگریس سے سخت نفرت اور اس کا سخت مخالف ہوں، مگر جہاں تک تعلق حضرت کا ہے اس سے ایک انچ بھی الگ نہیں ہوں اور نہ انشاء اللہ تا حشر ہوسکتا ہوں حالانکہ میرے بڑے لڑکے کو بھی اس کے چند اسکول کے ساتھی و دوست و گھر و خاندان کے لوگوں نے باوجودیکہ اس کے سالانہ امتحان کا وقت سر پر ہے، جو بورڈ سے تعلق رکھتا ہے، مگر ووٹر وغیرہ بنانے کے کاموں میں لگا دیا گیا ہے، جس سے علاوہ اسکول کے وقت کے بقیہ سارا وقت اسی (باقی ص ۳۶۵ پر)

مجھکو عدیم الفرصتی اور پے در پے اسفار کی وجہ سے جواب میں تاخیر کثیر کی نوبت آئی کئی مرتبہ سفر ہی میں جواب لکھنا شروع کیا، مگر پورا نہ کر سکا۔ آج بھی سفر ہی میں ذرا فرصت پا لینے پر ضلع گوالپاڑہ آسام سے یہ عریضہ پورا کر رہا ہوں، جس کی ابتدا تقریباً بیس روز پہلے ہوئی تھی، اہلیہ محترمہ اور صاحبزادہ صاحب اور دیگر متعلقین و احباب بالخصوص مولانا اصلاحی صاحب سے سلام مسنون عرض کر دیجئے، دعوات صالحہ اور اتباع شریعت پر مداومت رکھئے، ذکر اور تسبیحات میں غفلت نہ کیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ ۱۱؍ جنوری ۱۹۴۶ء

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۴) جا رہا ہے جس سے میرے دیکھنے میں فی الحال نقصان تو بظاہر ایک تو تعلیم کا جو کہ مقدم، دوسرا یہ کہ لوگوں کے ساتھ میں پڑ کر بڑوں کے منہ آ کر بے حیا و بے شرم ہو جانا جس سے کہ والدین تک کا اولاد سے بیزار ہو جانا ہوتا ہے، باوجودیکہ وہ ایسے ماحول میں پڑ گیا ہے، اور بہت آزاد طبیعت پیدائشی ہے، یعنی جو اس کی سمجھ میں آ گیا، پھر اس سے جلدی ہٹتا نہیں، مگر پھر بھی میں کسی طرح پر اس جماعت میں اسکا پڑنا ہر اعتبار سے خلاف سمجھتا ہوں، اور اس سے الگ رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں، کیونکہ اسکے وجہ سے اور بہت سے تلون طبع لوگ اکٹھا ہو جاتے ہیں اور اکثر ایسے وقت پر میرے پیر بھائی اور محسن مولانا اصلاحی صاحب بھی ہوتے ہیں، تو ان سے باتیں بڑھ جایا کرتی ہیں، اسمیں وہ لوگ نہایت گستاخانہ الفاظ استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور اس سلسلہ میں اصلاحی صاحب کے درپے آزار ہو رہے ہیں، لہذا ایسی شکل میں جناب والا سے درخواست ہے، کہ ہم خادمان کو کیا حکم ہوتا ہے، تاکہ اس کے لفظ بلفظ تعمیل کی کوشش کیجاوے۔ والسلام

خادم فضل الرحمن خان سید صاری ۲۰؍ ذیقعدہ ۶۴ھ

قارئین بابو فضل الرحمن صاحب کے سوال اور حضرت امام العصر دامت برکاتہم کے مفصل اور صحیح جواب کو ملاحظہ فرمائیں، چاہیئے تو یہ تھا کہ بابو صاحب موصوف اپنی زبان کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کے امیدوار کی حمایت کرتے یا خاموش بیٹھ جاتے کیونکہ بھلے کا رچلایا جاتا مگر (باقی ص ۳۶۶ پر)

# مکتوب نمبر ۱۳۵

## بابو سراج الحق خانصاحب سیدھاری ضلع اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف، والانامہ ۲۶ رمضان ۲ شوال کو موصول ہوا۔ یادآوری کا شکرگذار ہوں مولانا وجیہ الدین صاحب مرحوم سے بخوبی واقف ہوں۔ بارہا ان کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا اس نالائق پر بہت کرم فرماتے تھے۔

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۵) زبان کیسے جائے۔ مگر بڑی دردناک داستان ہے۔

واضح ہو کہ بابو فضل الرحمٰن صاحب کے خط مورخہ ۲۰ ذیقعدہ سنہ ۶۲ھ کے روانہ کرنے کے وقت میرا قیام بابو صاحب موصوف کے یہاں تھا، بابو صاحب کے خط کی نقل میں نے لے لی تھی، حضرت کا جواب بھی نہ آیا تھا کہ ان کے بڑے صاحبزادے کے بچپن اور ان کے غلط کار دوستوں کی شرارت سے تنگ آکر کچھ سامان ساتھ لیا اور کچھ بابو سراج الحق صاحب کے یہاں رکھکر مکان چلا گیا کہ پھر اٹھا لیجاؤنگا، ۱۲ یوم ہوئے تھے کہ بابو سراج الحق صاحب کا محبت نامہ منجانب بابو حاجی نور الہدیٰ و بابو نور الحسن خانصاحبان پہونچا کہ تجھکو سیدھاری آنا اور رہنا ہوگا، ہم سب جمعیۃ کے ممبر اور علم دین کے قدردان ہیں، اگر تو نہیں آیا تو حاضر ہوکر سیدھاری لائیں گے، اور خدمت کو سعادت سمجھیں گے وغیرہ۔ مجبوراً چلا آیا۔ اور جب تک سیدھاری آب و دانہ ہے رہنا ہوگا۔ حضرت امام العصر کا جوابی والانامہ میرے ہی نام آیا تھا، جس کی نقل رکھکر میں نے بابو صاحب کو بھیج دیا تھا، اس موقع پر ہم ایک مسئلہ صاف کردینا ضروری سمجھتے ہیں جس کی تصریح۔۔ حضرات صوفیہ نے فرمائی ہے کہ ارادت فعل مرید کا ہے نہ کہ پیر کا، اس لئے اگر پیر ناخوش ہوکر فرمادے کہ تو میرا مرید نہیں یا اور کسی بات سے ناخوش ہو جائے تو اس سے بیعت شکست نہیں ہوتی، ہاں اگر مرید انکار کردے اور ارادت قائم نہ رکھے تو بیعت فسخ ہوجاتی ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ بابو فضل الرحمٰن صاحب نے سنہ ۵۱ھ میں روانگی حج کے سلسلہ میں اپنی گذشتہ زندگی پر نادم ہوکر حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم سے اپنے تعلقات قائم کرلیے، مگر بعد حج مکی مذہبی حالت جیسی کی تیسی رہی اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

دربارہ سلوک آپ کو اولاً استخارہ[1] مسنونہ سات مرتبہ کرنا چاہیئے، اور اگر اس کے بعد خواب میں کوئی اشارہ میری طرف معلوم ہو تو فبہا ورنہ اپنے رجحان قلبی کو دیکھنا چاہیئے۔ اسکے بعد اطلاع دیں میں ایک نالائق شخص ہوں، بجز حسن ظن احباب کوئی ذخیرہ نہیں ہے۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۵) [1] استخارہ کے معنی خدا سے بھلائی مانگنا اور ان امور کے متعلق آگاہی چاہنا جو پردۂ غیب میں ہیں، اور انسان شرعاً وعقلاً کسی فیصلہ کن نتیجہ پر پہنچ نہیں سکتا ہے، ایسے امور میں بلاشبہ اپنے تذبذب اور تردد کے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے مسنون طریقہ پر استخارہ کرنے کا عمل آنحضرت صلعم نے بتادیا ہے، وہ طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز نیت استخارہ الگ سے پڑھے مگر اوقات مکروہہ میں نہیں، اور کسی خاص سورت کی تعیین بھی نہیں ہے، البتہ بعض روایتوں میں قل یا اور قل ھو اللہ آیا ہے۔ نماز پڑھ کر ذیل کی عبارت پڑھی جائے اور جیسے ذہنی کردش پر ہو جائے دعا میں جہاں پر ھذا الامر آیا ہے، اپنی حاجت کا نام لے یا دل میں تصور کرے۔ انشاء اللہ سات مرتبہ تک ضرور دل میں خدا کی طرف سے القا ہو جائے گا، یا خواب ہی میں اشارہ ہو جائیگا۔ استخارہ مباح اور اور خیر محض میں ہوگا نہ کہ کسی واجب کے کرنے کے لیئے۔ اور اسی طرح کسی حرام اور مکروہ کے ترک کرنے کے لیے استخارہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مشہور بات ہے ”در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست“ سفر تجارت اور نکاح وغیرہ کے متعلق استخارہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت امام العصر استخارہ کرنے کا حکم اپنے معتقدین کو اکثر فرمایا کرتے ہیں تاکہ حکم نبوی کی تعمیل بھی ہو اور برکت و روشنی آدمی کے اندر پیدا ہو، اور یہی طریقہ سلف کا بھی رہا ہے۔ (دعاء استخارہ) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَ

# مکتوب نمبر ۱۳۶

حضرت مولانا نجم الدین صاحب تشریف لائے، آپ کا والا نامہ بھی ملا، بابو دھاج الحق صاحب کی اہلیہ مرحومہ کی وفات حسرت آیات پر صدمہ جملہ نیازمندوں اور متعلقین کو ہونا طبعی بات ہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ مولانا سے بھتیجے صاحب کے حافظ ہو جانے اور تراویح میں قرآن شریف سنانے کا حال معلوم ہوا، اس سے بہت خوشی ہوئی، میں نہ صرف اس کے والدین اور آنجناب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ بلکہ خاندان کو مبارکبادی دیتا ہوں، احادیث صحیحہ دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ یہ ایک عظیم الشان نعمت ہے کہ جس پر جسقدر بھی اظہار مسرت اور شکرگزاری ہو وہ کم ہے بیدھا ری کے احوال کچھ تو والا نامہ سے اور زیادہ تر مولانا کی زبانی معلوم ہوئے، دوسرے لوگوں کی غلط کاری سے صدمہ ہوا اور آپ کی استقامت اور خوش اسلوبی سے بہت زیادہ خوشی ہوئی میں اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ کریم کارساز آپ چاروں بھائیوں اور ان کے جملہ متعلقین کو تمام آفات دنیاویہ اور اخرویہ سے محفوظ رکھتا ہوا کامیاب و بامراد بناوے، اور ہمیشہ اپنی مرضیات پر چلائے، آمین، مولانا موصوف کا وہاں رہنا بہت ہی غنیمت ہے ان کے اخلاص وللہیت، اعلیٰ اخلاق و سچائی کو غنیمت کبری سمجھنا چاہیئے۔ اور اس کی قدر دانی سے استفادہ حاصل کرنا چاہیئے جو کہ محض فضل خداوندی سے آپ کو حاصل ہوئی ہے، میں اور دوسرے بھائیوں اہل سید ھاری کے لئے بھی دعا کرتا ہوں۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۷) اصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ ٥ استخارہ کی اور ترکیبیں قول الجمیل اور ضیاء القلوب میں موجود ہیں۔

# مکتوب نمبر ۱۳۷

## مولانا عبدالباری صاحب قاسمی، مبارکپور اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مجھکو یہ معلوم کر کے صدمہ ہوا کہ دارالعلوم کی موجودہ گڑبڑ کی وجہ سے آپ وہاں کے چندہ بند کرا رہے ہیں، اور تمام اطراف وجوانب میں اس امر کے لئے دورہ کر رہے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ یا تو آپ کو خبریں غلط پہنچائی گئی ہیں، یا کچھ غلط فہمی ہوئی ہے، یا یہ خبر ہی غلط ہے، بہرحال انتظامی معاملات میں کوئی فریق غلطی پر ہو یا دونوں غلطی پر ہوں، چندہ تو تعلیم علوم دینیہ کی بنا پر ہے، وہ بحمد اللہ علی اکمل الوجوہ جاری رہے۔ زید پڑھائے یا عمرو۔ اس لئے چندہ جاری رہنا ضروری ہے، اور اس کی ساکھ میں فرق نہ آنا چاہیئے، اس لئے میں امیدوار ہوں کہ اگر آپ نے اس قسم کا کوئی اقدام کیا بھی ہے تو اس سے رک جایئے اور خود جا کر وہاں بے طرف ہو کر تحقیقات کیجئے، یا میری آزادی پر موقوف رکھئے، واقعہ یہ ضرور ہے کہ اگر میں آزاد ہوتا تو غالباً یہ دلخراش واقعات نہ پیش آتے، یہ یقینی بات ہے کہ اس میں حکومت کا ہاتھ ہے اور خود غرض اور غلط کار لوگ اس کے اغراض پورا کرنے کے آلات بن رہے ہیں، واللہ اعلم

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

# مکتوب نمبر ۱۳۸

## مولانا شمس الدین صاحب مبارک پور اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج مبارک، مولوی صاحب موصوف جب کہ میں ایک جلسہ کے سلسلہ میں تقریر کرنے جا رہا تھا۔ تو سڑک پر ملے، میں نے انکو کہا کہ مکان پر چلئے میں ایک گھنٹہ کے بعد آؤں گا، مگر وہ وہاں نہیں گئے۔ اور جا کر کسی مسجد

میں بھوکے سو گئے صبح مجھکو سفر کرنا تھا، ملے جب یہ حال معلوم ہوا۔ میں نے گھر پہنچ کر دریافت کیا تھا، اور کھانیکے وقت تلاش کیا تھا، مگر پتہ نہ چلا۔[1] مجھے اس کا افسوس ہے، ان سے معافی طلب کرتا ہوں۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۱۳۹

## میانجی محمد یوسف صاحب مبارکپور ضلع اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف، آپ ذکر پر مداومت فرمائیں، اور جہاں تک ممکن ہو اپنے نفس اور قلب پر قابو رکھیں اور اگر بے قابو ہونے لگیں تو درود شریف پڑھتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کریں، کاروبار معیشت کا چھوڑنا بالخصوص جب کہ والدین ماجدین پیرانہ سالی میں ہیں اور ان کو ضروریات زندگی در پیش ہیں کسی طرح قرین عقل و مروت نہیں ہے، ان کی تابعداری اور خدمتگذاری نہ صرف فریضہ انسانی ہے بلکہ عبادت بھی ہے، نماز تہجد اگر ہو سکے فبہا ورنہ فرض نہیں ہے سونے سے پہلے چار رکعت پڑھ لینا اسی نیت سے مبارک امر ہے، سوتے وقت اواخر سورہ کہف[2] پڑھ لینا آنکھوں کے کھلجانیکا ذریعہ ہے۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ،

---

[1] حضرت امام العصر کے اخلاق کا یہ ادنی پر تو ہے کہ مہمان خود غلطی کر کے تکلیف کا مورد بنے اور الٹے حضرت ہی اس سے معافی چاہیں، اللہ اکبر یہ ہے خلق ابراہیمی اور یہ ہے اللہ والوں کی شفقت کہ جس کو سمجھنا اور سمجھانا دشوار ہے۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۹) درود شریف کے برکات پر مستقل کتابیں موجود ہیں حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ فقرہ کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ وجدنا ما وجدنا فرماتے ہیں، ہم کو جو کچھ بھی ملا اسی درود شریف کی برکت سے حاصل ہوا، چنانچہ مشہور ہے "ہر مرض کی دوا درود شریف" ہاں یہ واضح رہے کہ درود شریف کے اثرات اسی وقت ہوتے ہیں جب پڑھنے والا پابند شریعت اور بدعت سے دور ہو ورنہ بجائے خوشنودی کے الٹے آنحضرت صلعم کی خفگی اور ناراضگی کا باعث ہوگا۔ پھر کہاں ٹھکانا ہوگا۔

[2] سورہ کہف کی آخری آیات یہ ہیں۔ (دیکھو ص ۳۷۱)

# مکتوب نمبر ۱۴۰

## سید اسلم حسین صاحب رئیس نگرام ضلع لکھنؤ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اسوقت میرے سامنے آپ کا والانامہ محررہ ۲۹ رصفر ہے۔ امور مسئولہ عنہا کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ فتوی اور تقوی میں فرق ہے۔ بحیثیت فتوی جو زمین مورث سے حاصل ہوئی ورثا کو آپس میں تقسیم کرنا حسب شرع ضروری ہوگا۔ اس کی تفتیش کہ مورث نے کل جائداد یا بعض جائداد جائز طریق پر حاصل کی ہے۔ یا ناجائز طور پر ضروری نہیں ہے۔ اور اس کو حلال ہوگا کہ جو کچھ اس کا حق حصہ رسد پہنچتا ہے، اس میں مالکانہ تصرف کرے، اگر اس کے کسی حصہ میں یا سب میں مورث ناجائز طور پر مالک ہوا تھا وہ اس کا ذمہ دار ہے، ہاں اگر کسی مخصوص جائداد پر قطعی طریقہ پر علم ہو جائے کہ یہ جائداد حرمت صریحہ رکھنے والی ہے، کوئی صورت جواز کی نہیں ہے تو البتہ وارث پر واجب ہوگا کہ مالک پر رد کر دے، ہمارے دیار کی موروثہ زمینوں میں بسااوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ بہنوں اور بیٹیوں نے اپنے حصص کو بخوشی یا بخوف بدنامی معاف کر دیا ہے، اور ایسا بھی ہوا ہے کہ ان کے باپوں اور بھائیوں نے اپنے اوپر لڑکیوں کے اس قدر مالی حقوق لازم کر لئے تھے جو کہ بہت مرتبہ ان کے حصص سے بھی مجموعی طور پر زیادہ ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ شرعی طور پر بیٹی کو زیور، جوڑے، جہیز وغیرہ دینا اور ہر

---

(بقیہ ص ۳۷۰) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝ ان کو پڑھ کر کہے کہ خدایا مجھکو فلاں وقت جگا دیجئے۔ مجرب ہے۔

تیوہار اور ہر تقریب ولادت، ختنہ، خطبہ (منگنی) نکاح وغیرہ پر لڑکیوں اور ان کی اولاد پر اخراجات عمل میں لانا شرعی حیثیت سے لازم نہیں ہے۔ اور دیار عربیہ میں اس پر عملدرآمد بھی نہیں ہے۔ بلکہ تقریباً تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا وجود نہیں ہے، اگر کہیں پایا بھی جاتا ہے تو بہت کم۔ تو متقدمین بطور حساب دوستان در دل اس کو عمل میں لاتے ہیں لڑکیاں بھی اس کا احساس کرتی تھیں، اور بھائیوں پر اپنے اس قسم کے حقوق لازم جان کر بزور مطالبہ کرتی تھیں، اس قسم کے اور بھی بہت سے احتمالات ہیں ان کے موجود ہوتے ہوئے مفتی قطعی طور پر فتویٰ نہیں دے سکتا کہ ہمارے اسلاف کی جائدادیں حرام محض ہیں، ہاں بحیثیت تقوی جس میں "دع ما یریبك الی مالا یریبك" کا ارشاد ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ممکن درجہ تک احتیاط برتی جائے اور دختری رشتہ داروں میں سے جو موجود ہوں یا تو ان کا حصہ حسب فرائض دیا جائے یا ان سے معافی طلب کی جائے، اور اسلاف کے لئے حسن ظن اور استغفار دونوں کو عمل میں لایا جائے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۱۴۱

## مولانا محمد فہیم صاحب بگرام ضلع لکھنؤ کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خواب دونوں اچھے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ پہنچے گا۔ دلائل الخیرات، حزب البحر اور مناجات مقبول سب کی اجازت ہے، جسمیں سہولت سمجھیں پڑھیں، تمام ادعیہ مطلوبہ کی اجابت کی دعا کرتا ہوں۔

مزار پر جاکر جو ذکر ہمیشہ کرتے ہیں اسکو کرنا چاہیئے، ان کی برکت سے اسمیں ترقی ہوگی،

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد۔ از دیوبند۔

# مکتوب نمبر ۱۴۲

## نواب جاہد حسین صاحب محلہ میاں سرائے قصبہ سنبھل مراد آباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مبلغ ما عہ کا منی آرڈر بھی موصول ہوا۔ جو کہ حسب الحکم جہاں جہاں مناسب سمجھا گیا بطور صدقہ نافلہ دیدیا گیا، میں امیدوار ہوں کہ آئندہ اس کے تقسیم کا ثقل مجھ پر نہ رکھیں گے۔ بلکہ اپنی صوابدید سے سنبھل وغیرہ میں تقسیم کروایا کریں گے۔ جو زمین کفار سے خریدی گئی ہے، اس میں عشر نہیں ہے، اگر بطور استحباب دیدیا جائے بہتر ہے جو لگان گورنمنٹ وصول کرتی ہے وہ حربی زمین میں کافی ہے، البتہ اگر اس کی آمدنی خواہ غلہ ہو یا نقد بطور تجارت کام میں لائی جائے، اور اس پر سال گذر جائے تو اموال تجارتیہ کی زکوٰۃ کے طریقے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۱ رمضان المبارک ۶۹ھ

# مکتوب نمبر ۱۴۳

## محمد منشی صاحب شورہ کوٹھی، سرائے دانشمند خاں سبزی منڈی دہلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آنجناب کسی غلطی میں نہ رہیں میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے نہیں ہوں، حضرت کی اولاد کے لوگ رامپور میں اور خود دہلی میں خانقاہ مجددیہ میں موجود ہیں۔ میرے مرشد و آقا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز ہیں۔ انہوں نے اگرچہ مجھکو چاروں طریقوں میں بیعت فرمایا تھا، جن میں کہ طریقہ نقشبندیہ مجددیہ بھی ہے۔ مگر اصلی طریقہ اور عام تعلیم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی چشتیہ صابریہ کی تھی، بنابریں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آنجناب حسب مرام کسی اور بزرگ کا قصد فرمائیں جو کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز سے روحانی اور جسمانی دونوں

نسبتیں رکھتا ہو۔ یا صرف روحانی اور متبع شریعت اور ماہر طریقت ہو، میری ظاہری معذوری تو ظاہر ہے، باطنی حیثیت بھی نہایت گندی ہے اور پھر یہ اصلی مقصد جس کو آپ تلاش فرمارہے ہیں وہ مفقود ہے۔ خان محمد صاحب کی خدمت اقدس میں بھی بعد از سلام مسنون یہی عرض پہنچا دیجئے۔ یہاں اگر کوئی صاحب تشریف لائیں بھی تو ملاقات نہیں ہو سکتی۔ معذوری ظاہر ہے۔ والسلام

دعاگو قدیم چراغ محمد غفرلہٗ ۲۲ رجادی الثانی ۶۲ھ

## مکتوب نمبر ۱۴۴

## مولانا محمد طیب صاحب ساکن حلیمی ڈاکخانہ باراہاٹ ضلع بھاگلپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف، ڈاکٹری علاج میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی دوا کے متعلق بالیقین یا بغلبۂ ظن یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ناپاک اور ناجائز ہے تو اس دوا کو استعمال نہ فرمایئے، مطلق ڈاکٹری علاج میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب مرحوم وغیرہ کا علاج کیتے رہے ہیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

## مکتوب نمبر ۱۴۵

## مولوی عبد الحکیم صاحب مرحوم۔ بھاگلپور (بہار) کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کی پہلی حالت کا تغیر غالباً کسی گناہ کا نتیجہ ہے، جس سے استغفار کی ضرورت شدید ہے، اس استغفار میں اس قسم کے الفاظ ہونے چاہیئے اللّٰھم اغفر ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم بہ منی یا کریم ان الفاظ کے معانی کا خیال کرتے ہوئے، علاوہ ان الفاظ استغفار کے جو

آپ کو بتائے گئے تھے، جس قدر ممکن ہو روزانہ کر لیا کریں، علی الاقل تین سو مرتبہ تو ضرور ہو جایا کرے۔ جب کہ آپ کو ضعف دماغ تھا، اور ذکر بالجہر پہ آپ قادر نہ تھے، تو اس وقت کیوں فرمایا کہ میں کوئی دوسرا ذکر بتاتا۔ غالباً میں نے آپ کو پاس انفاس بتایا تھا، آپ اس پر عمل کریں۔

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد ۱۲ ذی الحجہ ۵۲ھ

## مکتوب نمبر ۱۴۶

میرے محترم! اس ذلیل و خوار عالم دنیا میں اگر مستحق لذت و راحت ارباب خیر و تقویٰ ہوتے تو سب سے زیادہ متنعم اور غنی اور راحت میں بسر کرنے والے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوتے۔ اگر ان ہی کی پاک زندگی کو دیکھئے، وہ سب سے زیادہ تکالیف شاقہ میں نظر آتے ہیں، پس ان تکالیف سے گھبرانا نہ چاہیئے اور نہ حرف شکایت زبان پر لانا چاہیئے، بلکہ شکر کرنا چاہیئے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو وہ چیز عطا فرمائی ہے جو اپنے انبیاء اور خاص خاص اولیا کو عطا فرمائی ہے، اور باوجودیکہ اس کی قدرت میں اس مصیبت سے بڑھ کر عظیم الشان مصائب تھیں مگر ان سے محفوظ رکھا اور ایک چھوٹی مصیبت میں مبتلا کیا اور بالفرض شکر نہ کریں تو کم از کم صبر تو ضرور ہی کریں، جزع فزع شکایت شکوہ سے بچیں، دل اور زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر وقت مشغول رکھیں، اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ گناہوں کی خواستگاری ملحوظ نظر رکھیں، غیر اللہ خواہ وہ زن فرزند ہی کیوں نہ ہوں ان کو دل میں جگہ نہ دیں، دل میں جگہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۶) حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے عجیب عارفانہ و حکیمانہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ، باوجودیکہ اس کی قدرت میں اس مصیبت سے بڑھ کر عظیم الشان مصائب تھیں، مگر ان سے محفوظ رکھا اور چھوٹی مصیبت میں مبتلا کیا، اگر آدمی کی نظر اسی بات پر مستحکم ہو جائے تو مصیبت میں بھی معرفت خداوندی کے ساتھ خدا سے نگاہ میں حلاوت آنے لگے اور مقام والذین آمنوا اشد حبا للہ میں پھر کوئی گنجلک نہ رہ جائے اور ساری محبتیں عارضی ہو کر رہ جائیں، دوسری جو چیز اس امام شریعت و طریقت نے (باقی ص ۳۷۶ پر)

اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ کو دینی چاہیئے، اس کے سوا کوئی بھی دل لگانے کے قابل نہیں ہے۔ ہاں حقوق سب کے ادا کرتے رہیں، اور سب کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں۔ سب کا متکفل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۱۴۷

## مولانا عبدالرؤف صاحب پشاوری امام جامع مسجد منصورپور ضلع مظفر نگر کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ مراقبہ وَفِی اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ یعنی مسمیٰ ذات مقدسہ بلاکیف وکم کما یلیق بشانہٖ مع غایۃ التعظیم والجلال قلب میں موجود ہے، اس میں جس درجہ ممکن ہو جدوجہد جاری رکھیئے، ذکر اسم کو بھی اسیکا وسیلہ کیجئے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۵) حل فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ قرب خداوندی اور خوشنودی باری کی دلیل مصائب و تکالیف کا بندے پر آنا ہے، چنانچہ رنج وغم، تکلیف ومصیبت بیماری اور فقر وفاقہ حتی کہ اللہ کی راہ میں معمولی سا کانٹا بھی چبھتا ہے، وہ بندے کے گناہوں کا کفارہ اور قرب خداوندی کا سبب ہوتا ہے، بقول حضرت ابراہیم خواصؒ مصائب پر صبر کرنا نام ہے کتاب وسنت پر ثابت قدمی کا اور جب یہ چیز حاصل ہوگئی تو مصیبت خود ایک بڑی نعمت بنجاتی ہے، جو نادانی سے کچھ اور سمجھ لی گئی ہے اسی عام غلط فہمی کو حضرت امام العصر نے دور فرماکر ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا ہے، اور خدا سے اتنا قریب کر دیا ہے کہ جس طرح ذکر اور کثرت نوافل سے بندہ زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کر لیتا ہے، مصائب و آلام کے وقت ملحد اور بے دین تک کو دیکھا گیا ہے کہ آخر میں خدا ہی کو یاد کرتا ہے، دریاؤں میں جب گھر جاتا ہے اور خشکی میں جب پکڑا جاتا ہے تو سوا خدا کوئی اور یاد نہیں آتا، آخر یہ یاد کیا چیز ہے، وہی ناکہ خدا، اللہ رحمٰن رحیم کی ذات یاد اور کچھ جو ٹوٹا ہوا تھا آخر اگر جڑا تو اسی سے جس سے جڑنا چاہیے تھا، اور جسکو دنیا کی کوئی طاقت اور وعظ قریب نہ کر سکا۔ اس کو مصیبت نے بالکل قریب کر دیا تیل کے اوٹ میں پہاڑ اور مصیبت کے پردہ میں قرب محبت ہے فلسفہ ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ

ہر آں کو غافل از حق یک زمان است | ہماں دم کافر است اما نہان است
مبادا غائبی پیوستہ باشد | در اسلام بروے بستہ باشد

مراقبہ میں لذت کا محسوس ہونا بہت امید افزا ہے۔ اللہم زد فزد۔ مگر مقصد اصلی وہی ذات فاطر السمٰوٰت والارض اور اس کی رضا ہونی چاہیئے اور بس نہ لذت اور نہ کوئی مرتبہ ولایت قطبیت وغوثیت وغیرہ۔

دنیا و آخرت را بگذار و حق طلب کن | کایں ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

والدہ صاحبہ کو صبح و شام تسبیحات ستہ بتلا دیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۱۴۸

## مولانا سید انظار احمد صاحب قاسمی دہلوی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف، احوال معلوم ہوئے پاس انفاس کا جاری ہونا مبارک ہو، اس کا خیال رکھیئے چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھڑے غرضکہ ہر وقت میں خیال رہے، آپ جس وقت خصوصی میں اسکی مشق کرتے تھے، اہمیں ذکر قلبی شروع کر دیجئے۔ اس میں زبان کو حرکت نہیں دیجائیگی، نہ سانس کی طرف توجہ کیجائیگی بلکہ قلب سے تلفظ اللہ نکالا جائے گا، یعنی یہ خیال باندھا جائیگا کہ قلب جو کہ بائیں پستان سے چار انگل نیچے واقع ہے اور جہاں ہر وقت دھڑکن محسوس ہوتی رہے، یہاں سے یہ اسم مقدس نکل رہا ہے اور اسی کو شمار کرتے جایئے۔ ایک مجلس میں یا چند میں اولاً دن رات میں دو ہزار بار کیجئے، اور پھر آہستہ آہستہ بڑھا کر پانچ ہزار تک کر لیجئے، سانس کا ذکر جاری ہو تو اس کو بند نہ کیجئے اس کو جاری ہونے دیجئے، مگر قلب کا ذکر با خیال جاری کیجئے اور یہ تصور سامنے رہے کہ قلب کا مقصود اور محبوب حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ بے چین ہو کر اسکو

یاد کرہ ہے "من احب شیئاً اکثر ذکرہٗ" باقی اعمال حسب دستور جاری رہیں اگر صبح سے پہلے آنکھ نہیں کھلتی ہے تو سونے سے پہلے بہ نیت تہجد جس قدر نوافل ہو سکیں پڑھ لیا کریں۔ وقت غنیمت سمجھیں اور ذکر میں تکاسل نہ کریں ع من نہ کردم شما حذر بکنید۔

والسلام :۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

## مکتوب نمبر ۱۴۹

## مولانا حمید الدین صاحب سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نام

"چنانکہ سلاطین ذوی الاقتدار سماحت شعار اموال نذر و نیاز را در مخارج خاصہ خود صرف نمی نمایند بلکہ در مخارج سایر اہل عزت و افتخار مثل شاہزادہ ہائے عالی مقدار و امرائے کبار تجویز بذل نمی فرمایند۔ بلکہ مصارف ایں اموال نزد ایشاں ذوی الحاجات و انعامات اند و بس ہمچنیں حضرت ملک الاملاک اموال زکوٰۃ را بر پیمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہ مخارج آنجناب فی الحقیقت از مخارج خاصہ حضرت رب الارباب است و بر سائر بنی ہاشم کہ علاقہ اخوت و نبوت باآں جناب می داشتند تحریم فرمودہ و مصارف آں اموال از ذوی الحاجات معین نمود پس کسانیکہ برایشاں صدقات تحریم فرمودہ اند عزت و افتخارے حاصل شدہ کہ شکر آن ہیچ زبان ادا نمی تواند کرد اگر فقط در مقابلہ ہمیں نعمت صدہا انواع عبادات و ہزارہا اقسام طاعت بجا آرند ایشاں را می سزد و نسبت مقابلہ مثل ایں نعمت عظمیٰ بکفران و ارتکاب عصیاں بکدام پایہ می رسند[۱]" (صفحہ ۹۳ صراط مستقیم، ملفوظات حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ)

[۱] عبارت صراط مستقیم کا مفہوم درج ذیل ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ جسطرح بڑے بڑے سخاوت پیشہ بادشاہ نذر و نیاز کے مالوں کو نہ اپنے ذاتی خرچ میں لاتے اور نہ دوسرے معزز لوگوں جیسے شہزادگان اور امراء کرام پر صرف فرماتے ہیں، بلکہ ان مالوں کا مصرف ضرورت مندوں اور انعام و اکرام ہی تک محدود رہتا ہے اسیطرح اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کو اپنے پیغمبر اور تمام بنی ہاشم پر صرف کرنا بسبب رشتہ آنحضرت صلعم حرام قرار دیدیا ہے، کیونکہ آنحضرت صلعم کے مصارف (باقی ص ۳۷۹ پر)

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ابوعصمہ کی روایت کو تم اس زمانہ میں ترجیح دینا مناسب سمجھتے ہو، اسماء رجال میں ابوعصمہ کو غیر معتبر شمار کیا گیا ہے، فقہاء[1] اس روایت کو خود شاذ لکھتے ہیں، جو علت اس روایت کی ذکر کی گئی ہے وہ خمس سے بنی ہاشم کا محروم ہو جانا ہے، جس کا سبب بیت المال کا فساد ہے، مگر یہ تعلیل نص کے معارض ہے نص میں اسکو اوساخ ناس کہا گیا ہے۔ روایات صحیحہ دیکھو، کیا محتاج سے محتاج کے لئے اوساخ کھانا کوئی صاحب عزت ومروت جائز کریگا؟ مضطر کے لئے تو میتہ بھی حلال ہے، مگر بحث غیر مضطر میں ہے پس یہ تعلیل جو اس فتوی کی بعض متاخرین ذکر کرتے ہیں اور خود اس روایت کی وجہ امام سے کتب میں دکھائی گئی ہے، قابل اعتماد نہیں ہم اگر اس سے قطع نظر کریں تو بھی بنی ہاشم اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت فقر وفاقہ آج کل کے فقراء بنی ہاشم سے دنیاوی معیشت کی حیثیت سے بہت زیادہ گری ہوئی تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کا چکی پیسنا جس سے ہاتھوں میں گھٹے پڑ جاتے، پانی بھرنا جس سے کندھوں پر گھٹے پڑ جاتے اور اس وجہ سے خادم طلب کرنا اور پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو خادم نہ دینا احادیث میں مذکور ہے، کتاب اللفظ میں قانون پر گذران کرنا اور زینار نقطہ یا ناد وغیرہ مذکور ہے جس سے انکی تنگی معیشت کی انتہائی

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۸) حقیقتاً مصرف خاص اللہ تعالیٰ کے مانند ہیں، لہذا ان امور کا صحیح مصرف ناحتمندوں کو قرار دیدیا ہے پس جن لوگوں پر صدقات ناجائز قرار دیدیا ہے یہ عین انکی عزت افزائی کا باعث ہے جسکا شکریہ کسی زبان سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اگر اسی ایک نعمت کے عوض سیکڑوں عبادتیں اور طرح طرح کی نیکیاں بجالائی جائیں تو سزاوار ہے اور اس نعمت غیر مترقبہ کے مقابلہ میں کفران نعمت، اور گناہوں کے ارتکاب کا انجام بھی سوچ لیا جائے۔

[1] ابوعصمہ کی اس روایت کے متعلق علامہ بحر العلوم ارکان میں فرماتے ہیں: "وقد افتی بعض المتاخرین بھذہ الروایات وہذا کثر خطاء وغلط لانہ مخالف للنصوص القاطعۃ" کیونکہ ابوعصمہ کے متعلق اسماء رجال میں بھی جرح موجود ہے چنانچہ امام بخاری ابن معین دارقطنی ابوحاتم، مسلم، دولابی، ابوعلی وغیرہم ذاہب الحدیث، منکر الحدیث کذاب اور یتشیع تک کے الفاظ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔

حالت معلوم ہوتی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پوستین پہنکر فاقہ سے تنگ ہو کر نکلنا اور یہودی کے باغ میں ایک ایک کھجور پر ڈول بھرنا وغیرہ اس قدر واقعات ہیں کہ جن کو اگر دیکھا جائے کہ خود زمانہ سعادت میں آجکل کے فقر و فاقہ سے نہایت زیادہ سخت حالت بنی ہاشم کی معلوم ہوتی ہے، مگر اس وقت میں اجازت نہیں دی گئی۔ اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ آج اس پر فتوی دیکر مقابلہ نصوص کیونکر کیا جائے، اور ظاہر الروایات اور احادیث صحیحہ کو ترک کیا جائے، اور اگر بالفرض ایسا کرنا ہی ہے تو صدقات نافلہ کی اجازت دیجانی چاہیئے، اور اگر ضرورت ہی ہو تو تملیک کا طریقہ کیوں نہ اختیار کیا جائے، مراط مستقیم کی عبارت کو میں اسی واسطے پیش کر رہا ہوں تاکہ سمجھ میں آئے کہ کتنی عظیم الشان نعمت بارگاہ الہی سے بنی ہاشم کو عطا کی گئی ہے اس کے ہوتے ہوئے ہزار فاقہ بھی تحمل کئے جا سکتے ہیں۔ ہاں اگر حالت شرعی اضطرار کو پہنچی ہو تو البتہ بقدر اضطرار مثل میتہ اجازت ہوگی۔

ہماری مدت اسارت قاعدہ سے ۲۶ جنوری کو ختم ہونی چاہیئے مگر میں نے مشقت لے لی تھی، اس بنا پر حسب قاعدہ تقریباً ایک ماہ کی تخفیف ہو سکتی ہے یعنی ۲۶ دسمبر تک چھوٹ سکتا ہوں، مگر دوران اپیل میں پہلے دفعہ ۱۲۹ آگئی تھی اور پھر دفعہ ۲۶ سے بدل دی گئی یہ دونوں نظر بندی کی ہیں، پہلی فقط مقامی حکومت کے زیر حکم ہوتی ہے، جس میں دو مہینہ تک نظر بند کیا جا سکتا ہے، اور دفعہ ۲۶ گورنمنٹ آف انڈیا کے زیر حکم ہوتی ہے جس میں جنگ کے اختتام تک نظر بند رکھا جا سکتا ہے، عموماً کانگریسیوں کی دفعہ یہی ہے، اس بنا پر نہیں کہا جا سکتا کہ کب رہائی ہوگی۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

## مکتوب نمبر ۱۵۰

### مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب صدر القراء دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے مندرجہ ذیل کلمات صدمہ کے باعث ہوئے

"یہ غلام ناکارہ جو کہ حضرت کی خدمت سے باوجود اس علم کے کہ حضرت والا کی خدمت اس نالائق پر فرض و باعث فلاح دارین ہے۔ یکسر عاری ہے، بمد خداوندی دس روپئے کی نہایت حقیر رقم حضرت والا کی خدمت میں پیش کرنیکی جرأت کرتا ہے۔ اور نادم ہے کہ خدمت پیر بایں رقم حقیر اور اپنے حال پر افسوس کرتا ہے۔" الخ

اس سے معلوم ہوا کہ تعلقات بین المرید والمرشد خدمات مالیہ کے لئے ہیں جنمیں زیادہ سے زیادہ قربانی کی ضرورت ہے، حالانکہ یہ بالکل خلاف ہے، اگر آپ کا یہ ہی خیال ہے تو نہایت افسوس کی بات ہے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو ان مشائخ کے لئے ہو سکتا ہے جو کہ محض توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور ذرائع معاش سے خالی ہوں، نہ کہ اس شخص کے لئے جو کہ سگ دنیا ہو، علوم دینیہ پر اجرت لیتا ہو، اور اجرت بھی اتنی بڑی جو کہ تقریباً پانچ سو روپیہ ماہوار ہوتی ہے۔ ایسے شخص کو مرشد بنانا ہی غلط ہے کاش آپ بجائے اس کے اپنے ذکر و شغل کی بلند حالتیں ذکر فرماتے تو بہت خوشی کی بات ہوتی، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ۲۹ رمضان ۱۳۶۹ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۰) امام العصر دامت فیوضہم کا یہ والا نامہ بھی اپنے اندر غیر معمولی معنویت رکھتا ہے، اور عہد حاضر کے دوکاندار اور پیری مریدی کا ڈھونگ رچانے والے دلالوں اور مکاروں پر ایک شدید تازیانہ ہے، جو نہ علم دین اتنا جانتے کہ مدارس دینیہ میں اس کی خدمت کر سکیں اور نہ علم دنیا کہ اسکولوں اور کالجوں میں پیٹ پالیں، ان کی مثال دھوبی کے اس کتے کی ہے جو نہ گھر کا اور نہ گھاٹ کا، باقی صحیح توکل، قناعت اور ایثار کی زندگی، سادگی، اور بے نفسی، علم و عمل میں جامعیت اور کمال، حب فی اللہ اور بغض فی اللہ پیکر خلق نبوی کی جیتی جاگتی تصویر، اعلاء کلمۃ الحق اور حریت جہاد میں سلف کا کامل ترین نمونہ (باقی ص ۳۸۲ پر)

# مکتوب نمبر ۱۵۱

## مولانا عزیز الرحمٰن صاحب علیم آباد نہروٹی ضلع دربھنگہ ڈاکخانہ مکتول کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا۔ اور جماعتِ پنجگانہ کی پابندی اور اس میں چستی باعثِ فرحت وسرور ہوئی۔ اللّٰھم زد فزد خطرات

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۱) جو سچے مشائخ اور شیخ کامل کی علامت و پہچان ہے، حضرت امام العصر کے سوا ان کے معاصرین میں من کل الوجوہ کس پر یہ تعریف صادق آتی رہی ہے؟ مگر زمانہ کی ستم ظریفی کہ دنیاوی کاموں اور جسمانی امراض کے لئے اپنے مقدور بھر اچھے وکیل ومختار اور تجربہ کار طبیب و ڈاکٹر کی تلاش ہوتی ہے اور اسی کیطرف رجوع کیا جاتا ہے اور پھر آنکھ بند کرکے اسکو آمنا وصدقنا کہا جاتا ہے لیکن طبیب روحانی کے لئے اچھے مشائخ اور مرد کامل کے ہوتے ہوئے تھرڈ کلاس کے نام نہاد جن کا مبلغ علم اردو کی کتابوں ہی تک محدود ہے اور عربی کی اتنی استعداد نہیں کہ متقدمین صوفیہ کی کتابوں کو سمجھ سکیں، عربی بولنا اور لکھنا تو انکی اس زندگی میں ممکن ہی نہیں، مو اگر ایسوں کو پیر بنایا گیا تو یقیناً وہی حشر ہوگا جو مشہور ہے "نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملا خطرۂ ایمان"۔ پیر کی تلاش کے واقعات فارسی تذکروں وغیرہ میں بہت سے موجود ہیں، ممکن ہے لوگوں کو فرصت نہ ملے اس لئے ہم ایک زبردست اور ثقہ شہادت جو الحمد للہ پیر اور مرید دونوں بقید حیات ہیں اور خدا کرے تا دیر باقی وقائم رہیں اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں تاکہ عبرت کیساتھ بصیرت بھی ہو، وھو ہذا۔

صدر القرا مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مدرس دار العلوم دیوبند کے والد بزرگوار سے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم کو خاص تعلق تھا، اس لئے حضرت مدنی کا آنا جانا بھی ہوا کرتا تھا، قاری حفظ الرحمٰن صاحب کو بھی اس تقریب سے تعلق تھا، مگر وہ عقیدت کے درجہ تک نہ تھا، اور حضرت کے علم واخلاق کے اعتراف کے باوجود سیاسی مشاغل پونکہ چینی حدود کے اندر رہا کرتی تھی، چونکہ مزاج میں آزادی تھی، اس لئے دار العلوم میں رہتے ہوئے بھی اکابر کی خدمت میں حاضری کا بہت کم اتفاق ہوتا تھا، اور اصلاح نفس کا خیال تو آتا ہی نہ تھا، چند سال بعد پیر کی تلاش کا جذبہ دل میں پیدا ہوا (باقی ص ۳۸۳ پر)

وساوس قلبیہ اور احادیث نفس طبعی امور ہیں۔ شیطان اس میں بہت غلو رکھتا ہے کثرتِ ذکر اور قلبی توجہ الی معانی الذکر اس کے دفعیہ کے لئے تریاق ہیں، ومن یعش

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۲) مگر کسی بزرگ کیجانب طبیعت کا میلان نہیں ہوا۔ اصل ہادی خدا کو یقین کر کے اپنے طور پر اذکار شروع کر دئے اور راتوں کو نفلوں میں یہ دعا کرنے لگے، کہ اے اللہ! اگر بلا مرشد کے میرے حال کی اصلاح ہو جائے تو مرشد کی ضرورت نہیں اور اگر مرشد کی ضرورت تو میرے لئے سمجھتا ہی تو پھر میرے لئے ایسے مرشد کا انتظام فرما جو کہ رشد و ہدایت اور علو مرتبت میں تمام عالم کے اندر فائق ہو، یہ دعا تقریباً آٹھ سال جاری رہی جسوقت حضرت مولانا مدنی جیل میں تھے، ایک رات خشوع و خضوع کیساتھ دعا مانگ کر قاری صاحب سو گئے۔ خواب میں کیا دیکھا کہ موصوف مع اپنی اہلیہ کے کسی غیر معلوم جگہ سفر فرما رہے ہیں، اتفاقاً وہ جگہ مدینہ منورہ تھی، موصوف نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا ضروری ہے، پھر بلند آواز سے کسی اور کے درود شریف پڑھنے کی آواز سنائی دی، چنانچہ جوں ہی دروازہ کے قریب پہنچے آنحضرت صلعم بلا اطلاع تشریف لائے اور اپنے سینۂ مبارک سے چمٹا لیا، قاری صاحب پر گریہ طاری تھا اور یہ درود اللھم صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کہتا تھا، جب اور آٹھ دس مرتبہ کے بعد نماز کا درود بھی ایک مرتبہ جاری تھا، خواب کا یہ سلسلہ ایک گھنٹہ سے زائد تھا، موذن نے فجر کی اذان دی اور آنکھ کھل گئی، دل نے دعا کی قبولیت پر گواہی دی کہ انشاء اللہ رہبر کامل عنایت کیا جائیگا۔ دوسرا خواب یہ دیکھنے میں آیا کہ اس پہلے خواب کے تین دن بعد جمعہ کا دن ہے، سب سے پہلے جامع مسجد میں قاری صاحب موصوف داخل ہوئے، کیا دیکھا کہ وسط صحن میں ایک بڑا تخت ہے اور اس پر مولانا مدنی کلام مجید تلاوت فرما رہے ہیں، دیکھتے ہی حضرت مولانا ممدوح کھڑے ہو گئے، قاری صاحب بھی جلدی سے آگے بڑھے، حضرت مولانا مدنی نے اپنے سے چمٹا لیا اور وہی کیفیت پیدا ہو گئی جو کہ پہلے خواب میں مذکور ہوئی، پھر آنکھ کھل گئی اور دل نے حقیقی طور پر محسوس کیا کہ تمام شرائط کے مطابق پیر عطا فرمایا گیا اور یہ سلسلہ رویاء صالحہ ایک دو روز کے وقفہ کیساتھ جاری رہا۔ آنکھیں کھل گئیں اور اب جذبۂ شوق کی بے پایانی حیطۂ تقریر و تحریر سے باہر ہے، اسوقت مولانا مدنی نامعلوم مدت کیلئے نینی جیل میں تھے، اسلئے حضرت کے خادم خاص کو اپنے حصول بیعت کے لئے (باقی ص ۳۸۴ پر)

عن ذکر الرحمٰن نقیض له شیطاناً فهو له قرین۔ بہر حالی ذکر پر مداومت کیجیے۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیگا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۳) قاری صاحب نے وسیلہ بنایا جنہوں نے خط لکھا اور شدید انتظار کے بعد جو جواب حضرت امام العصر سے شرف صدور ہوا یہ تھا کہ "اُس سے کہدو کہ کوئی کامل پیر تلاش کرلے میرے پاس کیا رکھا ہے"۔ اس جواب سے خرمن امید پر بجلی گر گئی، پھر درخواست دی کہ معافی کا خواستگار ہوں بیعت فرمائی جائے، جواب آیا، "جیل سے بیعت نہیں ہو سکتی"۔

پھر تیسرا خواب قاری صاحب نے یہ دیکھا کہ ایک کمرے میں سوئے ہوئے ہیں جس میں قد آدم تختے جڑے ہوئے ہیں، ایک رکعت نماز ادا کر کے دوسری رکعت کے لئے اٹھے کہ پاؤں کے نیچے کا ایک تختہ ٹوٹ گیا، اس میں گر گئے گردن ایسی پھنسی کہ نکلنا دشوار تھا دفعۃً ایک بزرگ نے آکر سنبھال دیا، نماز پوری کر لی تو دیکھا کہ وہ حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی تھے، نظر پڑتے ہی حضرت نے تیز لہجہ میں فرمایا چلو بیعت ہو، چنانچہ حضرت نے قاری صاحب کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لیکر بیعت فرمایا، پھر ارشاد ہوا کچھ بیان کرو۔ ایک بڑے مجمع کے سامنے قاری صاحب نے زبردست تقریر شروع کر دی، اور ان تمام باتوں کی تردید بھی کرتے جاتے تھے جو ناعاقبت اندیش بر بنا تعصب جہالت کیا کرتے ہیں، تقریر کا یہ سلسلہ تقریباً دو گھنٹہ رہا، اور پھر آنکھ کھل گئی تمام حجابات اٹھ گئے چنانچہ سب سے اشرف وارفع پیر کی تصدیق خانۂ دل میں جاگزیں ہو گئی فللّٰہ الحمد والمنۃ، اس باطنی بیعت کے بعد ظاہری بیعت بھی ۱۰ رمضان المبارک ۶۳ھ یوم پنجشنبہ ۹ بجے دن دیوبند آستانۂ مدنی پر حاصل ہوئی، جبکہ حضرت والا جیل سے تشریف لائے تھے۔

قاری حفظ الرحمٰن صاحب محترم کا خواب میں آنحضرت صلعم کی زیارت سے اس طرح مشرف ہونا ہے قسمت، یہ خواب حق ہے، صحاح میں یہ روایت موجود ہے "من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل بی" او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) یعنی آنحضرت صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے مجھکو خواب میں دیکھا گویا اس نے مجھی کو دیکھا، اس لئے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا، قاری صاحب موصوف کی طلب صادق قدم صدق کا پیش خیمہ ہوئی، اور آٹھ سال پیر کی تلاش بھٹکانے لگی، اور واقعی ایسا پیر عنایت کیا گیا کہ جو خانہ ساز سکہ نہیں کہ خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق ہو، بلکہ ایسا سکہ (باقی ص ۳۸۵ پر)

علاوہ ان تسبیحات ستہ[1] کے پاس انفاس کیجئے، یعنی محض سانس کے ساتھ بغیر حرکت زبان وحرکت ہونٹھ بلا آواز یہ ذکر آیندہ ہوا کرے، یعنی جو سانس اندر داخل ہو اس کو اس طرح کھینچئے کہ لفظ اللہ پیدا ہو، اور جو سانس باہر نکلتا ہے، اس طرح نکالئے کہ لفظ ھو پیدا ہو، زبان کو اس وقت میں تالوے سے لگا لیا کیجئے تاکہ اس میں حرکت نہ ہو، سانس حسب عادت نہ اتنے زور زور ہو کہ کوئی سن سکے اور نہ جلدی جلدی ہو۔ روزانہ باوضو قبلہ رو مسجد میں یا مکان میں علیحدہ بیٹھکر تقریباً ایک گھنٹہ اس ذکر کو کیا کیجئے، جو وقت مناسب اور فرصت کا ہو اس کو معین کر لیجئے، اور برابر اس پر مداومت رکھیئے، اگر اس وقت پر کسی روز مجبوراً نہ کر سکیں تو اس روز کسی دوسرے وقت میں حتی کہ پاخانہ پیشاب کرتے ہوئے بھی سانس کو اسی طرح جاری رکھیئے تا آنکہ عادت ہو جائے اور بغیر قصد ہونے لگے۔ کثرت اوراد مبتدی کے لئے مفید نہیں، اس کو تو ذکر کی کثرت کرنی ازبس ضروری ہے دلائل الخیرات میں ہر منزل کے ساتھ اسماء حسنہ اور اسماء جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں ہیں، بلکہ صرف دو شنبہ کی منزل میں ہیں۔

ترمذی شریف جلد ثانی کتاب الدعوات میں قرآن شریف کے حفظ ہونے کی ایک نماز اور دعا ذکر کی گئی ہے[2]، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی شکایت کی تھی

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۴) جس پر شاہی مہر ثبت ہو چکی ہو۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا — ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

[1] تسبیحات ستہ یہ ہیں جو بعد نماز فجر و بعد نماز مغرب پڑھی جاتی ہیں، سبحان اللہ سو بار الحمد للہ سو بار لا الٰہ الا اللہ سو بار اللہ اکبر سو بار استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ، سو بار۔ اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کما تحب وترضی عدد ما تحب وترضی سو بار۔

[2] حفظ قرآن مجید کی نماز اور دعا یہ ہے کہ جمعرات کی آخر رات کی تہائی یا وسط یا اس رات کے اول میں چار رکعت نماز اس طرح پر ادا کیجائے کہ پہلی رکعت میں بعد سورہ فاتحہ، سورہ یٰسین اور دوسری میں (باقی ص ۳۸۶ پر)

اس پر آپ نے یہ طریقہ تبلایا تھا، اس سے ان کو بہت فائدہ ہوا۔ شراح حدیث اس پر اپنا تجربہ ذکر فرماتے ہیں، اس پر آپ بھی عمل کریں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۴ رجب ۵۹ھ

## مکتوب نمبر ۱۵۲

ریل میں جواب لکھ رہا ہوں، پاس انفاس پر مداومت کیجئے تا آنکہ طبیعت ثانیہ ہو جائے چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے...... غرضکہ ہر حال میں خواہ وضو ہو یا نہ ہو، بدن میں لرزہ پیدا ہونا بہترین علامت ہے، نیز دنیا اور اہل دنیا سے بے رغبتی اور نفرت بھی عمدہ بات ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۵) بعد فاتحہ سورہ حٰم الدخان اور تیسری میں بعد فاتحہ سورہ الم تنزیل السجدہ اور چوتھی میں بعد فاتحہ سورہ تبارک الذی، پڑھی جائیں، پھر تشہد پڑھ کر خدا کی ثنا وصفت اور درود شریف پھر تمام انبیاء، مومن اور مومنہ اور ان بھائیوں کیلئے جو گذر گئے ہیں بخشش طلب کیجائے، بعد سلام یا نماز ہی کے اندر یہ دعا پورے اطمینان سکون کیساتھ پڑھی جاوے اللهم ارحمنی بترك المعاصی ابدا ما ابقیتنی وارحمنی ان اتکلف ما لا یعنینی وارزقنی حسن النظر فیما یرضیك عنی اللهم بدیع السموات والارض ذا الجلال والاکرام والعزة التی لا ترام اسالك یا الله یا رحمن بجلالك ونور وجهك ان تلزم قلبی حفظ کتابك کما علمتنی وارزقنی ان اقراه علی النحو الذی یرضیك عنی اللهم بدیع السموات والارض ذا الجلال والاکرام والعزة التی لا ترام اسالك یا الله یا رحمن بجلالك ونور وجهك ان تنور بکتابك بصری وان تطلق به لسانی وان تفرج به عن قلبی وان تشرح به صدری وان تغسل به بدنی فانه لا یعیننی علی الحق غیرك ولا یوتیه الا انت ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ حضرت ابن عباسؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچ یا سات جمعوں کے بعد آنحضرت کی خدمت میں تشریف لا کر بیان کیا کہ اس نماز اور دعا کے پہلے میں ۴ آیات بھی محفوظ نہیں کر سکتا تھا، اور دل سے جاتی رہتی تھیں اور اب بحمد اللہ چالیس کے قریب سیکھتا ہوں اور وہ اس طرح دل میں محفوظ ہو جاتی ہیں گویا قرآن میرے سامنے کھلا ہوا ہے اور یہی حال احادیث کا بھی تھا اور ہے۔ آنحضرت صلعم نے سنکر فرمایا، اے ابوالحسن تو مومن ہے رب کعبہ کی قسم۔

اللھم زد فزد۔ اپنے آپ کو ریل یا کسی دوسری تیز سواری پر دیکھنا بھی عمدہ بات ہے، ہرگز ہرگز ذکر میں کمی نہ کیجیے اور جس قدر بھی زیادتی اور مداومت ہو سکے غنیمت سمجھیے ؎

ہر نفس بہرت مسیحائیست چیست ۔۔۔ گر نداری پاس او از جہل تست

این چنین انفاس خوش ضایع مکن ۔۔۔ غفلت اندر شہر جاں شایع مکن

دیگر ؎ جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضایع است ۔۔۔ جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق ۔۔۔ علمیکہ راہ حق نہ نماید جہالت است

اے عزیز! عمر عزیز کا لمحہ بسا غنیمت ہے، اور جواہرات بے بہا سے زیادہ قیمتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی میں خرچ کیجیے۔ الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیکم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذھب والفضۃ وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتقتلوھم ویقتلوکم قالو بلی یا رسول اللہ قال ذکر اللہ (الحدیث)۔ اس سے غافل ہرگز مت ہو جیے۔ ع من نہ کردم شما حذر بکنید۔

حفظ قرآن شریف پر جو آفت آئی اس سے صدمہ ہوا، مگر مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں، مقویات استعمال کیجیے، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا، میں دعا کرتا ہوں مدرسہ کے لئے دعا کیجیے۔ اگر ہو سکے تو یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع روزانہ بعد عشاء بارہ سو مرتبہ اول و آخر درود شریف ۱۱ مرتبہ پڑھ کر دعا کیجیے، اگر گھر جانا اور کاشتکاری کرنا بعد از استخارہ سات مرتبہ مرغوب طبع ہو تو اسی کو اختیار کیجیے۔ دیہات میں جمعہ[1] نہیں ہوتا۔ اگر اختلاف اور فسادات رونما ہوں تو پڑھ لیا کیجیے، مگر پڑھائیے ہرگز نہیں، اور ان کو کہہ دیجیے

---

[1] جمعہ فی القریٰ کے بارے میں حنفیہ کے تین گروہ ہیں ایک مطلقاً دیہات میں جمعہ پڑھنے کو ناجائز بتاتا ہے دوسرا گروہ مصر اور قریہ کی تفریق کرتا ہے، تیسرا گروہ مطلقاً جواز کا قائل ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ ص ۵۶۳ میں فرماتے ہیں۔ فی مجمع الانھر انہ جائز مطلقاً فی زماننا لانہ وقع فی تاریخ خمس واربعین وتسعمائۃ اذن عام وعلیہ الفتوی۔ ترجمہ:۔ ہمارے زمانہ میں جمعہ گاؤں کے اندر پڑھنا مطلقاً رباتی ص ۳۸۸ پر)

کہ حضرت ابو حنیفہؒ کے یہاں جمعہ دیہات میں نہیں ہوتا، اس لئے میں نہیں پڑھاؤں گا۔ اختلافات اور فسادات کی بناء پر میں تمہارے ساتھ پڑھ لیتا ہوں، اور اد و وظائف دوسرے درکار نہیں ہیں، ذکر پاس انفاس جب جاری ہو جائے گا تو آگے بڑھائے جائیں گے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۱۵۳

## مولانا فخر الدین صاحب ضلع گیا کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بہت سے قریب رہنے والے ناکام رہتے ہیں، اور دور کے بسنے والے مثل اویس قرنی رضی اللہ عنہ کامیاب ہو جاتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۷) جائز ہے، کیونکہ ۹۴۵ھ ہجری میں اذن عام ہو گیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، امام تاج الشریعہ فیصلہ کرتے ہیں مالایسع اکبر مساجدہ اھلہ مصر (شرح وقایہ) مفہوم یہ ہے کہ جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اگر وہاں کے تمام لوگ داخل ہو جائیں تو گنجائش نہ رہے، وہ بھی مصر کے حکم میں ہے یہی تعریف حنفیہ کے نزدیک مختار تعریف ہے، کیونکہ مصر اور سلطان کی قید احتیاطی ہے نہ کہ شرعی، حضرت شاہ ولی اللہ مصفی میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ دو رکعت است در وقت ظہر با جماعت عظیمہ از مسلمین در قریہ یا در شہر، دوسری جگہ لکھتے ہیں "ظاہر آنست کہ در دیہے اگر دون اربعین جمعہ خوانند نماز الشان صحیح باشد و متخلفان آثم شوند۔ (مصفی)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی فیوض قاسمیہ میں فرماتے ہیں کہ "اگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست گیر بہانش نہ زنند" حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی مجموعہ مکتوب قلمی نمبر ۲۴ میں فرماتے ہیں "جمعہ فرض ہونا قطعی اور شرط اختلافی ہیں، ایسی جائے احتیاط شرط ہے، علماء حنفیہ نے اس مسئلہ میں تقلید ائمہ باقی کی کی ہے، البتہ علماء دیوبند دیہات میں تو جمعہ نہیں پڑھتے ہیں جیسا کہ حضرت امام العصر نے فتویٰ دیا ہے، دلائل دونوں جانب ہیں اور سب حق پر ہیں۔

ئ۵ اللہ والوں کی صحبت پر کتاب و سنت و آثار امت کافی سے زیادہ موجود ہیں کہ مؤثر ہوتی ہیں (باقی ص ۳۸۹ پر)

اپنی تعلیمی اور تبلیغی سرگرمیاں جو کچھ آپ نے ذکر فرمائی ہیں، بہت زیادہ امید افزا ہیں، اوقات ذکر کے علاوہ جس قدر بھی آپ اس میں سرگرمی رکھیں بہتر اور مفید ہے، یقیناً فتنہ خاکساری بہت بڑا فتنہ ہے، جو کہ عسکریت کے روپ کی بنا پر قلوب کو جذب کرتا ہے اور ان میں انگریزی غلامی کا زہر حلول کرتا ہے، اس کے سامنے کوئی صحیح نصب العین موجود نہیں ہے، جس پر اعتماد کیا جائے، اس کے ہٹانے میں جس قدر بھی حصہ لیا جائے ازبس ضروری ہے۔ اور چونکہ وہ عسکریت قوت و نظام بھی کم و بیش پیدا کر رہا ہے، اس لئے آیندہ چلکر شریعت کے لئے اس سے زیادہ نقصان رساں ثابت ہوگا، جتنا کہ انگریزی اسکول، کالج، یونیورسٹی کلچر وغیرہ ثابت ہوا، اسکو ابھرنے دینا سخت غلطی ہے۔ والسلام

جز یادِ دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است　　جز سرِ عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوی لوحِ دل از نقشِ غیرِ حق　　علمیکہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۱۵۴

## جناب مجتبیٰ حسین صاحب جہاں آباد، رائے بریلی (اودھ) کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف، والا نامہ ملی کی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۸) ہم الجلساء لا یشقی جلیسہم یعنی اللہ والے ایسے لوگ ہیں جنکا ہم صحبت بدبخت نہیں ہوتا محض صحبت بھی کوئی چیز نہیں، جبتک کہ افادہ و استفادہ طرفین سے نہ ہو اور یہ اعتقاد نہ رکھے کہ مجھکو جو کچھ دینی فائدہ ہوگا اسی شیخ سے ہوگا، اعتراض و نکتہ چینی اس راہ میں سم قاتل ہیں، خدمت مدنظر ہو نہ کہ حاشیہ نشینی۔ حضرت منصور مغربی سے لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت ابو عثمان مغربی کی صحبت میں کتنے زمانہ تک رہے، تیز نظر کیسا تھ فرمایا کہ میں صحبت میں نہیں تھا بلکہ خدمت میں تھا، بسا اوقات صحبت بھی غیر مؤثر ہوتی ہے اور دوری و بُعد قربت کا سبب بنجاتا ہے، جیسا کہ امام العصر کی تحقیق ہے، قریب، مگر اگر دل مخلوق کے ساتھ ہے تو یہ قرب اس بعد سے بدتر ہے باقی ص ۳۹۰ پر)

روانگی کے بعد میں نے دیکھا، افسوس کہ وہاں اتنی فرصت نہ مل سکی کہ آپ سے باتیں کرتا، آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر شے کے لئے دو چیزیں ہیں ایک اسم دوسرا مسمّٰی، حقیقی کمالات مسمّٰی یعنی ذات اور شخص میں ہیں جن کا نام مثلاً عبداللہ ہے، اس کو مسمّٰی کہا جاتا ہے، وہی قوت رکھنے والا اور وہی سننے والا ہے، اسم یعنی نام میں دراصل کوئی کمال اور قوت نہیں ہے مگر مسمّٰی کی طاقت کا اثر اسم میں کم وبیش آتا ہے، شہنشاہ کا نام بھی اگر لیا جاتا ہے تو لوگ کانپ اٹھتے ہیں، اگر مجمع میں کہدیا جاتا ہے کہ فلاں صاحب نواب صاحب کے ندیم یا غلام یا بیٹے ہیں، تو لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں اور اس نام کی وجہ سے تعظیم وتکریم کرنے لگتے ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ بھی اثر مسمّٰی ہی کا ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ فلاں بادشاہ یا فلاں حاکم کا نام حکومت کرتا ہے۔ الغرض نام اور اسم میں بھی تاثیر اور قوت ہوتی ہے، مگر بہ نسبت مسمّٰی کے بہت کم ہوتی ہے اور مسمّٰی ہی سے آتی ہے۔ لفظ اللہ یا رحمٰن یا رحیم وغیرہ جناب باری تعالیٰ کے نام ہیں، ان ناموں میں بھی قوت اور تاثیر ہے، ان ناموں کی بھی تقدیس اور تنزیہہ اور ذکر کا حکم کیا گیا ہے، ان ناموں کو زبان سے یا دل سے یا سانس سے یاد کرنا، بار بار لینا اثر پیدا کرتا ہے اور مسمّٰی کی طرف کھینچتا بھی ہے۔ مگر حقیقی کمالات لفظ اللہ اور رحمان وغیرہ کے مسمّٰی میں ہیں جو کہ بیچون بیچگون ہے، اس کے مثل کوئی چیز نہیں لیس کمثلہ شیٔ وہ نور ہے، نار سے پاک ہے، نور و نار اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں وہ جسم اور مادہ صورت اور شکل رنگت اور روپ سب سے منزہ ہے، یہ سب چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، وہ مکان اور زمان، جہت اور جانب دائیں اور بائیں، آگے پیچھے، آسمان وزمین سب سے منزہ اور بلند ہے، یہ سب چیزیں محدودات کے لئے ہیں۔ اجسام کے لئے ہیں، وہ لا محدود اور غیر مجسم ہے، یہ چیزیں کمزوری کی وجہ سے ہیں، وہ ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک اور اعلیٰ ہے وہ سب جگہ ہے،

بقیہ حاشیہ ص ۳۸۹ ؎ جو دراصل محبوب حقیقی سے ہمکنار کرنے والی چیز ہے جس کو حکیم سنائی نے فرمایا ہے ع گرفتہ چینیاں احرام ومکی خفتہ در بطحا۔

اور کسی جگہ مقید نہیں ہے، وہ سب کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور کوئی اس کا احاطہ نہیں کر سکتا وہ سب سے قوی تر اور بلند ہے، کوئی اس جیسی قدرت اور بلندی نہیں رکھتا وہ ہر قسم کی شوکت و عظمت رکھتا ہے، کوئی اس کے سامنے شوکت اور دبدبہ نہیں رکھتا ہے۔ وہ سب کے قریب ہے، مگر ہر مکان سے منزہ ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے مخلوق اور اس کا محتاج حادث اور فانی ہے۔ وہ سب کا پیدا کرنے والا سب سے مستغنی ابدی اور ازلی ہے۔ اب تک جو کچھ آپ ذکر کرتے رہے اور جس قدر بھی آپ نے یاد کی ہے اس ذات مقدسہ کے نام اور اسم کی کی ہے، اور چونکہ اس کے نام میں بھی بہت زیادہ کمالات اور قوتیں ہیں اسلئے اس کے آثار بحمد اللہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ شکر کیجئے، مگر میرے محترم اب آپ کو اصل اصول اور حقیقت الحقائق¹ کی طرف توجہ کرنا چاہیئے، اگرچہ اس کے نام کی طرف توجہ کرنا بھی اسی کی طرف توجہ جیسے کہ بادشاہ کے غلام یا بیٹے کی تعظیم و تکریم ہے، مگر بواسطہ اور بلا واسطہ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، اب آپ مسمیٰ اور ذات مقدسہ کی طرف توجہ کریں، قرآن شریف میں فرمایا جاتا ہے وھو معکم اینما کنتم وہ ذات مقدسہ اپنی حشمت اور جلال اور اپنے تمام حقیقی کمالات کے ساتھ جہاں بھی تم ہو تمہارے ساتھ ہے) روزانہ ایک گھنٹہ کسی معین وقت میں اس دھیان کو باندھئے اور اس تصور و خیال کو پیدا کر کے اس قدر بڑھایئے کہ دائمی ہو جائے، اور اسی کو مراقبہ کہتے ہیں، وہ اذکار جو کہ اسماء کے ہیں، خواہ قلبی ہوں یا نفسی یا لسانی ان کو اس مراقبہ کے لئے مؤید بنایئے، اگر تسبیحات اور وہ اذکار پورے ہو سکیں تو بہتر ہے، اور اگر اس کے کرنے کی وجہ سے ان میں کوئی کمی وقت کی وجہ سے

---

ا؎ اس مکتوب گرامی میں حضرت امام العصر نے ایک اصطلاحی لفظ حقیقۃ الحقائق استعمال فرمایا ہے، جس کو صوفیہ حضرت الجمع اور "حضرت الوجود" سے تعبیر فرماتے ہیں، مراد مسمیٰ اور ذات مقدسہ کی طرف کلیۃً متوجہ ہونا ہے جو کہ مرتبہ احدیت جامعہ جمیع حقائق و معارف ہے، جس کو حضرت امام العصر نے اس مکتوب گرامی میں اچھی طرح واضح فرما دیا ہے۔

ہو تو حرج نہیں ہے، نہ مقصود اصلی ہے، ان میں تسبیحات ستہ اور کسی ذکر کو کم کر دیں، مگر اس مراقبہ میں کوتاہی نہ کریں، دعوات صالحہ سے اس روسیاہ کو بھی یاد کر لیا کریں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

# مکتوب نمبر ۱۵۵

مراقبہ[1] کی یہ کیفیت امید افزا ہے، اللہ تعالیٰ اور ترقی عطا فرما دیں، ذات باری عزوجل تمام رنگ و روپ، جسمانیت اور مادیت سے منزہ اور پاک ہے اور تمام کمالات اور بڑائیوں کے ساتھ موصوف ہے، اب آپ یہ دھیان باندھیں کہ یہ ذات مقدسہ اپنی عظمت اور جلال اور تمام پاکیزیوں کے ساتھ میرے قلب میں جلوہ افروز ہے، جیسا کہ.... قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (اور تمہاری جانوں میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے) دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ

[1] مراقبہ کے معنی امید رکھنا، نگاہ رکھنا، حفاظت کرنا، گردن نیچے ڈالنا اور اصطلاح تصوف میں مراقبہ نام ہے دل کا پوری طرح خدائے تعالیٰ کی حضوری میں ہو جانا ما خذ اس کا قرآن کریم کی آیات اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْباً۔ اور حدیث جریر بن عبد اللہ بجلیؓ جو متفق علیہ ہے اور حدیث عمر بن الخطابؓ وفیہ قال فاخبرنی عن الاحسان قال تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ہے جس سے مراقبہ کی حالت کی جانب اشارہ نکلتا ہے، یہی چیز تمام خیر کی اصل ہے، جو محاسبہ یعنی اپنے نفس کا حساب کرنا اور گزشتہ اعمال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصلاح حال کی طرف لگ جانا اور طریق حق کو لازم کر لینا وغیرہ کے بعد حاصل ہوتا ہے، گویا بندہ نے اپنا دلی تعلق خدا سے مضبوط کر لیا، اور اپنی ہر سانس خدا کی نگہبانی میں دیدیا اور مطمئن ہو گیا کہ وہ ذات اقدس اس کے قلب سے قریب ہے، لہٰذا احوال و اقوال اور افعال دیکھتا اور سنتا رہتا ہے، پس جو شخص اس حالت و کیفیت سے غافل ہوگا، یا غفلت کریگا، وہ وصل کی ابتدائی مراتب سے دور ہوگا، حقائق تک پہنچنا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، اسی لئے ابن عطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے (باقی ص ۳۹۳ پر)

(ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسے اس کا نفس کرتا ہے اور ہم اس سے اس کی رگ زندگی (حبل الورید) سے بھی زیادہ قریب ہیں، غرضکہ اس ذات مقدسہ کو بلا کیف وبلا کم ومقدار اس کی شان وعظمت کے مطابق قلب میں تصور کیجئے۔

اتصالِ بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

اس تصور اور دھیان میں پوری طرح جد وجہد کیجئے، معیت کا مراقبہ اس کے مخالف نہیں ہے۔ ...........

...... قلب میں دھیان اور وجود کے ساتھ معیت لازمی چیز ہے، پاس انفاس جاری رہے، کوئی حرج نہیں ہے، اس کو مت روکئے، اب آپ کی توجہ اصلی اس دھیان کی طرف پوری طرح رہنی چاہیئے، پاس انفاس اور دوسرے اذکار ممد ومعاون ہوں گے مگر اصلی مقصود یہ مراقبہ اور اس کا دوام ہے، لذت حاصل ہو یا نہ ہو، حرکت جسم میں پیدا ہو یا نہ ہو، ان چیزوں کو مقصود نہ سمجھنا چاہیئے، ذات مقدسہ جل وعلی شانہ کی حضوری اور اس کی رضا وخوشنودی غرضِ اصلی ہے، اسی کے لئے تمام سعی اور کوشش جاری رہنی چاہیئے، اصلی ذکر یہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو یہ نعمت مکمل طور پر عطا فرماویں۔

(بقیہ حاشیہ ۳۹۲) فرمایا ہے کہ سب سے افضل عبادت تمام وقت دل کا خدا کی حضوری میں لگا رہنا، جریری رح تو یہاں تک فرما گئے ہیں کہ مراقبہ کے بغیر کشف اور مشاہدہ تک آدمی پہنچ ہی نہیں سکتا، ابو عثمان مغربی رح بھی ان ہی بزرگوں کے ساتھ ہیں، تفصیل ریاض المرتاض وغیرہ میں موجود ہے۔

حضوری گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ متی ما تلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

غرض لفظ کے مفہوم میں اس طرح ڈوب جانا کہ سوائے اس کے کوئی چیز خیال ودھیان میں نہ رہے جس کی بہت سی صورتیں ہیں، جیسے مراقبہ معیت کہ بغیر تلفظ کے اللہ تعالیٰ کی حضوری نظر اور اس کے ساتھ ہونے کو خوب مضبوطی سے تصور کرے اور خود ذات باری کو جہت اور مکان سے پاک تعین کرے آیۃ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ کو یا تو مدنظر رکھے یا آیت أَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ - یا آیت أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ یاد (باقی ص ۳۹۴ پر)

حسب ارشاد سرور حسین صاحب کے لئے دعا کرتا ہوں، جو لذتیں یا حرکتیں وغیرہ معلوم ہوتی ہیں بہتر ہیں، اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے، مقصود کے لئے وسائل ہیں، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۷ صفر ۶۳ھ (راز جیل)

# مکتوب نمبر ۱۵۶

سانس کو حسب دستور اور عادت آنا چاہیئے، آواز نہ ہونی چاہیئے، اگر غلبۂ حال کی بنا پر کبھی خود بخود ہو جاوے، حرج نہیں ہے۔ یہ فرمائیے اب بغیر قصد اور عدم توجہی کے وقت بھی ذکر جاری رہتا ہے یا نہیں، محبت خداوندی یا خوف خداوندی کے غلبہ کی وجہ سے غلبہ گریہ کا ہوتا ہے یا نہیں، بدن میں غیر اختیاری حرکت کبھی معلوم ہوتی ہے یا نہیں، قلب میں ذکر یا اس کی حرکت محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟۔

مسلمانوں کی عبادت خالصہ مثل جماعات خمسہ ظہر و عصر وغیرہ میں غیر مسلم قائد نہیں ہو سکتا مگر جس طرح جسمانی معالجات، بنا، عمارات دینیہ مثل مساجد و مدارس وغیرہ و عمارات دنیویہ مثل مکانات و چاہہا وغیرہ و زراعات و اسفار دینیہ و دنیویہ، و حروب سیاسیہ و ایجاد و اصطناع آلات حروب و جہاد وغیرہ میں غیر مسلم کی رہنمائی بالاتفاق جاری و جائز ہے، اسی طرح آزادی وطن کی جنگ میں بھی جائز ہونی چاہیئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اریقط دیلی جو کہ مشرک تھا ہجرت مدینہ کے وقت اسی کو اپنا قائد اور رہنما بنایا تھا، وہ تمام راستوں سے واقف تھا، اور وعدہ کا سچا اور پکا تھا، اسی کے ساتھ آپ (علیہ السلام) ابوبکر رضی اللہ عنہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۹۳) آیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ یا آیت وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُحِیْطٌ - یا آیت اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ یا آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ یہ مراقبات اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوامی تعلق کے لئے مفید و مجرب ہیں اسی طرح مراقبہ فنا آیت کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ اللہ کو باقی اور سب کو فنا خیال کرے اس تصور پر دیر تک قائم رہے، انشاء اللہ یہ مراقبہ محو اور نیستی کے لئے مفید ہوگا۔

غارِ ثور مکہ سے مدینہ منورہ پہنچے ہیں، لَا یَتَّخِذِ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ کا ترجمہ قرآن میں دیکھ لیجئے، آیا یہاں وہ صادق آتا ہے یا نہیں، علاوہ ازیں موجودہ تحریک میں غیر مسلم کو طریق جنگ میں قائد بنایا گیا ہے، نفس جنگ میں نہیں، جنگ تو حسب نصوص شرعیہ واجب و فرض تھی ہی، جیسے مسجد بنانے میں بیماری دور کرنے میں غیر مسلم کو قائد بنایا جاتا ہے، آیت میں دلی دوست بنانے کی ممانعت ہے، یہ لفظ بمعنی محبوب یا ناصر ہے، ان سے دلی دوستی کو آیت میں منع کیا گیا ہے، یا ان سے مناصرت طلب کرنا منع کیا گیا، وہ اور چیز ہے اور اشتراکِ عمل اور چیز ہے، سوچ لیجئے۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۹ ذی الحجہ۔

## مکتوب نمبر ۱۵۷

## مولوی عبدالوہاب خاں گمتھلوی بلڈنگ ریلوے روڈ لاہور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا میں نہایت عدیم الفرصت ہوں، آپ کا مضمون تفصیل طلب ہے۔ کاش اگر کوئی ملاقات کا موقع ہوتا تو تبادلِ خیالات کی پوری صورت ہوسکتی۔ تحریر بہت زیادہ طول چاہتی ہے، جس کی فرصت نہیں، مودودی صاحب کا مضمون احوالِ حاضرہ کے ہوتے ہوئے سمجھ میں نہیں آتا۔

میرے محترم! کوئی ایسا مسلمان نہ ہوگا، جو کہ مسلم راج کا طالب اور خواہشمند نہ ہو، جیسے کہ کوئی ہندو اور سکھ اور کوئی پارسی اور عیسائی ایسا نہ پایا جائے گا جو اپنے مذہب اور قوم کی حکومت کا خواہشمند نہ ہو، مگر اس کے نصب العین اور قلبی خواہش سے روکنے والے گردوپیش کے احوال ہوا کرتے ہیں۔ اگر احوال مساعد ہوتے تو یہ ہندوستان کی چھ سو برس کی مسلم حکومت ہی کیوں فنا ہوتی، اور کیوں مسلمانوں کی عام پبلک غیروں کی غلام ہوتی، آج روئے زمین پر بقول نیویارک ٹائمز مسلمانوں کی مردم شماری ستر کروڑ ہے مگر آزاد مسلمان بمشکل چار یا پانچ کروڑ نکل سکیں گے، صرف ہندوستان ہی کے مسلمان غلام نہیں

ہیں، بلکہ تمام براعظم افریقہ اور یورپ اور اکثر حصہ ایشیا کے مسلمان مجبور و مقہور اور غلام اغیار و اعدا ہیں، اور جہاں یہ آزاد بھی ہیں وہاں بھی حکومت الٰہیہ مودودی صاحب کی تقریباً معدوم ہی ہے، ہندوستانی مسلمان تو سب سے زیادہ مجبور و مقہور ہیں، اِدھر تو حکومت اعداء اللہ کی ہے ہی، اُدھر غیر مسلم اکثریت جس نے ہر طرف سے اس کو گھیر رکھا ہے، اس کے علاوہ اکثریت غیر مسلم بھی معمولی نہیں ہے (فیصدی ۷۵) تمام ہندوستان میں غیر مسلم ہیں، اور فیصدی ۲۵ مسلمان ہیں، علاوہ تفریق ظاہری و باطنی کے ان کی خواہشات اور ڈیوائڈ اینڈ رول نے وہ تشتت پیدا کیا ہے کہ الامان اور الحفیظ پھر اس پر ان کا فقر و فاقہ، افلاس و انعدام اسلحہ وغیرہ اور بھی ان کو بے بس کئے ہوئے ہے، مگر اس پر بھی علماء نے بار بار از منہ سابقہ میں کامیابی کی انتہائی کوشش کی، مگر سوائے ناکامی کچھ ہاتھ نہ آیا، حضرت سید احمد صاحب شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما نے کیا کچھ نہیں کیا...... مگر کیا ہوا، ۵۷ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم نے کیا کیا نہیں کیا مگر کیا ہاتھ آیا، ۱۹۱۴ء میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کیا نہیں کیا مگر کیا پیش آیا۔

محترما! سیاسیات صرف فلسفیات سے انجام نہیں پاتیں بلکہ تاریخ بھی ان کے ساتھ ضروری ہے، مجبوریتیں اسی اہون البلیتین کی طرف کھینچ کر لاتی ہیں اور لائی ہیں، مذہب اسلام بھی احوال کی بنا پر احکام کو بدلوا تا ہے۔ احوال گرد و پیش سے چشم پوشی ہلاکت اور خودکشی ہے آج ہم اگر تشدد پر قادر ہوتے تو کہا جا سکتا کہ مسلم اقلیت اپنے مقاصد پر کامیاب ہو جائیگی مگر یہ چیز ناممکن ہو گئی، آئینی تحریک میں اگر کامیابی طلب کیجائے گی تو بجز اشتراک عام آبادی اور صورت ہی کیا ہو سکتی ہے، آج ہر ہر قدم پر انگلستان سے یہی راگ الاپا جا رہا ہے کہ ہندوستانیوں کو آزادی صرف اس وجہ سے نہیں دیجا سکتی کہ وہ آپس میں متحد نہیں ہیں، نہ مذہبیات میں نہ سیاسیات میں، ایک جماعت اگر مکمل آزادی کی خواہشمند ہے تو دوسری ڈومینین اسٹیٹس کی تیسری برٹانوی راج کی، چوتھی رام راج کی، پانچویں ڈیموکریسی کی، چھٹی بالشویزم کی، وغیرہ وغیرہ

ان میں آپس میں فرقہ وارانہ جذبات کے شعلے بھڑک رہے ہیں، ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے، گائے اور باجا پر روزانہ خون کی ندیاں بہا کرتی ہیں۔ اگر بہار انظل عاطفت ان سے اٹھ جائے گا، تو ہندوستان جہنم نشان بن جائے گا۔ آئے دن کے واقعات استدلال میں پیش کئے جاتے ہیں، اور پھر اپنی مقصد براری کے لئے تمام ہندوستانیوں کو خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم اس طرح پیسا جاتا ہے کہ تمام ہندوستان قالب بے جان ہو کر رہ گیا، فقر وفاقہ کا چاروں طرف طوفان بپا ہے۔ بے کاری اور بے روزگاری کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور اپنے سخت اندھیروں سے سب کو برباد کر رہی ہے۔

تجارت، زراعت، حکومت، ملازمت، دین ودولت سب کو ہی برباد کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے، ہندوستان کے چشمہ ہائے زندگی و سرمایہ داری اپنے قبضہ میں کر کے ہندوستانیوں کو مفلوج بنا دیا گیا ہے، نہ مفاد عامہ ان کے ہاتھ میں ہیں، نہ مفاد خاص پس اگر بالفرض آٹھ کروڑ مسلمان سب کے سب یک جان اور متعدد قالب بھی ہو جائیں تو کیا وہ اپنی متفقہ آواز سے بھی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور جس چیز کو مودودی صاحب پیش فرما رہے ہیں اس کے ذریعہ سے اس غلامی کی لعنت سے گلو خلاصی ہو سکتی ہے، اور کیا پردیسی آہنی پنجہ کو یہ اتفاق اور اتحاد (اگر پیدا بھی ہو گیا) توڑ سکتا ہے، اور کیا اس کے ذریعہ سے ملک کے اندرونی فتنے صرف اس کی وجہ سے مندفع ہو سکتے ہیں، عالم اسباب میں اسباب وذرائع لغو نہیں کہے جا سکتے، نہ شریعت نے اس اعتراض کرنے کو روا رکھا ہے، اور نہ عقل وتاریخ اس کی اجازت دیتی ہے۔

اگر امامت کے یہی معنی ہیں اور غیر مسلم کی امامت مسلمانوں کے لئے ناجائز اور حرام ہے تو میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، اسمبلیوں، کونسلوں، تجارتی، صنعتی انتظامی بورڈوں وغیرہ میں مسلمانوں کی شرکت ہندوستان میں بالکل حرام ہونی چاہیے، کیونکہ اکثر ان سب کا پریسیڈنٹ اور سکریٹری غیر مسلم ہوتا ہے، علی ہذا القیاس جملہ شعبہائے حکومت کو خواہ فوجی ہوں یا انتظامی

علمی ہوں یا صنعتی، مالی ہوں یا تجارتی وغیرہ وغیرہ۔
سب کی ملازمت بہر نوع ممنوع اور حرام ہوگی، کیونکہ ان سب کا امام غیر مسلم ہے، وہ جو قانون چاہتا ہے بناتا ہے، اور جس طرف چاہتا ہے چلاتا ہے، تمام ملازموں کو اسی کے حکم پر چلنا پڑتا ہے، ورنہ ملازمت سے ہاتھ دھونا اور فقر و فاقہ کے ہلاک گڑھوں میں تمام خاندان اور بچوں کو فنا کے گھاٹ اتارنا ہوتا ہے، صرف یہی نہیں کہ اشخاص فنا کے گھاٹ اترتے ہیں، بلکہ قوم مسلم کو ہر قسم کی بربادی گھیرتی ہے۔ ذرا غور فرمائیے اور تفصیلی نظر ڈالیئے۔ نیز اگر غیر مسلم کی امامت محرمہ کے یہی معنی ہیں جو کہ مودودی صاحب بتلا رہے ہیں تو آپ ہی بتلائیے کہ غیر مسلم ڈاکٹر کا معالجہ غیر مسلم انجنیر اور معمار کی تعمیر غیر مسلم منتظم کی انتظامی کارروائیاں، اس کی قیادت کے ماتحت سب کی سب ناجائز ہوتی ہیں کیا ان سب کو قلم تحریم سے لکھ کر ممانعت کے حکم سے فنا کیا جا سکتا ہے، اور اگر ایسا ہے تو اس ملک میں فلاح اور بہبودی کی کیا صورت ہوگی۔

محترما! کیا اس وقت تک کہ آپ اپنی اتحادی قوت پیدا کریں، آپ اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو ان تمام ورطات سے محفوظ رکھ سکیں گے، اور تمام اتحادی قوت پیدا ہو جانے کے بعد بھی آپ قوم اور اشخاص کو اس ملک میں نجات کے رستہ میں گامزن کر سکیں گے ذرا سوچیے؟

اس کے بعد دوسرا سوال یہ پیش آتا ہے کہ آیا آپ کی مسلم قوم کو صرف ایک راستہ ہی پر لایا جا سکتا ہے، جب کہ آپ کے پاس مجبور کرنے والی قوت نہیں ہے، جبکہ ہر ایک آزاد ہے، اور ہر ایک عقل و ہمت، قوت، ارادہ دوسرے کے تابع ہونے کو قبول کرنا نہیں چاہتا ہمارے پاس بجز وعظ و نصیحت وارادۂ طریق و رہنمائی کوئی چیز نہیں، جس سے سب کو راہ پر لا سکیں اگر ایک طرف مغربیت نے اپنا فریفتہ بنایا ہے تو دوسری طرف مشرقیت اپنا ڈورا ڈالے ہوئے ہے، ایک طرف شیعیت کا دور دورہ ہے تو دوسری طرف قادیانیت کا، تیسری طرف خاکساریت کا، چوتھی طرف عدم تقلید کا، وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک اپنی عقل کو افلاطون اور

ارسطو سے بالا سمجھ رہا ہے، پھر اس کی تبیین کیا ہے، سیاسی افکار ایک نہیں ہیں انتظامی خواہشات جدا جدا ہیں، اغراض اور خود ستائی کا وہ غلبہ ہے کہ الامان والحفیظ. بایں ہمہ جمعیت نے جو نصب العین اور دستور اساسی پیش کیا ہے اور جس کی طرف وہ مسلم قوم کو بلا رہی ہے کیا وہی نہیں ہے، پھر بتلائیے کہ کیوں وہ ناکام ہے، اور کیوں آپ کا طوفان ملامت اس کی طرف امنڈ رہا ہے، آپ اس کے دستور اساسی کو ملاحظہ فرمایئے۔

یہ بالکل غلط ہے کہ جمعیۃ نے غیر مسلم کو قائد اور امام بنایا ہے، وہ مستقل ادارہ ہے، جو بات بھی کانگریس یا دیگر سیاسی جماعتیں اختیار کرتی ہیں اس کو جمعیۃ کے ارباب حل وعقد اپنی مشعل ہدایت کے سامنے لاکر جو کہ قرآن وحدیث وفقہ ہی سے بنی ہوئی ہے غور وفکر کرتے ہیں اور صحیح چیز کو اختیار کرتے ہیں غیر صحیح کو رد کر دیتے ہیں، جمعیۃ مسلمانوں کے سامنے اس کو نہ پیش کرتی ہے نہ خود عمل کرتی ہے اس کے ریکارڈ کو جانچئے، ایسے متعدد واقعات اور پروگرام آپ پائیں گے جن کی نہ صرف عدم موافقت جمعیۃ کی طرف سے ہوئی ہے، بلکہ مخالفت اور سرگرمی بھی عمل میں آتی رہی ہے، جمعیۃ ان امور سیاسیہ اور آزادی کی جدوجہد میں صرف اشتراک عمل کر رہی ہے، کسی غیر مسلم جماعت یا غیر مسلم قائد کی آنکھ بند کرکے تابعداری نہیں کر رہی ہے، اشتراک عمل اور چیز ہے اور اقتدار وتابعیت اور چیز ہے، یہاں نہ تو غیر مسلم کا اقتدار پایا جاتا ہے نہ اس کی امداد واعانت پائی جاتی ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے لاہور جانے والی سڑک پر دو شخص مسلم اور غیر مسلم ایک گاڑی میں چل رہے ہیں، اور قزاقوں اور چوروں اور راہ کے کم کرنے سے ہر ایک دوسرے کا تحفظ کر رہا ہے اور بس ایسی صورت میں امامت مفروضہ کہاں پائی جاتی ہے، اور اس کا الزام کہاں تک صحیح ہے۔ احوال حاضرہ کو جانچ کر کوئی حکم کیجئے۔

میرے محترم! نماز جیسی قطعی اور لازمی چیز ہے، احوال سے متبدل ہوتی رہتی ہے، حالت اقامت اور حالت سفر کی نمازوں میں کس قدر تفاوت ہے۔ حالت صحت، اور حالت مرض

کی نمازوں میں کتنا بون بعید ہے، معذور اور غیر معذور کی نمازوں میں کس قدر فرق ہے؟ احوال کے تبدل سے روزہ، زکوٰۃ، حج وضو وغیرہ سب ہی متبدل ہوتے رہتے ہیں کیا آپ آج ہندوستان میں حکومت الٰہیہ کا حکم رجم زانی کے لئے قطع ید سارق کیلئے اسّی کوڑوں کا حکم شرابخوار اور قاذف کے لئے قصاص اور دیت کا حکم قاتل کیلئے قطع ایدی وارجل کا حکم قزاقوں اور باغیوں کے لئے جو کہ قرآن میں منصوص ہیں جاری کریں گے اور کیا اس دار الحرب میں اور موجودہ احوال میں یہ جاری ہو سکتے ہیں، اور کیا ہم پر انکا اجرا ان احوال میں فرض ہے یا نہیں، کیا میتہ کے کھانے اور شراب کے پینے خنزیر کے گوشت کے احکام اکراہ اور اضطرار کی حالت میں ویسے ہی رہتے ہیں، جیسے کہ طوع واختیار یا اضطرار میں تھے، کیا اگر کوئی اضطرار یا اکراہ ... کی حالت میں ان چیزوں کو اختیار نہ کرے اور قتل ہوئے تو گنہگار نہ ہوگا، اس قسم کی سیکڑوں نہیں ہزاروں نظیریں شریعت میں پائی جاتی ہیں، سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا نہیں جا سکتا، کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عبداللہ بن اریقط دیلی کو بوقت ہجرت اپنا رہبر بنانا جبکہ کفار جان کے درپے تھے، اس پر روشنی نہیں ڈالتا، وہ جس راستہ پر سب کی نجات سمجھتا تھا لیجاتا تھا۔ آپ اس کے ساتھ تھے اور اتباع کرتے تھے، اس پر اعتماد کئے ہوئے تھے، وہ رہنما تھا اور راہوں سے واقف تھا، ہجرت فرض تھی، پھر اس رہنمائی اور اتباع میں کیا فرق ہے بدرقہ کہکر اس کو ٹالدینا قرین عقل وانصاف کیونکر ہو سکتا ہے، مدینہ منورہ میں پہنچکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے حلف کیا اور مشرکین سے جنگ جاری رکھی حدیبیہ میں مشرکین سے صلح کیا اور یہود سے جنگ کی، کیا ان میں ہمارے لئے روشنی نہیں ہے، ہم ہرگز اس کو روا نہیں رکھتے کہ احکام شرعیہ میں ادنیٰ سا بھی تغیر کیا جائے اور کسی غیر مسلم یا مسلم کی قیادت کے ماتحت کوئی بھی شرعی حکم چھوڑا یا بدلا جائے، اور اسی وجہ سے جمعیۃ العلماء کا قیام ہر زمانہ میں ضروری اور لازم سمجھتے ہیں، اور مسلمانوں کے لئے واجب جانتے

ہیں کہ اس کی ہدایت پر عمل کریں، ہاں یہ بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ احکام شرعیہ میں اس کے ماہرین کا غور و خوض ہو اور اپنی پوری قوت دماغی اور عمل سے کام لے کر مسلمانوں کی رہنمائی کیجاوے جہانتک ہم سمجھ سکتے ہیں جمعیۃ نے آج تک یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے، وہ نہ قوت باطل سے دب کر کوئی تغیر احکام میں کرتی ہے، نہ آج تک اس نے کی ہے، اور نہ وہ کسی طمع اور لالچ میں آکر کسی کی مداہنت کرتی ہے، نہ اس نے آج تک کی ہے، نا واقفین شریعت اپنے اپنے خیال کے مطابق تنقیدات اور اعتراضات کی بوچھار کرتے رہے ہیں، مگر انھوں نے مراکز رسالات علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کب معاف کیا تھا، جو آج ان سے کوئی امید کی جائے۔ والسلام

میری معروضات سابقہ سے آپ خود سمجھ جائیں گے کہ مسلم جماعتوں کا آپس کا اختلاف خود رائی اور خود غرضی، نفس پروری، خود بینی اور عدم اتباع شریعت اور حکومت وقت کی تفرقہ اندازی، لیڈروں کے ہوس اقتدار وغیرہ کی وجہ سے ہے جس کو تجربہ ہی سے بھانپا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ اخلاص وللہیت بہت ہی کم یا عنقا ہے، دعوے بہت ہیں، الفاظ بہت زیادہ ہیں، حقیقت اور معنی تقریباً مفقود ہیں۔ بھولے بھالے لوگ دھوکوں میں آئے ہوئے ہیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ یکم محرم ۱۳۶۱ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۰) مکرمی معظمی جناب مولانا صاحب زاد عنایتکم۔ السلام علیکم۔ بعد آداب مسنون کے عرض ہے کہ مجھے یہ خیال بہت دنوں سے گھیرے ہوئے تھا کہ کیا ہم کانگریس میں شامل ہو کر ہی آزادی حاصل کر سکتے ہیں، علیحدہ ہو کر اس عظیم کام کو سر انجام نہیں دے سکتے، اور کیا مسلمان ہندوؤں کی قیادت میں ہی حصول آزادی کے لئے کوشش کر سکتے ہیں، جب آج میں نے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا مضمون پڑھا تو مجھ پر کلی طور پر یہ یقین طاری ہو گیا کہ مسلمان اگر غیر مسلم کی قیادت میں کوئی کوشش کریں گے تو وہ بے سود ثابت ہوگی، اور اگر کچھ کامیابی بھی ہوئی تو وہ صرف سطحی ہوگی، اور اسلام کے (باقی ص ۴۰۲ پر)

# مکتوب نمبر ۱۵۸
## مولانا ابوسعید خدا بخش صاحب ملتانی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف، ابوالاعلیٰ صاحب

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۱) اصولوں کے خلاف ہوگی، لیکن میرے دماغ میں اسی وقت یہ خیال آیا کہ جب ہمارے سب علما کانگریس میں شامل ہو گئے ہیں تو ہم کیونکر پیچھے رہ سکتے ہیں، لیکن شامل ہونے سے پہلے میں نے یہ سوچا کہ پہلے پہل مجھکو وجہ تو معلوم ہونی چاہیئے جس کی وجہ سے ہمارے مقتدر علماء کانگریس میں شامل ہوتے ہیں، ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ آپ ازراہ نوازش یہ بتائیں کہ آپ سب حضرات کانگریس میں کیوں شامل ہوئے اور کیوں علیحدہ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے ہندوؤں سے آگے بڑھ کر حصول آزادی کے لئے کوشش کو پس پشت ڈال دیا ہے، ضرور ممنون شکر گزار ہونے کا موقع عنایت فرمائیں گے، عین نوازش ہوگی میری اپنی حقیر رائے یہ ہے کہ مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جس شکل سے بھی جمع ہو سکیں جمع کر کے جنگ آزادی لڑیں اور پھر دوسری اقوام ہمارے پیچھے چلیں اور ہر کام میں ہم ہی پیش پیش ہوں مجلس احرار مسلم لیگ، جمعیۃ العلماء ہند کا ایک ہی مقصد اور وہ ہے مسلمانان ہند کو بحیثیت مجموعی ہندوستان میں آبرومندانہ اور خود مختارانہ زندگی بسر کرنے کے قابل بنایا جائے، اور ان کے جائز حقوق اور مفاد کی حفاظت کیساتھ سیاسی ترقی کیلئے میدان وسیع کیا جائے۔

جب ایک ہی مقصد ہے تو یہ نفاق واختلاف کی خلیج اتنی وسیع کیوں ہے، یہ جو خلیج اتنی وسیع تر ہوتی جارہی ہے اس کو روکنے کی تدبیر کو کیوں معرض وجود میں لایا نہیں جاتا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا مضمون ساتھ ہی بھیج رہا ہوں مہربانی فرما کر جواب دیکر ضرور ممنون ومشکور فرمائیں گے۔ (راقم عبدالوہاب خاں گھنڈوی)

حضرت امام العصر دامت برکاتہم کا یہ والا نامہ بڑی شرح کا محتاج ہے، یہود مدینہ سے حلف کا واقعہ سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔ جس پر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے (باقی ص ۴۰۳ پر)

ایک اخبار نویس ہیں، تحریرِ مضامین اور تراجم وغیرہ سے کوئی شخص صاحبِ فتویٰ نہیں ہو سکتا، نہ صرف واقفیت زبان اس کیلئے کافی اور نہ کسی کا اپنی زبان زوری سے لوگوں کو لبھا لینا قابل اعتماد

---

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۲) مفصل بحث فرمائی ہے، ان میں سے چند دفعات کو ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

(۱) یہ تمام معاہد جماعتیں (قریش، مہاجرین، انصار، یہود مدینہ) دوسری غیر مسلم غیر معاہد جماعتوں کے مقابلہ میں ایک اور ایک قوم شمار ہوگی۔ (۲) مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ہر ایسے شخص کی علی الاعلان مخالفت کریں جو کہ فتنہ و فساد برپا کرتا ہو اور خلق خدا کو ستاتا ہو۔ تمام مسلمانوں کو متفق ہو کر اسکے خلاف کام کرنا لازم ہے اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔ (۳) کسی مسلمان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ مسلمان کے خلاف غیر مسلم محارب کو مدد دے اور اس کی اعانت کرے۔

کہا گیا ہے کہ اس معاہدہ میں باہمی تنازعات کے متعلق رسول اللہ صلعم کے فیصلہ کو آخری تسلیم کیا گیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کے اشتراک عمل کے لئے اس کو شرط کی حیثیت نہیں دی جا سکتی، کیونکہ اگر کسی موقع پر مسلمانوں کی یہ حیثیت نہ ہو اور غیر مسلم قوم کے اشتراک عمل کے بغیر خود مسلم مفاد تباہ و برباد ہو رہا ہو اور ایک تیسری قوم کو تقویت پہنچتی ہو جو مسلم اور غیر مسلم دونوں کو کچل رہی ہے تو کیا مدبرین اسلام کے لئے جائز ہوگا کہ وہ خاموشی کے ساتھ مسلمانوں کے ملی اور اجتماعی مفاد کی بربادی کا تماشا دیکھتے رہیں اور کیا الحرب خدعۃ وغیرہ نصوص کا تقاضا نہ ہوگا کہ وہ غیر مسلم سے اشتراک کر کے اس تیسری جماعت کو ختم کر دیں؟

اسی کے ساتھ ہندو اور انگریز دونوں کی مثال سامنے رکھنا چاہیئے اور پھر غور کرنا چاہیئے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کس نے ختم کی، کس کے قوانین نے مسلمانوں کو مفلس اور قلاش بنایا اور کس کے کورس و نصاب تعلیم نے مسلمان نوجوانوں کو زندقہ اور الحاد کے طوفان کی نذر کر دیا، حجاز مقدس، شام، عراق، ایران، فلسطین وغیرہ ممالک اسلامیہ کی تباہی اور قحط بنگالہ جیسے جگر شگاف حوادث و سانحات کے شرمناک دھبے کس کے دامن پر ہیں وغیرہ، اور غیر مسلم محارب کون تھا؟ کیا مشرک اور کافر غیر محارب اگر کوئی مشورہ یا خیر خواہی کی بات کہے تو اس کو اسلام نے قبول نہیں کیا ہے؟ کیا صلح حدیبیہ میں (باقی ص ۴۰۴ پر)

قرار دیا جا سکتا ہے، آپ روزانہ دنیاوی معاملات میں ججوں اور ہائیکورٹوں میں وکلاء اور بیرسٹروں کے اقوال کو جو کہ لاگی تعلیم حاصل کر کے سرٹیفکٹ حاصل کر چکے ہیں قابل اعتماد قرار دیتے ہیں، غیر سند یافتہ وکیل یا بیرسٹر کو خواہ وہ کتنا ہی فیلسوف اور لا کے علاوہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۳) بدیل ابن ورقا جو بنی خزاعہ کے سردار تھے اور مسلمان نہیں ہوئے تھے، ان کے مشورہ کو نہیں قبول کیا گیا؟ امام زرقانی رحمہ اللہ نے اسی واقعہ کے تحت تحریر فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| ویستفاد جواز استنصاح ملوك العدو استظهاراً علی غيرهم ولا يعد ذلك من الموالاة للكفار ولا من موادة أعداء الله | اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کافر بادشاہوں سے دوسرے محارب کے مقابلہ میں خیرخواہی کی باتیں قبول کرنا جائز ہے اور یہ امر کسی طرح موالات کفار اور خدا دشمنوں سے محبت نہیں مانا جا سکتا |

مذکورہ بالا ثبوت کے مدنظر حضرت امام العصر نے سنہ ۳۸ء میں دہلی کے اندر متحدہ قومیت پر زور دیا کہ ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستانی اور بحیثیت متحد الوطن ہونے کے ایک قوم ہو جائیں اور اس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتی ہوئی سب کو فنا کر رہی ہے جنگ کر کے اپنے حقوق حاصل کریں الخ

اس تقریر کا پس منظر یہ تھا کہ جب انگریزوں نے عربوں کو ترکوں سے باغی بنایا تو یہ زہر پلا کر کہ آج قومیں مذہب سے نہیں بنتی بلکہ آج قومیں سیاسی اور اقتصادی مصالح کے پیش نظر بنتی ہیں، لہٰذا ترک جدا قوم ہے اور عرب جدا قوم ہے، عربوں کیلئے ترکوں کی غلامی عار ہے وغیرہ، یہ اسلامی ممالک کی بربادی کا ایسا حربہ تھا کہ اگر اس کے خلاف کچھ نہ کیا جاتا اور خاموشی برتی جاتی تو اس گناہ عظیم کی پاداش ناممکن ہوتی، امام العصر کی فراست نے انگریزوں کی اس خطرناک چال کو تاڑ لیا، اور جزاء سيئة سيئة مثلها. واعدوا لهم ما استطعتم کے پیش نظر اسیا توڑ کیا کہ سفید فاموں کے چھکے چھوٹ گئے، اختلاج شروع ہو گیا، اور سیاہ فام انگریز پرستوں کی زبانیں دراز ہو گئیں، مستقل ادارے تردید کے لئے قائم ہو گئے، جس کے لئے بڑے بڑے دست غیب لوگوں کو نصیب ہوئے کہ ہندوستان کی اندر سے متحدہ قومیت کے تخیل کو دور کریں۔ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب نے مسئلہ قومیت پر جو کچھ لکھا (باقی ص ۴۰۵)

مستعمل ہوتا تھا، اسی زمانہ میں شجرہ تصنیف کیا گیا ہے۔ ہم نے زمانہ طفولیت میں سن، سیدوں لوگوں کی زبان پر اسکو بہت زیادہ جاری پایا، مگر یہ لفظ عربی کے "حلال المعاقد" کا ترجمہ ہے جسب معنی لغوی خصوصیت ذات خداوندی کے ساتھ نہیں رکھتا، معانی شرعیہ کے اعتبار سے مشکل قسیم مجمل ومتشابہ ہوتا ہے جس کا مصداق ہر فقیہ صاحب الرائے ہو سکتا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بوقت ارسال یمن جبکہ انہوں نے شکایت فرمائی کہ میں حدیث السن ہوں اور آپ مجھکو قاضی اور حاکم بنا کر بھیجتے ہیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینۂ مرتضویہ پر دست مبارک مارا جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ فما شککت فی قضیۃ بعد پھر ان کے وہاں کے مشکل فیصلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کئے گئے ہیں جن پر آپ نے اظہار خوشنودی فرمایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "لولا علی لهلك عمر" وہ ایسے مشکل مقام میں تھا جو کہ مشہور ہے، مشکلات کے حل کرنے میں زمانہ صحابہؓ میں حضرت علی مشہور ہو گئے تھے، تا آنکہ سخت فیصلہ میں یہ مثل صحابہ کرام کی مشہور ہے، "قضیۃ ولا ابا حسن لها"۔ بہرحال سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا وجہ اس لفظ کے اباکی ہے۔ اگر کوئی خصوصی الوہیتہ یا نبوۃ ہوتی تو محل کلام تھا۔

---

سلہ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشکل کشا محض اسلئے کہا جاتا ہے کہ آپ آنحضرت صلعم کی توجہ اور دعا سے بڑے سے بڑے امور کو صحیح طور پر طے فرما دیتے تھے، اور صحابہ کی جماعت میں آپ کا لقب "حلال المعاقد" یعنی گرہوں کے کھولنے والے ہو گیا تھا۔ اسلئے معنی لغوی کے اعتبار سے کوئی خصوصیت ذات الٰہی سے نہیں ہوتی، اور یہ چیز تو ضرب المثل کے طور پر ہو گئی تھی کہ کوئی ایسا مقدمہ اور قضیہ نہیں کہ جس کو حضرت علیؓ نے صاف نہ کر دیا ہو، چونکہ بدعتی اور روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا اس خصوصیت کے ساتھ مانتے ہیں جو ذات بحت کا خاصہ ہے لہذا ان ہی نے اس لفظ کی ترکیب فارسی قرار دیکر اہل سنت والجماعت میں اس فقرہ کو پہنچایا جس میں قطعی طور پر رفض کی بو آتی ہے، راقم الحروف نے حضرت امام العصر سے اسی خیال خام کی تشفی چاہی جو بحمد اللہ اچھی طرح ہو گئی، اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ (باقی ص ۴۱۷ پر)

(۴) علماء صلحا کو خواب میں دیکھنا رؤیا ء صالحہ میں سے ہے اور مبارک امر ہے۔

(۵) آپ فرماتے ہیں "بسا اوقات بہت سے شغل اور اذکار صوفیہ پر بدعت کا گمان ہونے لگتا ہے، کیونکہ صاحب شریعت نے تزکیہ و اصلاح نفوس کیلئے جو مفید نسخہ تجویز کیا تھا اسکے اجزا کے تناسب میں رد و بدل کرنا اور بعض چیزوں کی مقادیر کو صاحب شریعت کی تجویز کردہ مقداروں سے بڑھا کر بعض دوسرے اجزا کی مقداروں کو اسی نسبت سے گھٹا دینا من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد کے تحت نہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں" محترما! اگر کوئی چیز کسی نے ایسی کہی ہے یا لکھی ہے جو صراحتاً خلاف شریعت ہے، وہ تو یقیناً مردود ہے، ہی مگر جو چیز اباحت و استحباب کے ماتحت داخل ہو اسکا فرمانا مقادیر کی یا اغراض وغیرہ کی کمی بیشی ایسی ہی ہے جیسے قرآن میں اعراب لگانا، اس کو طبع کرنا، اس کی جلد باندھنا اس کی تدریس و تعلیم اور مکاتیب اور ان کے لوازم کو عمل میں لانا، جس کو حکماء امت نے ضروریات زمانہ اور مقتضیات و استعدادات اقوام کے مطابق فرائض یا واجبات کو عمل کرنے کے لئے موقوف علیہ یا ضروری سمجھ کر وضع فرمایا ہے قاعدۂ ملیتوقف علیه المامور بہ فھو مامور کا قاعدہ سب کو ماننا ضروری ہے، کیا اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد کے لئے آپ توپ مشین گن اور اسلحہ جدید کو بدعت فرمائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ نفوس زمانہ سعادت میں جس قدر استعداد رکھتے تھے اس کے مطابق اور ماحول کے اثرات کے ماتحت خیر القرون میں عدد و قیود اور کیفیات درکار تھیں، مگر بعد میں واجبات ذکر اور تقرب الی اللہ کے لئے حکماء ارواح کو ازمنہ متاخرہ میں اعداد قیود ضروری معلوم ہوئیں ان کو بدعت فرمانا اور علم ظاہر و جہاد کے اسلحہ کے لئے شرع

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۶) حضرت علیؓ کو مشکلکشا کہنا اور اس سے مراد مشکل مسائل کا حل کرنا ہو تو اسکے بولنے میں کوئی حرج نہیں ہے، باقی اپنی رائے یہ ہے کہ لفظ مشکل کشا کا استعمال حضرت علیؓ کے لئے اگر ترک کر دیا جائے تو اور زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ عوام اس فرق کو کیا جانیں۔

مسنون ہونے کا حکم دینا کیا ظلم نہیں قرار دیا جائے گا۔ پہلے والا نامہ کا جواب کسی سفر میں جاتے ہوئے لکھ چکا تھا کہ کوئی مانع پیش آیا اور جواب پورا نہ ہو سکا، پھر اس امید میں کہ کوئی فرصت ہو، یہ وقت آگیا۔ معاف فرمائیں۔

ہاں کسی مامور بہ میں اعداد اور اوضاع اگر مقصود بالذات ہوں جیسے اعداد رکعت صلوٰۃ مفروضہ اور اوضاع و ہیئات قیام و قعود و رکوع وغیرہ تو ان میں کمی زیادتی تغیر و تبدیل یقیناً ناجائز اور حرام ہوں گے۔ ظہر کو پانچ رکعت یا زیادہ اسی طرح ممنوع ہوگا جس طرح تین رکعت یا اس سے کم، مگر اشغال و اذکار میں اس کا وجود نہیں بلکہ اگر تتبع فرمائیں گے تو ان میں کماً و کیفاً اطلاق اور ازدیادی کا پتہ چلتا ہے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا۔ الآیۃ اگر کمیت کے اطلاق پر دلالت کرتا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ الآیۃ۔ یہ کیفیت کے اطلاق کو بتاتی ہے وعلیٰ ہذا القیاس آیات و احادیث اس بارہ میں اگر تلاش کیجائیں تو مندرجہ بالا مضمون کا عظیم الشان ذخیرہ ہاتھ آئے گا، بہرحال یہ اشکال بالکل بے موقع ہے، امراض باطنیہ کے تفاوت کی بنا پر علاج اور ادویہ میں تفاوت کا ہونا ضروری ہے زمانہائے مشہود لہا بالخیر پر اس زمانہ کو جو کہ مشہود لہا بالشر ہے مساوی قیاس کرنا غلطی ہوگی۔[1]

---

[1] راقم الحروف نے اپنے عریضہ میں جو شکوک ظاہر کئے تھے وہ مکتوب ہذا میں حضرت امام العصر نے اصل نقرے نقل فرما دئیے ہیں، اور پھر جو تحقیق فرمائی ہے وہ بھی موجود ہے۔ الحمد للہ کہ اس سے پورا اطمینان ہوگیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطب کی خوبی کا اندازہ حضرت امام العصر کے ارشادات اور حضرت مولانا تھانوی کے مواعظ سے کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ہر دو بزرگوں اور روحانی طبیبوں کا ایک ہی نقطہ نظر ہے، الفاظ میں فرق ہوا کرتا ہے۔ دوسری بات جو حضرت امام العصر کے والا نامہ سے معلوم ہوئی وہ آیت سورہ آل عمران و آیت سورہ نساء میں بصراحت موجود ہے، یعنی کثرت ذکر اور دوام ذکر، ظاہر ہے کہ جب ہم یہ بولتے ہیں کہ فلاں کی یاد اٹھتے بیٹھتے جاگتے سوتے قائم رہتی ہے (باقی ص ۴۱۹ پر)

اب میں آپ کے اس والانامہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جو کہ آپ نے ۹ اور جب کو ارسال فرمایا ہے، بابو عین الحق صاحب کے متعلق غالباً اسی وقت عرض کر دیا گیا تھا، ان شاء اللہ بہر حال میں نے اس وقت بھی دعا کی تھی اور اب بھی دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے، آمین، مہارکپور میں اس زمانہ میں بابو فضل الرحمٰن صاحب کی اہلیہ محترمہ کا والا نامہ ایک صاحب لے کر آئے تھے، جس میں مندرج تھا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تو ہم لوگوں سے بہت کشیدہ خاطر ہے، اس کا ہم کو بہت افسوس ہے، ہماری بڑی خواہش ہے کہ تو تاپسی پر ہمارے یہاں چند گھنٹہ قیام کرتا ہوا واپس ہو۔ (یہ روایت بالمعنی ہے) میں نے جواب میں لکھا کہ آپ سے خفگی کی کوئی وجہ نہیں، ہاں بابو صاحب کے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوئی تھیں

---

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۸) تو اس سے مراد کثرت اور دوام ہی ہوتا ہے، قرآن مجید و احادیث میں ذکر کی فضیلت و اہمیت پر اتنی آیات و احادیث صحیحہ موجود ہیں کہ کہنا پڑتا ہے کہ ذکر خدائے تعالیٰ ایک بلند اور قوی ترین رکن ہے، سلوک اور معرفت الٰہی کا اور کوئی ہرگز ہرگز بغیر دوام ذکر کے خدا تک نہیں پہونچ سکتا حضرت دقاق فرماتے ہیں "ذکر منشور ولایت است" نماز بہترین عبادت اور بلند ترین ذکر ہے، مگر بعض اوقات ایسے ہیں کہ اس وقت اس کو نہیں ادا کیا جا سکتا۔ بخلاف اس کے ذکر یعنی یاد یا یادداشت یہ ہر وقت رکھی جا سکتی ہے، حضرت امام مالکؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ایسے مواقع جہاں ذکر زبان سے نہیں کر سکتے وہاں دل سے ذکر کرنا خلاف نہیں، بعض لوگوں کو خبط ہے کہ ذکر بلا فکر صحیح نہیں، انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ ذکر فکر سے کامل چیز ہے اللہ تعالیٰ ذکر سے موصوف ہے اور فکر اسکی شان کے منافی ہے، یہ ذکر ہی کے خصائص میں سے ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ یہاں ذکر کا تقابل ذکر ہی سے فرمایا گیا وکفی باللہ شہیداً، یعنی تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا حضرت حسن فرماتے ہیں کہ مٹھاس اور حلاوت ایمان تین چیزوں میں تلاش کیا کرو۔ نماز، ذکر اور تلاوت، پس اگر حلاوت محسوس ہو تو سمجھ لو کہ بہتر ہے، ورنہ یقین رکھو کہ دروازہ بند ہو چکا ہے۔ حضرت استاد امام مولانا فراہیؒ نے مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے سوال کے جواب میں عجیب حکمت قرآنی بیان فرمائی ہے۔ (باقی ص ۴۲۰ پر)

سوا ان سے کشیدہ خاطر ہو کر میں کیا کر سکتا ہوں، اور چونکہ واپسی پر مجھکو مہلت نہیں ہے، اس لئے حاضری سے معذور ہوں (غالباً یہی مضمون تھا) بہر حال بابو صاحب کی اہلیہ محترمہ سے نور بخش کی وجہ کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی، البتہ اگر بابو صاحب سے مجھکو رنجش نہ ہوتی تو مانع کیا تھا، جب کہ واپسی پر موٹر ان کے گھر کے سامنے سے گذرتا ہوا اسٹیشن پر گیا تھا، میں آدھ گھنٹہ یا اس سے کم و بیش کے لئے وہاں نہ ٹھہرتا، بہر حال ان کے غلط اعمال پر مجھکو یقیناً صدمہ ہے مگر واقعہ یہی ہے کہ میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ میں ایک معمولی غریب آدمی ہوں، اور وہ ایک رئیس زمیندار ہیں، میں ان سے رنجیدہ ہو کر ان کا کیا بگاڑ سکتا ہوں، اور ان کی طبیعت پر میرے کبیدہ خاطر ہونے کا کیا اثر ہو سکتا ہے، ان کی اہلیہ محترمہ بیچاری عورت ہیں، عورتوں کو ضعف قلب کی وجہ سے کچھ اثر ہو جاتا ہے، بہر حال بابو صاحب ایک امیر آدمی ہیں اور وہ اپنے گھر خوش رہیں، میں ایک غریب آدمی ہوں اپنی غربت میں خوش ہوں، میرا فریضہ ہے کہ ان کے لئے ان کے کنبہ کے لئے اور تمام امت محمدیہ کے لئے دست بدعا ہوں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۹) ارشاد ہوتا ہے کہ عبادات کے دو اصل الاصول ہیں ایک ذکر اللہ دوسرے مواسات خلق خوب بات ہے کہ ساری شریعت و طریقت کا ماحصل اسیقدر ہے، تیسری بات جو راقم الحروف کو ہدایت فرمائی گئی ہے وہ ۶-۷ سال ارباب ثروت میں قیام کرنے سے حرف بحرف حقیقت بنکر سامنے آئی کہ اصحاب مال و دولت سے اتصال پیدا کرنے میں یہ خطرہ پیش آتا ہے کہ یہ لوگ بہت جلد مجازی خدا رازق بن کر بندگی کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں، اس کے سد باب کرنے کے لئے خودداری تعفف اور بے لاگ راست روی سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر ذرا بھی خامی برتی جائے گی تو نہ صرف یہ کہ ان کی خداوندی مسلط ہو جائیگی بلکہ دین بھی ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چلا ہے، الحمد للہ کہ بزرگوں کی توجہ اپنے شریک حال ہوئی اور بتدریج اصول دین اور فروع اسلام کی دعوت دیگئی اور غلط رسم و رواج اور بدعات جس نے مذہب کی صورت اختیار کر لی ہے اس سے آگاہ کیا گیا۔ اور اپنے حلوے اور مانڈے کی فکر میں اسلام کو بدنام نہیں کیا گیا اور صاف کہدیا گیا ؎

برو این دام بر مرغ دگر نہ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے اور سبھوں کو مقاصد دارین میں کامیاب فرمائے۔

حضرت مولانا! معلوم ہونا چاہیئے اہل دنیا روٴساء سرمایہ دار صرف مادیت اور اسکی قوت کے معترف اور دلدادہ اور پرستار ہوتے ہیں، ہم جیسوں کو تو وہ اپنے جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں سمجھتے، میرے تعلقات اہل ثروت سے نہایت ہی کم بلکہ تقریباً معدوم ہیں، یہ لوگ نہ پیر کے ہوتے ہیں نہ فقیر کے۔ بہر حال جو کچھ پیش آنا تھا وہ آچکا ہے آپ کو بھی کبیدہ خاطر نہ رہنا چاہیئے۔

(۶) اول وقت پر نماز بیشک بہتر ہے، مگر جن روایات میں اول وقت کا ارشاد ہے ان میں اول وقت جواز مراد ہے، یا اول وقت استحباب، بر تقدیر شق اول بہت سی روایات صحیحہ کا ترک لازم آتا ہے، اور بتقدیر شق ثانی پر جمع بین الروایات ہو جاتا ہے، وھو الاوفق لظاہر الروایۃ عن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

(۷) آدمی کتنا بھی بزرگ ہو جائے مگر پھر بھی انسان ہے، انسانی کمزوریاں علم یا سلوک سے فنا نہیں ہوتیں البتہ نفسانی خباثات میں کمی آجاتی ہے، انقلاب ماہیت ہو جائے تو پھر مضاعفت اجر و ثواب کیونکر ہو، ملک جو کہ ان کمزوریوں سے طبعاً خالی ہے، مستحق اجر و ثواب نہیں)، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی تو بات ہی نرالی ہے، مگر ہمہ شما میں یہ کمزوریاں ضروری ہیں، مشاجرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی شاہد عدل ہیں

---

لہ احادیث و آثار کے تعارض کی صورت میں جمع و تطبیق کی راہ مجتہدانہ راہ ہے اور یہ بہت مشکل چیز ہے اس کو وہی نباہ سکتا ہے جس کی نظر اسناد و حدیث پر گہری ہو، یہی تفقہ فی الدین ہے، باقی بخاری و مسلم سے چند احادیث ذکا لکر عمل درآمد کرنا یہ وہی کر سکتا ہے، جس کا مبلغ علم، فہم و فراست سے خالی ہے، اس مکتوب میں حضرت امام العصر نے جمع و تطبیق کی صورت اختیار فرمائی ہے، جو ہمارے لئے بہترین اسوہ ہے، جہاں تک ہماری نظر نہیں۔

دوسری چیز کہ انسانی کمزوریاں علم یا سلوک سے فنا نہیں ہوتیں البتہ نفسانی خباثات میں (باقی ص ۴۲۲)

بہرحال ایسی کمزوریاں اپنے سے حتی الوسع دفع کرنا چاہیئے، اور دوسروں میں ان پر نظر نہ ڈالنی چاہیئے، بلکہ اس کے وصف کمال کو تلاش کرنا چاہیئے۔ اگر مل جائے تو اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ انسان ممکن بالامکان الخاص ہے اور اصل ممکنات کی عدم ہے، اور عدم ہی تمام شرور و نقائص کا مبدء اور منشاء ہے، بنابریں ممکنات کا نقص طبعی اور اصلی ہے البتہ کمال موہبی ہے وہی قابل توجہ ہے، اس لئے کبھی نقائص سے دلگیر اور متاثر نہ ہوں، ہدانا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ۔ آمین۔

(۸) صلوٰۃ الاوابین کے متعلق اختلاف مسمی میں نہیں ہے۔ تسمیہ میں ہے۔ مشہور یہی ہے کہ نوافل بعد المغرب کو صلوٰۃ الاوابین کہا جاتا ہے، اور ضحوہ کبریٰ کی نوافل کو صلوٰۃ الضحیٰ اور چاشت کہا جاتا ہے مگر صحاح میں ہے۔ صلوٰۃ الاوابین حین ترمض الفصال[۱]

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۱) کمی آجاتی ہے، اس عارفانہ تحقیق نے مدعیان سلوک اور تصوف کی بہت غلط فہمیوں کو دور کر دیا ہے۔ یعنی یہ کہ ریاضت و مجاہدہ سے استیصال رذایل نہیں ہوتا بلکہ رخ بدلجاتا ہے۔ اور ہماری یہ کمزوریاں ہی اجر و ثواب کا سبب بنجاتی ہیں، اور پھر توبہ، ریاضت اور انابت سے اخلاق ذمیمہ میں کمی آجاتی ہے، لیکن انقلابِ ماہیت اور تبدل سور نہیں ہوتا ہے، اسی لئے حکم ہے کہ لوگوں کی خوبیوں پر نظر ہونی چاہیئے نہ کہ برائیوں پر، کیونکہ غلطی کا کرنا یہ انسان کا طبعی اور اصلی نقص ہے اور یہ خوبیاں عطیۂ خداوندی ہیں جو لائق توجہ ہیں، مگر ہو رہا ہے یہ کہ برائیوں کی تلاش کیجا رہی ہے اور خوبیوں کو بھی برائیوں میں تبدیل کرنا سب سے بڑی دینی خدمت قرار دیا جا رہا ہے اور یہ وہی زیادہ کر رہے ہیں جن کو تصوف کا ہیضہ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمکو اور انکو ہدایت نصیب فرمائے آمین

[۱] صلوٰۃ الاوابین اس وقت ہے کہ اونٹوں کے بچے گرم ہوں، یعنی ان کے قدم شدت آفتاب سے قریب دوپہر جلنے لگیں، مسلم شریف کی اس روایت نے فیصلہ کر دیا کہ صلوٰۃ الاوابین کا وقت بعد مغرب یا رات کے کسی حصہ میں نہیں ہے، بلکہ وہ دن میں دوپہر کے قریب ہے، چنانچہ شارحین حین ترمض الفصال کے تحت لکھتے ہیں حین تحترق اخفافہا من شدۃ حر النہار وہی عند مضی ربع النہار فتدبر۔

اس لئے اقرار کرنا پڑے گا کہ نوافل بعد المغرب کا تسمیہ غلط العوام میں سے ہے۔

(۹) قنوت نازلہ کیلئے الفاظ مخصوص نہیں ہیں حسب نازلہ اور حسب حضور قلب الفاظ استعمال کئے جائیں۔[1]

(۱۰) نمازوں کے قضا ہونے کی وجہ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں ایک وہ گناہ جو عدول حکمی کی بنا پر ہوتا ہے، دوسری چیز اشتغال ذمہ جو کہ وجوب نماز اور وقت کی بنا پر ہوا تھا، توبہ اور اس کی قبولیت کی بنا پر وہ گناہ جو عدول حکمی اور احترام وقت کے ٹھکرانے سے ہوا ہے، زائل ہو جائیگا مگر امر ثانی یعنی فراغت ذمہ تو جب ہی ہوگا جبکہ واجب کو ادا کر دیا جائیگا، اسلئے قضا ضروری ہے، دنیاوی دیون ناس پر خیال فرمایئے۔[2]

---

[1] قنوت نازلہ آنحضرت صلعم نے بیر معونہ کے واقعہ کے بعد قراء صحابہ کے قاتلین پر ایک مہینہ تک نماز فجر میں رکوع کے بعد بددعا اور لعنت کی چنانچہ تمام روایات اور صحابہ کرام کا تعامل اس پر دلیل ہے کہ نازلہ کے وقت قنوت پڑھنا مشروع ہے، حتی کہ جمہور اہل حدیث کے نزدیک نوازل کے وقت ہر نماز میں قنوت جائز ہے، خلاصہ یہ کہ جب کوئی مصیبت مسلمانوں پر آجائے تو بحر الرائق نہایہ اشباہ وغیرہ میں صلوٰۃ جہریہ کے اندر بھی قنوت پڑھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے، البتہ امام طحاویؒ اور دوسرے فقہاء سے روایت ہے کہ صرف صلوٰۃ فجر میں قنوت پڑھی جائے قال الامام محمد اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یر قانتا فی الفجر حتی فارق الدنیا الا شھرا ولحل اقنت یدعوا علی حی من المشرکین لم یر قانتا قبلہ ولا بعدہ (کتاب الآثار) اس سند کے متعلق ابن امیر الحاج فرماتے ہیں، لا غبار علیہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے فجر میں کبھی قنوت نہیں کیا، سوائے ایک مہینہ کے غالباً اسی روایت کی بنا پر امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں صلوٰۃ فجر میں قنوت نہیں چاہیئے، لیکن اگر کوئی فتنہ ہو جائے یا مسلمانوں پر کوئی بلا نازل ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، حضرت امام العصر کی تحقیق یہی ہے کہ حسب نازلہ اور حسب حضور قلب الفاظ استعمال کئے جائیں جیسا کہ حضرت ممدوح کا عمل پایا گیا ہے۔ [2] راقم الحروف نے حضرت امام العصر سے قضا عمری کے متعلق یہ شبہ پیش کیا تھا کہ جب توبہ کر کے کوئی نماز کا پابند ہو گیا اور اب قضا نہیں ہوتی تو پھر تو ماقبل کو بھی ذمہ سے قطع کر دیا اب پھر قضا عمری کی کیا ضرورت ہے، اس پر حضرت امام العصر نے ذیل کا ارشاد فرمایا اور ناچیز کو تشفی ہو گئی۔ دوسرا شبہ یہ پیش کیا تھا کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں عمل شیطانی ہے اور فلاں غیر شیطانی ہے، اس پر بھی حضرتؒ اصولی تحقیق فرمائی جو نہ صرف اسی مسئلہ کے بارے میں ہو سکتی ہے بلکہ صدہا مسائل دینی کو حاوی ہے۔ قال

(۱۱) جملہ امور میں نیت کو دخل ہے جو اعمال کیلئے بمنزلہ روح ہے، اور عمل ظاہری شبح ہے، اگر شبح مقصد سے مناسبت رکھتا ہے اور نیت ابتدائی لوجہ اللہ باخلوص ہے تو وہ عمل صحیح ہے، اگرچہ بعد میں کوئی شائبہ ریا یا سمعہ کا پیش آگیا ہو اور اگر نیت ابتدائی لوجہ الغیر ہے تو اس عمل کے شیطانی ہونے میں شک نہیں، خواہ کتنا ہی اس عمل کو سنوارا جائے واللہ اعلم

(۱۲) روایات کے وضع اور سقم و صحت کا مدار سند اور رواۃ کے احوال اور صفات پر ہے، امام بخاری اور دیگر محدثین اس کو معیار قرار دیتے ہیں، متن کی معقولیت اور غیر معقولیت ان کا نصب العین نہیں ہے، بخلاف ائمہ کلام و اصول ان کا نصب العین متن ہے، جو روایت ان ائمہ کی نظر میں قطعیات اور اصول دین اور مجمع علیہ کے خلاف ہوگی اسکو موضوع قرار دینگے خواہ رواۃ کیسے ہی بلند پایہ کیوں نہ ہوں اور محدثین اگر سند کو معیار وثاقت و حفظ وغیرہ پر کامل پائیں گے تو صحت کے مقر ہو جائینگے خواہ متن کا کچھ حال ہو، ائمہ کلام جن متون کو قطعیات کے خلاف سمجھکر ان کے منکر ہو جاتے ہیں ان میں بسا اوقات غور و فکر کی کوتاہی یا صاحب نظر کا ضعف فکر بھی باعث بنجاتا ہے، اور یہی امر باعث تفاوت مراتب ہے رب مبلغ اوعیٰ من سامع[۱] اور من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین[۲] اور فقیہ واحد اشد علی الشیطن من الف عابد[۳] اس کے شواہد ہیں، بنابریں تحقیق اور مکمل توجہ اور تفتیش کی ضرورت ہے، اس بارہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قدر و منزلت معلوم ہوتی ہے چونکہ میں سفر ریل میں الٰہ آباد اور کانپور کے درمیان یہ جواب لکھ رہا ہوں کتابیں پاس نہیں ہیں، اس لئے اجمال پر اکتفا کرتا ہوں، الغرض روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ در بارہ عبد اللہ بن ابی اور روایت لا یبقی علی ظہر الارض الخ میں گفتگو محض ظاہری فہم و قلت تدبر کی وجہ سے منکر ہے، ورنہ ہر دو میں کوئی تخالف قطعیات کا موجود نہیں ہے۔

---

۱ بہت سے پہنچائے گئے سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں ۲ اللہ کو جسکے ساتھ بھلائی مدنظر ہوتی ہے اسکو دین میں سمجھ عنایت فرماتے ہیں ۳ ایک فقیہ سخت تر ہے شیطان پر ہزار عبادت گزار سے۔

(۱۳) تصورِ ذات پر اور اسکے مراقبہ پر جناب کا اشکال میری سمجھ میں نہیں آیا، اگر تصورِ ذات بحت ایسا غیر ممکن ہے تو پھر صفات کا اثبات اور توحید کا اعتقاد اور تصدیق سب باطل ہو جائینگے کیونکہ حکم بغیر تصورِ محکوم علیہ اور محکوم بہ ناممکن ہے، اور جب حکم بالصفات کیلئے تصورِ محکوم بہ فی الجملہ سوا ارکان بالکنہ او بکنہہ بالوجہہ کافی سمجھا جاتا ہے تو یہی تصورِ ذات بحت میں کیوں نہ کافی ہوگا، اسکو یہ فرمانا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ یا بعض متاخرین کا استخراج ہے اس سے مجھکو اتفاق نہیں ہے، لفظ اللہ جبکہ اسم ذات ہے اور اسکے ذکر کا حکم آیات و احادیث میں موجود ہے۔ اور جبکہ ذکر حقیقۃً قلبی اور روحانی امر ہے جسکو ہم اپنی زبان میں یاد کرنے سے تعبیر کرتے ہیں تو ان احکام کا مقتضیٰ اعلیٰ تو تصورِ ذات ہی ہوگا، اسم کا زبان سے کہنا نہ تو یاد اور ذکر حقیقتاً ہے اور مدلول لفظ اللہ یعنی مسمیٰ کا ذکر ہے، ذرا غور فرمائیے، اسم کو زبان سے یا قلب اور سر و خفی وغیرہ سے کہنا یہ تو مجازاً ہے، مسمیٰ اور اسم میں تفاوت عظیم ہے اگرچہ لا عین[1] و لا غیر کا مسلک قوی ہے۔

(۱۴) حبس دم کی نسبت یہ ارشاد کہ جوگیوں سے لیا گیا ہے یہ بھی محل غور و فکر ہے اسکا ثبوت کیا ہے، کیوں نہیں کہا جا سکتا ہے کہ جسطرح ریاضات اور طرق ذکر و سلوک اور انکی قیود وغیرہ اہل تصوف نے اپنے زمانہ میں اپنے اجتہاد اور تجربہ سے استخراج کی ہیں انہی میں سے یہ بھی ہے، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی اور انکے ہمعصر اس فن کے مجتہد اعظم ہیں انہوں نے یا انکے شاگردوں اور احباب نے مثل دیگر اشیاء ان کا بھی استخراج کیا ہو، اور جسطرح ایک شاعر کا قول دوسرے کے قول کیمطابق پڑ جاتا ہے، اسیطرح یہ بھی ہوا ہو، علاوہ ازیں جبکہ نفوس انسانیہ ایک ہی ہیں، ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں تو ان نفوس کی اصلاح کا طریقہ اگر متحد ہو جائے بالخصوص جبکہ فرمایا گیا ہے کہ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً[2] تو یہ امر بھی شرعی طور سے متحد ہو گیا ہو، بالاخص اس تقریر پر جو کہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں قدس سرہ العزیز ہندوؤں کے دین و ملت کیمتعلق اپنے مکتوبات میں فرما رہے ہیں تو اسمیں مضائقہ ہی کیا ہے، مگر آپ غور فرمائینگے تو صوفیہ کے حبس دم اور جوگیوں کے حبس دم میں بہت فرق ہے، اور صوفیہ نے دفع وساوس و خطرات کیلئے ان میں تھوڑی سی تعداد حسب تجربہ

[1] عینیت کے معنی ہیں دو چیزوں کا ہر طرح سے ایک ہونا کہ اسمیں کسی قسم کا فرق نہ ہو، اور غیریت یہ کہ دونوں میں کسی قسم کا تغایر و امتیاز یا فرق ہو، دونوں میں تناقص ہے، اور یہی معنی لغوی بھی ہیں، لہذا یہ بات مدنظر رہنی چاہیے کہ کوئی اسم باری تعالیٰ کی ذات نہیں ہے۔ [2] تھے سب لوگ ایک دین پر۔

سفر کرنے کے ذریعہ توجہ الی الذات اور انہماک فی المراقبہ قرار دیا ہے، جوگی اسمیں بہت زیادہ غلو کرتے ہوئے مقصود بالذات قرار دیتے ہیں۔

محترم المقام! اوامر شرعیہ کے اقسام متعدد ہیں، بعضے تو ایسے ہیں جنمیں قیود اور خصوصی احوال متصورات اصلیہ میں سے ہیں، انمیں اطلاق اور تغیر درست نہیں، جسطرح نماز ہے اور بعض ایسے ہیں جنمیں قیود اور کیفیات ملحوظ ہی نہیں ہیں جیسے جہاد ہے، اسمیں اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہے، خواہ بالسیف ہو یا باللسان والرماح خواہ ہوائی جہازوں اور توپ اور بندوقوں سے ہو، آج اگر جہاد کیلئے حسب ضرورت وقت آلات جدیدہ مہیا کیے جائیں، ان کو بدعت اور منہی عنہ قرار دینا سخت غلطی ہوگی جیسے کہ نماز کو بلا رکوع و بلا سجود یا کیفیات غیر منقولہ قرار دینا غلطی ہوگی، ذکر اور سلوک از قسم ثانی، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کسی قید اور خصوصیت کے اسمیں طالب نہیں ہیں، اسلئے مشائخ سلوک نے جو اقسام ذکر و فکر کتب سلوک میں ذکر فرمائے ہیں انمیں سے کسیکو ناجائز یا بدعت قرار دینا اسیطرح غلط ہوگا جسطرح جہاد بالآلات الجدیدہ کو ناجائز قرار دینا غلطی ہے۔

محترما! آپ کا یہ ارشاد کہ میں تو اسکو صریح غلط سمجھتا ہوں اور پورا یقین ہے کہ جو تصوف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ مکمل اور کسی کا محتاج نہیں ہے۔ الخ یہ بھی قابل غور ہے قراۃ قرآن زمانہ نبوت میں نحو و صرف معانی و بیان تجوید و فن قرات کی محتاج نہیں تھی، مگر کیا آج ہم یا اہل عرب و مصر اس سے مستغنی ہو سکتے ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ وہ اہل زبان تھے ان کیلئے اسکی ضرورت نہ تھی، مگر آج ہم عجمی ہوئے یا اہل حجاز و عرب اختلاط بالعجم کیوجہ سے اسکے محتاج ہو گئے اور اسکی ضرورت قرن ثانی ہی میں محسوس ہو گئی تو یہی حال طبائع بشریہ کا بھی ہے "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم"[۱] اسکا شاہد عدل ہے، زمانہ سعادت میں[۲] نور امانت نازل کی تھی جو کہ اسکی تدریجی کمی اور ارتفاع کیوجہ سے بعد کے زمانوں میں نہیں ہے "ان الامانۃ نزلت من السماء فی جذر قلوب الرجال" الحدیث نیز ظہور شمس نبوت کیوجہ سے جو ظلمتیں طبائع بشریہ سے اس زمانہ میں زائل ہوئیں مابعد کے زمانہ میں انکا زوال ویسا نہیں ہے صحابہ کا مجالس نبویہ میں احوال مشاہدہ کے ساتھ موعوف

[۱] سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اسکے بعد کے بزرگ ۔ [۲] حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ امانت الٰہیہ کا نزول آسمان سے قلوب رجال میں ہوا یعنی تہ نشین کیا گیا۔

ہو جانا اور اپنے اہل و عیال کے اختلاط میں اسکا نہ پانا اسکی گواہی دیتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ہر چیز روشن ہو گئی تھی حتی کہ در و دیوار وما نفضنا ایدینا عن التراب الخ وقد انکرنا قلوبنا [1] اسکا روشن شغل ہے، بہرحال جسقدر بھی زمانہ دور ہوتا جاتا ہے، اوساخ اور ادناس طبائع بشریہ پر مسلط ہوتے چلے جاتے ہیں ظلمتیں اور کدورتیں بڑھتی جاتی ہیں، اسلئے ان کے دور کرنے کیلئے وہ اعمال ہرگز کافی نہ ہونگے جو کہ اس زمانہ میں کافی تھے، لہذا آپکا یہ ارشاد صحیح نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بجا اور صحیح ہے، وہ حقائق اور مکشوفات وغیرہ کیلئے ہے، انمیں اگر کسی صاحب کشف و الہام کو کوئی چیز خلاف اخبار نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہو تو مردود ہے اور یہ جس دم وغیرہ طرق معالجہ امراض روحانیہ کی بات ہے، یہ وسائل و ذرائع ہیں حقائق نہیں ہیں دونوں میں بون بعید ہے میں نے رسالہ میں مختصر طور سے یہ لکھا ہے اگر شک کا ازالہ ہو جائے۔ فبہا، ورنہ اطلاع دیجئے جو کچھ سمجھ میں آئیگا پھر عرض کروں گا۔[2]

(۱۵) تصور شیخ اگر عبارت میں موجود ہے تو مراد وہ تصور ہے جسکو شیخ نے تعلیم دیا ہے، یعنی تصور لفظ اللہ کا جو کہ ذہن اور قلب میں لکھا گیا ہے، وہ تصور مراد نہیں ہے جسکو شغل برزخ کہتے ہیں۔

---

[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۲ کتاب المناقب میں مفصل موجود ہے یعنی حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ صلعم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو وہاں کی تمام چیزیں روشن ہو گئیں اور جس دن آنحضرت صلعم نے وصال فرمایا تمام چیزیں تاریک ہو گئیں اور ہم نے اپنے ہاتھوں کو گرد و غبار سے پاک بھی نہیں کیا تھا بلکہ دفن میں تھے کہ ہمارے دل بدل گئے اور وہ بات باقی نہیں رہی روایت ہذا سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ قرب جسمانی اور وجود ظاہری برکات قلبیہ نورانیت ظاہرہ اور روحانیہ کا موجب ہے اور بعد اسکے برعکس ہے، پھر جسقدر بھی بعد زمانی اور جسمی ہوتا جائیگا اسیقدر ظلمات بڑھتی جائیں گی، خوب سمجھ لیا جائے۔ [2] (۱۲ تا ۱۴) راقم الحروف نے روایت صحیحین جو عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آنحضرت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن سلول منافق کے جنازہ کی بابت روکا تھا، اور آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا ساذید علی السبعین "اس روایت کو قاضی ابوبکر باقلانی وغیرہ ائمہ نے موضوع قرار دیا ہے، اور اسیطرح حدیث صحیحین لا یبقی علی ظہر الارض بعد مائۃ سنۃ نفس منفوسۃ۔ کو بھی بعض ائمہ حدیث نے اسلئے موضوع قرار دیا ہے کہ یہ واقعہ کیخلاف ہے، اور بھی بعض مسائل سلوک وغیرہ تھے جو جواب میں موجود ہیں اسی پر حضرت امام العصر نے طویل گفتگو فرمائی جس سے شکوک اور شبہات زائل ہو گئے حضرت کی اس تحقیق کو بار بار بغور ملاحظہ کرنا چاہیئے عجیب مکتوب ہے۔ ع

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

شغل برزخ کو اگرچہ حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب قدس سرہٗ العزیز نے سداً للذریعہ منع فرمایا ہے مگر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے مجھکو یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ اسکو منع نہیں فرماتے تھے ان سے بعض حضرات نے اسکے جواز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے الفاظ کو استدلال میں پیش فرمایا جسمیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں ہند ابی ہالہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا پوچھنے کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ ان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا (جسمانی اعضاء اور رنگ وغیرہ) کے بابت دریافت کرتا رہتا تھا کہ اتعلق بہ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برزخ اور مثال کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا مقصود ہے اور یہی شغل برزخ ہے، نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے برزخ اور تمثال کو ذکر فرمانا متعدد احادیث صحیحہ میں موجود ہے اسکے متعدد مقاصد ہو سکتے ہیں، مگر سب کے اندر ان کے برزخ کو ذہن میں لانا اور اس کو محفوظ رکھنا ضرور پایا جاتا ہے، بہرحال اس کا جواز پایا جاتا ہے، اور استدلال حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ سے تکلف سے اس پر استدلال لایا جاتا ہے، برزخ شیخ دفع خطرات اور احادیث نفس کے منع کرنے میں بہت تاثیر رکھتا ہے، مگر چونکہ غلط کاری کا اندیشہ اس میں بہت ہے اسلئے احتیاط کیجاتی ہے جو کہ ضروری ہے۔[1]

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۳ رجمادی الاول ۶۹ھ

## جلد اول تمام شد

[1] تصور شیخ پر قطب العصر حضرت مولانا مدنی عمت فیوضہم کا یہ والا نامہ اور مکتوب نمبر ۱۱ عربی اپنی جگہ پر قول فیصل ہے البتہ بعض اکابر کی توجیہات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جو نسبت باطنی کے پرورش میں اختلاف مشائخ کے قبیل سے ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ارشاد رحیمیہ در طریق حضرات نقشبندیہ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

ننگ حیات نجم الدین اصلاحی یکم جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ

# مکتوب ۴۲

## حضرت طالوت کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج مبارک، والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ بیں آپ کی ہمدردانہ محبت کا شکر گذار ہوں بالخصوص اس بنا پر کہ باوجود عدم ملاقات کے اس قدر التفات فرماتے ہیں میرے پاس بہت سے خطوط مضامین اس کے متعلق استفسار کے آئے مگر میں انتہائی درجہ میں عدیم الفرصت ہوں اور اس قسم کے افتراآت اور سب و شتم کا سیلاب کم و بیش (اس زمانہ سے جبکہ میں نے تحریکات وطنیہ اور ملیہ میں قدم اٹھایا ہے) برابر جاری ہے، اس لئے ایسی باتوں میں وقت صرف کرنا اضاعت وقت سمجھتا ہوں وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ الخ پر عمل پیرا رہتا ہوں میں اس وقت بھی چپ تھا مگر آپ کے والا نامہ نے مجبور کیا کہ حقیقت واضح کی جائے اس لئے باوجود عدیم الفرصتی مختلف اوقات میں لکھ کر مندرجہ ذیل مضمون پیش کرتا ہوں اور تاخیر کی معافی کا خواستگار ہوں۔

---

یہ مضمون مفصلاً تو کتابچہ کی شکل میں الگ بھی طبع ہؤا ہے لیکن ہم یہاں حاشیہ پر کچھ مفید باتیں نقل کرتے ہیں

حاشیہ مکتوب ۴۲

## طالوت صاحب کا خط علامہ اقبال رح کے نام

مطاع و محترم اسلامیاں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اگرچہ میرا یہ درجہ نہیں کہ آپ سے شرف مخاطبت حاصل کر سکوں۔ مگر "الضرورات تبیح المحظورات" کی بنا پر باوجود اس علم کے کہ آپ کی طبیعت کچھ ناساز رہتی ہے تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں امید کہ آپ اخلاق کریمہ کی بنا پر اپنے اوقات ثمینہ میں سے دو چار منٹ نکال کر میرے عریضہ کو پڑھنے اور اس کے جواب کی زحمت برداشت کریں گے مولانا حسین احمد صاحب قبلہ کے متعلق آپ کی نظم عجم ہنوز نداند الخ "احسان" میں چھپی اور اس سے پہلے "احسان" "زمیندار" "انقلاب" میں ان کے خلاف متواتر پروپیگنڈہ بھی کیا جاتا رہا۔ میں نے مولانا کو ایک نیاز نامہ میں اس نظم اور اس پروپیگنڈہ کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے جواب میں انھوں نے ازراہ شفقت

اصل واقعہ یہ ہے کہ صدر بازار دہلی متصل پنگش زیر صدارت مولانا نورالدین صاحب جلسہ کیا گیا اس میں اہل محلہ کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا اور اُس میں میری ملی اور وطنی خدمات کو سراہا گیا جلسہ وعظ و نصیحت کا نہ تھا اور نہ اسلامی تعلیمات کے بیان کرنے کا اس روز صبح کو جلسہ مذہبی ہو چکا تھا۔ مولانا نورالدین صاحب نے تین یا چار برس میں ترجمہ قرآن شریف ختم کیا تھا۔ اور اس کی خوشی میں جلسہ ہو چکا تھا اس میں مذہبی تقریر فضائل قرآن اور اُس کی تعلیمات کے متعلق تقریباً دو گھنٹہ ہو چکی تھی۔ نیز جامع مسجد میں تبلیغ کے متعلق مذہبی وعظ اس سے پہلے اسی دن ہو چکا تھا۔ شب کے جلسہ کے اعلان میں یہ طبع کیا جا چکا تھا کہ حسین احمد کو ایڈریس پیش کیا جائے گا ایڈریس کے جلسہ سے لیگیوں اور بالخصوص مولوی مظہرالدین صاحب اور اُن کے ہمنواؤں میں انتہائی غصہ پھیلا ہوا تھا۔ کوشش کی جا رہی تھی کہ جلسہ کو درہم برہم کیا جائے جس کو احساس کر کے جناب صدر نے اپنی صدارتی تقریر میں یہ کہہ دیا تھا کہ اس جلسہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق کوئی تقریر نہ ہو گی۔ اس کے بعد میں ایڈریس کا جواب دینے کے لئے کھڑا ہوا صدارتی تقریر کے بعد ایڈریس پیش کیا گیا تھا میں نے بعض ضروری مضامین کے بعد ملک کی حالت بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرون ملک میں آزادی کا تمہیدی مضمون شروع کیا تو کہا کہ موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں، نصرانی بھی پروٹسٹنٹ بھی کیتھولک بھی یہی حال امریکہ

---

ایک مفصل تحریر بھیجی ہے جس کے اہم اقتباسات ذیل میں درج ہیں

میں نے بعض ضروری مضامین کے بعد ملک کی حالت بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرونِ ملک میں آزادی کی ضرورت کا تمہیدی مضمون شروع کیا تو کہا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں، نصرانی بھی پروٹسٹنٹ بھی کیتھولک بھی یہی حال امریکہ، فرانس۔ جاپان وغیرہ کا ہے الخ جو کہ جلسہ درہم برہم کرنے کے لئے آئے تھے اور موقع چاہ رہے تھے۔ اُنھوں نے شور مچانا شروع کیا۔ میں اس وقت یہ نہیں سمجھ سکا۔ کہ شور کی وجہ کیا ہے۔ جلسہ جاری رکھنے والے لوگ اور وہ چند آدمی جو کہ شور و غوغا چاہتے تھے۔ سوال و جواب دیتے رہے اور چپ رہو وغیرہ کے الفاظ سنائی دیئے اگلے روز "الامان" وغیرہ میں چھپا کہ حسین احمد نے تقریر میں کہا ہے کہ قومیت وطن

جاپان اور فرانس وغیرہ کا ہے الخ جو لوگ جلسہ کو درہم برہم کرنے آئے تھے اُنھوں نے شور مچانا شروع کیا میں اس وقت یہ نہ سمجھ سکا کہ شور کی وجہ کیا ہے جلسہ جاری رکھنے والے لوگ اور وہ چند آدمی جو کہ شور و غوغا چاہتے تھے سوال و جواب دیتے رہے اور "چپ رہو" کے الفاظ سنائی دیئے۔ اگلے روز الامان وغیرہ میں چھپا کہ حسین احمد نے تقریر میں کہا کہ قومیت وطن سے ہوتی ہے مذہب سے نہیں ہوتی۔ اور اس پر شور و غوغا ہوا اس کے بعد اس میں اور دیگر اخبارات میں سب و شتم چھاپا گیا۔ کلام کے ابتداء اور انتہا کو حذف کر دیا گیا۔ اور کوشش کی گئی تھی کہ عام مسلمانوں کو ورغلایا جائے میں اس تحریف اور اتہام کو دیکھ کر چکیا ہو گیا اور تقریر کا بڑا حصہ "انصاری" اور "تیج" میں بھی چھپا مگر اس کو کسی نے نہیں لیا "الامان" اور "وحدت" سے "انقلاب" "زمیندار" وغیرہ نے لیا اور اپنے اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی ۸ یا ۹ جنوری کے "انصاری" اور "تیج" کو ملاحظہ فرمایئے میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ مذہب ملت کا دارومدار وطنیت پر ہے یہ بالکل افترا اور دجل ہے "احسان" مورخہ ۳۱ جنوری کے صفحہ ۳ پر بھی میرا قول یہ نہیں بتایا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ "قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی غلط ہے مگر یہ بھی ضرور تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہب و ملت کا مدار وطنیت پر ہونا۔ میں نے نہیں کہا تھا۔ شملہ کی چوٹیوں اور نئی دہلی سے تعلق رکھنے والے ایسے افترا اور اتہام کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس قسم کی تحریفیں اور سب و شتم ان کے فرائض منصبیہ میں سے

---

سے ہوتی ہے مذہب سے نہیں ہوتی اور اس پر شور و غوغا ہوا۔ اس کے بعد اس میں اور دیگر اخبارات میں سب و شتم چھاپا گیا۔ کلام کے ابتدا اور انتہا کو حذف کر دیا گیا تھا اور کوشش کی گئی تھی کہ عام مسلمانوں کو ورغلایا جائے۔ میں اس تحریف اور اتہام کو دیکھ کر چکیا ہو گیا۔ تقریر کا بڑا حصہ "انصاری" اور "تیج" میں چھپا مگر اس کو کسی نے نہیں لیا "الامان" اور "وحدت" سے "انقلاب" اور "زمیندار" نے لیا اور اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی۔ ۸ یا ۹ جنوری کے "انصاری" اور "تیج" کو ملاحظہ فرمایئے میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ مذہب و ملت کا دارومدار وطنیت پر ہے یہ بالکل افترا اور دجل ہے "احسان" مورخہ ۳۱ جنوری کے صفحہ ۳ پر بھی میرا قول یہ نہیں بتایا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ "قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی غلط ہے۔ مگر یہ ضرور تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہب و ملت کا مدار وطنیت پر ہونا میں نے نہیں کہا تھا۔ شملہ کی چوٹیوں اور نئی دہلی سے تعلق رکھنے والے ایسا افترا اور اتہام کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس قسم کی تحریفیں اور سب و شتم اُن کے فرائض منصبیہ میں سے

ہیں ہی، مگر سر اقبال جیسے مہذب اور متین شخص کا اُن کی صف میں آجانا ضرور تعجب خیز امر ہے
ان سے میری خط و کتابت نہیں، مجھ جیسے ادنیٰ ترین ہندوستانی کا اُن کی بارگاہ عالی تک پہنچنا
اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اگر غیر مناسب نہ ہو تو اُن کی عالی بارگاہ میں یہ شعر ضرور پہونچا دیجئے

هنيئاً مريئاً غير داء مخامر　　لعزة من اعراضنا ما استحلت

افسوس کہ سمجھدار اشخاص اور آپ جیسے عالی خیال تو یہ جانتے ہیں کہ مخالفت کی بنا پر یہ اخبار ہر قسم کی ناجائز
اور ناسزا کارروائیاں کرتے رہتے ہیں اُن پر ہرگز اعتماد ایسے امور میں نہ کرنا چاہیئے اور سر اقبال جیسے عالی
خیال اور حوصلہ مند مذہب میں ڈوبے ہوئے تجربہ کار شخص کو یہ خیال نہ آیا نہ تحقیق کرنے کی طرف توجہ فرمائی
آیتہ ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا الآیۃ گویا کہ ان کی نظر سے نہیں گذری سر اقبال فرماتے ہیں

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است　　چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

کیا انتہائی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ملت اور قوم کو سر اقبال ایک قرار دیکر ملت کو وطنیت کی بنا
پر نہ ہونے کی وجہ سے قومیت کو بھی اس سے منزہ قرار دیتے ہیں، یہ بوالعجبی نہیں تو کیا ہے۔ زبان عربی
اور مقام محمد عربی (علیہ السلام سے) کون بے خبر رہے، ذرا غور فرمائیے میں نے اپنی تقریر میں لفظ قومیت
کا کہا ہے ملت کا نہیں کہا ہے دونوں لفظوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ملت کے معنے شریعت اور

---

ہیں ہی۔ مگر سر اقبال جیسے مہذب اور متین شخص کا ان کی صف میں آجانا ضرور تعجب خیز
امر ہے۔ اُن سے میری خط و کتابت نہیں۔ مجھ جیسے ادنیٰ ترین ہندوستانی کا اُن کی
عالی بارگاہ تک پہونچنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے اگر غیر مناسب نہ ہو تو اُن کی عالی
بارگاہ میں یہ شعر ضرور پہونچا دیجئے ؎

هنيئاً مريئاً غير داء مخامر　　لعزة من اعراضنا ما استحلت

افسوس کہ سمجھدار اشخاص اور آپ جیسے عالی خیال یہ تو جانتے ہیں کہ مخالفت کی بنا پر اخبار
ہر قسم کی ناجائز اور ناسزا کارروائیاں کرتے رہتے ہیں اُن پر ہرگز اعتماد ایسے امور میں نہ کرنا
چاہیے اور سر اقبال مرصوف جیسے عالی خیال اور حوصلہ مند مذہب میں ڈوبے ہوئے تجربہ کار
شخص کو یہ خیال نہ آیا نہ تحقیق کرنے کی طرف توجہ فرمائی آیتہ ان جاءکم فاسق بنباء
فتبینوا الآیۃ گویا ان کی نظر سے نہیں گذری۔ اگر میری تقریر کے سیاق و سباق کو حذف

دین کے ہیں اور قوم کے معنیٰ عورتیں اور مردوں کی جماعت کے ہیں۔

قاموس میں ہے وبالکسر الشریعۃ والدین یہ ملت کی بحث میں ہے۔

نیز قاموس میں ہے القوم الجماعۃ من الرجال والنساء معا او الرجال خاصۃ وتدخلہ النساء تبعیۃ (بحث قوم)

مجمع البحار میں ملت کے معنیٰ ان الفاظ کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ ما شرع اللہ لعباده علیٰ سنۃ الانبیاء علیہم السلام ویستعمل فی جملۃ الشرائع لا فی احادھا ثم اتسعت فاستعملت فی الملۃ الباطلۃ فقیل الکفر ملۃ واحدۃ (الخ)

میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ منطق کون سی ہے لفظ قوم، ملت، دین تینوں عربی ہیں۔ ان کے معانی کو لغت عربی سے پوچھئے اور دیکھئے کہ کسی لغت عربی کی معتبر کتاب میں قوم اور علیٰ ہذا القیاس قوم اور دین کو مرادف اور ہم معنیٰ قرار دیا ہے یا نہیں۔ آیات۔ وروایات کو ٹٹولئے اور سر صاحب کی بوالعجبی کی داد دیجئے۔

اگر میری تقریر کے سیاق وسباق کو بھی حذف کر دیا جائے اور عبارت حسب اعلان جریدۂ احسان، قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے بتائی جائے تب بھی میں نے کب کہا کہ ملت یا دین کی اساس وطن پر ہے

بھی کر دیا جائے اور عبارت میں تحریف کر کے حسب اعلان جریدہ "احسان" قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے" بتائی جائے تب بھی میں نے کب کہا کہ ملت یا دین کی اساس وطن پر ہے اس کے علاوہ تقریر میں تو اسلامی تعلیم اور نظریہ کا ذکر بھی نہیں تھا۔

یہ مولانا کی تحریر کے وہ اقتباس ہیں جو میرے نزدیک ضروری تھے کہ آپ کی نظر سے گذر جائیں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا کی پوزیشن صاف ہے آپ کی نظم کا اساس غلط پروپیگنڈا پر ہے آپ کے نزدیک بھی اگر مولانا بے قصور ہوں تو مہربانی فرما کر اپنی عالی ظرفی کی بنا پر اخبارات میں ان کی پوزیشن صاف فرمائیے بصورت دیگر مجھے اپنے خیالات سے مطلع فرمایئے تاکہ مولانا سے مزید تشفی کر لی جائے۔ ہمارے جیسے نیازمند جو دونوں حضرات کے عقیدت کیش ہیں دوگونہ رنج وعذاب میں مبتلا ہیں۔ اُمید کہ باوجود عدیم الفرصتی کے ہمیں اس ورطۂ حیرانی سے نکالنے میں آیۂ رحمت ثابت ہوں گے "طالوت"

پھر سر موصوف کی یہ نسبت "سرود بر سر منبر الخ" افتراء محض نہیں ہے تو کیا ہے اور اُن کا ان تینوں کو ایک قرار دینا عجمیت اور زبان عربی سے ناواقفیت نہیں ہے۔ تو کیا ہے؟

یا للعجب و لضیعۃ الادب۔

آپ مجھ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ تو اپنے خیالات سے مجھ کو مطلع کر۔ جواباً عرض ہے کہ قوم کا لفظ ایسی جماعت پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں کوئی وجہ جامعیت کی موجود ہو خواہ وہ مذہبیت ہو یا وطنیت یا نسل یا زبان یا پیشہ یا رنگت یا کوئی صفت مادی یا معنوی وغیرہ وغیرہ۔

کہا جاتا ہے عربی قوم، عجمی قوم، ایرانی قوم، مصری قوم، پٹھان قوم، فارسی بولنے والی قوم سیدوں کی قوم، شیخوں کی قوم، کنجڑوں کی قوم، موچیوں کی قوم، کالوں کی قوم، گوروں کی قوم صوفیوں کی قوم، دنیاداروں کی قوم وغیرہ وغیرہ۔ یہ محاورات تمام دنیا میں شائع و ذائع ہیں۔ اور زبان عربی بلکہ احادیث و آیات میں بکثرت وجوہ پر اطلاق لفظ قوم کا پایا جاتا ہے۔ انہیں میں ہندوستانی قوم بھی ہے موجودہ زمانہ میں ہندوستانی قوم سے بیرونی ممالک میں تمام باشندگان ہندوستان سمجھے جاتے ہیں خواہ اُردو بولنے والے ہوں یا بنگلہ، خواہ وہ کالے ہوں یا گورے، ہندو ہوں یا مسلمان، پارسی ہوں یا سکھ، انڈین کا لفظ ہر ہندوستانی پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ ہیں

## علامہ اقبال کا خط
## جناب طالوت کے نام

۱۶ فروری ۱۹۳۸ء

جناب من    مولانا حسین احمد صاحب کے معتقدین اور احباب کے بہت سے خطوط میرے پاس آئے ان میں سے بعض میں تو اصل معاملہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے مگر بعض نے معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے اور مولوی صاحب کو بھی اس ضمن میں خطوط لکھے ہیں چنانچہ آپ کے خط میں مولوی صاحب کے خط کے اقتباسات درج ہیں اس واسطے میں نے آپ ہی کے خط کو جواب کے لئے انتخاب کیا ہے جواب انشاء اللہ اخبار "احسان" میں شائع ہوگا۔

میں فی الحال علالت کی وجہ سے خط لکھنے سے قاصر ہوں فقط

مخلص

محمد اقبال

ہندوستان سے باہر تقریباً سترہ برس رہا ہوں، عرب، شام، فلسطین، افریقہ، مصر، مالٹا وغیرہ میں رہنا ہوا ہر ملک کے باشندوں سے ملنا جلنا۔ بیٹھنا، اُٹھنا ہوا۔ جرمن۔ آسٹرین۔ بلگیرین۔ انگریز فرانسیسی، آسٹریلین، امریکی، روسی، چینی، جاپانی۔ ترکی، عربی وغیرہ وغیرہ مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ سالہا سال ملنا جلنا نشست و برخاست کی نوبت آئی۔ اگرچہ یہ لوگ عربی یا ترکی یا فارسی یا اردو سے واقف ہوتے تھے۔ تو بلا ترجمان ورنہ بذریعہ ترجمان گفتگوئیں ہوتی تھیں سیاسی مسائل اور مذہبی امور زیر بحث رہتے تھے۔ میں نے بیرونی ممالک کے عام لوگوں کو اسی خیال اور عقیدہ پر پایا کہ وہ ہندوستانی لوگوں کو ایک قوم سمجھتے ہیں اور سب کو باوجود مختلف المذاہب و مختلف الالسنۃ الالوان ہونے کے ایک ہی لڑی میں پروتے ہیں۔ لغوی معنیٰ اس سے انکاری نہیں عرف اس کا متقاضی ہے پھر اس کے انکار کے کیا معنی ہیں یہ دعویٰ کہ اسلام کی تعلیم قومیت کی بنیاد جغرافیائی حدود یا نسلی وحدت یا رنگ کی یکسانی کے بجائے شرف انسانی اور اخوت بشری پر رکھتی ہے (جیسا کہ مدیر احسان کا دعویٰ ہے) مجھے نہیں معلوم کہ نص قطعی یا ظنی سے ثابت ہے جس کی بنا پر اختلاف اوطان وغیرہ پر اطلاق لفظ قوم ممنوع ہو۔ لوگوں میں مساویانہ برتاؤ اور برادرانہ معاملات دوسری چیز ہیں۔ حالانکہ اُن میں امتیاز عرفاً و شرعاً معتبر ہے۔ اس کے علاوہ تقریر میں

## علامہ اقبال کا دوسرا خط
## حضرت طالوت کے نام

۱۸ ؍ فروری سنہ ۱۹۳۸

جناب من۔ سلام مسنون۔ میں حسب وعدہ آپ کے خط کا جواب احسان میں لکھوانے کو تھا کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی جس کا گوش گذار کردینا ضروری ہے اُمید ہے کہ آپ مولوی صاحب کو خط لکھنے کی زحمت گوارا فرما کر اس بات کو صاف کردیں گے۔ جو اقتباسات آپ نے ان کے خط سے درج کئے ہیں۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں اگر اُن کا مقصد ان الفاظ سے صرف ایک امر واقعہ کو بیان کرنا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایشیا میں بھی مقبول ہو رہا ہے البتہ اگر اُن کا یہ مقصد تھا کہ ہندی مسلمان بھی اس نظریے کو قبول کرلیں تو پھر بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کیونکہ کسی نظریے کو اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا وہ اسلام

تو اسلامی تعلیم اور نظریہ کا ذکر بھی نہیں تھا۔
میرے محترم اس اجنبی اور خود غرض حکومت اور پردیسی خون چوسنے والی قوم نے جس قعر مذلت اور ہلاکت اور قحط و افلاس کے تیرہ و تاریک گڑھے میں تمام ہندوستانیوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً عرصۂ دراز سے ڈال رکھا ہے اور جس طرح وہ ہندوستانیوں کو روزافزوں فنا کے گھاٹ اتارتی ہماری ہے وہ اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے، نیز اس سے آزاد ہونا اور ملک و ملت کی زندگی اور بہبودی کی فکر اور سعی کرنا ہر حیثیت سے سبھوں کا فریضہ ہونا بھی اظہر من الشمس ہے (ان دونوں چیزوں سے بجز غبی یا مکابر کوئی شخص بھی منکر نہیں ہو سکتا) اگرچہ اس پردیسی خونخوار قوم سے نجات کے اور بھی ذرائع عقلاً ممکن ہیں مگر جس قدر قوی اور موثر ذریعہ تمام ہندوستانیوں کا متفق اور متحد ہو جانا ہے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے اس کے آگے اس حکومت کے جملہ اسلحہ اور تمام قوتیں بیکار ہیں، اور بغیر نقصان عظیم ہندوستانی اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے اور اُس کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر کے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔ ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتہ اتحاد بجز متحدہ قومیت کے نہیں جس کی اساس وطنیت ہی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ

کے مطابق ہے یا منافی۔ اس خیال سے کہ بحث تلخ اور طویل نہ ہونے پائے اس بات کا صاف ہو جانا ضروری ہے کہ مولانا کا مقصد ان الفاظ سے کیا تھا۔ اُن کا جو جواب آئے وہ آپ مجھے روانہ کر دیجئے۔ مولوی صاحب کو میری طرف سے یقین دلایئے کہ میں اُن کے احترام میں کسی مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں۔ اگر مذکورہ بالا ارشاد سے ان کا مقصد وہی ہے جو میں نے اُوپر لکھا ہے تو میں اُن کے مشورے کو اپنے ایمان اور دیانت کی رو سے اسلام کی روح اور اُن کے اساسی اصولوں کے خلاف جانتا ہوں میرے نزدیک ایسا مشورہ مولوی صاحب کے شایانِ شان نہیں اور مسلمانانِ ہند کی گمراہی کا باعث ہوگا۔ اگر مولوی صاحب نے میری تحریروں کو پڑھنے کی کبھی تکلیف گوارا فرمائی ہے تو انہیں معلوم ہوا ہوگا کہ میں نے اپنی عمر کا نصف اسلامی قومیت اور ملت کے اسلامی نقطۂ نظر کی تشریح و توضیح میں گزارا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ مجھ کو ایشیا کے لئے

(سید حامد میاں پرنٹر پبلشر نے استقلال پریس لاہور سے چھپوا کر مسلم مسجد بیرون لوہاری دروازہ لاہور سے شائع کیا)

کوئی اور دوسری چیز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کانگریس نے ابتداء ہی سے اس امر کو اپنے اغراض و مقاصد میں داخل کیا ہے ۱۸۸۵ء میں جبکہ کانگریس کا اولین اجلاس ہوا تو سب سے پہلا مقصد مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر کیا گیا

ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متصادم عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متفق اور متحد کر کے ایک قوم بنایا جائے۔

یہی متحدہ قومیت انگلستان کے دل میں ہمیشہ سے کھٹکتی رہی ہے اور ہر انگریز اس سے خائف اور اس کے زائل کرنے کیلئے ہر طرح سے مساعی ہے پروفیسر سیلے نے "اکسپنشن آف انگلینڈ" میں اس کے متعلق لکھا ہے

اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ بھی پیدا ہو جائے اور اس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عملی روح بھی نہ ہو بلکہ صرف اس قدر احساس عام ہو جائے۔ کہ اجنبی حکومت سے اتحادِ عمل ہندوستانیوں کے لئے شرمناک ہے تو اسی وقت سے ہماری شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ ہم درحقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں اور اس پر فاتحانہ حکمرانی نہیں کر سکتے اگر ہم اس طرح حکومت کرنی بھی چاہیں گے تو اقتصادی طور پر قطعاً برباد ہو جائیں گے"

اس بنا پر ہمیشہ سے یہی کوشش مدبران برطانیہ کی جاری ہے کہ یہ جذبہ ہندوستانیوں میں پیدا نہ ہونے پائے اور اگر کبھی اس کی کوئی صورت پیش آ بھی جائے تو اس کو جلد از جلد ہر ممکن صورت سے تفرقہ ڈلوا کر فنا کر دیا جائے۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی انگریزی پالیسی مشہور تر اور مشاہد ہے۔ بالخصوص کانگریس کے پیدا ہونے کے بعد تو اس راہ میں انتہائی جد و جہد جاری ہے۔ مسٹر بیک اور مسٹر ماریسن اور سر اکلانڈ کالون وغیرہ کی انتہائی انفرادی مساعی اور پھر ۱۸۸۸ء کی اجتماعی مساعی اس کی شاہد عدل ہیں جس کے ماتحت اولاً اسی سنہ میں یونائیٹڈ انڈین پٹریاٹک ایسوسی ایشن "قائم کرائی گئی ہے جس کا دوسرا نام" انٹی کانگریس" تھا اور پھر ۱۸۹۳ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل ڈیفنس ایسوسی ایشن آف اپر انڈیا" تخلیق کی گئی جس کے مقاصد حسب ذیل قرار دیئے گئے تھے۔

اور خصوصاً اسلام کے لئے فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایک خطرۂ عظیم محسوس ہوا تھا کسی سیاسی جماعت کا پروپیگنڈہ کرنا نہ میرا اس سے پہلے مقصد تھا۔ نہ آج مقصود ہے بلکہ وہ شخص جو دین کو سیاسی پروپیگنڈے کا پردہ بناتا ہے۔ میرے نزدیک لعنتی ہے مخلص :۔ محمد اقبال

(الف) مسلمانوں کی رائیں انگریزوں اور گورنمنٹ ہند کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کرنا (ب)، عام سیاسی شورش کو مسلمانوں میں پھیلنے سے روکنا۔

(ج) ان تدابیر میں امداد دینا جو سلطنت برطانیہ کے استحکام اور سلطنت کی حفاظت میں ممد ہوں ہندوستان میں امن قائم رکھنے کی کوشش کرنا اور لوگوں میں وفاداری کے جذبات پیدا کرنا۔

مسٹر بیک اور مسٹر کالون وغیرہ کی انفرادی مساعی کا نتیجہ تھا کہ سر سید جیسے تیز اور سخت سیاسی آدمی کے خیالات پر نہایت زہریلا اثر ڈالا گیا (اسباب بغاوت ہند) کے لکھنے والے شخص کے عقائد اور ارادوں کو روزانہ اور پیہم مساعی سے بالکل ہی جامد اور انگریز پرست ڈرپوک بنا دیا گیا۔ انھیں مساعی کی بناء پر ۱۹۰۰ء میں لارڈ میکڈانلڈ نے ناگری اور اردو کا قضیہ اٹھایا اور انھیں وجوہ کی بناء پر ۱۹۰۶ء میں متعدد ذمہ داران برطانیہ کی کوششوں سے مسلم لیگ کی تخلیق شملہ کی چوٹیوں سے ظہور پذیر ہوئی۔ اور آج تک اسی پالیسی پر گامزن ہے اسی بناء پر بار بار امن سبھائیں قائم کرائی گئیں۔ اسی بناء پر شدھی اور سنگھٹن کو میدان میں پیش کیا گیا۔

مسٹر مارلین اور مسٹر بیک وغیرہ کی کارروائیاں اگر دیکھنی ہوں تو انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے پرچے ملاحظہ ہوں۔ مسلمانوں کو خصوصی طور پر کانگریس سے متنفر کرنے اور اس سے دور کرنے کی پالیسی آج سے نہیں بلکہ ۱۸۹۵ء یا اس سے بھی پہلے سے جاری ہے اور کامیاب ہوتی جاتی ہے آج بھی یہی شراب ارغوانی جو کہ مسلم لیگ کی گھٹی میں ڈالی گئی تھی اس کے ممبروں کو گورے ہاتھوں سے پلائی جارہی ہے اور وفاداران ازلی اپنے خداوندوں کی مختلف پیرایوں میں خدمات جلیلہ انجام دیتے ہوئے لیگ کے پلیٹ فارم پر گرجتے اور جمعیۃ علماء اور دیگر سچے مخلصین خدام ملک وملت سے نفرت دلاتے ہیں طول کے خوف سے مفصل کیفیت اس بیان میں نہیں لاتا اگر آئندہ کوئی موقعہ ملا تو عرض کروں گا۔ مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکہ دیا گیا۔ اور آج بھی نہایت قوت اور چالاکی سے دیا جارہا ہے ان کو چاہئے کہ گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کریں اور اپنے تحفظ و زندگی کا سامان کریں۔ اہل مطالعہ سے میری پر زور درخواست ہے کہ وہ ضرور بالضرور کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" جو کہ ابھی ابھی مطبع نظامی میں چھپی ہے منگائیں اور اس کے آئینے میں انگریزی پالیسی اور مسلم لیگ وغیرہ کی حقیقت اور نام نہاد لیڈروں کی برہنہ تصاویر مشاہدہ کریں فاعتبروا یا اولی الابصار

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

# مکتوب ۱۳۴

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - مزاج شریف
والا نامہ مجھ کو کلکتہ میں کل ۲۴، ذی الحجہ کو ملا۔ میں دیوبند سے ۱۱ ذی الحجہ کو ہری پور کے لئے روانہ ہوگیا تھا۔ اُدھر سے بمبئی ہوتا ہوا کلکتہ آیا ہوں اس وقت مجھ کو بنگال آسام کے متعدد جلسوں میں شریک ہونا ہے انشاء اللہ ہفتہ عشرہ کے بعد دیوبند پہونچوں گا۔ میں نے جب عریضہ لکھا تھا۔ تو بعض احباب نے اصرار کیا تھا کہ چونکہ جگہ جگہ پروپیگنڈہ کیا گیا ہے اور ہر طرف سے خطوط آرہے ہیں نیز بذریعہ "مدینہ" وغیرہ مجھ سے استفسار کیا ہے بنابریں لازم ہے کہ اس خط کی نقل شائع کردی جائے میں نے ان کے اصرار پر اجازت دیدی تھی۔ چنانچہ آپ کے پاس عریضہ روانہ کردینے کے بعد انھوں نے اس کی نقلیں "مدینہ" الجمعیۃ، انصاری، ہند جدید، ترجمان سرحد، پاسبان، اجمل وغیرہ کو بھیج دیں وہ شائع ہوگئی ہیں۔ بنابریں عرض ہے کہ جناب کا اس عریضہ کو سر اقبال صاحب کی خدمت

---

## علامہ اقبال کا تردیدی بیان

### جو روزنامہ احسان ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا

"میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت قبول کرنے کا مشورہ نہیں دیا" (حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا بیان)

"مجھے اس اعتراف کے بعد اُن پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا" (علامہ اقبال کا مکتوب)

قومیت و وطنیت کے سلسلہ میں ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ

جناب ایڈیٹر صاحب احسان لاہور السلام علیکم:

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے اُس میں اس امر کی تصریح کردی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد کہ زمانہ حال میں اقوام اوطان سے بنتی ہیں محض برسبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں اور اگر مولانا نے مسلمانان ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریہ وطنیت کا اختیار کریں تو دینی پہلو سے اس پر مجھ کو اعتراض ہے مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار انصاری میں شائع ہوا منجملہ ذیل الفاظ ہیں:۔

ہیں بھیجنے کے متعلق استفسار فرمانا اب غیر ضروری ہے اور اس میں کوئی پرائیویٹ مضمون تھا بھی نہیں اگر ان کو ان اخباروں کے مضامین نہ پہنچے ہوں اور غالباً نہ پہنچے ہوں گے کیونکہ بڑے حضرات اُردو کے اخبار اور بالخصوص قومی اخبار ملاحظہ نہیں فرماتے تو ضرور بھیج دیجئے میرے محترم سر موصوف کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں اگر مشورہ مقصود ہے تو وہ خلافِ دیانت ہے اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق وسابق پر نظر ڈالی جائے میں عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں یہ اس زمانہ میں جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے یہاں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ تم کو ایسا کرنا چاہئے خبر ہے انشا نہیں ہے کسی ناقل نے مشورہ کو ذکر بھی نہیں کیا نہ امر و انشاء کا لفظ ذکر کیا ہے پھر اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلطی ہے اور واقعہ اصلی یہ تھا کہ میں تقریر میں ان امور کو گنوا رہا تھا جو کہ ہندوستانیوں کو اور بالخصوص مسلمانوں کو انگریزوں سے ہندوستان پہنچے ہیں۔ ان میں پہلی چیز ذکر میں ذلّت آئی تھی کہ تمام دنیا میں اس زمانہ میں ہم ذلیل شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ ساری

"لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم تمام باشندگانِ ملک کو منظم کیا جائے۔ اور اُن کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کرکے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔ ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتۂ اتحاد بجز قومیت اور کوئی رشتہ نہیں۔ جس کی اساس محض یہی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے"۔

ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانانِ ہند کو مشورہ دیا ہے۔ اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار احسان میں شائع ہوا ہے لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا جس کی ایک نقل انھوں نے مجھ کو بھی ارسال کی ہے اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں اور اگر مشورہ ہے تو وہ خلاف دیانت ہے اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اُس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق وسابق پر نظر ڈالی جائے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا۔ کہ

دنیا کا خیال ہے کہ ہندوستانی (ہندوستان کے باشندے) ایک قوم ہیں اور وہ سب کے سب غلام ہیں اور غلام ذلیل و خوار ہوتا ہی ہے۔ اس لئے ہم بیرون ممالک میں نہایت ذلیل دیکھے جاتے ہیں، وہاں کے لوگ مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی، یہودی وغیرہ کا مذہبی یا نسلی یا صنعتی فرق نہیں دیکھتے ہیں اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستانیوں کے متعلق نٹال، ٹرانسوال، کیپ کالونی، ماریشس، زنجبار، نیروبی، کینیا، فیجی، آسٹریلیا، کینڈا، امریکہ وغیرہ نہایت شرمناک اور ذلیل ترین قوانین اپنے یہاں بناتے ہیں اور ہندوستانی باشندوں کو شہری حقوق سے محروم کرتے ہیں۔ اور ہم کوئی امداد وہاں کے ہندوستانی باشندوں کی نہیں کرسکتے۔ کیا ایسا وہ جاپان یا چین یا اطالین یا انگلینڈ یا ڈچ وغیرہ آزاد قوموں کے ساتھ کرسکتے ہیں۔ اسی طرح ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے متعلق جو کہ فلسطین یا سیریا یا مصر یا عراق، طرابلس یا الجیریا وغیرہ میں موجود ہیں آوازیں اُٹھاتے ہیں مگر کوئی یورپین طاقت ہماری آواز کی طرف رُخ نہیں کرتی، اور نہ متاثر ہوتی ہے۔ اُس کی وجہ یہی ذلّت ہے۔ خود

موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں یہ اس زمانہ کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیئے۔ خبر ہے انشا نہیں ہے کسی ناقل نے مشورہ کو ذکر بھی نہیں کیا۔ پھر اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلطی ہے۔"

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ اُنھوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اس پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ میں مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں۔ جنھوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے صلہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں، خدائے تعالےٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے نیز اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں اُن کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں　　محمد اقبال

برطانیہ کے مقابل ہم اس کے کھلے ہوئے مظالم پر جو کہ ہندوستان اور سرحد وغیرہ میں ہوئے ہیں پروٹسٹ کرتے ہیں مگر وہ کان بھی نہیں دھرتی، ہم بیرون ممالک میں دیگر اقوام کے سامنے اسی غلامی کی وجہ سے ہندوستانی قوم کو ذلیل کرتے ہوئے بارہا مشاہدہ کر چکے ہیں وغیرہ وغیرہ

دوسری چیز میں نے ذکر کی تھی، بزدلی اور جبن "امور جنگ" سے ناواقفیت اور اس کو واضح طور پر ثابت کیا تھا۔ تیسری چیز نفاق چوتھی چیز فقر و فاقہ، پانچویں چیز جہل چھٹی چیز کسل اور سستی، ساتویں چیز بدعقلی آٹھویں، بیکاری وغیرہ مسلمانوں کے لئے خصوصی دارالاسلام کا دارالحرب ہو جانا عالم اسلامی کا اس غلامی کی وجہ سے برباد ہونا۔ مذہبی امور کا غارت ہونا وغیرہ یہاں کوئی مشورہ بجز اس کے ذکر نہیں کیا گیا تھا کہ اشد ضروری ہے کہ جلد از جلد کوشش کر کے ہندوستان کو آزاد کرائیں۔ اگر اس مشورہ کو خلاف دین و امانت شمار کیا جاتا ہے تو باعلان کہتا ہوں کہ میں اسی کو فرض سمجھتا ہوں

فذالک ذنب لست منہ اتوب (یہ ایسا گناہ ہے جس سے میں توبہ نہیں کر سکتا)

دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے اس مشورہ کو دوں گا اور میرا اعتقاد ہے کہ اس میں تقصیر کرنا مسلمان کے لئے حرام ہے اپنی طاقت کے مطابق اس میں حصہ لینا ضروری ہے۔

## علامہ اقبال کے اشعار پر

علامہ اقبال مرحوم کے اشعار پر ہندوستان بھر میں شرفائے عرب جوابی اشعار کا ایک طوفان اُمنڈ آیا جن کو باقاعدہ رسالہ کی شکل میں شائع بھی کیا گیا لیکن ہم یہاں صرف دو حضرات کے اشعار نقل کرتے ہیں حضرت علامہ مولانا شمس الحق سابق وزیر معارف قلات نے بھی علامہ اقبال کی سخت گیری کا جواب تحریر کیا ہے

نظامِ قوم بدیں گونہ می شود پیدا — اگر ہنوز ندانی کمال بولہبی است
نظامِ ملتِ واحد باختلافِ بلاد — قوام گیرز جذبِ محمد عربی است
نظامِ دوم کہ قائم میان صد ملل است — نظام وحدت ملکی است این چہ بوالعجبی است

یعنی قومیت کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ افراد کا دین ایک ہو اگرچہ اوطان مختلف جیسے کہ اسلامی قومیت کے تحت تمام مسلمان ایک قوم ہیں۔ اگرچہ وطن مختلف ہیں دوم یہ کہ وطن اور وطنی مفاد ایک ہو اگرچہ دین مختلف ہوں جیسے مکہ معظمہ میں قریش کی قوم ایک تھی اگرچہ دین مختلف اور مدینہ منورہ میں مہاجرین انصار اور یہود کا وطن ایک تھا اگرچہ ان کا دین ایک نہ تھا۔ اسی بنا پر حضور علیہ السلام نے یہود کے ساتھ وطنی مدافعت کے تحت ایک معاہدہ کیا تھا کہ جب مدینہ پر کوئی حملہ آور ہو تو سب مل کر مقابلہ کریں حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر دہلی والی تقریر میں قسم دوم کا ذکر کیا تو اس سے قسم اول کا انکار لازم نہیں آتا اور اقبال مرحوم نے اگر اپنے اشعار میں قسم اول کا ذکر کیا تو اس سے قسم دوم کی تردید لازم نہیں آتی اس بنا پر انکشاف حقیقت کے بعد اقبال مرحوم نے رجوع کیا از مکتوب حضرت مولانا شمس الحق صاحب مدظلہم

باقی رہا ملت اسلامی کا بلا انساب بلا الوان بلا اوطان بلا صنائع وغیرہ متحد ہونا اور کرنا تو یہ دوسرا امر ہے اس کو بھی ہم جانتے ہیں۔ ہماری گھٹی میں پڑا ہے اس کی بنا پر ہم مالٹا میں قید رہے ہم نے کراچی کا جیل کاٹا اور سینکڑوں مصائب اٹھائے اور بچپن سے اس کی تعلیم پائی۔ قرآن کی آیات احادیث صحیحہ اور روایات آج نہ سطور میں بلکہ صدور میں موجود ہیں۔ جن کو بارہا منابر پر مجامع میں ہم پڑھتے اور اس کا وعظ سناتے ہیں کوئی تو صرف اس کا قوال ہی ہوگا۔ ہم قوال اور فعال دونوں ہیں۔ قوم کی بے حسی اور کمزوری کی وجہ سے اس حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر کس قدر تعجب خیز امر ہے کہ قوم اور ملت اور دین کو ایک قرار دیا گیا۔ میں فرق کو نقل کر چکا ہوں، اگر خلاف لغت سر صاحب موصوف کا نظریہ دونوں کے اتحاد وغیرہ کا ہے تو ان کو اپنے نظریہ کے مخالف کو ایسے ناشائستہ الفاظ کہنے کا کیا حق تھا بہر حال

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

میرے محترم! ہم تو ایسی سب وشتم کے عادی ہو گئے ہیں سنکر کچھ تغیر نہیں ہوتا ہے

اور علامہ اقبال سہیل مرحوم نے حسب ذیل اشعار کہے ہے

معاندے کہ بشیخ الحدیث خردہ گرفت
سبک بخشم فرو زیں سباب بے سببی است

بیان او ہمہ تخییل و بحث در تفسیر
زبان او عجمی و کلام در عربی است

کہ گفت بر سر منبر کہ ملت از وطن است
دروغ گوئی ایراد ایں چہ بوالعجبی است

درست گفت محدث کہ قوم از وطن است
کہ مستفاد ز فرمودۂ خدا و نبی است

زبان طعن کشودی مگر نہ دانستی
کہ فرق ملت و قوم از لطائف ادبی است

تفاوتے است فراواں میان ملت و قوم
یکے زکیش دو دگر گشود بیت یا نسبی است

بملت ارچہ براہی است سرور ما
ولے بہ قوم حجازی نہ نسل مطلبی است

زقوم خویش شمرد اہل کفر را باعد
رسول پاک کہ نامش محمد عربی است

خدائے گفت بقرآں لکل قوم ہاد
مگر بہ نکتہ کجا پے برد کسے کہ غبی است

بقوم خویش خطاب پیمبراں بہ نگر
پر از حکایت القوم مصحف عربی است

بلند تر بود از قوم رتبۂ ملت
کہ حبل دین قوی تر ز رشتۂ نسبی است

کسے کہ ملت اسلام نور سینۂ اوست
برو در داست اگر زنگی است ور حلبی است

مگر بہ ہم وطناں در جہاد و استخلاص
مجاہدانہ تعاون زروے حق طلبی است

رنج کا عادی ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

مسلم لیگ کی شرمناک کارروائیاں مشاہدہ کرنے کے بعد جب سے میں علیحدہ ہوا ہوں ہر قسم کے سب و شتم کا بہ نسبت سابق زیادہ نشانہ بنا ہوا ہوں وہ کون سے الفاظ اور معاملات ہیں جو نہیں کئے گئے۔ سر موصوف صاحب تو جب بھی غیر ہیں یہاں اپنے ہی کیا کمی کر رہے ہیں، والسلام دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ اس وقت میں نے یہ عریضہ اسٹیمر میں گوالندو اور چاندپور کے درمیان لکھا ہے تاخیر پر مواخذہ نہ فرمائیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو میرے عریضہ کی نقل "احسان" کو بھیج دیں شاید وہ شائع کر دے اور جب کہ اس نے سر موصوف کا مقالہ ابتداً میں شائع کیا ہے تو اس کا فریضہ ہے کہ اس کو بھی شائع کر دے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس عریضہ کو بھی شائع فرما دیں یا سر موصوف کی خدمت میں بھیج دیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۵، ذی الحجہ

---

سلوک رفق و مدارا بہ جار و ذی القربیٰ
عمل بہ حکم الٰہی و اتباع نبی است

محبت وطن است از شعار ایماں
ہمیں حدیث پیمبر فدیتہ بابی است

نظر نہ بودن و بادیدہ در در افتادن
دو گونہ شیوہ بوجہلی است بولہبی است

رموز حکمت ایماں ز فلسفی جستن
تلاش لذت عرفاں ز بادہ عنبی است

خموشی از سخن ناسزا گزیدہ تر است
کہ ہرزہ لاف زدن خیرگی و بےادبی است

بہ دیوبند گزر گر نجات می طلبی
ز درد نفس سلیح شرر و دانش ترابی است

بگیر راہ حسین احمد ار خدا خواہی
کہ نائب است نبی را و ہم ز آل نبی است

★

# جامعہ مدنیہ

## اور

## اس کے اغراض و مقاصد

الف :۔ عامۃ المسلمین میں علوم دینیہ (قرآن، حدیث، فقہ، عقائد) اور اس کے متعلقہ علوم کی ترویج و اشاعت۔

ب :۔ قرآن، حدیث، فقہ، اور عقائد کی ایسی مکمل اور محققانہ تعلیم کا انتظام جس میں ضروریات دین و مقتضیات عصریہ کا خاطر خواہ لحاظ رکھا جائے اور جس سے محققانہ نظر رکھنے والے ماہر علوم دینیہ پیدا ہوں۔

ج :۔ گریجویٹ اور تعلیم نو حاصل کرنے والے طلبا اور بچوں کے لئے تعلیم دین کا انتظام کرنا اور قیام مکاتب قرآنیہ۔

د :۔ اسلامی مذہب و فکر کے متعلق اعلیٰ محققانہ مضامین و کتب کی تصنیف، تدوین، ترتیب تراجم اور ان کی اشاعت کا انتظام و اہتمام کرنا۔

ہ :۔ دیگر ایسے اقدامات جو تعلیمات اسلامیہ کی اشاعت اور مذکورۂ بالا مقاصد کی فروغ کے ضامن ہوں۔

و :۔ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے مناسب اداروں کا قیام۔

## استثناء جامعہ مدنیہ از انکم ٹیکس

کے متعلق

## اعلان وزارت مالیات حکومت پاکستان

ترجمہ از گورنمنٹ پاکستان گزٹ نمبر 34 مورخہ ۲۱ اگست 1959ء ایس آر او نمبر385 مورخہ ۱۰ اگست 1959ء از روئے مشق نمبر 1 دفعہ 15۔ڈی انکم ٹیکس ایکٹ 1922 (9 آف 1922) حاصل شدہ اختیارات کے ماتحت مرکزی حکومت "جامعہ مدنیہ لاہور" کو مذکورہ بالا سیکشن کے لئے منظور کرتی ہے۔ (69) سی نمبر 71 (32) آئی - ٹی - پی (59)۔

(جناب محترم) محمد حسین (صاحب) نائب سیکرٹری

الداعی الی الخیر :- سید حامد میاں غفرلہ، مسلم مسجد چوک انارکلی لاہور

سید حامد میاں پرنٹر پبلشر نے استقلال پریس لاہور سے چھپوا کو شائع کی ۔